امداد الفتاوی جدید

فتاوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ

شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء والحدیث بالجامعۃ القاسمیۃ

مدرسہ شاہی مرادآباد الہند

٨

بقية الرهن، هبة، شركة، قسمة، مزارعة،
شرب، ذبائح، اضحية، صيد، عقيقة،
الحظر و الإباحة

ناشر:

زکریا بک ڈپو انڈیا الهند

امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ: .... مفتی شبیر احمد قاسمی

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: .... مکتبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون نمبر: [illegible]

مالک زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور یوپی

ZAKARIA BOOK DEPOT

DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)

Ph: (01336) 223223(O) 225223(R)

Fax: (01336) 225223

Mob: 09897352223, 09319861123

اجمالی فہرست ایک نظر میں

❁ ❁ ❁

فہرست مضامین

مسئلہ نمبر صفحہ نمبر

۲۸/ بقية كتاب الرهن

۲۹/ كتابُ الهبة

۳۰/ کتابُ الشرکة

۳۱/ کتابُ القسمة

۳۲/ کتَابُ الزّراعة

۳۳/ کتَابُ الشربُ

۳۴/ کتابُ الذّبائِح والأضحية والصَّيد والعقيقة

فصل في الصّيد والعقيقة

۳۵/ كتَابُ الحظر وَالإبَاحَة

	۱/باب: جائز وناجائز، مکروہ ومستحب کاموں کا بیان نماز، تسبیح، ذکر ودعا وغیرہ کے احکام	

قرآن مجید، قبلہ اور دیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام

۲/ باب: تعلیم و تعلم اور کتب و مدارس وغیرہ کے احکام

۳/باب: تعویذات واعمال

۴/ باب: نجاست وطہارت

۵/ باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان

رسالہ اسکات المنکر لآفات المسکر

۲۹/ بقية كتاب الرهن

شئ مرہونہ سے انتفاع کے متعلق حدیث کا جواب

سوال (۲۰۹۶): قدیم ۳/۴۶۴ - آج کل اراضی مرہونہ سے انتفاع حاصل کرنے کا مرض عام طور سے پھیلا ہوا ہے، اور میں حتی الوسع اپنے احباب معتقدین کو روکتا رہتا ہوں، مگر ایک غیر مقلد انتفاع کی ترغیب دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب گائے بھینس مرہونہ کا دودھ بعوض چارہ کے مرتہن کے لئے حلال ہے تو ارض مرہونہ کی آمدنی بعوض محنت کشتکاری کے کون حرام کہہ سکتا ہے، اس کا جواب کافی مدلل مختصر عنایت ہو؟

الجواب: مسئلہ ظاہر اور یقینی ہے باقی جواب حدیث کا یہ ہے کہ اول تو وہ حدیث مبہم ہے اور محرم کو مقدم ہونا چاہئے مبہم پر (۱)۔ دوسرے اگر حدیث کی اباحت کو معمول بہ کہا جاوے تو اس عام میں سے اس کو خاص کیا جاوے گا۔ تاکہ دلائل شرعیہ میں تعارض نہ ہو۔ تیسرے مقیس علیہ اور مقیس میں تماثل نہیں، پس قیاس مع الفارق ہے۔ وجہ فرق ظاہر ہے کہ مقیس علیہ میں خاص مرہون کو بھی نفع پہنچ رہا ہے جو کہ نفع راہن کا بھی ہے اور اس کا خرچ بچتا ہے، مقیس میں یہ بات کہاں، نیز مقیس علیہ میں مؤنت مرہون کی بذمہ راہن تھی، اور منفعت بھی اسی کی تھی، حساب میں بعض اوقات خلجان ہوتا ہے، بطور صلح یہ صورت تجویز فرمادی بشرط یہ کہ معروف یا مشروط نہ ہو، کما ہو مقتضی النصوص الآخر۔ پس یہ حکم کلی حلّت کا بالکل نہیں۔

۱۳؍ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۶)

---

(۱) اباحت وحرمت دونوں سے متعلق روایات ملاحظہ فرمایئے۔ روایات اباحت:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الظهر يركب بنفقته إذا كان مرهونا، ولبن الدر يشرب بنفقته إذا كان مرهونا، وعلى الذي يركب ويشرب النفقة. (بخاري شريف، كتاب الرهن، باب الرهن: مركوب و محلوب، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۱، رقم: ۲۴۴۵، ف: ۲۵۱۲)

ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في الانتفاع بالرهن، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۷، دارالسلام رقم: ۱۲۵۴۔

ابن ماجة شريف، أبواب الرهن، باب الرهن مركوب و محلوب، النسخة الهندية ص: ۱۷۶، دارالسلام، رقم: ۲۴۴۰۔

أبوداؤد شريف، البيوع، باب في الرهن، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۷، دارالسلام رقم: ۳۵۲۶۔ ←

موروثی زمین مرہونہ سے انتفاع کا عدم جواز

سوال (۲۰۹۷): قدیم ۳/۴۶۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مثلاً ایک بیگہ موروثی زمین کا کاشتکار ہے، جس کا زمیندار خالد ہے، زید نے بایں خیال کہ یہ زمین موروثی کاشتکاری ہے، اور زمیندار کو قانوناً تخلیہ اور بیدخلی کا اختیار نہیں، بکر سے کچھ روپیہ قرض لے کر اس زمین کو رہن رکھ دیا اور بخوشی اس کو اجازت دیدی کہ بجائے میرے تم زراعت کرتے رہو، اور جو لگان میں زمیندار کو دیا کرتا تھا تم اس کو دیا کرو بکر اس زمین پر قبضہ کر کے زراعت کرنے لگا، اب بکر کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ زمین اگرچہ شرعاً مرہون نہیں ہوئی۔ کیونکہ کاشتکار شرعاً مالک زمین نہیں ہے، مگر چونکہ مجھ سے کاشتکار نے قرض بھی لیا ہے، شاید یہ انتفاع سود نہ ہو، دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کاشتکار نے جو زمین مذکور بطور رہن کے بکر کو حوالہ کر دیا ہے اور زراعت کی اجازت دیدی ہے اور بکر سے کچھ قرض بھی لیا ہے، آیا وہ انتفاع واستقراض دونوع تبرع قرار دے کر جائز سمجھے جائیں یا حکماً رہن قرار دے کر انتفاع ناجائز سمجھا جائے، کاشتکار چونکہ شرعاً مستاجر ہے اور بکر دائن اس کا قائم مقام ہے، اگر یوں کہا جائے کہ اصل مستاجر یعنی زید نے اپنے اجارہ کو تبرعاً بکر کو دیدیا ہے۔ اور بکر نے تبرعاً زید کو قرض دے دیا ہے تو شرعاً ممکن ہے یا نہیں بینوا توجروا؟

← عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كانت الدابة مرهونة فعلى المرتهن علفها ولبن الدر يشرب، وعلى الذي يشربه نفقته ويركب. (مسند أحمد بن حبنل ۲/ ۲۲۸، رقم: ۷۱۲۵)

روایات حرمت: أخرج عبدالرزاق عن ابن سيرين قال: جاء رجل إلى ابن مسعودؓ فقال: إن رجلا رهنني فرسا فركبتها، قال: ما أصبت من ظهرها فهو ربا.

وأخرج أيضا عن ابن طاؤس عن أبيه قال في كتاب المعاذ بن جبل: من ارتهن أرضا فهو يحسب ثمرها لصاحب الرهن من عاد حج النبي صلى الله عليه وسلم.

وأخرج أيضا عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرةؓ قال: الرهن مركوب ومحلوب معلوف، قال الأعمش: فذكرت ذلک لإبراهيم فكره أن ينتفع من الرهن بشيء.

وأخرج أيضا عن الأعم عن إبراهيم وإسماعيل عن الشعبي أنهما كرها أن ينتفع من الرهن بشيء. (مصنف عبدالرزاق، البيوع، باب ما يحل للمرتهن من الرهن، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۱۸۹، رقم: ۱۵۰۴۵، ۱۵۱۴۷، ۱۵۱۵۰، ۱۵۱۵۱)

الجواب: بکر کو یہ انتفاع جائز نہیں گو عدم جواز کی بناء یہ نہیں، کہ یہ عقد رہن ہے کیونکہ زید کو اس رہن رکھنے کا کوئی حق نہیں، لیکن تاہم بکر کو اس زمین سے جو انتفاع ہوگا وہ اس قرض ہی کے سبب ہوگا، چنانچہ ظاہر ہے اور تبرع کا احتمال دونوں جگہ غلط ہے چنانچہ یقینی امر ہے کہ اگر ان متعاقدان میں سے ایک کو بھی معلوم ہو جاوے کہ اس نفع رسانی کے عوض میں مجھ کو انتفاع نہ ہوگا تو وہ کبھی اس نفع رسانی پر راضی نہ ہو تو تبرع کیسے ہوا۔ دوسری وجہ اس انتفاع کی حرمت کی وہی ہے جو خود زید کے لئے تھی، یعنی غیر کی چیز سے بلا اذن شرعی منتفع ہونا، غرض بکر کے لئے یہ انتفاع دو وجہ سے حرام ہے، ایک مالک کا اذن نہ ہونا (۱)۔ دوسرا مجرور بالقرض ہونا (۲)۔ یکم صفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۵)

---

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم: ۹۶)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶۔

(۲) **عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منعفة فهو ربا، دارالفكر بيروت ۸/ ۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن علي –رضي الله عنه– قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ۶/ ۹۹، رقم: ۱۵۵۱۲)

كل قرض جر نفعا فهو ربا حرام. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۲۵)

كل قرض جر منفعة فهو ربا. (الدرالمختار مع الشامي، البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب: كل قرض جر نفعا حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۹۵، كراچی ۵/ ۱۶۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال میں ذکر کردہ رہن کی صورت کا حکم

سوال (۲۰۹۸): قدیم ۳/ ۶۵۴- ایک سول (اکیلا) مکان پختہ احمد کا محمود نے سولہ برس کے لئے مبلغ دو ہزار روپے میں مجری کیا ہے، جس کا کرایہ ---- ماہوار ہے اور شرائط ذیل ہیں۔

نمبر(۱) ۔مرمت شکست وریخت بذمہ راہن ہے۔

نمبر(۲)۔قبضہ مرتہنانہ دے کر اختیار دیدیا ہے کہ چاہے خود رہے یا کرایہ پر اٹھاوے۔

نمبر(۳)۔سولہ برس کے اندر بے باقی مقرر پاکر جائیداد مرہونہ فک رہن ٹھہری ہے۔

نمبر(۴)۔صرف پُوتائی وصفائی وگل اندازی سقف بذمہ مرتہن ہے۔

نمبر(۵)۔اگر راہن کوئی جزو جائیداد مرہونہ کا کرایہ پر لے گا تو اس کا کرایہ نامہ باضابطہ لکھ دے گا چنانچہ جوکرایہ پر اس کو دیا گیا ہے وہ علاوہ ---- کے ہے اور شرط دفعہ نمبر۴ کا متحمل راہن کو کر دیا گیا۔

نمبر(۶)۔اندر میعاد سولہ سال بلا رضامندی مرتہن اختیار انفکاک رہن ہے۔

نمبر(۷)۔شکست وریخت میں جو روپیہ مرتہن صرف کرے وہ ہم راہنان ادا کریں گے، اگر نہ ادا کریں تو بعد سولہ سال کے بحساب ماسال تابے باقی زرلاگت مرتہن اور قبضہ رکھنے کا مستحق ہوگا۔

محمود کا یہ خیال ہے کہ فی الحال گومکان کرایہ داران کو کرایہ پر ماہواری کا اٹھا ہوا ہے، مگر احتمال یہ بھی ہے کہ آئندہ نہ اٹھے، اور خالی رہے، یہ معاملہ سودی نہیں ہے شرعاً جائز ہے؟

الجواب: شریعت میں ربوا یعنی سود کچھ زیادہ وصول کرنے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر عقد باطل وفاسد ربوا ہے(۱) اور اگر کوئی اپنی اصطلاح میں اس کا نام ربوا نہ رکھے تو احکام کا مدار نام پر نہیں ہے،

---

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ہر عقد باطل وفاسد ربوا ہے، باعث شبہ اور تردد ہے؛ لیکن نظر عمیق سے دیکھا جائے تو ربوا کا مفہوم کسی نہ کسی درجہ میں عقد باطل وفاسد میں موجود ہوتا ہے؛ اس لئے کہ ربوا نام ہے۔"فضل خال عن العوض'' اور یہ مفہوم کم وبیش ہر عقد باطل وفاسد میں موجود ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے ربوا کی حقیقت کی عبارت:

والأصل فيه أن كل ما كان مبادلة مال بمال يبطل بالشروط الفاسدة لا ما كان مبادلة مال بغير مال أو كان من التبرعات؛ لأن الشروط الفاسدة من باب الربوا وهو يختص بالمعاوضة المالية دون غيرها من المعاوضات والتبرعات؛ لأن الربو هو الفضل الخال ←

بلکہ حقیقت پر ہے، اور حرمت صرف ربوا کے ساتھ خاص نہیں جو عقد کہ شرائط جواز کا فاقد ہو وہ بھی حرام ہے، صورت مسئولہ میں اصل عقد رہن ہے، اور اس کا مقتضا صرف یہ ہے کہ جب راہن زر رہن مرتہن کو ادا کردے، مرتہن اس رہن کو چھوڑ دے اور اس درمیان میں اس سے جو آمدنی ہوئی ہو وہ مرتہن کے پاس امانت ہے، شے مرہون کے ساتھ اس کو بھی واپس کردے اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں بعض شرائط اس مقتضائے عقد کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ معاملہ حرام ہے گو سود نہ ہو(۱)۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۹)

← **عن العوض، وحقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة مالا يقتضيه العقد ولا يلائمه، فيكون فيه فضل خال عن العوض وهو الربوا بعينه.** (شامي، كتاب البيوع، باب الربوا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۹۹، كراچی ۵/ ۱۶۹)

عقد فاسد میں مفہوم موجود ہونے سے متعلق تھوڑی سی عبارت نقل کردیتے ہیں، غور کریں گے تو زیادت خالی عن العوض کسی نہ کسی درجہ میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ومن الشروط الفاسدة التي تفسد العقد كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة للبائع أو للمشتري وليس بملائم ولا مما جرى به التعامل بين الناس نحو إذا باع دارا على أن يسكنها البائع شهرا ثم يسلمها إليه أو أرضا على أن يزرعها سنة أو دابة على أن يركبها شهرا، أو ثوبا على أن يلبسه أسبوعا، فالبيع في كل هذه الصور فاسد؛ لأن زيادة المنفعة المشروطة في البيع تكون ربا؛ لأنها زيادة لا يقابلها عوض في عقد البيع، والبيع الذي فيه ربا فاسد، وكذا ما فيه شبهة الربا، فإنها مفسدة للبيع، ومن الشروط المفسدة، شرط خيار مؤبّد في البيع، وكذلك شرط خيار مؤقت بأجل مجهول جهالة فاحشة كهبوب الريح ومجيء المطر مثلا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۰۲)

(۱) **الشرط في عقد الرهن كالشرط في البيع، فإن شرط فيه ماينافي مقتضى العقد، كأن لا يباع عند الحاجة إلى البيع أو لا يباع إلا بأكثر من ثمن المثل، أو أن يكون المرهون بيد الراهن ونحو ذلك مما يضر المرتهن أو الراهن بطل الشرط لمنافاته مقصود الرهن ومقتضاه، ويبطل العقد لفساد الشرط.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۱۸۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کافر کی مملوکہ مرہونہ زمین میں کاشت کا حکم

سوال (۲۰۹۹): قدیم ۳/ ۴۶۶ - ایک ہندو کی زمین مسلمان کے پاس رہن ہے، اب مرتہن سے مزارعة پر لے لی جاوے یا نہ، یہ بھی معلوم ہے کہ نفع یہ شخص ہی اٹھاویگا۔

الجواب: بعض علماء کے قول پر (یباح مال الحرب برضاه ولو بعقد فاسد) جائز ہے(۱)۔

۲۲/ رجب ۱۳۳۱ھ (حوادث ا، ۲ص ۱۰۶)

---

(۱) **ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقا، أي ولو بعقد فاسد.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٢٢، كراچی ٥/ ١٨٦)

وبين الحربي والمسلم ثمة (كنز) وتحته في التبيين: أي لا ربا بينهما في دار الحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعا فاسدا في دارالحرب فهو جائز، وهذا عند أبي حنيفة ومحمدؒ -إلى قوله- ولهما قوله صلى الله عليه وسلم: لا ربا بين المسلم والحربي في دارالحرب، ولأن مالهم مباح وبعقد الأمان لم يصر معصوما إلا أنه التزم أن لا يغدرهم، ولا يتعرض لما في أيديهم بدون رضاهم، فإذا أخذه برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر، فيملكه بحكم الإباحة السابقة إذ تأثير الأمان في تحصيل التراضي دون التملك فكان الملك في حق الحربي زائلا بالتجارة كما رضي به. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٤/ ٩٧)

البحرالرائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٢٦، كوئٹه ٦/ ١٣٥۔

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٧-١٢٨۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/ کتابُ الهبة

قرائن سے ثبوت ہبہ کا حکم

سوال (۲۱۰۰): قدیم ۳/ ۴۶۶- زید نے بلا تصریح واعلان شرع ودین کے کسی قدر روپیہ عمرو عم حقیقی اپنے کو دیا، کہ ایک نشستگاہ اندر زمین اپنی کے بنالو، عمرو نے اس روپے سے اپنی زمین مملوکہ میں اپنی خشت سے ایک مکان بنالیا۔ اب زید وارثان عمرو سے بعد وفاتِ عمرو طالب اس زرکا ہے جو مزدوری مزدوران ومعماران میں صرف ہوا ہے پس عنداللہ وعندالرسول استرداد اس روپیہ کا زید کو وارثانِ عمرو سے آتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید نے جو عمرو کو روپیہ دیا ہے عندالشرع ہبہ ہے، اگرچہ کوئی تصریح نہیں مگر ظاہراً قرینہ ہبہ پر دلالت کرتا ہے اور ہبہ میں قرینہ بھی تملیک کے لئے کافی ہے۔

قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفى القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء. انتهٰى درمختار ص ۵۰۸ (۱)۔

اور جب ہبہ متحقق ہوگیا اور عمرو وفات پاچکا ہے اب زید کو وارثانِ عمرو سے کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا، اور استرداد اس کا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ موت احد المتعاقدین مانع رجوع ہبہ ہے۔

---

(۱) شامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۰، كراچی ۵/ ۶۸۸۔

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۲، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۷)

وفي التجنيس الناصري: لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة من الصغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۴/ ۴۶۶، رقم: ۲۱۷۳۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

والميم موت أحد المتعاقدين. درمختار با شامی ص ۵۱۶ (۱)۔ واللہ اعلم

(امداد ج ۳ ص ۹۳)

قرائن سے ثبوت ہبہ کا حکم

سوال (۲۱۰۱): قدیم ۳/ ۴۶۷- عمروزید ہر دو ایک مکان مشترک میں رہتے تھے۔لیکن قبضہ دار مسکن ہر فریق کا جداگانہ طور پر تھا، حصّہ عمرو باعلان نصفی مکان بحالتِ بغاوت حاکم وقت نیلام ہوگیا زید نے بوقت نیلام روپیہ اس کے نیلام کا عمرو کو بلا تصریح کسی امر کے کہ وہ چچا اس کا حقیقی بھی تھا دیا، کہ وہ نیلام خرید کرلے، عمرو نے وہ مکان اپنے نام پر خرید کرلیا اور تا حیات عمرو کے قبض وتصرف میں رہا اور بعد وفات عمرو اس کے وارثان کے اور اس قسم کے تبرعات زید عمرو کے ساتھ اکثر کرتا رہا۔اب زید وارثانِ عمرو سے دعویٰ اس امر کا کرتا ہے کہ مکان میرے روپیہ سے خرید ہے، شرعاً یہ دعویٰ زید کا جائز ہے یا ناجائز؟ اور استرداد اس روپیہ کا زید کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید نے جو روپیہ عمرو کو واسطے خرید نے نیلام کے دیا، اور عمرو نے اپنے نام پر خریدا۔اور قبضہ میں عمرو ہی کے رہا۔ پس یہ روپیہ دینا ہبہ ہے اگر چہ تصریح نہیں کی، مگر قرائن ظاہرہ ہبہ

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۰۷، كراچی ۵/ ۷۰۱۔

والميم موت أحد المتعاقدين؛ لأن بموت الموهوب له ينتقل الملك إلى ورثته وهم لم يستفيدوه من جهة الواهب فلا يرجع عليهم كما إذا انتقل إليهم في حال حياته، ولأن تبدل الملك كتبدل العين، فصار كعين أخرى، فلا يكون له فيها سبيل. (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، باب الرجوع عن الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٥، إمداديه ملتان ٥/ ٩٩)

والميم موت أحد العاقدين أما موت الموهوب له فلخروج الموهوب عن ملكه وانتقاله إلى وارثه. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠١)

البحرالرائق، كتاب الهبة، باب الرجوع عن الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٩٧، كوئٹه ٧/ ٢٩٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پر دلالت کرتے ہیں(۱) اوروہ ملکیت عمرو کی ہے،اور جب عمرو مرگیا اب رجوع ہبہ کانہیں ہوسکتا(۲)۔فقط

(امداد ج۳ ص۹۹)

کسی وارث کا اپنا حصہ چھوڑ دینا

سوال (۲۱۰۲): قدیم ۳/ ۴۶۷- میت کے تین وارثوں میں سے ایک وارث نے کہا

---

(۱) **قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفى القرائن الدالة على التمليک كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء.** (شامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديو بند ٨/ ٤٩٠، كراچى ٥/ ٦٨٨)

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليک كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٢، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤١٧)

وفي التجنيس الناصري: لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليک. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة من الصغير، مكتبه زكريا ديو بند ١٤/ ٤٦٦، رقم: ٢١٧٣٨)

(۲) **والميم موت أحد المتعاقدين؛ لأن بموت الموهوب له ينتقل الملک إلى ورثته وهم لم يستفيدوه من جهة الواهب فلا يرجع عليهم كما إذا انتقل إليهم في حال حياته، ولأن تبدل الملک كتبدل العين، فصار كعين أخرى، فلا يكون له فيها سبيل.** (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، باب الرجوع عن الهبة، مكتبه زكريا ديو بند ٦/ ٦٥، إمداديه ملتان ٥/ ٩٩)

والميم موت أحد المتعاقدين. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديو بند ٨/ ٥٠٧، كراچى ٥/ ٧٠١)

والميم موت أحد العاقدين أما موت الموهوب له فلخروج الموهوب عن ملكه وانتقاله إلى وارثه. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠١)

البحر الرائق، كتاب الهبة، باب الرجوع عن الهبة، مكتبه زكريا ديو بند ٧/ ٤٩٧، كوئٹه ٧/ ٢٩٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ میرا حصہ بقیہ دونوں کو دے دو میں خود لے لیا کروں گا، یہ نہیں کہا کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑا، اپنا حصہ میں نہ لوں گا، تو اس طرح کہنے سے بھی یہ تخارج ہو جاوے گا، یا یہ ہبہ نا جائز ہے، وہبہ مشاع ہو جاوے گا؟

الجواب: اگر خود ان وارثوں سے کہا کہ میں نے تم کو دیا تو ہبہ ہے(۱)۔ اور جو اور کسی سے کہا کہ دے دو تو یہ توکیل بالھبہ ہے(۲) بہر حال یہ تخارج نہیں جس کی حقیقت تصالح علی الاقرار ہے جو حکمِ بیع میں ہے(۳) اور چونکہ ہبہ مشاع کا ہے لہٰذا جہاں مشاع ہونا مانع صحت ہے وہاں جائز نہ ہوگا(۴)۔ فقط۔

(امداد، ج۳ ص۹۳)

---

(۱) **وتصح الهبة بإيجاب وقبول على ما في الكافي وغيره؛ لأنها عقد وقيام العقد بالإيجاب والقبول.** (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۱)

وتصح الهبة بإيجاب وقبول كوهبت ونحلت وأطعمتك هذا الطعام. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۸۳ كوئٹه ۷/ ۲۸۴-۲۸۵)

تبيين الحقائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۹، إمداديه ملتان ۵/ ۹۱۔

(۲) **قال في الأصل: الوكيل في باب الهبة في معنى الرسول حتى يجعل العاقد هو الموكل دون الوكيل، وفي البقالي التوكيل بالهبة توكيل بالتسليم.** (هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۴۰۳، جديد زكريا ۴/ ۴۳۰)

قال في الأصل: الوكيل في باب الهبة في معنى الرسول حتى يجعل العاقد هو الموكل دون الوكيل، وفي البقالي التوكيل بالهبة توكيل بالتسليم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل الحادي عشر: في المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ۱۴/ ۴۹۱، رقم: ۲۱۸۴۴)

(۳) **حقيقة التخارج: الأصل في التخارج أنه عقد صلح بين الورثة لإخراج أحدهم، ولكنه يعتبر عقد بيع إن كان البدل المصالح عليه شيئا من غير التركة الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۶)

(۴) **وتصح هبة مشاع لا يحتمل القسمة، أي ليس من شأنه أن يقسم بمعنى لا يبقى منتفعا به بعد القسمة أصلا كالبيت الصغير والحمام، لا تصح هبة ما أي مشاع يحتملها، أي القسمة على وجه ينتفع بعد القسمة كما قبلها كالأرض، والثوب، والدار ونحو ذلك.**

(مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۴)

وهبة المشاع فيما لا يحتمل القسمة تجوز من الشريك، ومن الأجنبي كذا ←

روپیہ اشیاء غیر منقسمہ میں سے ہے

سوال (۲۱۰۳): قدیم ۳/ ۴۶۷- روپیہ اشیاء غیر منقسمہ میں سے ہے یا منقسمہ سے یعنی دو شخصوں کو ہبہ کرنا درست ہے یا نہ، چونکہ چاندی آج کل ارزاں ہے لہٰذا روپیہ سے تقسیم کردینے سے وہ نفع نہیں رہ سکتا، لہٰذا یہ بھی غیر منقسم ہوئے۔ لیکن اگر چاندی گراں ہوجائے تو کیا اس وقت حکم بدل جاویگا؟

الجواب: روپیہ اشیاء غیر منقسمہ میں سے ہے خواہ چاندی ارزاں ہو یا گراں کیونکہ اس کا نفع موضوع لہ باقی نہیں رہتا۔ **وهو المراد ببقاء نفعه وعدمه**۔ درمختار میں جزئیہ مذکور ہے (فروع) **قبيل باب الرجوع في الهبة وهب لرجلين درهما إن صحيحاً صح وإن مغشوشا لا؛ لأنه مما يقسم لكونه فى حكم العروض** (۱)۔ فقط واللہ اعلم (امداد، ج ۳، ص ۹۳)

← **في الفصول العمادية، وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تجوز سواء كانت من شريكه أو من غير شريكه الخ.** (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني: فيما يجوز من الهبة، ومالا يجوز، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٨، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٠)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل الثاني: ما يجوز من الهبة وما لايجوز، مكتبه زكريا ديوبند ١٤/ ٤٢٤، رقم: ٢١٥٧٩۔

(۱) گویا کہ حضرتؒ اپنے زمانہ کے روپیہ کو اشیاء غیر منقسم میں شمار کرکے دو شخصوں کو ہبہ کرنے کو صحیح قرار دے رہے ہیں جو راجح اور مفتی بہ قول ہے۔

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٥٠٣-٥٠٤، كراچى ٥/ ٦٩٨۔

وذكر الصدر الشهيد في واقعاته: إذا وهب لرجلين درهما صحيحا تكلموا فيه قال بعضهم: لا يجوز، قال: والصحيح أنه يجوز، وفي السراجية: وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل الثاني: ما يجوز من الهبة ومالا يجوز، مكتبه زكريا ديوبند ١٤/ ٤٢٧، رقم: ٢١٥٨٩)

ولو وهب درهما صحيحا من رجلين اختلفوا فيه، قال بعض المشايخ: لا يجوز؛ لأن تنصيف الدرهم لا يضر فكان مما يحتمل القسمة، والصحيح أنه يجوز وبه قال القاضي الإمام أبو الحسن على السغدي والشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني رحمهما الله تعالى: ←

زوجہ کو ہبہ کے قرائن کی تحقیق

سوال (۲۱۰۴): قدیم ۳/ ۴۶۸ - زید ملازم بادشاہ وقت تھا، جب اس کو تنخواہ ملتی تھی وہ سب کی سب لاکر اپنی بیوی ہندہ کو حوالہ کر دیتا تھا، اور ہندہ جو چاہتی تھی وہ کرتی تھی وہ اصلا پرساں نہیں ہوتا تھا بلکہ حالت یہ تھی کہ زید کو اگر آنہ دو آنہ یا روپیہ دو روپیہ یا کچھ کم وبیش کی حاجت ہوتی تھی تو ہندہ سے مانگتا تھا، اگر ہندہ نے دید یا تو خرچ کیا، ورنہ چپ ہور ہتا تھا، پس اسی تنخواہ کے روپے سے ہندہ نے زید کی حیات میں جائیداد اپنے نام سے خریدی اور وقت خرید سے اس وقت تک وہی اس پر قابض ہے، اورزید نے اس سے اصلا تعرض نہیں کیا، اب عرصہ چار پانچ سال کا ہوتا ہے کہ زید انتقال کر گیا۔ پس یہ جائیداد علی مافی الشامی وغیرہ ہبہ میں صرف قرائن دالہ علی التملیک کے بھی کافی ہونے کی وجہ سے ہندہ کی قرار پاوے گی یا زید ہی کی سمجھی جاکر اس کے کل ورثہ اس میں سے حصہ پاویں گے؟

الجواب: ہر چند ہبہ قرائن سے ثابت ہو جاتا ہے(۱) لیکن صورت مسئولہ میں اسی میں کلام ہے کہ یہاں قرائن ہبہ کے ہیں یا نہیں، سو جہاں تک غور وتامل کیا گیا یہ دینا ہبہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ بی بی کو محض

← **لأن الدرهم الصحيح لا يكسر عادة، فكان مما لا يحتمل القسمة حتى لو كان من الدراهم التي تكسر عادة ولا يضرها الكسر والتبعيض كانت بمنزلة المشاع الذي يحتمل القسمة فلا يجوز.** (خانية على الهندية، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، قديم زكريا ۳/ ۲٦۷، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۸٤)

ولو وهب درهما صحيحا اختلفوا فيه، والصحيح أنه يجوز. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الثاني: فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، قديم زكريا ٤/ ۳۷۹، جديد زكريا ٤/ ٤۰۱)

(۱) **قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئا وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء.** (شامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٤۹۰، كراچی ۵/ ٦۸۸)

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير۔ قديم زكريا ديوبند ٤/ ۳۹۲، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤۱۷)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة من الصغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱٤/ ٤٦٦، رقم: ۲۱۷۳۸۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تحویلدار سمجھتے ہیں، اور محض اس وجہ سے سب کمائی سپرد کر دیتے ہیں کہ اس کو امور خانہ داری میں تجربہ کار سمجھتے ہیں تو اس کو دے دینا ایک گونہ انتظام کی سہولت سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو عورتیں سلیقہ شعار نہیں سمجھی جاتیں ان کو اس طرح کے اختیارات نہیں دئے جاتے اسی طرح اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اپنے رشتہ دار کو دیتی ہے، تو یقیناً شوہر ناخوش ہوتا ہے ان سب قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبہ نہیں محض توکیل وایداع ہے، رہا نہ پوچھنا اور تعرض نہ کرنا یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو مالک کر دیا ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ زوجہ پر اعتماد ہے کہ یہ بے موقع صرف نہ کرے گی، بہر حال روپیہ بچا ہوا تو شوہر ہی کی مِلک ہوگا، جب اس نے جائیداد خریدی گویا مغصوب روپے سے خریدی۔ لہٰذا جائیداد زوجہ کی ملک ہوگی اور یہ روپیہ ترکہ زوجہ سے وصول کر کے سب ورثۂ زید کو تقسیم ہوگا، جس میں خود زوجہ بھی داخل ہے، پس بقدر اس کے حصہ کے ساقط ہو جاوے گا، بقیہ روپیہ بقیہ ورثہ کے لئے وصول کیا جاوے گا (۱)۔ البتہ اگر شوہر کو یقیناً یہ معلوم ہو کہ یہ میرے ہی روپے سے خریدی گئی ہے اور بیوی نے اپنے ہی لئے خریدی ہے، اس میں میرا کوئی حق نہیں، یہ سکوت البتہ دلیل ہبہ کی ہے، مگر جب تک یہ احتمال باقی ہو کہ شاید شوہر کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ یہ میرے روپے سے خریدی گئی ہے، یا یہ کہ اطلاع ہو مگر اس نے یہ سمجھا ہو کہ گو اپنے نام خرید لی ہے مگر اس کو میری ہی سمجھتی ہے اور میرے بعد میرے ورثہ کو محروم نہ کرے گی، یا اس لئے وہ خاموش ہو گیا ہو کہ اس کے نام ہونے سے جائیداد محفوظ رہے گی، میرے پاس سے شاید کوئی نیلام قرضہ میں کرالیوے تو ان احتمالات سے ہبہ ثابت نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جب تک مجموعہ قرائن کی تفتیش وتعیین نہ ہو حکم ہبہ کا مشکل ہے۔ واللہ اعلم

۲۷/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۳ ص ۹۴)

---

(۱) ذهب الفقهاء إلى أنه يجب على الغاصب رد العين المغصوبة إلى صاحبها حال قيامها ووجودها بذاتها لقوله صلى الله عليه وسلم: على اليد ما أخذت حتى تؤدي، وقوله أيضا: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه لاعبا ولا جادا، ومن أخذ عصا أخيه فليردها ...... فإن كان المغصوب قد فات كأن هلك أو فقد أو هرب رد الغاصب إلى المغصوب منه مثله إن كان له مثل بأن كان مكيلا أو موزونا أو معدودا من الطعام، والدنانير، والدراهم وغير ذلك أو قيمته إن لم يكن له مثل كالعروض والحيوان والعقار.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۱/ ۲۳۵-۲۳۶) ←

بیوی کا شوہر کی عمارت میں زیور صرف کرنا

سوال (۲۱۰۵): قدیم ۳/ ۴۶۹- بروقت تعمیر اور مکان تیار ہونے کے بعد حاجی صاحب مرحوم نے بہت دفعہ کہا کہ یہ مکان مسماۃ زوجہ ثانیہ کے لئے بنوایا گیا ہے، اور اسی وجہ سے چار سو روپیہ کا زیور مسماۃ مذکورہ کا حاجی صاحب نے فروخت کر کے اس میں لگایا، آیا اس مکان میں میراث جاری ہوگی یا اور سب وارثوں میں تقسیم ہوگا یا مسماۃ کا ہوگا؟

الجواب: اگر اس کو ہبہ مان لیا جاوے تو ہبہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ہبہ کرنے والا بالکل اس مکان کو اپنی چیزوں سے خالی کر کے موہوب لہا کو قبضہ کرادے، اگر ایسا ہوا ہے تو بعد اقامت شہود ہبہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

في الدرالمختار: وتتم الهبة بالقبض الكامل، ولو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به -إلى قوله- فلو وهب جرابا فيه طعام الواهب أو دارا فيها متاع أو دابة عليها سرجه وسلمها كذلك لاتصح وبعكسه تصح. اھ (۱)۔

← **الفتاوى الهندية، كتاب الغصب، الباب الأول: في تفسير الغصب الخ.** (قديم زكريا ديوبند ٥/ ١١٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ١٣٩۔

مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٨۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٩٣-٤٩٤، كراچی ٥/ ٦٩٠۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو كان الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به ...... قال صاحب المنح: هبة الشاغل تجوز، وهبة المشغول لا تجوز، والأصل في جنس هذه المسائل أن اشتغال الموهوب بملك الواهب يمنع تمام الهبة مثاله وهب جرابا فيه طعام لا يجوز ...... رجل وهب دارا وسلم وفيها متاع الواهب لا تجوز؛ لأن الموهوب مشغول بما ليس بهبة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١)

يشترط الحنفية لصحة القبض أن لا يكون الشيء الموهوب متصلا بما ليس بموهوب اتصال الأجزاء، وذلك لأن قبض الشيء الموهوب وحده لا يتصور وغيره ←

اورزیوراس میں لگانا غایۃ مافی الباب قرینہ ہبہ کا ہوگا، مگر ہبہ میں جوشرط ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے، جیسا اوپر بیان ہوا۔ پس جب تک ہبہ صحیح نہ ہوگا وہ زیور بطوراحسان کے زوجہ کی طرف سے سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم (امداد، ج۳،ص۹۵)

ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا

سوال (۲۱۰۶): قدیم ۳/ ۴۶۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ زید کی اولاد میں چندلڑکے اورلڑکیاں ہیں، ان میں سے کبیرسن اولاد کی تعلیم اور شادی وغیرہ میں حسب لیاقت روپیہ صرف کرچکا ہے اور صغیرسن اولاد کی نہ تعلیم ہوئی ہے اور نہ شادی اب زید اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی حیات میں ورثہ کو شرعی طور پر مال واسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صغیرسن اولاد کی تعلیم اور شادی وغیرہ کا صرف ان کو مثل اولاد کبیرسن کے علاوہ ترکہ کے شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب : في الدرالمختار، قبيل باب الرجوع في الهبة عن الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى، وفي

← ليس بموهوب فكان هذا في معنى المشاع، وعلى هذا يخرج فيما لو وهب أرضا فيها زرع دون الزرع أو شجرا دون ثمره، أو وهب الزرع دون الأرض أو الثمر دون الشجر، ثم خلى بينه وبين الموهوب له، فإن الهبة لم تجز. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/ ١٢٩)

ومنها: أن يكون الموهوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض، وأن يكون الموهوب مقسوما إذا كان مما يحتمل القسمة، وأن يكون الموهوب متميزا عن غير الموهوب، ولا يكون متصلا ولا مشغولا بغير الموهوب، حتى لو وهب أرضا فيها زرع للواهب دون الزرع أو عكسه أو نخلا فيها ثمرة للواهب معلقة به دون الثمرة أو عكسه لا تجوز، وكذا لو وهب دارا أو ظرفا فيها متاع للواهب كذا في النهاية. (هندية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة الخ، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٤، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رد المحتار : أی علی قول أبی یوسف من أن التنصیف بین الذکر والأنثی أفضل من التثلیث الذي هو قول محمد رملی (۱)۔

چونکہ صورت مسئولہ میں بعض اولاد کو بغرض شادی وتعلیم کے زیادہ دینے سے مقصود دوسری اولاد کو ضرر پہنچانا نہیں، بلکہ ایک ضرورت ومصلحت سے زیادہ دیتا ہے، بنا بر روایت بالا اس میں کچھ حرج نہیں، اس زائد کے علاوہ اور جو کچھ ترکہ ہو سب اولاد ذکور واناث کو برابر تقسیم کردینا چاہئے (۲)۔ لیکن صحت تقسیم

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الهبة، مکتبه زکریا دیوبند ۸/ ۵۰۱، کراچی ۵/ ۶۹۶۔

(۲) **ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلک لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروي عن أبي حنيفةؒ أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروي المعلى عن أبي يوسفؒ أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضيخان، وهو المختار كذا في الظهيرية.** (الفتاوى الهندية، کتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زکریا دیوبند ۴/ ۳۹۱، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۴۱۶)

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز وهو آثم نص عليه محمدؒ، ولو خص بعض أولاده لزيادة رشده لا بأس به، وإن كان سواء لا يفعله. (بزازية على هامش الهندية، الهبة، الجنس الثالث: في هبة الصغير، قديم زکریا دیوبند ۶ / ۲۳۷، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۱۲۳)

البحرالرائق، کتاب الهبة، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۴۹۰، کوئٹه ۷/ ۲۸۸۔

خانية على هامش الهندية، کتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، قديم زکریا دیوبند ۳/ ۲۷۹، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۴۔

وفي السراجية: وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسفؒ أن يعطيهم على السواء هو المختار، كما في الخلاصة ...... وإن كان بعض أولاده مشتغلا بالعلم دون الكسب لا بأس بأن يفضله على غيره، وعلى جواب المتأخرين لا بأس بأن يعطي من أولاده من كان عالما متأدبا ولا يعطي منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، دارالکتب العلمية بیروت ۳/ ۴۹۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کے لئے ہر حصہ کا جدا کرنا اور بالغین کا قبضہ بھی کرا دینا ضروری ہے(۱) اور آخر میں جو پوچھا ہے کہ جن کی حفاظت میں الخ، ان سے مراد اجنبی ہے یا وارث اس وقت جواب (*) ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳، ص ۹۵)

بعض اولاد کو بعض کے مقابلہ میں کم دینے کا حکم

سوال (۲۱۰۷): قدیم ۳/ ۴۷۰ - (۲) ہم زید میخواہد کہ متولّی اول راز کاروبار خود نصف عطاء سازد ودیگران رانصف پس ہمچنیں غیر تعدیل میان اولاد ذکور خود را عطاء جائز است یانہ واضح باد کہ فرق میان متولّی اول ومتولّی دیگر ایں قدر ست کہ متولّی اول از دیگران در کار تجارت فی الحال مہارتے دارد؟

الجواب: (۳) حکمش در نمبر ۴ یعنی جلد دوم ص ۵۲۵ نمبر ۶۸۰ گذشت۔ وأیضا في الدر المختار: ویقسم بینهم بالسویة إن لم یرتب البطون، وإن قال للذکر کأنثیین فکما

(*) کیوں کہ مرض الموت میں کسی وارث کو نہیں دے سکتا اور اجنبی کو ثلث سے زائد نہیں دے سکتا۔ ۱۲ منہ

---

(۱) ومنها: أن یکون الموهوب مقبوضا حتی لا یثبت الملک للموهوب له قبل القبض، وأن یکون الموهوب مقسوما إذا کان مما یحتمل القسمة، وأن یکون الموهوب متمیزا عن غیر الموهوب، ولا یکون متصلا و لا مشغولا بغیر الموهوب. (هندیة، کتاب الهبة، الباب الأول: في تفسیر الهبة الخ، قدیم زکریا دیوبند ۴/ ۳۷۴، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۳۹۵)

وأما في الموهوب فهو أن یکون الموهوب مقبوضا حتی لا یثبت الملک للموهوب له قبل القبض، وأن یکون الموهوب مقسوما إذا کان مما یحتمل القسمة الخ. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الهبة، مکتبه زکریا دیوبند ۱۴/ ۴۱۲، رقم: ۲۱۵۳۵)

(۲) **خلاصہ ترجمہ سوال**: میں (مسمی زید) چاہتا ہے کہ متولی اول کو اپنے کاروبار کا نصف عطا کردے اور دوسروں کو نصف؛ لہٰذا مجھے اپنے مذکر اولاد کے درمیان دینے میں اس طرح برابری نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ متولی اول اور متولی دیگر کے درمیان فرق اتنا ہے کہ متولی اول دیگر متولیوں کے مقابلہ میں فی الحال امور تجارت میں مہارت رکھتا ہے۔

(۳) **خلاصہ ترجمہ جواب**: اس کا حکم نمبر چار میں یعنی نسخۂ قدیم جلد دوم ص: ۵۲۵، ←

قال مع رد المحتار ج۳ص۶۷۹(۱)۔ ہرگاہ بلا تفاوت فی العمل تفاوت درصلہ نافذ ست، پس مع التفاوت فی العمل بدرجۂ اولیٰ نافذ باشد۔ ۷؍محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۹)

بعض اولاد کو دینے اور بعض کو محروم کرنے کا حکم

سوال (۲۱۰۸): قدیم ۳/ ۴۷۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک

← سوال نمبر: ۲۰۸۰ پر گذر چکا اور نیز درمختار میں ہے: "**ویقسم بینهم -إلى قوله- کأنثیین فکما قال،** نسخہ قدیم ۳/ ۶۷۹۔ پس جب عمل میں تفاوت کے بغیر عطیہ اور صلہ میں تفاوت نافذ ہے تو عمل میں تفاوت کے وقت عطیہ وصلہ میں تفاوت بدرجۂ اولیٰ نافذ ہوگا۔۱۲

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب: لو قال للذکر کأنثیین ولم یوجد إلا ذکور فقط أو إناث فقط، مکتبه زکریا دیوبند ۶/ ۷۰۰، کراچی ۴/ ۴۷۱۔

وکذا في العطایا إن لم یقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوی بینهم یعطي البنت کالابن عند الثاني، وعلیه الفتوی، ولو وهب في صحته کل المال للولد جاز وأثم.

(الدرالمختار مع الشامي، کتاب الهبة، مکتبه زکریا دیوبند ۸/ ۵۰۱-۵۰۲، کراچی ۵/ ۶۹۶)

ولو وهب رجل شیئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضیل البعض علی البعض في ذلک لا روایة لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروي عن أبي حنیفةؒ أنه لا بأس به إذا کان التفضیل لزیادة فضل له في الدین، وإن کانا سواء یکره، وروي المعلی عن أبي یوسفؒ أنه لا بأس به إذا لم یقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوی بینهم یعطي الابنة مثل ما یعطی للابن وعلیه الفتوی، هکذا في فتاوی قاضیخان ...... رجل وهب في صحته کل المال للولد جاز في القضاء، ویکون آثما فیما صنع کذا في فتاوی قاضي خان.

(هندیة، کتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغیر، قدیم زکریا دیوبند ۴/ ۳۹۱، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۴۱۶)

خانیة علی هامش الهندیة، کتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، قدیم زکریا دیوبند ۳/ ۲۷۹، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۴۔

بزازیة علی هامش الهندیة، الهبة، الجنس الثالث: في هبة الصغیر، قدیم زکریا دیوبند ۶/ ۲۳۷، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۱۲۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عورت کی کوئی جائیداد مملوکہ بلاشرکت غیرے ترکہ مادری یا پدری سے ہے اوراس عورت کے ایک پسر دو دختر موجود ہیں، اگر وہ عورت بحالتِ صحت ورضا ورغبت اپنی کل جائیداد اپنی دختروں کو ہبہ کردے۔ اور بوجہ ناراضی کے پسر کو بے حق کردے اور کچھ نہ دے، اور پسر صاحبِ جائیداد بھی ہے تو آیا شرعاً اس امر کا اختیار رکھتی ہے یا نہیں اور وہ پسر دعویدار ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ عورت اختیار رکھتی ہے کہ اپنی زندگی میں بحالتِ صحت کل جائیداد اپنی دختروں کو ہبہ کردے۔ اور پسر کو کچھ نہ دے، پسر کو کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا (۱) باقی گناہ ہونا نہ ہونا دوسری بات ہے، اگر کسی وجہ شرعی سے مثل نافرمانی وایذا رسانی وفسق وظلم وغیرہ پسر کو بے حق کیا ہے گناہ بھی نہ ہوگا، اگر بے وجہ کیا تو گناہ ہوگا، مگر حاکم دونوں صورتوں میں اس تصرف کو جائز ونافذ رکھے گا۔

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، و يكون اٰثما فيما صنع، كذا في فتاوىٰ قاضيخان، وإن كان في ولده فاسق لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معينا في المعصية، كذا في خزانة المفتين، ولو كان ولده فاسقا وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة. عالمگیری نولکشوری ج ۳ص۱۰۶۴، ۱۰۶۵ (۲)۔ واللہ اعلم فقط

۳ رصفر ۱۳۰۱ھ (امداد، ج ۳، ص ۹۹)

---

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف مكتبه رشيديه ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

إن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۱۰، كراچى ۴/ ۵۰۲)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۳۸، كراچى ۲/ ۳۲۷)

البناية، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ۸/ ۲۱۹۔

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۱، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۶۔ ←

قبضہ پر صحت ہبہ کے موقوف ہونے اور ہبہ سے رجوع کے شرائط کا بیان

سوال (۲۱۰۹): قدیم ۳/ ۱۷۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے مسمّٰی خویلد کو اپنے مال کا ہبہ کیا اور اس کی تحریر بھی کردی ہے لیکن تحریر ہبہ نامہ میں مال واسباب و جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا مفصل ذکر نہیں کیا بلکہ صرف لفظ کل مال و زیور و برتن کا تحریر ہے، اس زیور و برتن سے قدرے مال خویلد کے پاس ہے، باقی کل مال واسباب وجائیداد منقولہ وغیر منقولہ زید کے قبضہ میں ہے اور مکان میں بھی اب تک زید ہی رہتا ہے۔ اب زید اس ہبہ سے رجوع کر کے اپنا مال جو خویلد

← **وفي السراجية: وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسفؒ أن يعطيهم على السواء هو المختار، كما في الخلاصة ...... وإن كان بعض أولاده مشتغلا بالعلم دون الكسب لا بأس بأن يفضله على غيره، وعلى جواب المتأخرين لا بأس بأن يعطي من أولاده من كان عالما متأدبا ولا يعطي منهم من كان فاسقا فاجرا.** (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۷)

وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم كذا في المحيط ...... وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة، ولو كان ولده فاسقا، فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه؛ لأن فيه إعانة على المعصية، ولو كان ولده فاسقا لا يعطي له أكثر من قوته. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۹۰، كوئٹه ۷/ ۲۸۸)

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز وهو آثم نص عليه محمدؒ، ولو خص بعض أولاده لزيادة رشده لا بأس به، وإن كانا سواء لا يفعله، وإن أراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير وابنه فاسق فالصرف إلى الخير أفضل من تركه له؛ لأنه إعانة على المعصية، وكذا لو كان ابنه فاسقا لا يعطيه أكثر من قوته. (بزازية على هامش الهندية، الهبة، كتاب الهبة، الجنس الثالث: في هبة الصغير، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۲۳۷، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۲۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة من الصغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۴/ ۴۶۲، رقم: ۲۱۷۲۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کے پاس ہے واپس لینا چاہتا ہے آیا زید کا اس ہبہ کی طرف رجوع کرنا درست ہے یا نہیں بموجب حکم شرع شریف مفصل تحریر فرماویں، بینوا توجروا؟

الجواب: جس قدر خویلد کے پاس ہے اس کا ہبہ صحیح ہوگیا، اور جس قدر زید کے قبضہ میں ہے اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوا (۱) اور جس کا ہبہ صحیح ہو چکا اس کا رجوع کرنا اس وقت درست ہے کہ موانع رجوع بھی نہ پائے جاویں اور خویلد بھی رضامند ہو جاوے یا کوئی حاکم دلا دے اور اگر نہ حکم حاکم ہوا اور نہ خویلد واپس کرنے پر راضی ہو تو زید کو رجوع کرنا حرام ہے، اور اگر اس طرح رجوع کرے گا غاصب ہوگا۔

في الهداية: ولا يصح الرجوع إلا بتراضيهما أو بحكم الحاكم، قال العيني لو استردها بغير قضاء، ولا رضاء كان غاصبا فلو هلك في يده يضمن قيمته للموهوب له (۲)۔ واللہ اعلم ۸؍ رمضان ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳ ص ۹۶)

---

(۱) **وتتم الهبة بالقبض الكامل.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۳، كراچی ۵/ ۶۹۰)

ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوى فيه الأجنبي، والولد إذا كان بالغا. (هندية، كتاب الهبة، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۷۷، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۹)

والقبض لابد منه لثبوت الملك. (هداية، كتاب الهبة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۸۱)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۱)

(۲) هداية مع البناية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه ومالا يصح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۱۹۹۔

واشترط الحنفية في صحة الرجوع للواهب التراضي أو التقاضي حتى لا يصح الرجوع بدون واحد منهما، وحجتهم أن الرجوع فسخ العقد بعد تمامه، وفسخ العقد بعد تمام لا يصح بدون الرضاء أو القضاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۴۹)

ولا يصح الرجوع عن الهبة إلا بتراض من الطرفين أو حكم قاض بالرجوع لولايته على العامة، ولولايتهما على أنفسهما كالردة بالعيب بعد القبض إذ في حصول المقصود وعدمه خفاء؛ لأن من الجائز أن يكون المراد الثواب والتحبب، وعلى هذا لا يرجع لحصول المرام، ومن الجائز أن يكون المراد العوض، وعلى هذا يرجع فلابد من الإلزام والقضاء.

(مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۰۴) ←

ذورحم محرم اور قرابت داری سے رجوع بالھبہ کی ممانعت کا حکم

سوال (۲۱۱۰): قدیم ۳/۴۷۲ – **جاء في الحديث قال رسول** ﷺ: **الواهب أحق بهبته مالم يثب منها، كذا في القسطلاني** (۱)۔ پس امام صاحب کے نزدیک قرابت محرمیہ میں رجوع کس دلیل سے جائز نہیں؟

الجواب: وہ دلیل یہ ہے۔ **قال عليه السلام: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. رواه البيهقى والدارقطني في سننهما، والحاكم في المستدرک، كذا في حاشية الهداية عن علي القاري شرح نقاية** (۲)۔

۱۴/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، ج۳، ص۹۷)

← **ولا يصح الرجوع إلا بتراضيهما أو بحكم الحاكم للاختلاف فيه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۳، كراچی ۵/ ۷۰۴)

البحرالرائق، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديو بند ۷/ ۵۰۰، كوئٹه ۵/ ۲۹۴۔

(۱) **أخرج ابن ماجة في سننه عن أبي هريرة** رضـ **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الرجل أحق بهبته ما لم يثب منهما.** (سنن ابن ماجة، هبات، باب من وهب هبة رجاء ثوابها، النسخة الهندية، ص: ۱۷۲، دارالسلام، رقم: ۲۳۸۷)

المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة ۳/ ۸۷۵، رقم: ۲۳۲۳، قديم ۲/ ۵۲۔

(۲) **أخرجه الحاكم في مستدركه عن سمرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها.** (المستدرك للحاكم، البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز ۳/ ۸۷۶، رقم: ۲۳۲۴)

السنن الكبرى للبيهقي، الهبة، باب المكافات في الهبة، دارالفكر بيروت ۹/ ۱۸۱، رقم: ۱۲۲۵۷۔

سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۹، رقم: ۲۹۵۵۔

حاشية الهداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه ومالا يصح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعض عبارات فقہیہ میں دفع تعارض کا بیان

سوال (۲۱۱۱): قدیم ۳/۴۷۲- أوصى لرجل بثلث مال ومات الموصى، فصالح الوارث من الثلث بالسدس جاز الصلح، وذكر يحتمل السقوط بالإسقاط الخ. شامي جلد ۴ كتاب الصلح، فصل: في التخارج (۱)۔ قول اوّل الاشباہ والنظائر میں ہے جس کا حوالہ قول مذکور میں دیا ہے۔ ولو قال الوارث: تركت حقي لم يبطل حقه إذ الملك لايبطل بالترك. ص ۵۶۳، مطبوعہ کلکتہ۔ اس کی شرح حموی میں ہے: اعلم أن الإعراض عن الملك أو حق الملك ضابطه أنه إن كان ملكاً لازماً لم يبطل بذلك كما لومات عن ابنين فقال أحدهما: تركت نصيبي عن الميراث لم يبطل؛ لأنه لازم لا يترك بالترك، بل إن كان عينا فلابد من التمليك، وإن كان دينا فلابد من الإبراء (۲)۔

بظاہر دونوں عبارتوں میں تعارض ہے، تعجب یہ ہے کہ شامی نے خود اشباہ کا حوالہ دیا ہے۔ جو اس کے خلاف ہے، قیاس کے مطابق قول اشباہ معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ کہ جب یہ تملیک ہے تو چونکہ تملیک مجازاً ہے۔ اس لئے ہبہ میں داخل ہونا چاہئے، اور شرائط مثل قبض وعدم شیوع شرط ہوگا، البتہ اگر وہ شے قابل تقسیم نہ ہو تو بظاہر ہبہ صحیح ہونا چاہئے۔ شبہ یہ ہے کہ اگر متروک میّت میں سے ایک ایک چیز مختلف جنس سے ہے، مثلاً ایک الماری ہے، ایک کرسی ہے، یا اور کوئی چیز جس کو ملا کر تقسیم کئے جانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنے سے وہ شے منتفع بہ نہیں رہتی ایسی چیز اگر ایک وارث دوسرے کو ہبہ کردے تو یہ ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں، ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہو جاوے کیونکہ مثلاً اس کا الماری میں علیحدہ حصّہ ہے، اور وہ بھی قابلِ تسلیم نہیں، پس شیوع مانع صحتِ ہبہ نہ ہوا، علیحدہ کرسی میں علیحدہ حصہ ہے، اور وہ بھی قابل تقسیم نہیں، اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں تو پھر یہ اور جواب طلب ہے، کہ کتبہائے مختلفہ خواہ ایک فن کی ہوں۔ مثلاً

---

(۱) شامي، كتاب الصلح، فصل: فی التخارج، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۲۵، کراچی ۵/ ۶۴۲۔

(۲) الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، الفن الثالث: الجمع والفرق، ما يقبل الإسقاط من الحقوق وما لا يقبله، وبيان أن الساقط لا يعود، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شرح وقایہ، ہدایہ، یا مختلف فن کی ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک مولوی نے انتقال کیا اور اپنا کتب خانہ چھوڑا، تمام ورثہ نے اپنا اپنا حصہ خاص ایک وارث کو دے ڈالا۔ تو یہ ہبہ بطریق سابق صحیح ہوسکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر کتاب میں تمام ورثہ کا حصہ ہے، اور چونکہ ہر کتاب علیٰحدہ قابل تقسیم نہیں، اس لئے وہ ہبہ صحیح ہوگیا، البتہ اگر کتاب کے دو نسخے ہوں تو صحیح نہ ہو، کیونکہ قابلِ تقسیم ہے، اور آیا عدم صحت ہبہ (جب کہ کتاب کے دو نسخے ہوں) اسی وقت ہوگا جب کہ دو وارث ہوں اور زائد ہونے سے پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتابیں صرف دو ہیں۔ اس لئے قابل تقسیم نہیں، یا کہ تمام کتابوں کو ایک ساتھ شامل کرکے سب کو ایک نوع قرار دے دیا جاوے گا اور ہر صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی نسبت بڑا تردد اور پریشانی ہے، توضیح کی وجہ سے تطویل ہوگئی؟

الجواب: میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں، کیونکہ لم یبطل حقہ الخ اس صورت میں ہے جب بالکلیہ دست بردار ہوجاوے، جیسے ہندی بہنیں اپنا حق بھائیوں سے نہیں لیتیں اور یحتمل السقوط اُس صورت میں ہے کہ جب اپنے حق سے کم پر صلح کرے چنانچہ جاز الصلح کی دلیل میں بیان کرنا اس کا قرینہ ہے، اور حاجت بیان یہ ہے کہ اپنے حق سے کم پر صلح کرنے کا جواز مخصوص معلوم ہوتا ہے دین کے ساتھ، اور یہاں یہ صلح عن العین ہے، پس محتمل تھا عدم جواز کو اس لئے تصریح کردی، اب تدافع نہ رہا اور جن امور کو لکھ کر آپ نے لکھا ہے کہ اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں الخ سو واقع میں یہ سب باتیں صحیح ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ کتب مختلفہ اجناس مختلفہ ہیں۔ اور ایک کتاب کے مختلف نسخے جنس واحد کے مختلف افراد ہیں، مگر جب وارث زیادہ ہوں اور نسخے کم ہوں تو مجموعہ قابلِ تقسیم نہ ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم

۱۷/ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۹۸)

---

(۱) اور جب مجموعہ قابل تقسیم نہ ہوگا تو شیوع مانع صحت ہبہ نہ ہوگا؛ لہٰذا اس خاص صورت میں ان نسخوں کا ہبہ صحیح ہوگا۔

وتصح هبة مشاع لا يحتمل القسمة، أي ليس من شأنه أن يقسم بمعنى لا يبقى منتفعا به بعد القسمة أصلا، كعبد ودابة، ولا يبقى منتفعا به بعد القسمة من جنس الانتفاع الذي كان قبل القسمة كالبيت الصغير والحمام. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٤) ←

ہبہ یا عاریت کے لوٹانے کا حکم

سوال (۲۱۱۲): قدیم ۳/۳۷۳- زید کو ایک دربار سے تعلق تھا، اس کے صلہ خدمت میں وہاں سے بطور اراضی وغیرہ کے بہت کچھ انعام ملا۔ بعد ازاں آقا و نوکر کے درمیان میں مخالفت واقع ہوئی، پس آقا نے جو کچھ دیا تھا واپس لے لیا، زید بھی ناخوش ہو کر دوسری جگہ چلا گیا۔ بعد مدت دراز کے اولاد زید سے دولڑکے پھر اسی بستی میں گئے، اور اسی سرکار میں نوکر ہوئے، اور منجملہ عطیہ مذکورہ پھر ان کو دیا گیا اب اس میں باقی زید کی اولاد شریک ہوسکتی ہے یا نہیں، اور یہ ہبہ جدید ہے یا قدیم، بعد اس کے سرکار کی عادت یوں ہی رہی کہ دو چار برس کے لئے وہ زمین چھوڑ دیا کرتی، پھر ضبط کرلیا کرتی اور پھر مہینہ دو مہینہ بعد چھوڑ دیتی، آخر کار یہ بات ہوئی کہ ان دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی کی تنخواہ میں لکھ دی، اب اس کا مالک کون ہے؟

← **وهبة المشاع فيما لا يحتمل القسمة تجوز من الشريك، ومن الأجنبي كذا في الفصول العمادية.** (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني: فيما يجوز من الهبة ومالا يجوز، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٨، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٠)

القول الثاني: جواز هبة المشاع فيما لا يقسم وعدم جواز هبة المشاع الذي يقسم ولا فرق بين هبة المشاع لأجنبي أو للشريك، وهذا مذهب الحنفية الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/ ١٢٨)

وهكذا نقول في المشاع الذي لا يقسم أن معنى القبض هناك لم يوجد لما قلنا إلا أن هناك ضرورة؛ لأنه يحتاج إلى هبة بعضه، ولا حكم للهبة بدون القبض، والشياع مانع من القبض الممكن للتصرف، ولا سبيل إلى إزالة المانع بالقسمة لعدم احتمال القسمة فمست الضرورة إلى الجواز، وإقامة صورة التخلية مقام القبض الممكن من التصرف. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة، حكم المشاع، مكتبه زكريا دبوبند ٥/ ١٧١، كراچی ٦/ ١٢٠)

وتجوز الهبة إذا كان مشاعا لا يحتمل القسمة كالسيارة، والحمام، والبيت الصغير، والجوهر، وجواز الهبة للضرورة؛ لأنه قد يحتاج إلى هبة البعض، ويكتفى بصورة التخلية مقام القبض. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٦٨٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :(*) اگر آقا نے زید کو بطور عاریت اراضی مذکور دی تھی تو استرداد جائز ہے۔ **لقوله: عم العارية مؤداة، والمنحة مردودة. رواه الترمذی(۱)۔**

اور اگر بطور ہبہ دی تھی، بعد وجود شرائط جواز ہبہ بحکم حاکم یا رضائے زید استرداد جائز ہے، اگرچہ مکروہ تحریمی ہے، اور بلاحکم حاکم یا بلا رضائے زید استرداد ناجائز۔ **ولایصح الرجوع إلا بتراضیهما أو بحکم الحاکم للاختلاف فیه. درمختار (۲)۔**

(*) اگر حکومت مسلمہ میں ایسا ہوا تو یہ تفصیل ہوگی۔ اور اگر حکومت غیر مسلمہ تھی تو استیلاء کافر کی وجہ سے بہر حال استرداد صحیح ہوگا۔۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

---

(۱) أخرجه الترمذي عن أبي أمامة الباهلي، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالیٰ قد أعطى لكل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث –إلى قوله– وقال: العارية مؤادة، والمنحة مردودة، والدين مقضي، والزعيم غارم. (ترمذي شريف، الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام، رقم: ۲۱۲۰)

أبو داؤد شريف، كتاب البيوع، باب في تضمين العارية، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۱، دارالسلام، رقم: ۳۵۶۵۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۳، كراچی ۵/ ۷۰۴۔

ولا يصح الرجوع إلا بتراضيهما أو بحكم الحاكم (هداية) وتحته في البناية: لو استردها بغير قضاء ولا رضاء كان غاصبا، فلو هلك في يده يضمن قيمته للموهوب له. (هداية مع البناية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه ومالا يصح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۱۹۹)

واشترط الحنفية في صحة الرجوع للواهب التراضي أو التقاضي حتى لا يصح الرجوع بدون واحد منهما، وحجتهم أن الرجوع فسخ العقد بعد تمامه، وفسخ العقد بعد تمام لا يصح بدون الرضاء أو القضاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۴۹)

مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۰۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اورکوئی یہ وہم نہ کرے کہ آقائے واہب اگرخود حاکم ہے،تو رجوع بحکم حاکم پایا گیا، کیونکہ حکم حاکم کا اس کے نفع کے لئے نافذ نہیں ہوتا۔ **وفیھا لایقضی القاضی لنفسه ولولده درمختار** ،البتہ اگر واسطے حکم کے کسی کو نائب کر کے اس سے فیصلہ کراتا،تو نافذ ہو جاتا۔ **إذا وقع للقاضی حادثة أو لولده فأناب غیره فقضی نائب القاضی له أو لولده جاز قضاءه درمختار (۱) علیٰ هذا القیاس.**

زید کے دولڑکوں کو جو دیا گیا، اس میں بھی یہی تفصیل ہے، اگر عاریۃً دیا تو استرداد جائز اور اگر ہبۃً بدون تقسیم دیا تب بھی استرداد جائز، کیونکہ ہبہ غیر مقسوم کا صحیح نہیں۔ **وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لکبیرین لا درمختار** البتہ اگر وہ دونوں محتاج ہوں تو بدون تقسیم بھی صحیح ہے۔ **قوله لکبیرین ای غیر فقیرین وإلا کانت صدقة فتصح شامی (۲)۔**

اور اگر بعد تقسیم دیا تو بحکم حاکم یا برضاء ہر دو شخص استرداد جائز ورنہ ناجائز، پس صورت ہائے مذکورہ میں سے جس صورت میں زید سے استرداد جائز نہیں، اس صورت میں اگر زید زندہ ہے تو ورنہ اس کے ورثہ مالک اس کے علی قدر الحصص الشرعیہ ہوں گے، نہ تخصص ہر دو پسران کی نہ اس کی جس کی تنخواہ میں لکھ دیا اور جس صورت میں زید سے استرداد جائز تھا لیکن ان دونوں لڑکوں سے جائز نہ تھا اس صورت میں وہی دونوں مالک ہیں نہ ورثہ زید کے مستحق ہیں نہ وہ خاص جس کی تنخواہ میں لکھ دیا، اور جس صورت میں ان سے بھی استرداد جائز ہے اس صورت میں صرف وہی مالک ہے جس کی تنخواہ میں لکھ دیا گیا۔ واللہ اعلم

۸/ صفر ۱۳۰۴ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۰۰)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب القضاء، قبیل مسائل شتی، مکتبہ زکریا دیوبند ۸/ ۱۴۴-۱۴۵، کراچی ۵/ ۴۴۱-۴۴۲۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الهبة، مکتبہ زکریا دیوبند ۸/ ۵۰۲، کراچی ۵/ ۶۹۷۔

وصح هبة اثنین لواحد دارا لأنها سلمت جملة وقبض جملة فلا شیوع لا عکسه، أي لا تصح هبة الواحد للاثنین عند الإمام وزفرؒ؛ لأن هذه هبة النصف من کل واحد، فیثبت الشیوع والقبض في المشاع لا یتحقق. (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۴۹۷-۴۹۸)

البحرالرائق، کتاب الهبة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/ ۴۹۲، کوئٹہ ۷/ ۲۸۹۔

تبیین الحقائق، کتاب الهبة، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/ ۵۹-۶۰، إمدادیه ملتان ۵/ ۹۶۔

مال مسروقہ موہوبہ کا واپس کرنا واجب ہے

سوال (۲۱۱۳): قدیم ۳/ ۴۷۵- زید نے عمرو کی ایک چیز چرائی اور بکر کو ہبہ دیدی اور بکر نے خالد کو ہبہ کردی اب معلوم ہوا کہ زید نے چوری کی تھی اس حالت میں شے مسروق کا ادا کرنا کس کے ذمّہ واجب ہوگا؟

الجواب: جس کے پاس اب ہے اس پر ردّ واجب ہے (۱) اور اگر اس کو خبر نہ ہو تو جس کو خبر ہو اُس پر خبر کرنا واجب ہے (۲)۔

---

(۱) **لا خلاف بين الفقهاء في وجوب رد المسروق إن كان قائما إلى من سرق منه سواء كان السارق مؤسرا أو معسرا، وسواء كان أقيم عليه الحد أو لم يقم، وسواء وجد المسروق عنده أو عند غيره، وذلك لما روي من أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رد على صفوان رداءه، وقطع سارقه، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: على اليد ما أخذت حتى تؤدي.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ٣٤٥)

وإذا ملك السارق المسروق من رجل ببيع أو هبة أو ما أشبه ذلك وكان ذلك قبل القطع أو بعده فتمليكه باطل، ويرد المسروق على المسروق منه، ويرجع المشتري على السارق بالثمن الذي دفع إليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب السرقة، الفصل الحادي عشر: في هلاك المسروق واستهلاكه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٦، رقم: ٩٧٨٥)

وأما إن ملك السارق المسروق من رجل ببيع أو هبة أو ما أشبه ذلك وكان ذلك قبل القطع أو بعده فتمليكه باطل؛ لأن المسروق باق على ملك المسروق منه، ويرد المسروق على المسروق منه؛ لأنه ملكه، ويرجع المشتري على السارق بالثمن الذي دفعه إليه. (المحيط البرهاني، كتاب السرقة، الفصل الحادي عشر: المجلس العلمي ٧/ ٥٩، رقم: ٨٣٩٠)

(۲) **عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم.** (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، النسخة الهندية ١/ ٥٤، بيت الأفكار رقم: ٥٥)

وتحته في شرح النووي: وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر ←

اور اگر اس صاحب خبر کو ہبہ میں بھی دخل ہے تو اس پر استخلاص واسترداد میں بھی سعی واجب ہے (۱)۔

لڑکی کو جائیداد ہبہ کرنے کا حکم

سوال (۲۱۱۴): قدیم ۳/۴۷۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مادر حقیقی نے اپنی ایک دختر کو کل جائیداد از اں خاص منقولہ اور غیر منقولہ بمقابلہ اعزاء واقرباء کے جمع کر کے ہبہ کر دیا اور بعض جائیداد اس میں جو منقولہ تھی جیسے ڈگری عدالت وغیرہ اس کے کاغذات سپرد موہوب لہ کے کر دیئے گئے، اور بہ نسبت جائیداد غیر منقولہ جیسے حصص دیہات وغیرہ اس کی تحصیل پذیر آمدنی اور ادائے مال گذاری سرکار وغیرہ کارضروری متعلق زمینداری سپرد موہوب لہ کر دیا گیا، اور اجازت عام دیدی، کہ تم جانو اور یہ جائیداد جو شے موہوب ہے جانے میں تم کو دے چکی تو ایسی ہبہ لسانی شرعاً جائز ہے کہ نہیں، اور موہوب لہٗ نے موہوب کو قبول کیا۔

الجواب: روپیہ کا ہبہ محض کاغذات کے دینے سے صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ موہوب کا موجود ہونا ضروری ہے، تملیک العین، بلکہ اس کو روپیہ وصول کر کے مالک ہو جانے کی اجازت دی ہے، پس یہ توکیل بالاقتضاء ہے، پس اگر قبل معزول ہونے کے روپیہ وصول کر کے اس پر قبضہ کرتی جاوے تو مالک ہو جاوے گی، اور بعد عزل مالک نہ ہوگی، اور معزول ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مؤکلہ معزول کر دے یا مؤکلہ مر جاوے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ وکیلہ معزول ہو جاوے گی، اور وصول کرنے کی مجاز نہیں بلکہ سب ورثا اپنے حصص میں برابر استحقاق رکھتے ہیں۔

← **فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم، و كف الأذى عنهم فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل، وستر عوراتهم وسد خللاتهم، ودفع المضار عنهم وجلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف، ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص الخ.** (شرح المسلم للنووي، النسخة الهندية ١ / ٥٤)

(۱) **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [المائدة، رقم الآية: ٢]

تجب الإعانة لتخليص مال الغير من الضياع قليلا كان المال أو كثيرا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٩٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وأما تمليك الدين من غير من عليه الدين، فإن أمره بقبضه صحت. درمختار أي يكون وكيلا عنه فيه. ۱۲ شامي (۱) فللمؤكل العزل متى شاء ۱۲ وينعزل بموت أحدهما ۱۲ (۲)۔ یہ جب ہے کہ حالت صحت واہبہ میں وصول کر کے قبضہ کرلیا ہو، اور گر واہبہ کے مرض الموت میں یا بعد الموت قبضہ کرلیا تو بدون اجازت ورثہ صحیح نہ ہوگا۔ **ويبطل إقراره ووصيته وهبته لابنه كافرا إن أسلم (۳)**۔ اور دیگر اشیاء موجودہ منقولہ یا غیر منقولہ جو ہبہ کی ہیں اس میں دیکھنا چاہئے

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۸۸-۴۸۹، كراچی ۵/ ۶۸۷۔

الهبة هي تمليك العين بلا عوض ...... وأما هبة الدين من غير من هو عليه فصحيحة بشرط أن يأمره بقبضه كذا في المنتقى وغيره ...... وقد صرح به في المحيط: فقال: ولو وهب دينا له على رجل، وأمره أن يقبضه فقبضه جازت الهبة استحسانا فيصير قابضا للواهب بحكم النيابة، ثم يصير قابضا لنفسه بحكم الهبة، وإن لم يأذن في القبض لم يجز. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۸۳، كوئٹه ۷/ ۲۸۴)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۷۸-۲۸۱، كراچی ۵/ ۵۳۶-۵۳۸۔

للمؤكل عزل وكيله متى شاء -إلى قوله- وتبطل الوكالة بموت الموكل. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۳۸-۳۳۹)

وللموكل أن يعزل الوكيل عن الوكالة؛ لأن الوكالة حقه فله أن يبطله -إلى قوله- وتبطل الوكالة بموت الموكل. (هداية، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۹۹)

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۵۲، كراچی ۶/ ۶۶۰۔

وكذا يبطل إقراره أي المريض ووصيته وهبته لابنه الكافر أو الرقيق إن أسلم أو أعتق بعد ذلك. (ملتقى الأبحر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۴۲۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ یہ لڑکی صغیرہ نابالغہ ہے یا کبیرۂ بالغہ، اگر نابالغہ ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کس کی تربیت میں ہے۔ اگر باپ دادایا ان کا وصی موجود نہیں، یا موجود ہے لیکن سفر میں ہے اور بالفعل ماں کی ولایت میں ہے۔ تب تو محض زبانی کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہوگیا۔ اور اگر بالغہ ہے یا نابالغہ ہے؛ لیکن باپ دادایا وصی موجود ہے تب یہ ہبہ زبانی کہہ دینے سے تام نہ ہوگا، تاوقتیکہ قبضہ باپ دادا کا یا لڑکی یا اس کے نائب کا نہ ہو۔

وهبة من له ولاية على الطفل في الجملة تتم بالعقد ١٢ . وإن وهب له أجنبي يتم بقبض وليه وهو أحد أربعة الأب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه، وإن لم يكن في حجرهم، وعند عدمهم، ولو بالغيبة المنقطعة تتم بقبض من يعوله (۱)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٩٨-٤٩٩، كراچی ٥/ ٦٩٤-٦٩٥۔

وهبة الأب لطفله تتم بالعقد؛ لأنه في قبض الأب فينوب عن قبض الصغير؛ لأنه وليه ...... وهبة الأجنبي له أي للطفل تتم بقبضه أي بقبض الطفل لو كان عاقلا أي مميزا يعقل التحصيل ولو أبوه حيا؛ لأنه في التصرف النافع يلحق بالبالغ العاقل، وتتم أيضا بقبض أبيه حال صغره أو جده أو وصي أحدهما أو بقبض أمه إن كان الطفل في حجرها لما مر أو بقبض أجنبي يربيه ويحجره؛ لأن له عليه يد معتبرة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٥-٤٩٧)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٦-٤٩٧۔

وهبة الأب لطفله تتم بالعقد؛ لأن قبض الأب ينوب عنه، وإن وهب له أجنبي يتم بقبض وليه وأمه وأجنبي لو في حجرهما وقبضه إن عقل (كنز) وتحته في البحر، قوله: وإن وهب له أجنبي يتم بقبض وليه؛ لأن للولي ولاية التصرف في ماله وقبضها منه، أراد بالولي هنا واحدا من أربعة وهو الأب ووصيه والجد ووصيه على هذا الترتيب، وأطلقه فشمل ما إذا كان حجره أولا، ولا يجوز قبض غير هولاء الأربعة مع وجود واحد منهم سواء كان الصغير في عيال القابض أو لم يكن، وسواء كان ذا رحم محرم أو أجنبيا، والمراد بالوجود الحضور فلو غاب غيبة منقطعة جاز قبض الذي يتلوه إلى الولاية كذا في الخلاصة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٩٠-٤٩١، كوئٹه ٧/ ٢٨٨-٢٨٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اورجس صورت میں ماں کا قبضہ کافی نہیں اس میں یہ بھی شرط ہے، کہ جو چیز قابلِ تقسیم ہو اس کو جدا کر کے اس کو یا اس کے ولی ونائب کو قابض کردے۔ اور قبضہ محض حساب وکتاب دینے سے نہیں ہوتا تاوقتیکہ تسلّط تام نہ ہو جس کو عرف قانون میں دخلیابی کہتے ہیں۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل، وكل الموهوب له رجلين بقبض الدار فقبضاها جاز.

۱۲ خانية (۱)۔ جو چیزیں قابل تقسیم نہیں اس میں اشتراک واشاعت مضر نہیں۔ **في محوذ: مقسوم ومشاع لايقسم لا فيما يقسم ولو لشريكه** (۲) **والروايات كلها من الدرالمختار. والله** اعلم فقط۔ (امداد ج۳، ص۱۰۱)

داخل خارج سبب ہبہ ہے یانہیں؟

سوال (۲۱۱۵): قدیم ۳/ ۶۷۶ - بی بی کا قبضہ بحیثیت داخل خارج کاغذات سرکاری میں ہوگیا، اوراس کی بی بی وصول تحصیل لگان کرتی ہے؟

الجواب: اگرقرائن سے معلوم ہو کہ خاوند کو یہ جائیداد بی بی کو دینا ہی مقصود ہے تو یہ ہبہ ہوگیا (۳)۔

۱۴؍شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۳)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۳، كراچی ۵/ ۶۹۰۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۵، كراچی ۵/ ۶۹۲۔

تجوز الهبة في مقسوم ومشاع لا يقسم لا فيما يقسم، فإن قسمه وسلمه صح. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۸۶، كوئٹه ۷/ ۲۸۶)

تبيين الحقائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۹، إمداديه ملتان ۵/ ۹۱۔

(۳) قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفى القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء. (شامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۰، كراچی ۵/ ۶۸۸)

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۲، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۷) ←

وقتِ ہبہ موہوب کا مشاع ہونا اور بعد میں تقسیم ہو جانا

سوال (۲۱۱۶): قدیم ۳/ ۴۷۰- جائیداد وقت تحریر ہبہ نامہ کے مشترک تھی، لیکن بعد میں تقسیم ہو کر جداگانہ محال ہو گیا؟

الجواب: اگر اس تقسیم کے بعد بی بی کے قبضہ پر خاوند راضی ہے تو ہبہ تام ہو گیا (۱)۔

۱۴/ شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۱۹۳)

← **وفي التجنيس الناصري: لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليک.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة من الصغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٤/ ٤٦٦، رقم: ٢١٧٣٨)

(۱) **لا تصح هبة مشاع يحتملها أي القسمة على وجه ينتفع بعد القسمة، كما قبلها كالأرض والثوب والدار ونحو ذلک، فإن قسم وسلم إلى الموهوب له صح العقد لحصول الشرط بعد رفع الشيوع.** (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٤)

لا تتم -أي الهبة- بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل كما في عامة الكتب، فإن قسمه الواهب بنفسه أو نائبه أو أمر الموهوب له بأن يقسم مع شريكه كل ذلک تتم به الهبة كما هو ظاهر لمن عنده أدنى فقه لزوال المانع.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٩٥، كراچی ٥/ ٦٩٢)

فإن قسمه وسلمه صح (كنز) وتحته في البحر: أي لو وهب مشاعا يقسم ثم قسمه وسلمه صح وملكه؛ لأن التمام بالقبض وعنده لا شيوع. (البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٨٧، كوئٹه ٧/ ٢٨٦)

ولو وهب مشاعا فيما يقسم ثم أفرزه وسلمه صح هكذا في السراج الوهاج.

(هندية، كتاب الهبة، باب فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٨، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٠١)

تبيين الحقائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤، إمداديه ملتان ٥/ ٩٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تتمہ سوال بالا

سوال (۲۱۱۷): قدیم ۳/ ۴۷۷- اور اس جائیداد کی آمدنی خاوند کے پاس رہتی ہے، بلا اجازت بی بی کے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں(۱)۔ ۱۴ر شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۳)

تملیک کی تصریح کے بغیر بیوی کو زیور دینے کا حکم

سوال (۲۱۱۸): قدیم ۳/ ۴۷۷- زوج اگر اپنی زوجہ کو زیور نقری یا طلائی دے اور خود اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ زوجہ کی ملک ہے تو بعد انتقال زوج آیا وہ زیور کل متروکہ میں شمار کر کے سب ورثہ کو بقدر حصہ شرعی ملے گا، یا خاص زوجہ کا ہی مملوکہ سمجھا جائے گا بعد انتقال شوہر زوجہ کہتی ہے کہ شوہر نے میری مِلک کر دیا تھا، اور دیگر ورثہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر نہیں، تو قول زوجہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ہبہ قرائن سے ثابت ہوتا ہے، اگر ایسے قرائن موجود ہوں تو زوجہ کی مِلک ہے(۲) ورنہ

---

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم: ۹۶)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶)

(۲) **قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفى القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء.** (شامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۹۰، كراچی ۵/ ۶۸۸)

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۲، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۷) ←

متوفی کی، اور بعد وفاتِ زوج اگر زوجہ ملک کا دعویٰ کرے اس سے ثبوت کا مطالبہ ہوگا، اگر کافی ثبوت نہ ہو تو ورثہ سے یمین علی العلم لی جاوے۔ یعنی یہ قسم کھاویں کہ ہم کو علم نہیں کہ متوفی نے زوجہ کی ملک کیا ہو(۱)۔

۲۴؍ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۷)

زمین موہوبہ بالعوض میں واہب کا یہ شرط کرنا کہ اگر تم اس کو فروخت کرو تو چوتھائی قیمت مجھ کو دینا پڑے گی

سوال (۲۱۱۹): قدیم ۳/ ۴۷۷- ملک برہما میں ایک شخص امیر کبیر لقب اس کا فرگنگ ہے، اور اس کے ماتحت چند گاؤں ہیں۔ سرکار عالی یعنی انگریز نے اس کو اس دیہات کا والی و مالک بنا دیا، اور یہ بھی کاغذ میں رجسٹری کر دیا کہ ہر سال میں اتنا روپیہ خزانہ سرکار عالی میں یعنی انگریز کو دینا پڑے گا۔ اور یہ دیہات جو تمہارے تحت میں ہے اس کو بھی تم بیع و فروخت کرنے کے مختار ہو یعنی اگر کسی کو بیچ

← **وفي التجنيس الناصري: لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة للصغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٤/ ٤٦٦، رقم: ٢١٧٣٨)

(۱) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في خطبته: البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه.** (ترمذي شريف، كتاب الأحكام، باب ما جاء في أن البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه، النسخة الهندية ١/ ٢٤٩، دارالسلام، رقم: ١٣٤١)

عن ابن أبي مليكة قال: كنت قاضيا لابن الزبير على الطائف، فذكر قصة المرأتين، قال: فكتبت إلى ابن عباس، فكتب ابن عباس –رضي الله عنهما– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماءهم، ولكن البينة على المدعي، واليمين على من أنكر. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الدعوى والبينات، باب البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، دارالفكر بيروت ١٥/ ٣٩٣، رقم: ٢١٨٠٥)

البينة على المدعي، واليمين على من أنكر. (هداية، كتاب الدعوى، باب اليمين، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٠٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ڈالوگے۔ سرکار انگریزی اس سے مانع نہیں ہے، اور جس کو فروخت کروگے اس کو بھی میرے یہ سب حکم ماننے پڑیں گے۔ اور تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے لئے بھی یہ حکم جاری ہے، یعنی وہ بھی اس کو بیع وفروخت کرنے کے مختار ہیں۔ لیکن تیس برس بعد سرکار انگریزی کی طرف سے جو حکم صادر ہوگا ماننا پڑے گا۔ یعنی اگر خراج وغیرہ افزودہ ہوجاوے اس کا حکم مان لینا پڑے گا۔ پس فرگنگ مذکور رعیت کو جو اس کے زیرِ حکومت ہے، ایک کاغذ چند روپیہ نذرانہ لے کر چند بیگہ زمین دیتے ہیں اور یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں طرف کی فلاں زمین مثلاً چار بیگہ زمین تم کو دیا، بشرط یہ کہ فی سال فی بیگھہ للعہ۴ خراج دینا پڑے گا اور اس زمین کو صدقہ وہبہ اور بیع وفروخت کرنے کے بھی تم بااختیار ہو۔ اور تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں کو بھی اس کا اختیار ہے۔ لیکن جو زمین تمہارے تصرف میں ہے اس کو اگر فروخت کروگے اس کا چوتھائی قیمت مجھے دینا پڑے گا۔ یعنی اگر سو روپے کی زمین فروخت کروگے پچیس (۲۵) روپے مجھے دینا ہوگا اور جس کو فروخت کروگے اس کو بھی فی بیگہ تمہارے حساب سے خراج دینا پڑیگا۔ اور سرکار انگریز جو حکم تیس برس کے بعد کرے گا، تم اور ہم دونوں کو اس کا حکم بجالانا پڑیگا، پس رعیت کو اس زمین کا مالک کہا جائے گا یا نہیں، اور اگر فرگنگ مذکور نے کسی رعیت سے جبراً زمین چھین کر دوسری رعیت کو نذرانہ لے کر زمین دیدی تو رعیتِ اوّل اس زمین کا مالک ہوگا یا رعیتِ ثانی اور کس کو ان دونوں میں سے اس زمین میں تصرف کرنا جائز ہوگا اور کس کو نہیں۔ ازروئے شرع شریف کے؟ باوجود کہ سرکار انگریز میں ایک رعیت سے چھین کر دوسری اور کسی رعیت کو دینے سے یا فرگنگ کو خود اس زمین میں تصرف کرنے سے مانع ہے؟

الجواب: **في رد المحتار عن غاية البيان: قال أصحابنا: إن العوض الذي يسقط به الرجوع ماشرط في العقد -إلى قوله- وليس كذلک إذا شرط في العقد؛ لأنه يوجب أن يصير حكم العقد حكم البيع، ويتعلق به الشفعة ويرد بالعيب الخ ج۴ص۷۹۰ (۱)۔**

چونکہ فرگنگ کو جو سرکار سے ملا ہے وہ تو بوجہ ہبہ صحیحہ کے اس کی ملک ہوگیا، کما ہو ظاہر (۲) آگے جو

---

(۱) شامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۰، کراچی ۵/ ۷۰۳۔

(۲) **إذا تمت الهبة صحيحة بشروطها المتقدمة، فإن الملك يثبت للموهوب له في الشيء الموهوب.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۴۷) ←

فرگنگ نے بشرائط مذکور کسی اور کو دیا ہے ظاہر صیغہ سے یہ ہبہ بالعوض معلوم ہوتا ہے اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے، جیسا روایت مذکورہ سے ثابت ہوا، اور اگر بیع ان شرائط سے ہو وہ فاسد ہے(۱) اور بیع فاسد میں جیسا فقہاء نے تصریح کی ہے۔ قیمت متعارفہ واجب ہوتی ہے(۲)۔ نیز بیع فاسد میں مشتری اگر قبضہ کرے مالک ہوجاتا ہے(۳) نیز بیع فاسد میں اگر مشتری نے اس کو کسی اور شخص کے ہاتھ بیع صحیح نہ کیا ہو یا ہبہ کر کے

← **وأما حكمها فثبوت الملک للموهوب له غير لازم الخ.** (هندية، كتاب الهبة، الباب الأول: في تفسير الهبة وركنها وشرائطها، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٤، جديد زكريا ٤/ ٣٩٦)

البحرالرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٨٣، كوئٹه ٧/ ٢٨٤۔

(۱) كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٥٩)

ولو كان البيع بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أي البائع والمشتري أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدميا فهو أي هذا البيع فاسد. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٩٠)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٨٢، كراچی ٥/ ٨٥۔

(۲) اتفق الحنفية على أن حصول الملک بالقبض في البيع الفاسد في مقابل قيمة المبيع لا الثمن المسمى الذى اتفق عليه الطرفان، وذلک لأن العقد منهي عنه، والتسمية فاسدة فلا يجب المسمى، والمعتبر في القيمة يوم القبض عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ، ويوم الإتلاف عند محمدؒ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٠٨)

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، بيان ما يبطل به حق الفسخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٩٠، كراچی ٦/ ٣٠٤۔

(۳) البيع الفاسد يفيد الملک بقبض المشتري المبيع بإذن البائع صريحا أو دلالة عند الحنفية، كما إذا قبضه في المجلس وسكت البائع فيجوز للمشتري التصرف في المبيع ببيع أو هبة، أو صدقة، أو إجارة ونحو ذلک إلا الانتفاع، قال ابن عابدين: إذا ملكه تثبت له كل أحكام الملک إلا خمسة: لا يحل له أكله، ولا لبسه، ولا وطؤها -إن كان المبيع أمة- ولا أن يتزوجها منه البائع، ولا شفعة لجاره لو عقارا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٠٧) ←

تسلیم نہ کیا ہو یا وقف نہ کردیا ہو یا رہن نہ کردیا ہو۔(**من التصرفات التي ذكره في الدر المختار باب البيع الفاسد**) اس وقت تک بائع کو حق فسخ واسترداد حاصل ہے(۱)اور جو مشتری سے لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں فرگنگ نے جس شخص کو زمین دی ہے اگر وہ قبضہ کرلے گا تو مالک ہوجاوے گا، اور جو شرائط ٹھہرائے ہیں سب لغو ہوں گے، البتہ اس زمین کی جو قیمت مروجہ ہوگی وہ واجب ہوگی۔اور جب تک اس زمین لینے والے نے تصرفات مذکورہ منقولہ عن الدرالمختار نہ کئے ہوں فرگنگ اگر واپس کرلے جائز، لیکن فرگنگ نے جو اس شخص سے لیا ہو وہ واپس کرے اور اگران تصرفات میں سے کوئی تصرف کرلیا ہو تو فرگنگ زمین واپس نہیں کرسکتا۔

۲۸/شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۵۶وحوادث ۱،۲ص۲۹)

زمین محض نام کردینے سے ملکیت سے نہیں نکلتی

نوٹ: یہ مسئلہ بایں عنوان وحوالہ کتاب الدعویٰ میں آچکا ہے(۲)۔

← الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲۸۷، کراچی ۵/ ۸۹۔

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٨٢-٥٩٠، کراچی ٦/ ٢٩٩-٣٠٤۔

(۱) **فإن باع المشتري المشترى فاسدا بيعا صحيحا باتا لغير بائعه وفساده بغير الإكراه أو وهبه، وسلم أو اعتقه أو كاتبه أو استولدها ولو لم يتحبل ردها مع عقرها اتفاقا. سراج: بعد قبضه أو وقفه وقفا صحيحا أو رهنه أو أوصى أو تصدق به نفذ البيع الفاسد في جميع ما مر، وامتنع الفسخ لتعلق حق العبد به.** (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٩٢-٢٩٤، کراچی ٥/ ٩٢-٩٤)

وأطلق الحنفية القول بأنه يبطل حق الفسخ بكل تصرف يخرج المبيع عن ملك المشتري الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١١٠)

(۲) کتاب الدعوات سوال نمبر:۲۰۲۶ کا ملاحظہ فرمائیے، نیز قدیم ۳/۱۴۱ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صغیر کے حق میں بغیر قبضہ کے ہبہ کا تام ہونا

سوال (۲۱۲۰): قدیم ۳/ ۴۷۹- مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی و برتن وغیرہ اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دیں گے۔ وقتاً فوقتاً کسی کسی زیور کو جو تیار ہوکر آتے رہے اپنے اعزا واحباب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے منجملہ اشیاء مسطورۂ بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئی تھیں اور بعض بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون کون سی قبل از بلوغ تیار ہوئی تھیں اور کونسی بعد بلوغ، بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زائد از یک سال زندہ رہے، اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بقبضۂ مورث رہیں اور مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا۔ اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعاً متروکۂ متوفی قابل ورثہ متصور ہوں گی، یا تنہا ملکِ دختر اور مورث کی محض نیت ہبہ یا وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا؟

الجواب: في الدر المختار: اتخذ لولده أو لتلميذه ثيابا، ثم أراد دفعها لغيره ليس له ذلك مالم يبين وقت الاتخاذ أنها عارية. وفي ردالمحتار: قوله لولده: أى الصغير، وأما الكبير فلابد من التسليم كما في جامع الفتاوٰى. ج۴ ص ۷۸۴،۷۸۵ (۱) وفي الهداية: إذا وهب الأب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقد. في العناية: والقبض فيها باعلام ما وهبه له، وليس الإشهاد بشرط إلا أن فيه احتياطا للتحرز عن جحود الورثة بعد موته أو جحوده بعد إدراك الولد آھ (۲)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۰۱، كراچی ۵/ ۶۹۶۔

(۲) هداية مع العناية، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳٤، كوئٹه ۷/ ٤۹۳۔

رجل اتخذ لولده أو لتلميذه ثيابا ثم أراد أن يدفع إلى ولده الآخر أو تلميذه الآخر ليس له ذلك إلا إذا بين وقت الاتخاذ أنها عارية، كذا في السراجية. اشترى ثوبا فقطعه لولده الصغير صار واهبا بالقطع مسلما إليه قبل الخياطة، ولو كان كبيرا لم يصر مسلما إليه إلا بعد الخياطة والتسليم. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ٤/ ۳۹۲، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤۱۷) ←

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ نمبرا۔ جو زیور وغیرہ اس دختر کی نابالغی کے زمانہ میں بنا ہے، وہ اسی کی ملک ہو گیا، جن وارثوں کو یہ بات معلوم ہو، یا معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس پر شرعی گواہ قائم ہوں۔ اُن کو اس زیور وغیرہ میں دعویٰ حرام ہوگا، نمبر۲- جو اس دختر کے بلوغ کے بعد تیار ہوا ہے وہ مورث کی مِلک ہے، اور سب ورثہ کا اس میں حق میراث ہے، نمبر۳- البتہ اگر دختر یا وکیل کا اس پر بھی قبضہ ہو گیا ہو تو وہ بھی اس کی مِلک میں داخل ہو جائے گا، اور اگر مصنوع قبل البلوغ و مصنوع بعد البلوغ متمیز نہ ہو باہم صلح کے ساتھ متمیز کرلیں (۱)۔ ۳۰ محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۱)

بچوں کو جو عطیات دئے جاتے ہیں ان کا حکم

سوال (۲۱۲۱): قدیم ۳/۴۸۰ - نابالغ بچوں کو ان کے نانا یا دادا کچھ عطا کریں تو اس عطا کو بچوں کے ماں باپ ان بچوں پر کس طرح سے صرف کریں، اگر روٹی کپڑے میں صرف کیا جائے تو

← **ولو اتخذ لولده الصغير ثيابا ثم أراد أن يدفع إلى ولد آخر ليس له ذلك، إلا أن يبين وقت الاتخاذ أنها عارية له، وكذلك لو اتخذ لتلميذه ثيابا ثم أبق فأراد أن يدفع إلى غيره.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل السادس: في الهبة للصغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٤/ ٤٦٧، رقم: ٢١٧٤١)

وهبة الأب لطفله تتم بالعقد؛ لأنه في قبض الأب فينوب عن قبض الصغير؛ لأنه وليه، وإن كان الموهوب في يد الأب فلا يحتاج إلى قبض جديد، سواء كان في عياله أو لا لكن يلزم الإشهاد وعليه الاحتياط والتحرز عن جحود سائر الورثة بعد موته. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٦)

(۱) عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ ماں باپ کے ذمّہ ہے، تاوقتیکہ بالغ ہوں، تو اس عطا کو امانۃً جمع کریں بلوغ ’’تک،، یا شیرینی وبالائی میں خرچ کردیویں، کیا صورت کریں۔

الجواب: في الدرالمختار: ولطفله الفقير الحر لأن نفقة المملوک على ملكه والغنى في ماله الحاضر (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جونا بالغ مالک کسی مال کا ہو اول نفقہ اسی مال میں ہوگا۔ مال کے ہوتے ہوئے باپ پر واجب نہ ہوگا، پس صورت مذکورہ میں یہ عطیات اس نابالغ کے ضروری نفقات میں صرف کردیئے جائیں۔ ۲۷/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، ج۲ ص۸۰)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقته في كسبه لا على أبيه، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۶، كراچى ۳/ ۶۱۲۔

ونفقة الطفل الحر الفقير وكذا السكنى والكسوة تجب على أبيه بالإجماع، سواء كان الأب مؤسرا أو معسرا لكن على المعسر تفرض عليه بقدر الكفاية، وعلى الموسر بقدر ما يراه الحاكم ...... قيد بالطفل لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه إلا بشروط كما سيأتي وقيد بالفقير؛ لأن ينفق على الغني من ماله، فإن أنفق الأب من ماله رجع على ماله بشرط الإشهاد، وقيدنا بالحر؛ لأن الولد المملوک نفقته على مالكه لا على أبيه. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۹۱-۱۹۲)

ولطفله الفقير (كنز) وتحته في البحر: أي تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير الفقير ...... وقيد بالفقير؛ لأن الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۴۰-۳۴۱، كوئٹه ۴/ ۲۰۱)

ولطفله الفقير يعني تجب النفقة والكسوة عليه لأولاده الصغار الفقراء ...... وتقييده بالطفل الفقير يفيد عدم وجوبها إذا كان الولد غنيا أو كبيرا، وهذا صحيح؛ لأن الغني يأكل من مال نفسه، والبالغ إذا كان ذكرا وهو صحيح لا تجب نفقته على أبيه، ولا على غيره من الأقارب. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۲۵، إمداديه ملتان ۳/ ۶۲)

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۱۸۔

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الطلاق، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۹۲۔

جرمانہ سے کارندہ کو انعام دینا

سوال (۲۱۲۲): قدیم ۳/ ۴۸۰ - اگر ایسی آمدنی سے کوئی رقم کارندہ کو بطور انعام گرفتاری ملزم یا صلہ کارگذاری ملے تو کارندہ کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں وہ مالک اپنے پاس سے دے(۱)۔

۲۶/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث ا،۲،ص ۱۰۰)

گورنمنٹ کو اطلاع کئے بغیر افسران سے انعام لینا

سوال (۲۱۲۳): قدیم ۳/ ۴۸۰- چھتر پور سے بجاور ایک مقام ہے۔اس میں ایک

---

(۱) کسی بھی ادارہ یا محکمہ یا شخص کے لئے مالی جرمانہ لیناجائز نہیں ہے، اگر کسی کے پاس اس طرح کی رقم موجود ہے تو وہ بدستور اصل مالک کی ملکیت میں ہے جس کا مالک کو واپس کرنا لازم وضروری ہے، اس میں کسی بھی طرح کا تصرف ملک غیر ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی کو کارندہ کی حسن کارگردگی پر خوش ہو کر اسے کچھ انعام دینا ہو تو اپنے پاس سے دیناضروری ہے، جرمانہ کے عنوان سے جو رقم موجود ہے اس سے انعام دینا ملک غیر ہونے کی وجہ سے جائز نہیں؛ بلکہ اس کا اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔

والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١)

البحرالرائق، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦١، رقم: ٩٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١١٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچی ٦/ ٢٠٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تار نیا لگانا تھا۔ اس کے خرچہ کی منظوری گورنمنٹ سے آٹھ سو روپے کی تھی، اور وہ کام چار سو روپے میں ہوگیا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو کہ ہمارے ہمراہ تھا اس نے کہا ہم تم کو بیس روپے انعام دیتے ہیں، اور پانچ روپے دوسرے آدمیوں کو دیتے ہیں اور شاید اس نے خود بھی کچھ لیا ہوگا تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بتلایئے کہ اس ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کو سرکار سے ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں یا نہیں، اور اس انعام کی اطلاع اگر گورنمنٹ کو ہو وہ جائز رکھے گی یا نہیں جواب اس پر موقوف ہے(۱)۔

۲۲/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۳۴)

حکومت کو اطلاع کیئے بغیر حکومت کے مال سے انعام لینا جائز نہیں

سوال (۲۱۲۴): قدیم ۳/۴۸۱- اس انعام کی اطلاع اگر گورنمنٹ کو کی جاوے تو امید غالب ہے کہ شاید نہ منظور کرے فقط۔

الجواب: بس تو جائز نہیں (۲)۔ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۳۵)

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے سوال کا جواب نہ دے کر خود سائل پر وضاحتی سوال قائم کر کے اس پر جواب کو موقوف کر دیا، پھر سائل کی طرف سے وضاحتی سوال کا جواب آیا، جس کا جواب حضرت والا نے دیا جو اگلے سوال نمبر:۲۱۲۴ کے ذیل میں منقول ہے؛ لہٰذا وضاحتی سوال اور اس کا جواب اور جزئیات سوال نمبر:۲۱۲۴ کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦١، رقم: ٩٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١١٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچى ٦/ ٢٠٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیوالی وغیرہ کے موقع پر غیر مسلموں کی طرف سے ملنے والے ہدیہ کا حکم

سوال (۲۱۲۵): قدیم ۴۸۱/۳ - نمبرا۔ ہندو اپنے تہواروں میں اگر مسلمانوں کو ہدیۃً کچھ دیں (مثلاً دیوالی کہ اس میں اکثر ہندو مسلمان کے یہاں مٹھائی وغیرہ لایا کرتے ہیں) قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نمبر۲۔ اور اگر کوئی شخص قبول کر کے کسی دوسرے کو کھلانا چاہے تو اس شخص کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، نمبر۳۔ اگر کفار خاص اپنے تہوار کے لئے کوئی خاص مٹھائی بنائیں۔ مثل کھلونے وغیرہ کے تو اس کا دوکان سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ نمبر۴۔ مہاداۃ مطلقہ بین المسلم والکافر جائز ہے یا نہیں؟ نمبر۵۔ یہ جو مشہور ہے کہ خاص اس رات کو کھانا جائز نہیں آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في العالمگيرية: ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة، كذا في الملتقط. وفي التفاريق: لا بأس بأن يضيف كافرا لقرابة أو لحاجة، كذا في التمرتاشي ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة، هكذا ذكر محمدؒ، ثم فيها ولابأس بأن يصل الرجل المسلم المشرک قريباً كان أو بعيدا، محاربًا كان أو ذميًا، وأراد بالمحارب المستأمن، وأما إذا كان غير المستامن فلا ينبغي للمسلم أن يصله بشيء، كذا في المحيط. وذكر القاضي الإمام ركن الإسلام علي السغدي: إذا كان حربيا في دار الحرب، وكان الحال حال صلح ومسالمة فلا بأس بأن يصله، كذا في التاتارخانية. هذا هو الكلام في صلة المسلم المشرک، وجئنا إلى صلة المشرک المسلم فقد روى محمدؒ في السير الكبير أخباراً متعارضة في بعضها أن رسول الله ﷺ قبل هدايا المشرک، وفي بعضها: أنه ﷺ لم يقبل فلابد من التوفيق، واختلف عبارة المشائخؒ في وجه التوفيق فعبارة الفقيه أبي جعفر الهندواني: أن ماروى أنه لم يقبلها محمول على أنه إنما لم يقبلها من شخص غلب على ظن رسول الله ﷺ أنه وقع عند ذلک الشخص أن رسول الله ﷺ إنما يقاتلهم طمعا في المال لا لإعلاء كلمة اللّٰه، ولا يجوز قبول الهدية من مثل هذا الشخص في زماننا، وما روى أنه قبلها محمول على أنه قبل من شخص غلب على ظن رسول الله ﷺ أنه وقع عند ذلک

الشخص أن رسول الله ﷺ إنما يقاتلهم لإعزاز الدين ولإعلاء كلمة الله العليا، لا لطلب المال وقبول الهدية من مثل هذ الشخص جاز في زماننا أيضا، ومن المشائخ من وفق من وجه اٰخر فقال: لم يقبل من شخص علم أنه لو قبل منه يقل صلابته وعزته في حقه ويلين له بسبب قبول الهدية، وقبل من شخص علم أنه لا يقل صلابته وعزته في حقه، ولا يلين بسبب قبول الهدية، كذا في المحيط. ج٦ ص ٢٣٢ (١)۔

ان روایات سے مہادات مسئول عنہا کے احکام کی تفصیل معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی ضرر دینی نہ ہوتو کفار مصالحین سے ہدایا کا لین دین جائز ہے (۲) اور اس سے اکثر سوالوں کا جواب حاصل ہوگیا، صرف دو

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة، والأحكام التي تعود إليهم، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠١۔

(۲) **لا بأس بأن يصل الرجل المسلم المشرك قريبا كان أو بعيدا، محاربا كان أو ذميا، وأراد بالمحارب المستأمن، فأما إذا كان غير المستأمن فلا ينبغي للمسلم أن يصله بشيء. وفي الذخيرة: وذكر القاضي الإمام ركن الإسلام علي السغدي: إذا كان حربيا في دار الحرب، وكان الحال حال صلح ومسالمة فلا بأس بأن يصله، هذا هو الكلام في صلة المسلم المشرك، وجئنا إلى صلة المشرك المسلم فقد روى محمدؒ في السير الكبير أخباراً متعارضة –إلى قوله– ومن المشائخ من وفق من وجه آخر فقال: لم يقبل من شخص علم أنه لو قبل منه يقل صلابته وعزته في حقه، ويلين له بسبب قبول الهدية، وقبل من شخص علم أنه لا يقل صلابته وعزته في حقه، ولا يلين بسبب قبول الهدية. والله أعلم** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٦٨، رقم: ٢٨٣٨٢-٢٨٣٨٥)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة الخ، المجلس العلمي بيروت ٨/ ٧٠-٧١، رقم: ٩٦٠٧-٩٦١٠۔

فائدة: وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب وقبول هداياهم فكل ذلك جائز الخ.

(إعلاء السنن، كتاب الهبة، باب سقوط القبض إذا كان الموهوب في يد المتهب، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ١٧٨، كراچی ١٦/ ١٤٦) ←

جزو خاص قابل تعرض کے باقی رہ گئے، ایک یہ کہ ہدیہ دیوالی کا شاید اس تہوار کی تعظیم کے لئے ہو جس کو فقہاء نے سخت ممنوع لکھا ہے، دوسرا یہ کہ اس میں تصاویر بھی ہوتی ہیں، ان کا اقتناء واحترام مستلزم للتقوم واستعمال لازم آتا ہے اور بعض فروع میں تصاویر کے تقوم کی نفی کی گئی ہے، تو اس میں اس حکم شرعی کا بھی معارضہ ہے، جواب اول کا یہ ہے کہ یہ عادت سے معلوم ہے کہ اس ہدیہ کا سبب مہدی لہ کی تعظیم ہے نہ کہ تہوار کی تعظیم (۱) اور جواب ثانی کا یہ ہے کہ مقصود اہداء میں صورت نہیں بلکہ مادہ ہے (۲) البتہ یہ واجب ہے کہ مہدی لہ فوراً تصاویر کو توڑ ڈالے۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۸)

یتیم کے مال سے اس کی تعلیم کی خاطر استاذ کو ہدیہ دینے کا حکم

سوال (۲۱۲۶): قدیم ۳/ ۴۸۰- (۳) یتیم مالدار را امیش پیش صاحب ہنر برائے

← **وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر ...... إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني، ولا سياسي.** (تفسير المراغي، الجزء العاشر، تحت تفسير رقم الآية: ١٧ من سورة البراءة، مطبوعه المكتبة التجارية مصطفى أحمد باز بيروت ٤/ ٧٤)

(۱) **قاعدة: ١٧٦: العادة محكمة: يعني أن العادة عامة أو خاصة تجعل حكما لإثبات حكم شرعي.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٩٠)

الأشباه والنظائر، الفن الأول: في القواعد الكلية، القاعدة السادسة: العادة محكمة، قديم ص: ١٥٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٦٨-

(۲) **قاعدة: ٥١: الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر مثلا كتابة اسم الله تعالى على الدراهم إن كان بقصد العلامة لا يكره وللتهاون يكره.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٦٢)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها قديم ص: ٥٣، جديد زكريا ١/ ١٠٢-

(۳) **خلاصہ ترجمہ سوال:** یتیم مالدار کو اس کے سابق ولی ہنر سیکھنے کے واسطے کسی کی نگرانی میں سپرد کر کے اس سے کہتے ہیں کہ یتیم کے مال سے کبھی کبھی صاحب ہنر (استاذ) کو ہدیہ دیتے رہنا، تاکہ شوق ورغبت اور الفت ومحبت سے ہنر سکھلا دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ دراں حالیکہ ہدیہ دئے بغیر استاذ راغب نہیں ہوگا اور یہاں اس طرح کے معاملہ میں عقد اجارہ کرنا مروج نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض عقد اجارہ طے ہو جائے تو ہنر سیکھنے کے لئے یتیم کے مال سے اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آموختن ہنر سپردہ آن حامی می گوید کہ از مال یتیم گاہ گاہ آں ہنر مند را ہدیہ دادن تا کہ برغبت والفت ہنر بیاموزاندرواست یانہ وبغیر از اہداء راغب نخواہد شد ودریں چنیں معاملہ تعیین عقد اجارہ مروج نیست، واگر بالفرض اجارہ منعقد شود پس اجرت از مال یتیم درآموختن حرفت دادن جائز یانہ؟

الجواب: (۱) في الهداية، كتاب المأذون: ولايهب بعوض ولا بغير عوض، وكذا لا يتصدق إلا أن يهدى اليسير من الطعام أو يضيف من يطعمه؛ لأنه من ضرورات التجارة استجلاباً لقلوب المجاهزين بخلاف المحجور عليه؛ لأنه لا إذن له أصلا فكيف يثبت ما هو من ضروراته (۲)۔

ازیں روایت ہویدا شد کہ اذن بالشئ اذن بلوازم اوست وولی یتیم ماذون ست باتفاق، درمصالح تعلیم یتیم وایں اہداء مسئول عنہ عادۃً از لوازم اوست پس باآں ہم ماذون خواہد بود۔

۵/ذی الحجہ ۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۸)

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: هداية، كتاب المأذون میں ہے: ولا يهب بعوض –إلى قوله– فكيف يثبت ما هو من ضروراته اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بارے میں اجازت دینا اس کے لوازم کے لئے بھی اجازت ہوتی ہے اور یتیم کا ولی بالاتفاق یتیم کی تعلیم کے مصالح میں ماذون ہے اور اس طرح ہدیہ دینا جس طرح کہ سوال میں مسئول عنہ ہے تعلیم کے لوازم میں سے ہے، پس اس میں بھی یتیم کا ولی ماذون ہوگا۔ ۱۲

(۲) هداية، كتاب المأذون، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۳٦٤۔

ولا يهب لأنه تبرع محض، وسواء كان بعوض أو بغير عوض؛ لأنه تبرع ابتداء وانتهاء، ويهدي طعاما يسيرا، ويضيف من يطعمه؛ لأن التجار محتاجون إليه لاستجلاب قلوب المجاهزين، وروي أنه عليه الصلاة والسلام: كان يجيب دعوة المملوك، والمراد به المأذون له؛ لأن المحجور عليه ليس له أن يتخذ الضيافة اليسيرة لعدم الإذن. (تبيين الحقائق، كتاب المأذون، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۲۸۷، إمداديه ملتان ٥/ ۲۰۸)

وليس له أن يقرض أو يهب ولو بعوض؛ لأنها من التبرعات أو يهدي أي ليس له الإهداء إلا إهداء الشيء اليسير من الطعام كالرغيف ونحوه لاستجلاب القلوب لا الدراهم والدنانير، والمحجور لا يهدي اليسير أيضا لعدم الإذن. (مجمع الأنهر، كتاب المأذون، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٦٧) ←

بلا عذر ہدیہ قبول نہ کرنا غیر پسندیدہ فعل ہے

سوال (۲۱۲۷): قدیم ۳/ ۴۸۳ - ایک بات میں بندہ نے بہت خوض کیا، مگر کتابوں سے یا اس ملک کے اور صاحبوں سے حل نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں، اور بارگاہ عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو کچھ تحفے یا روپے پیسے نہایت خوشی سے دینے لگے، جس کو دینے لگے وہ شخص نامنظور کرنے لگے، دینے والے نے کہا یہ تحفے نہیں لینے سے میں نہایت ناخوش ہوتا ہوں، لینے والے نے کہا میں اس کو نہیں لینے سے بہت خوش ہوتا ہوں، اب ہر دو ناخوش اور ناراض ہیں، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے، بالتفصیل تحریر کریں گے، حالانکہ یہ تحفے کچھ عیب شرعاً نہیں ہے؟ فقط

الجواب: جب اس ہدیہ قبول کرنے سے کوئی امر مانع شرعی (*) نہیں تو لینے والے کا یہ کہنا کہ میں اس کو نہیں لینے سے بہت خوش ہوتا ہوں سخت غلطی اور شعبہ کبر کا ہے، جو سنت کے بالکل خلاف ہے حدیث میں ''تهادوا تحابوا'' صریح حکم ہے، اگر بلا عذر مہدی الیہ انکار کرے تو ''تهادوا'' پر عمل کس طرح ہوگا (۱)۔ فقط ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۳)

(*) البتہ عذر کے وقت انکار جائز ہے۔ ۱۲ منہ

← البحر الرائق، كتاب المأذون، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۶۹، كوئٹه ۸/ ۹۳۔

(۱) **أخرج البيهقي في سننه عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا تحابوا.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الهبات، باب التحريض على الهبة والهدية صلة بين الناس، دارالفكر بيروت ۹/ ۱۵٤، رقم: ۱۲۱٦۸)

مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ۳٦۲، رقم: ٦۱۲۲۔

الأدب المفرد للإمام البخاري، باب قبول الهدية، ص: ۱۸۰، رقم: ٥۹٤۔

عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقبل الهدية ويثيب عليها. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب المكافاة في الهبة النسخة الهندية ۱/ ۳٥۲، رقم: ۲٥۱۳، ف: ۲٥۸٥)

عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو دعيت إلى كراع لأجبت، ولو أهدي إليّ ذراع لقبلت. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب القليل من الهبة، النسخة الهندية ۱/ ۳٤۹، رقم: ۲٤۹۷، ف: ۲٥٦۸)

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفریق کا حکم

سوال (۲۱۲۸): قدیم ۴۸۳/۳ - (۱) وہم واضح ماند کہ پدران را میرسد کہ میان اولاد ذکور خود را عطاء امتیاز ساز ند یا نہ برصورت اول در دار آخرت عند اللہ قابل مواخذہ شوند یا نہ۔ وقواعد تصرف مال موقوفہ چیست و بچہ صورت صحیح گردد و بچہ صورت غیر صحیح از حوالہ کتب معتبرہ فقہیہ واحادیث نبویہ بالتفصیل جواب ہر سوال ارقام نمودہ تا تشنہ لباں را از سحاب جواب باصواب متردّی وآسودہ گردانند؟

الجواب: (۲) في الدر المختار عن الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل

---

(۱) **خلاصہ ترجمہ سوال**: وہم واضح ہو کہ والدین کو اپنے مذکر اولاد کے درمیان عطیات میں کمی وبیشی کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں دار آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اور مال موقوفہ میں تصرف کے قواعد کیا ہیں؟ اور کس صورت میں صحیح ہوگا؟ اور کس صورت میں صحیح نہ ہوگا؟ ہر سوال کا جواب فقہ کی معتبر کتابوں اور احادیث نبویہ کے حوالہ سے بالتفصیل تحریر فرمائیں، تاکہ تشنہ لبوں کو درست جواب کے بادل سے سیراب وآسودہ کریں۔

(۲) **خلاصہ ترجمہ جواب**: درمختار میں ہے: ”لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة -إلى قوله- من التثليث الذي هو قول محمد. ۳/ ۷۸۵“ اور درمختار میں ہے: ”وندبت بأقل منه ولو عند غني -إلى قوله- ولو عند غني ورثته. تنبيه: قال في الحاوي القدسي: من لا وارث له -إلى قوله- بجميع ماله بعد التصدق بيده. ۵/ ۶۴۰“۔ ان روایات سے مستفاد ہوا کہ عطایا میں اس طرح تفاوت کہ بعض کو بالکل محروم کردینا بعض کے حصہ کو کم کردینا جب ان کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے ہو یا ان کے نقصان کا باعث ہو موجب گناہ ہے، اگرچہ نافذ ہوجائے گا۔ اور اگر مذکورہ خرابی لازم نہ آئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے یہی حکم وقف کا بھی ہے۔ اور اگرچہ سوال میں مذکور تمام تصرفات صحیح ونافذ ہوں گے، جیسا کہ جواب میں ذکر کیا گیا؛ لیکن اگر نیت قربت کے دعوی کے حیلہ کے ذریعہ وارثوں کو محروم کرنا مقصود ہے تو وقف مقبول نہ ہوگا- واللہ اعلم- اور جو یہ سوال کیا گیا ہے کہ مال موقوف کے تصرف کے قواعد کیا ہیں؟ اور کس صورت میں صحیح ہوگا اور کس صورت میں صحیح نہ ہوگا؟ پس اگر ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنا ہو تو علیحدہ علیحدہ طور پر سوال کیجئے۔　　شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

المال للولد جاز وأثم. وفي رد المحتار: وعليه الفتوىٰ أى علىٰ قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذي هو قول محمد. رملي ج۳ ص ۵۸۷ (۱)۔ وفي الدر المختار كتاب الوصية: وندبت بأقل منه ولو عند غني ورثته أو استغنائهم بحصتهم كتركها أي كما ندب تركها الخ. وفي ردالمحتار في آخر الحاشية على قوله: ولو عند غني ورثته مانصه.

تنبيه: قال في الحاوي القدسي: من لا وارث له، ولا دين عليه، فالأولى أن يوصى بجميع ماله بعد التصدق بيده ج۵ ص ۶۴۰ (۲)۔ ازیں روایات مستفاد شد کہ ایں تفاوت در عطایا حرماں بعضے یا تنقیص نصیب بعضے ہرگاہ کہ قصد اضرار ایشاں باشد یا موجب ضرر ایشاں باشد موجب گناہ است اگرچہ نافذ باشد واگر محذور مذکور نباشد مضائقہ نیست وکذلک الوقف اگرچہ تصرفات مذکورہ اسئلہ بالا ہمہ نافذ صحیح باشند کما ذکر فی الاجوبۃ لاکن اگر بحیلہ دعوی نیت قربت ورثہ را محروم کردن منظور ست وقف مقبول نباشد واللہ اعلم وآنچہ سوال کردہ شدہ است کہ قواعد تصرف مال موقوف چیست و بچہ صورت صحیح گردد و بچہ صورت غیر صحیح پس آنچہ سوال کردنی باشد جزئیاً سوال کردہ شود۔

۷/محرم ۱۳۳۲ھ

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۰۱-۵۰۲، كراچی ۵/ ۶۹۶۔

ولو وهب شيئا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفةؒ: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كان سواء يكره، وروي المعلى عن أبي يوسفؒ أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم وهو **المختار**. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۳۹۱، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۶)

خانية على هامش الهندية، كتاب الهبة، قديم زكريا ۳/ ۲۷۹، جديد زكريا ۳/ ۱۹۴۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۴۱، كراچی ۶/ ۶۵۱-۶۵۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہبہ بالعوض میں بھی شرائط الخ

(تتمہ جلد اص ۱۹۶ ۱۲) حتی کہ ہبہ بالعوض میں بھی وہ شرائط ضروری ہیں۔۱۲۔ایں علی الاطلاق مسلم نیست **نعم إذا كان بكلمته على هذا إذا قال: وهبتک على أن تعوضنى كذا، أما لو قال: وهبتک كذا، فهو بيع ابتداءً وانتهاءً. ۱۲ الدرالمختار (۱)۔**

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۵، کراچی ۵/ ۷۰۶۔

مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۰۵-۵۰۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/ کتابُ الشرکۃ

قرض کی رقم میت کے کسی وارث کو دینے سے عدم برأت کا حکم

سوال (۲۱۲۹): قدیم ۳/۴۸۴- ہندوستان کے عام رواج کے موافق زید اور اس کے تمام ورثہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے کھاتے پیتے ہیں، عمرو نے زید سے کوئی چیز خریدی اور ابھی قیمت نہیں دی تھی کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد عمرو نے قیمت ورثۂ زید میں سے ایک وارث کو دیدی، ہر ہر وارث کو ان کے حصوں کے موافق نہیں دی، تو کیا عمرو اپنے بار سے سبکدوش نہیں ہوا۔ اور کیا دوبارہ ہر وارث کو ان کے حصوں کے موافق دینا چاہئے، زید کے ورثا اب تک بدستور سابق ایک ہی گھر میں رہتے سہتے کھاتے پیتے ہیں اور ان کے اموال باہم مشترک ہیں، اور زید کے بعد اسی اشتراک اور ایک گھر میں ہونے کے سبب زید کا کچھ ترکہ تقسیم نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے؟

الجواب: یہ شرکت املاک ہے، شرکت عقد نہیں، جس میں ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے(۱) پس جب شرکت املاک میں وکالت نہیں تو ایک وارث کو دینے سے دوسرے ورثہ کا مطالبہ اپنے اپنے حصہ کا باقی رہے گا، البتہ اگر سب مل کر اس وارث کو اذن دیدیں یا میت اس وارث کو اپنا وصی بنا گیا تھا، تب البتہ اس کا قبض سب کا قبض ہے، البتہ اگر دوسرے ورثہ عمرو سے مطالبہ کریں تو عمرو اس وارث سے باستثناء اس کے حصے کے بقیہ رقم واپس لے سکتا ہے۔

۲۷/ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۳ ص ۱۰۳)

---

(۱) **الشركة في الأصل نوعان: شركة الأملاك وشركة العقود، وشركة الأملاك نوعان نوع يثبت بفعل الشريكين، ونوع يثبت بفعل غيرهما -إلى قوله- وأما الذي يثبت بغير فعلهما فالميراث بأن ورثا شيئا فيكون الموروث مشتركا بينهما شركة ملك.** (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٧٣، كراچی ٦/ ٥٦)

الشركة ضربان: شركة ملك وشركة عقد، فالأولى أن يملك اثنان إرثا أو شراء أو اتهابا أو استيلاء أو اختلط مالهما بحيث لا يتميز أو خلطاه، وكل منهما أجنبي في نصيب الآخر حتى لا يجوز له التصرف فيه إلا بإذن الآخر كغير الشريك لعدم تضمنها الوكالة ←

شرکت عنان میں مال کا نقد اور نفع کا غیر معین ہونا شرط ہے

سوال (۲۱۳۰): قدیم ۳/ ۴۸۵- مجھے کچھ روپیہ قرض لینے کی ضرورت پڑ گئی ہے، ایک صاحب روپیہ دینے پر تیار ہیں، مگر کہتے ہیں کہ تجارت میں مجھ کو بھی شریک کرلو بہت سے امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا، لیکن اس وقت ایسی مجبوری ہوگئی کہ لامحالہ مجھے اس کو منظور کرنا پڑا، مگر خواہش یہ ہے کہ شرکت ایسے طریقے سے کی جائے کہ روپیہ جلدی ادا ہوکر علیٰحدگی ہو جائے، لہٰذا اس کے واسطے میں نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ جس قدر روپیہ کی مجھ کو ضرورت ہو وہ میں لے لوں، اور جن کتابوں کی خواہش ہو ان کو خرید کرلوں، اور اپنی کل تجارت میں ان صاحب کو شریک کرلوں، تا کہ روپیہ جلدی ادا ہو جائے اور میں سبکدوش ہو جاؤں ورنہ اگر چند کتابوں میں شریک کردوں گا

← ...... **والثانية: أي شركة عقد أن يقول أحدهما شاركتك في كذا ويقبل الآخر -إلى قوله- وتتضمن الوكالة فيصير كل واحد وكيلا عن صاحبه الخ.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العليمة بيروت ٢/ ٣٤٢-٥٤٧)

شركة ملك: وهي أن يملك متعدد إثنان فأكثر عينا أو دينا على ما هو الحق فلو دفع المديون لأحدهما فللآخر الرجوع بنصف ما أخذ بإرث أو بيع أو غيرهما، وكل من شركاء الملك أجنبي في الامتناع عن تصرف مضر في مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٦٦-٤٦٧، كراچی ٤/ ٢٩٩-٣٠٠)

وشرط شركة العقد كون المعقود عليه قابلا للوكالة فلا تصح في مباح كاحتطاب (درمختار) وفي الشامية: قوله: وشرطها الخ. أفاد أن كل صور عقود الشركة تتضمن الوكالة، وذلك ليكون ما يستفاد بالتصرف مشتركا بينهما فيتحقق حكم عقد الشركة المطلوب منه وهو الاشتراك في الربح إذ لو لم يكن كل منهما وكيلا عن صاحبه في النصف، وأصيلا في الآخر لا يكون المستفاد مشتركا لاختصاص المشتري بالمشترى.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٤-٤٧٥، كراچی ٤/ ٣٠٥)

النهر الفائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٤-٢٩٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تو روپیہ بہت دنوں میں ادا ہوگا۔ اور فی روپیہ ۲ نفع طے پایا ہے، مثلاً میں نے ۱۶ روپیہ لے کر کتابیں منگوا لیں، اب ۲ کے حساب سے ۱۶ میں ۲ نفع کے ہوئے۔ اصل ونفع ملا کر ۱۸ ہوئے اب اگر ۱۶ کی کتابیں علیٰحدہ دو چار رکھی جاویں تو مدت میں نکلیں گی، اس لئے روپیہ لے کر میں کتابیں اپنی ضرورت کی منگواؤں گا، باقی اس خیال سے کہ روپیہ جلدی ادا ہوجائے، اپنی کل کتابوں میں ان کی شرکت کئے لیتا ہوں اور اس امر کی اطلاع ان کو کردی گئی ہے، وہ اس پر راضی ہیں، اگر یہ صورت شرعاً جائز ہو تو اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ اور اگر ناجائز ہو تو کوئی ایسی آسان صورت سے اطلاع فرمائی جاوے کہ میری ضرورت بھی نکل آوے اور روپیہ آسانی کے ساتھ جلدی ادا ہو جاوے، کل تجارت سے میرا یہ مقصود ہے کہ جو کتابیں میرے پاس پہلے سے موجود ہیں اور جو کتابیں اس روپیہ کے ساتھ خریدوں گا دونوں کو ایک ہی میں ملا کر شرکت کرلوں، قدیم وجدید دونوں ذخیرے ایک کردیئے جائیں؟

الجواب : في الدر المختار، کتاب الشرکة: وشرطها: أي شرط العقد کون المعقود علیه قابلاً للوکالة وعدم ما یقطعها کشرط دراهم مسّماة من الربح لأحدهما؛ لأنه قد لا یربح غیر المسمّٰی، وفیه وأما عنان –إلٰی قوله– ومع التفاضل في المال دون الربح وعکسه، وببعض المال دون بعض، وفیه ولا یصح مفاوضة وعنان بغیر النقدین والفلوس النافقة، والتبر، والنقرة آه (۱)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الشرکة، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٤٧٤، ٤٨١، ٤٨٣، کراچی ٤/ ٣٠٥، ٣١٠، ٣١١۔

وشرطها: أي شرکة العقد عدم ما یقطعها أي الشرکة کشرط دراهم معینة من الربح لأحدهما، فإنه یقطع الشرکة في الربح لاحتمال أن لا یربح غیره، وفي الکافي: وشرطها أن یکون التصرف التي عقد الشرکة علیه قابلا للوکالة لیکون المستفاد بالتصرف مشترکا بینهما فتحقق حکمها وهو الشرکة في المال ...... ولا تصح مفاوضة ولا عنان إلا بالدراهم أو الدنانیر، أو بالفلوس النافقة عند محمد أو بالتبر والنقرة إن تعامل الناس بهما ...... وشرکة عنان: وهي أن یشترکا متساویین فیما ذکر أو غیر متساویین، وتصح في نوع من التجارات أو في عمومها، وببعض مال کل منهما وبکله أي بکل مال کل منهما لعدم اشتراط التساوي، وتصح مع التفاضل في رأس المال والربح ومع التساوي فیهما، وفي أحدهما دون الآخر عند علمهما.

(مجمع الأنهر، کتاب الشرکة، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٥٤٤، ٥٥٠، ٥٥١-٥٥٢) ←

ان روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ صورت شرکت عنان کی ہے، اور شرکت عنان میں دو شرطیں ہیں وہ یہاں نہیں ہیں، کیونکہ ایک کا مال نقد ہے، دوسرے کی کتابیں، اور نقد والے کا نفع معیّن ہے لہٰذا یہ شرکت ناجائز ہے۔ اور یہ نفع معین سود ہے جو ایک حیلہ سے قرض لینا مقصود ہے۔

۱۲/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، جلد۳ص ۱۰۴)

القصص السنی فی حکم حصص کمپنی (کمپنی کے شیئرز کا حکم)

سوال (۲۱۳۱): قدیم ۳/ ۴۸۶ - **بعد الحمد والصلوٰۃ:** میرے پاس ایک مقام سے کمپنی ہائے متعارفہ تجارت کے حصوں کے متعلق جن کو عرف میں شیئر کہتے ہیں سوال آیا، چونکہ سوال میں ان کی مفصل حقیقت نہ لکھی تھی اس لئے میں نے ضروری تنقیح کے ساتھ واپس کردیا۔ پھر خیال آیا کہ ایسی کمپنیوں کی مختلف صورتوں کے متعلق ایسے سوال اکثر آتے رہتے ہیں ان کے ضروری جوابوں کو بشکل ایک رسالہ کے

← **وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلا للوكالة كذا في المحيط، وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولا تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزء ا شائعا في الجملة لا معيّنا، فإن عينا عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة كذا في البدائع ...... الشركة إذا كانت بالمال لا تجوز عنانا كانت أو مفاوضة إلا إذا كان رأس مالهما من الأثمان التي لا تتعين في عقود المبادلات نحو الدراهم والدنانير، فأما ما يتعين في عقود المبادلات نحو العروض والحيوان، فلا تصح الشركة بهما سواء كان ذلك رأس مالهما أو رأس مال أحدهما كذا في المحيط.** (الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲-۳۰۶، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۱-۳۱۵)

ثم الشركة إذا كانت بالمال لاتجوز عنانا كانت أو مفاوضة إلا أن كان رأس مالهما من الأثمان التي لا تتعين في عقود المبادلات نحو الدراهم والدنانير، فأما ما يتعيّن في عقود المبادلات نحو العروض فلا تصح الشركة بها، سواء كان ذلك رأس مالهما أو رأس مال أحدهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الفصل الأول: أنواع الشركات، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۵۸، رقم: ۱۰۸۷۸)

بدائع الصنائع، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۸۳، کراچی ۶/ ۶۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک جگہ جمع کردینا اہل معاملہ کے لئے تحقیق حکم میں مفید ہوگا، اس لئے اس رسالہ کی ایک ایک فصل میں کثیر الوقوع صورتوں میں سے ایک ایک صورت کا حکم لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اپنے پرانے فتاویٰ میں سرسری مطالعہ سے اگر کوئی جزو اس مجموعہ کے مناسب نظر پڑ گیا اس کو بھی بشکل فصول اس کا ضمیمہ بنادیا جاوے گا۔

فصل اوّل

سوال (۵۲۱):۳/۴۸۶- جس امر کے متعلق میں نے (سابق میں) استفسار کیا تھا (اور آپ نے اس میں تنقیحات کی تھیں) اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر بینک ہیں سب کی صورت تقریباً ایک ہی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ایک شخص کچھ کاروبار کرنا چاہتا ہے، اور ایک دکان کی شکل قائم کرتا ہے لیکن اس دکان میں سب نقد ہوتا ہے، یعنی نقد ہی سے نقد کمانا چاہتا ہے۔ اور اس کا اعلان کرتا ہے اس کے کچھ ممبر مخلوق کے اطمینان کے لئے بنالیتا ہے، لوگوں کو اس امر کی طرف ترغیب دلاتا ہے کہ ہمارے یہاں روپیہ جمع کرو، اور (جس کو حاجت ہو) ہم سے قرض (بھی) لو، جس کو قرض دیا جاتا ہے اس سے سود لیا جاتا ہے، اور جو شخص رقم جمع کرتا ہے اس کو بھی سود دیتا ہے رقم مجتمعہ پر کم سود دیتا ہے اور جو رقم بطور قرض دیتا ہے اس پر زیادہ سود لیتا ہے اس میں کوئی قید نہیں، قرض لینے والا اور رقم جمع کرنے والا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہ بینک عموماً غیر مذہب کی کمپنیوں کے ہوتے ہیں، ایسے بینک میں رقم جمع کرنا اور اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں، اگر سود نہ لیا جائے تو وہ کمپنی والے جو یقیناً عیسائی یا یہودی یا ہندو ہیں اس سود کے مالک بن جاتے ہیں، اور بعض بینک والے رقم کو اپنے مذاہب مذکورہ کی اشاعت میں دیدیتے ہیں۔ اگر رقم جمع نہ کی جائے، اور اپنے گھر میں محفوظ رکھیں تو سرقہ وغیرہ کا ظن غالب ہے، ایسی صورت میں رقم بینک میں جمع کرنا جائز ہے یا کیا، اور اس سود کو لیا جائے یا نہیں، سود لیکر کیا کیا جائے، آیا اپنے ذاتی مصارف میں لاسکتا ہے یا نہیں، یا فقراء مساکین کو تقسیم کیا جائے، ایسی تقسیم پر کوئی ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: واقعات اور احکام میں غور کرنے سے حقیقت اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ ایسے بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں وہ اس دوکاندار کے شریک یعنی بینک کے حصہ دار نہیں بلکہ اس دوکاندار کو وہ قرض دیتے ہیں اور وہ ان کو اس قرض پر سود دیتا ہے تو یہ رقوم کے جمع کرنے کی حقیقت ہے، باقی جو لوگ اس بینک سے روپیہ لیکر اس کو سود دیتے ہیں۔ اس کا قرض ہونا تو بالکل ظاہر ہے، پس اگر یہ دوکاندار

مسلمان ہے خواہ ایک ہو یا جماعت ہو گوایسا عادۃً غیر واقع یا کم واقع ہو تب تو رقم جمع کرنے کا حکم ظاہر ہے، کہ مالکانِ رقوم مسلمان سے سود لیتے ہیں (۱) اور اگر یہ دُوکاندار حربی ہے (اور اسلامی ریاستوں کے باشندے غیر مسلم حربی نہیں ہیں) تو یہ سود لینا حربی سے ہے، جس کا مختلف فیہ ہونا مشہور ہے (۲) یہ تو ایک

---

(۱) **قال الله تعالى: وأحل الله البيع وحرم الربا.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۷۵]

عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: آكل الربو، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الافكار رقم: ۱۵۹۸)

أبو داؤد شريف، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳۔

ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية الحديث. (سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳، رقم: ۲۸۱۹)

(۲) **ولا ربوا بين المسلم والحربي ثمة أي في دارالحرب، وهذا عندهما، وقال أبويوسف: لا يحل وبه قالت الثلاثة لإطلاق النصوص المحرمة للربا الخ.** (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۸۰)

ذهب جمهور الفقهاء وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا فرق في تحريم الربا بين دارالحرب ودارالإسلام، فما كان حراما في دارالإسلام كان حراما في دارالحرب سواء جرى بين المسلمين أو مسلم وحربي، وسواء دخلها المسلم بأمان أم بغيره، واستدلوا بعموم القرآن والسنة في تحريم الربا من غير فرق، ولأن ما كان ربا في دار الإسلام كان ربا محرما في دارالحرب كما لو تبايعه مسلمان مهاجران، وكما لو تبايعه مسلم وحربي في دارالإسلام، ولأن ما حرم في دارالإسلام حرم هناك كالخمر وسائر المعاصي؛ ولأنه عقد على ما لا يجوز في دارالإسلام فلم يصح كالنكاح الفاسد هناك، وقال أبو حنيفةؒ ومحمدؒ: لا يحرم الربا بين المسلم والحربي في دارالحرب، ولا بين مسلمين أسلما في دارالحرب ←

جزو پر کلام ہوا باقی دوسرا جزو سو حقیقت تو اس کی اوپر مذکور ہو چکی ، کہ مستقرضین بینک سے روپیہ لیکر سود دیتے ہیں۔ اور حکم میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مقرض اور مستقرض دونوں مسلمان ہیں تو حکم ظاہر ہے، کہ ایک مسلمان اخذ ربوا کا مرتکب ہوا دوسرا اعطاء ربوا کا اور اگر دونوں حربی ہیں تو مستفتی کو اس کا حکم پوچھنا ہی مقصود نہیں ، اور اگر مقرض مسلمان ہے اور مستقرض حربی تو اس میں وہی ربوا فی دارالحرب کا مسئلہ جاری ہوگا جو اوپر مذکور ہوا اور اگر مقرض حربی ہے اور مستقرض مسلمان تو حسب تصریح فقہاء گو اخذ ربوا من الحربی میں تو گنجائش ہے، ولو مع الاختلاف، مگر اعطاء ربوا للحربی میں گنجائش نہیں (۱) اور جن صورتوں میں مع الاختلاف اخذ میں گنجائش ہے، ترک سے اخذ بہتر ہے، اور گو مجوّزین نے اس کے مصارف میں کوئی قید نہیں لگائی، لیکن احوط یہ ہے کہ فقراء و مساکین پر صرف کردے اور نیت میں بھی احوط یہ ہے کہ ثواب کا قصد نہ کرے ، صرف اخراج

← **ولم يهاجروا منها؛ لأن مالهم مباح إلا أنه بالأمان حرم التعرض له بغير رضاهم تحرزا عن الغدر ونقض العهد، فإذا رضوا به حل أخذ مالهم بأي طريق كان بخلاف المستأمن؛ لأن ماله صار محظورا بالأمان.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٧٤-٧٥)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٧۔

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٤/ ٩٧۔

(۱) **قوله: لا ربوا بين حربي ومسلم مستأمن، احترز بالحربي عن المسلم الأصلي والذمي، وكذا عن المسلم الحربي إذا هاجر إلينا ثم عاد إليهم، فإنه ليس للمسلم أن يرابي معه اتفاقاً.** (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٢٣، كراچى ٥/ ١٨٦)

فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه. (منحة الخالق على البحرالرائق، البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٢٦، كوئٹه ٦/ ١٣٦)

فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٩، كوئٹه ٦/ ١٧٨۔

إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٣٩١، كراچى ١٤/ ٣٣٨۔

عن الملک کا قصد کرے (۱) پھر مالکِ ثواب کو اختیار ہے خواہ ثواب بھی دیدے، کیونکہ ہر ثواب قصد پر موقوف نہیں، باقی سرقہ کے غالب ظن کا دعویٰ محض وہم ہے، ہزاروں سرمایہ دار بینک میں جمع کرنا پسند نہیں کرتے اپنے ہی گھر رکھتے ہیں، اور کیا ایسے بینک میں دیوالہ نکلنے کا احتمال نہیں، اور کیا جائز تجارت کی کمپنیاں نہیں؟ فقط (النور رجب ۱۳۵۹ھ ص ۷)

فصل ثانی

اس میں سہارنپور کی ایک بجلی کی کمپنی کے واقعات ہیں، جو میرے استدعاء پر ایک دوست نے لکھ کر بھیجے جس میں میرے بعض سوالات کے جواب بھی ہیں، وہ تحریر ذیل میں درج ہے۔

سیدی ومولائی دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، والا نامہ صادر ہوا، قبل اس کے کہ سوالات کا جواب عرض کروں، کمپنی کی ہیئت ترکیبی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، جس سے جوابات پر زیادہ وضاحت ہونے کی امید ہے، قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص کچھ روپیہ اپنے پاس سے فراہم کر کے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں، اور کمپنی کے مقاصد واغراض تحریر کر کے اس نام سے اور ان اغراض کے لئے رجسٹری کراتے ہیں، رجسٹری کراتے وقت ان کو اختیار ہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرالیں، اور جو جو سامان ان کو بنانا ہے، فروخت کرنا ہے، وہ تحریر میں پیش کردیں فرض کیجئے کہ ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ کے لئے اور بجلی اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی، اس وقت تھوڑا سا روپیہ کافی ہے، جس پر کام کرنے کا سرٹیفکٹ مِل جاتا ہے، مثلاً ایک لاکھ تک کے سرمایہ سے کام کرنے

---

(۱) **وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء، ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه.** (بذل المجهود، الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم ۱/ ۳۷، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

شامي، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۳، كراچی ۶/ ۳۸۵۔

هندية، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۰۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کر لینے پر کام کرنے کا سرٹیفکٹ مل جاوے گا اور وہ لوگ جنہوں نے روپیہ فراہم کر کے رجسٹری کرائی کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں اب یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصص فی حصہ سو روپیہ قائم کرتے ہیں، اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں ان کو اختیار ہے کہ پورے ایک ہزار حصص فروخت کر دیں، یا صرف پانچ سو حصص فروخت کر کے اپنا کام شروع کریں۔اور بقیہ حصص فروخت کرنا بند کر دیں اور ایک کام کے ساتھ اگر پھر ان کو دوسرا کام جاری کرنا ہو جس کی اجازت شروع میں حاصل کر لی گئی تھی تو بقیہ حصص میں سے جس قدر حصص چاہیں فروخت کر کے دوسرا کام جاری کریں اس تحریر سے حضرت اقدس کے پہلے سوال کا جواب آ گیا، یہ ضروری نہیں ہے کہ اول کل حصص فروخت کر کے تب کام شروع کریں، اگر کام میں صرف پچاس ہزار روپے صرف آویں اور حصص اس سے زیادہ فروخت ہو جاویں تو زائد روپیہ بیکار پڑا رہے گا۔اس کو بینک میں جمع کر کے بہت کم سود ملے گا اور منافع ان کو بھی تقسیم ہوگا تو حصہ داران کو منافع کم ملے گا۔

دوسرا سوال (۵۲۲): بجلی کی طاقت کے متعلق میں یہ عرض نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی مادہ ہے، برقی قوت کی تعداد کس قدر ہے، اس کے لئے حساب ضرور ہے جیسے یہ کہا جاوے کہ انجن میں دس گھوڑوں کی طاقت ہے، ایک معیار مقررہ سے اس کی قوت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

تیسرا سوال: جو لوگ بجلی کی طاقت کمپنی سے لیتے ہیں وہ جملہ سامان اپنے صرف سے اپنے گھر میں لگاتے ہیں اور قمقمہ وغیرہ جہاں ان کو ضرورت ہو لگا لیتے ہیں، کمپنی سے بجلی کی طاقت لیتے ہیں اور اس بات کے لئے کہ ایک ماہ میں کس قدر بجلی کی طاقت ایک گھر میں صرف آئی ایک آلہ ہے جس کو کمپنی قیمت سے دیتی ہے، اور یا بازار سے خریدا جاوے، اور اس کی جانچ بجلی کمپنی کا انجینئر کرے گا، کہ صحیح ہے یا نہیں، اس سے یہ معلوم ہو جاوے گا کہ کل طاقت کس قدر صرف میں آئی، اور اسی حساب سے قیمت مقررہ یعنی ۸ فی یونٹ جو ایک معیار خاص قوت کے لئے مقرر ہے وصول کر لی جاوے گی۔

زکوٰۃ کے متعلق التماس ذیل ھے: جو منافع حصہ دار کو ملا اس کا تعیّن تو ظاہر ہے جو رقم زائد بطور پس انداز کمپنی کے پاس رہتی ہے وہ ہر حصہ دار معلوم کر سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ کل حصص کس قدر فروخت ہوئے، جس سے پس انداز روپے میں اپنا حصہ قائم کر سکتا ہے۔

اب سوال متعلق سود ھے: کوئی کمپنی اس وقت ایسی نہیں کہ جس کو سود لینا دینا نہ

پڑے اگر کسی جگہ سے کسی وقت کمپنی قرضہ لے گی سود دینا پڑے گا، اور بعض وقت اپنے روپے پر جو کسی کی طرف واجب ہو تو سود لیتی ہے اس سے کسی کمپنی کو مفر نہیں۔

تحریر ایک مولوی صاحب کی بتائید بعض اجزاء سوال

کمپنی کے حصوں کے متعلق میں نے ایک بہت معتبر اور واقف کار صاحب سے جو معلومات حاصل کی تو انہوں نے کہا کہ صرف یہی نہیں کہ کوئی چھوٹی بڑی کمپنی ایسی نہیں جو سودی کاروبار نہ کرتی ہو، بلکہ بلا اس کے چل ہی نہیں سکتی، مثلاً قانون کی رو سے اپنا کچھ فیصدی سرمایہ آفات ارضی وسماوی کے لئے بنک میں سود پر محفوظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح ہر کمپنی کا جتنا روپیہ ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ اس کے کاروبار میں لگا کے رکھنا پڑتا ہے، جس کا معاملہ بینک سے ہوتا ہے اور وہ سود لیتا ہے اس کے علاوہ کوئی حصہ دار اپنے حصہ کا روپیہ واپس نہیں لے سکتا، البتہ بازار میں اپنے حصہ کو کم یا زیادہ پر جیسا نرخ ہو فروخت کر سکتا ہے، اس میں تو غالباً کوئی شرعی قباحت نہیں۔

الجواب بتحقق حکم: حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کرتے ہیں، اور جو اس سے نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور تحریر بالا میں جو یہ عبارت ہے کہ یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصے، فی حصہ سو روپے قائم کرتے ہیں، اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں الخ اس کو اصطلاحاً فروخت کرنا کہا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت شرکت ہے، اور کارکنانِ کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں اور اس شرکت کے دو جز ہیں، ایک جز یہ کہ جو اعیان وسامان اس کارخانہ میں موجود ہوتے رہتے ہیں، ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی کے حصہ رسد اس سامان کا مالک ہو جاتا ہے، یعنی مثلاً اگر کسی نے سو روپے داخل کئے تو گویا سامانِ موجودہ کا ہزارواں حصہ خرید لیا، دوسرا جزو یہ کہ آگے جو کاروبار میں نفع ہوگا وہ حصہ رسد ہر شریک کی ملک ہوگا، اور اگر اس حصہ کے داخل کرنے کے بعد کچھ سامان خریدا گیا اسی نسبت سے یہ حصہ دار مذکور اس کا بھی مالک ہوتا رہے گا حتّٰی کہ سب شرکاء تمام سامان کے برابر کے مالک ہوتے رہیں گے، اور جو اوپر کہا گیا ہے کہ ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی کے حصہ رسد اس سامان کا مالک ہوتا جاتا ہے الخ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو چیز حصہ داخل کرنے کے بعد خریدی جاوے گی، اس میں تو وہ کارکنان حصہ دار کے وکیل ہوں گے، اور جو سامان قبل سے موجود ہے اس میں وہ کارکنان خود بائع اور

حصہ دار مشتری ہوگا، اور یہ بیع تعاطی ہوگی، جس میں بائع ثمن پر بلا واسطہ قابض ہوگیا، اور مشتری مبیع پر بواسطہ بائع کے کہ وہ اس کا وکیل بھی ہے قابض ہوگیا۔

اس واقعہ (*) میں صرف ایک جزو سمجھ میں نہیں آیا، جو اس عبارت میں مذکور ہے، اور ڈائرکٹران جس قدر روپیہ کی ضرورت سمجھیں اسی حد تک حصے فروخت کر کے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اھ غالباً مراد یہ ہے کہ اس کمپنی کے جاری کرنے کے لئے جتنے روپے کی ضرورت سمجھتے ہیں مثلاً ایک لاکھ روپیہ اس کا اعلان کرتے ہیں، اور جو شخص اس کمپنی میں شریک ہونا چاہے وہ اس کمپنی میں روپیہ داخل کرتا ہے، اس روپیہ کو داخل کرنے کو خریداری حصہ سے اور کارکنان کمپنی کے اس داخلہ کے منظور کر لینے کو فروخت حصہ سے تعبیر کیا ہے، پس حاصل یہ کہ عام لوگ اس کمپنی میں شرکت کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ایک لاکھ روپیہ مثلاً جمع ہوجاتا ہے، پھر اسکے بعد کاروبار جاری ہوجاتا ہے، جس کی تفصیل بعد کی عبارت میں آخر تک ہے۔

اب اس کا حکم لکھا جاتا ہے کہ حقیقتِ شرعیہ (**) اس معاملہ کی شرکت ہے، یعنی روپیہ داخل کرنیوالے اس تجارت کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں اُن کے وکیل ہیں (ا) اور چونکہ یہ

(*) سوال ہذا سے قبل جو سوال آیا اس میں یہ عبارت تھی اور سوال ہذا میں بھی یہی مضمون اس عبارت میں مذکور ہے، حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں۔۱۲

(**) بعضے جملے بظاہر مکرر آگئے ہیں، مگر سیاق کی وجہ سے جو کہ مقصود ہیں وہ لائے گئے ہیں۔۱۲

(ا) **وشركة عنان وهي أن يشتركا متساويين فيما ذكر أو غير متساويين وتتمضن الوكالة؛ لأن المقصود من الشركة وهو التصرف في المال الغير لا يكون إلا بها عند عدم الولاية، وتصح في نوع من التجارات أو في عمومها، وببعض مال كل منهما وبكله ومع التفاضل في رأس المال والربح ومع التساوي فيهما، وفي أحدهما دون الآخر عند علمهما ومع زيادة الربح للعامل عند عمل أحدهما ومع كون مال أحدهما دراهم والآخر دنانير ولا يشترط الخلط فيها أيضا.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۵۲-۵۵۳)

وإما عنان إن تضمنت وكالة فقط فتصح من أهل التوكيل، وإن لم يكن أهلا للكفالة لكونها لا تقتضي الكفالة بل الوكالة، ولذا تصح عاما وخاصا، ومطلقا ومؤقتا ومع ←

تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے، رہا وہ امر خلاف شرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ الی قولہ وصول کرتی ہے، سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنانِ کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا۔ مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے نہ ہونے میں ہے، لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تو تقسیم ہوگا تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے سو اس میں کئی حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے (۱) اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں (۲) نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جزء کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔

← **التفاضل في المال دون الربح وعكسه، وببعض المال دون المال البعض، وبخلاف الجنس، كدنانير من أحدهما ودراهم من الآخر الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٣-٤٨٤، كراچی ٤/ ٣١٢)

البحرالرائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٩١-٢٩٣، كوئٹه ٥/ ١٧٤-١٧٦۔

النهر الفائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٠-٣٠١۔

(۱) قاعدة: اليقين لا يزول بالشک. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٤٣)

الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٠٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٨٣۔

(۲) مستفاد: عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فليأكل من طعامه ولا يسأل، ويشرب من شرابه ولا يسأل. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في المطاعم والمشارب، فصل: في طيب المعطم والملبس، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٦٧، رقم: ٥٨٠١)

مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٦٧٩۔

قال القاريؒ: إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فليأكل من طعامه ولا يسأل، أي من أين هذا الطعام لتبين أنه حلال أم حرام، ويشرب بالجزم من شرابه ولا يسأل، فإنه ←

دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے، تو اس میں ربوا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے(۱)۔ اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی، اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہی نہیں، یہ تو تحریر پیش کردہ کا جواب ہوگیا۔

اب بعض چیزیں اس کے متعلق قابل تحقیق رہ گئیں ان کو بھی عرض کرتا ہوں، ایک یہ کہ بعضے شریک حصہ دار اپنا حصہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس میں بدلین کا یداً بید تقابض نہیں ہوتا، صرف حساب میں بائع کا نام خارج ہوجاتا ہے، دوسرے بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات بدلین کی مقدار برابر ہی نہیں ہوتی، مثلاً کسی کا حصہ سو روپے کا ہے وہ ایک سو دس (۱۱۰) میں فروخت کرتا ہے، سو یہاں تماثل وتساوی بھی نہیں، سو دوسرے محذور کا تو جواب ظاہر ہے، اس لئے کہ بائع دو چیزوں کا مالک ہے، ایک تو کھمبوں اور تاروں کا اور عمارت وغیرہ سامان کا، دوسرے کچھ روپے کا جو وہاں داخل ہے سو وہ ایک سو دس

← **قد يتأذى بالسوال -إلى قوله- والظاهر من حال المسلم أن يجتنب الحرام، فأمر بحسن الظن به، وسلوك الطريق التحابب والتوادّ، فيجتنب عن إيذاءه بسواله.** (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث: مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ٢٥٦-٢٥٧)

(١) **ولا ربوا بين المسلم والحربي ثمة أي في دار الحرب، وهذا عندهما، وقال أبويوسف: لا يحل وبه قالت الثلاثة لإطلاق النصوص المحرمة للربا الخ.** (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٨٠)

ذهب جمهور الفقهاء وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا فرق في تحريم الربا بين دار الحرب ودار الإسلام، فما كان حراما في دار الإسلام كان حراما في دار الحرب سواء جرى بين المسلمين أو مسلم وحربي، وسواء دخلها المسلم بأمان أم بغيره، واستدلوا بعموم القرآن والسنة في تحريم الربا من غير فرق...... وقال أبو حنيفة ومحمد: لا يحرم الربا بين المسلم والحربي في دار الحرب، ولا بين مسلمين أسلما في دار الحرب ولم يهاجرا منا الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٧٤-٧٥)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٧۔

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٤/ ٩٧۔

روپیہ کے عوض میں نہیں ہے، بلکہ کچھ سامان کے عوض میں ہے، کچھ روپے کے عوض میں، اور جس روپے کے عوض میں ہے وہ غالباً و عادۃً اس کی مقدار ایک سودس کی نہیں، اگر ایک روپیہ بھی کم ہو تو دوسرا محذور لازم نہیں، مثلاً وہاں اگر اس بائع کا ایک سونو روپیہ ہو تو مشتری کے ایک سودس روپے میں سے ایک سونو تو اس ایک سونو روپے کے مقابلہ میں ہو گیا اور ایک روپیہ دوسرے سامان کے عوض میں ہو گیا، رہا قصہ تقابض کا سو اس کا ایک حیلہ ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ تمہارا جتنا روپیہ کمپنی میں ہے میں اپنے اس زر ثمن میں سے تم کو اس قدر دیتا ہوں، اور تم اس قرض کا حوالہ اس کمپنی پر کر دو، کہ اس سے وصول کروں یا کسی کام میں لگوا دوں اور جو زر ثمن میں اس روپے سے کچھ زیادت ہے، اس کے عوض تمہارے حصہ کا سامان از قبیل عروض خریدتا ہوں، اس حیلہ سے وہ محذور بھی دفع ہو گیا (۱) البتہ اس پر ایک سوال ہوگا کہ اس روپیہ کی مقدار تو معلوم نہیں جس کے عوض یہ قرض دیتا ہے تو مجہول کا قرض کیسا، اس کا حل منقول تو دیکھا نہیں لیکن قواعد و نظائر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جہالت مضر نہیں بلکہ صرف وہ جو مفضی الی النزاع ہو اور یہاں یہ احتمال نہیں، لہٰذا گنجائش ہو سکتی ہے (۲)۔

---

(۱) **الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه.** (عمدة القاري، كتاب الحيل، مكتبه زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩)

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول: في بيان جواز الحيل وعدم جوازها، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٩٠، جديد زكريا ديوبند ٦/ ٣٩٣)

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، وهو معنى ما نقل عن الشعبيؒ لا بأس بالحيل فيما يحل ويجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الأول في جواز الحيل، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٦)

(۲) **الجهالة على ثلاثة مراتب: الأولى الجهالة الفاحشة، وهي الجهالة التي تفضي إلى النزاع، وهي تمنع صحة العقد، ومن شرط صحة العقد أن يكون المعقود عليه معلوما علما يمنع من المنازعة. الثانية: الجهالة اليسيرة، وهي الجهالة التي لا تؤدي إلى المنازعة، وهي جائزة اتفاقا، وتصح معها العقود، وذلك كأساس الدار وحشوة الجبة ونحو ذلك.**

(الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ١٦٩) ←

دوسرا (۲) امر قابل تحقیق یہ ہے کہ حصہ داروں کے ذمہ ان رقوم کی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ سو زکوٰۃ کا وجوب تو ظاہر ہے لیکن اس تفصیل سے کہ جو سامان از قبیل نقد نہیں جیسے کھمبے وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں (۱) صرف نقد روپیہ پر زکوٰۃ ہے، جس کے دو حصے ہیں، ایک حصہ وہ جو اس شخص کو نفع میں مِلا دوسرا وہ جو کمپنی میں بچالیا گیا (۲) اس کی مقدار محاسبین کمپنی سے بہت آسانی سے معلوم ہوسکتی ہے۔

← **والأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف وجهالة الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة، والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة؛ لأن التسليم والتسلم واجب بالعقد، وهذه الجهالة مفضية إلى المنازعة، فيمتنع التسليم والتسلم، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل.** (هداية، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٠-٢١)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب: ما يبطل الإيجاب سبعة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥١، كراچی ٤/ ٥٣٠۔

(۱) ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها أو يواجرها لا تجب فيها الزكوة. (هندية، الزكوة، الباب الثالث، الفصل الثاني: في العروض، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٨٠، جديد زكريا ١/ ٢٤١)

ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها أو يؤاجرها لا تجب فيها الزكوة كما لا تجب في بيوت الغلة . (خانية على هامش الهندية، كتاب الزكوة، فصل في مال التجارة قديم زكريا ديوبند ١/ ٢٥١، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٥٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل الثالث: زكاة عروض التجارة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٤٩، رقم: ٤٠١٧۔

(۲) ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه في حوله وحكمه، أي في حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكوة أيضا فمن ملك مائتي درهم وحال الحول، وقد حصلت في أثناءه أو في وسطه مائة درهم يضمها إليه ويزكي عن الكل. (مجمع الأنهر، الزكوة، زكوة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٠٧)

ثمّ إنما يضمّ المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا. (بدائع الصنائع، الزكوة، ما يستفاد بعد الحول، مكتبه زكريا ٢/ ٩٧)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢١٤، كراچی ٢/ ٣٠٧۔

تیسرا(۳) امر یہ کہ بجلی کیا مال متقوم ہے جس کی بیع وشراء کی جاتی ہے، اس کے دو جواب ہیں، ایک وہ جو تکریر فصل ثانی نمبر۳ میں آتا ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاوے۔ دوسرا یہ کہ اس کو بیع وشراء مجازاً کہا جاتا ہے، اور حقیقت اس کی کرایہ ہے، یعنی روشنی کا انتظام واہتمام کردو، اس کی اجرت ملے گی، اور ظاہر ہے کہ اس اہتمام میں مشقت بھی ضروری ہے، قمقمہ لگانا، تار کا ملانا خاص پابندی سے روشنی کا پہنچانا وغیرہ وغیرہ رہا یہ شبہ کہ اجارہ تو محض منافع پر ہوتا ہے، اور یہاں ایک مادہ بھی صرف کیا جاتا ہے، جو عین ہے، اگرچہ لطیف ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک کرایہ ہرچند کہ منافع پر ہوتا ہے، مگر تعامل کی وجہ سے بعض صورتوں میں منافع کی ساتھ عین بھی معقود علیہ کا جزو ہوتا ہے، جیسے رنگریز کا رنگ اس تاویل سے اس کی اجازت ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط

تکریر الفصل الثانی

بعبارة أخریٰ استکتبته من بعض اعزتی (*) اوردفیه من الروایات الکثیرة التی لم تکن فی جوابی. کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں کہ:

(*) مولانا ظفر احمد تھانوی۔

---

(۱) فإن قیل: ألیس أن استئجار الظئر جائز وأنه استئجار علی العین، وهي اللبن بدلیل أنها لو أرضعته بلبن شاة لم تستحق الأجرة، فالجواب أنه روي عن محمد أن العقد یقع علی خدمة الصبي، واللبن یدخل علی طریق التبع، فکان ذلک استئجار علی المنفعة أیضا، واستیفاء ها بالقیام بخدمة الصبي من غسله وغسل ثیابه وإلباسها إیاه وطبخ طعامه ونحو ذلک، واللبن یدخل فیه تبعا کالصبغ في استئجار الصباغ، وإذا أرضعته بلبن الشاة فلم تأت بما دخل تحت العقد فلا تستحق الأجرة کالصباغ إذا صبغ الثوب لونا آخر غیر ما وقع علیه العقد أنه لا یستحق الأجر، وذا لا یدلّ علی أن المعقود علیه لیس هو المنفعة کذا ههنا. (بدائع الصنائع، الإجارة، فصل: في رکن الإجارة ومعناها، مکتبه زکریا دیوبند ۴/ ۱۷-۱۸، کراچی ۴/ ۱۷۵)

فالحنفیة ینصون علی أن الإجارة لا تنعقد علی إتلاف العین ذاتها إلا إذا کانت المنافع یقتضي استیفاء ها إتلاف العین کالشمعة للإضاء ة. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱/ ۲۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص کچھ روپیہ اپنے پاس سے فراہم کر کے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں، اور کمپنی کے مقاصد واغراض تحریر کر کے اس نام سے اُن اغراض کے لئے کمپنی کو رجسٹری کراتے ہیں، رجسٹری کے وقت اُن کو اختیار رہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرالیں، اور جو سامان بھی اُن کو بنانا ہے فروخت کرنا ہے وہ تحریر میں پیش کر دیں، اگر ایک لاکھ روپیہ سرمایہ کے لئے اور بجلی فروخت کرنے اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی گئی، تو یہ ضروری نہیں کہ اسی وقت ایک لاکھ روپے موجود ہو بلکہ اس وقت تھوڑا سا روپیہ فراہم ہونا بھی کافی ہے، جس پر کام کرنے کا سرٹیفکٹ مِل جاتا ہے، مثلاً ایک لاکھ روپے تک سے کام کرنے والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کر لینے پر کام کرنے کا سرٹیفکٹ مِل جاوے گا، اور یہ لوگ جنہوں نے اول روپیہ فراہم کر کے کمپنی کو رجسٹری کرایا ہے، کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں'' اب یہ لوگ ایک لاکھ روپیہ کے ایک ہزار حصص فی حصّہ سو روپیہ (مثلاً) قائم کرتے ہیں، اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں یہ ہے آج کل کی کمپنیوں کی ہیئت ترکیبی،،۔

اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ جو لوگ کمپنی کے شیرز (حصص) خریدتے ہیں، شرعاً ان کی اس خریداری کی حقیقت کیا ہے؟

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کمپنی قائم ہوجانے کے بعد جو لوگ اس کے حصص خریدتے ہیں وہ اعیان ونقود دونوں میں شریک ہوتے ہیں، یعنی کمپنی میں اس وقت جو سامان از قسم مال تجارت اور اس کے لئے جس قدر عمارت ہے ہر خریدار اس میں بھی شریک ہے، اور جو نقد سرمایہ کمپنی کے پاس ہے اس میں بھی شریک ہے، غرض یہ شرکت اعیان میں بھی ہے اور نقود میں بھی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲)۔ جب کمپنی کے مقررہ حصص فروخت ہو جاتے ہیں تو آئندہ کے لئے حصص کی فروخت بند کر دی جاتی ہے، اس وقت اگر کوئی کمپنی میں داخل ہونا چاہے تو وہ پہلے خریداروں میں سے کسی کا حصہ خرید لیتا ہے، یہ بیع وشراء صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت سارا معاملہ زبانی اور خط وکتابت سے طے ہوتا ہے، باہم تقابض طرفین سے نہیں ہوتا۔ اور چونکہ یہ شرکت نقد میں بھی ہے اور اعیان میں بھی، تو نقد میں کمی بیشی کا بھی احتمال ہے۔

(۳)۔ ایک کمپنی گورنمنٹ سے بجلی خرید کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتی ہے، یہ شراء وبیع درست ہے یا نہیں، اور اس کمپنی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ کمپنی جس کے ہاتھ بجلی فروخت کرتی ہے، اس کے گھر میں ایک آلہ لگاتی ہے جس سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اس شخص نے کتنی بجلی خرچ کی۔

(۴)۔ عموماً سب کمپنیاں سود لیتی بھی ہیں اور دیتی بھی ہیں، اس صورت میں ہر شریک کے حصہ میں سودی روپیہ بھی آتا ہے تو شریک کو کمپنی سے اپنے حصّے کا منافع لینا جس میں سودی رقم بھی شاید مخلوط ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۵)۔ کمپنی ہر حصہ دار کو پورا منافع نہیں دیتی، بلکہ ہر حصہ دار کی رقم منافع میں سے کچھ رقم پس انداز کرتی ہے، پس جو منافع حصہ دار کو ملا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور جو رقم پس انداز ہوئی اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للحق وَالصَّواب: ﴿۱﴾ بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے، کیونکہ جو لوگ کمپنی قائم کرتے ہیں وہ دوسروں کو شریک کرنے کے وقت خود کو بھی کمپنی کا ایک حصہ دار قرار دیتے اور اپنی عمارات مملوکہ متعلقہ کمپنی اور جملہ سامان و مالِ تجارت کو نقد کی طرف محمول کر لیتے ہیں، مثلاً ان لوگوں نے دس ہزار روپیہ کمپنی قائم کرنے کے عمارات و سامان وغیرہ میں لگایا تو وہ اپنے کو کمپنی کے سو حصوں کا حصہ دار ظاہر کریں گے (۱) البتہ اس صورت میں کمپنی قائم کرنے والوں کی طرف سے شرکت بالنفقہ نہ ہوگی، بلکہ بالعروض ہوگی، سو بعض ائمہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

---

(۱) **عنان تصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه، وفي البحر تحته: وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح. قوله: (وببعض المال) يعني يصح أن يعقدها كل واحد منهما ببعض ماله دون البعض؛ لأن المساوات في المال ليس بشرط إذ اللفظ لا يقتضيه، قوله: (وبخلاف الجنس) بأن يكون من أحدهما دنانير، ومن الآخر دراهم لعدم اشتراط الخلط عندنا فجازت في متحد الجنس ومختلفه.** (البحر الرائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۱-۲۹۳، کوئٹه ۵/ ۱۷۴-۱۷۶)

وشركة عنان وهي أن يشتركا متساويين فيما ذكر أو غير متساويين، وتصح في نوع من التجارات أو في عمومها، وببعض مال كل منهما وبكله ومع التفاضل في رأس المال والربح، ومع التساوي فيهما أو في أحدهما دون الآخر عند عملهما، ومع زيادة الربح للعامل عندنا عمل أحدهما، ومع كون مال أحدهما دراهم والآخر دنانير، ولا يشترط الخلط فيها أيضا. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۵۲-۵۵۴)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۴، كراچی ۴/ ۳۱۲۔

فيجوز الشركة والمضاربة بالعروض بجعل قيمتها وقت العقد رأس المال عند أحمد في رواية، وهو قول مالک وابن أبی ليلی كما ذكره الموفق في المغني. (ص ۱۲۵، ج ۵(۱)۔

پس ابتلائے عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے قول پر فتویٰ دے کر شرکت مذکورہ کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ قال في الدر: بيع البراء ات التي يكتبها الديوان على العمال، ولا يصح بخلاف بيع حظوظ الأئمة؛ لأن مال الوقف قائم ثمة (أی في بيع حظوظ الأئمة) ولا كذلک هذا. أشباه وقنية. ومفاده أنه يجوز للمستحق بيع خبزه قبل قبضه من المشرف (أی المباشر الذي يتولی قبض الخبز) بخلاف الجندي اھ مع الشامية (۲)۔ (ص۱۹ ج۴) وحاصله جواز بيع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة.

پس یہ صورت بھی بیع حظوظ کے مشابہ ہے، کیونکہ جو خریدار اپنا حصہ بیع کرتا ہے وہ معدوم یا غیر مملوک کی بیع نہیں کرتا۔

وفي الأشباه: بيع البراء ات التي يكتبها الديوان على العمال لا يصح (۳) (وسميت براءة؛ لأنه يبرء بدفع مافيها. شامي) فأورد أنّ ائمة بخارا جوّزوا بيع حظوظ الأئمة،

---

(۱) وعن أحمد رواية أخرى: أن الشركة والمضاربة تجوز بالعروض وتجعل قيمتها وقت العقد رأس المال، قال أحمد: إذا اشتركا في العروض يقسم الربح على ما اشترطا، وقال الأثرم: سمعت أبا عبدالله يسأل عن المضاربة بالمتاع، فقال: جائز، فظاهر هذا صحة الشركة بها، اختار هذا أبو بكر وأبوالخطاب، وهو قول مالک وابن أبي ليلی. (المغني لابن قدامة، كتاب الشركة، فصل: لا خلاف في أنه يجوز جعل رأس المال الدراهم والدنانير، دارالكتب العلمية بيروت ۷/ ۱۲٤)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، البيع بالتعاطي، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۲، کراچی ٤/ ٥١٦۔

(۳) الأشباه والنظائر، كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٥۱، رقم: ۱۳۲٥۔

ففرق بينهما بأن مال الوقف قائمة ثمة، ولا كذلك ههنا كذا في القنية الخ ص ١٩٩ . ولم يتعقّبه الحموي بشيء فلا يضرّنا ما تعقبه به في النهر كما في الشامية (١)۔ (ص ١٩ ج ۴) **لا سيّما وفتوى أئمة بخارا مؤيّدة بالأثر فقد أخرج البيهقي في باب بيع الأرزاق التي يخرجها السلطان قبل قبضها من طريق سفيان عن معمر عن الزهري عن ابن عمرو زيد بن ثابت أنّهما كانا لا يريان ببيع الرزق بأسا اه** (ص ۳۱۴ ج ۵ (٢)۔

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ایک شریک جو اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرتا ہے، یہ بیع حظوظ ائمہ کے مشابہ ہے، نہ بیع برأت کے واللہ تعالیٰ اعلم

ہاں یہ ضرور ہے کہ بائع حصہ جس قدر نقد روپیہ خریدار حصہ سے لے رہا ہے، کمپنی میں اس کا نقد روپیہ اس مقدار سے کسی قدر کم ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ خریداروں کی رقم کا زیادہ حصہ مال تجارت لگ کر بصورت عروض منتقل ہو جاتا ہے، نقد کم ہوتا ہے۔

﴿۳﴾۔ بظاہر یہ بیع وشراء محض روشنی کی نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی کی بوتل میں تیل بھر دیا جائے اور بجلی کا نظر نہ آنا اس کے جوہر نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض جواہر غیر مرئی بھی ہیں جیسے ہوا، البتہ بیع کے لئے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا ضروی ہے (۳) تو ہر شئے پر قبضہ اور قدرت

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع، البيع بالتعاطي، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٢، كراچی ٤/ ٥١٦-٥١٧۔

(٢) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب بيع الأرزاق التي يخرجها السلطان قبل قبضها، دارالفكر بيروت ٨/ ١٩٥، رقم: ١٠٨٣٣۔

(٣) **عن حكيم بن حزام رضي الله عنه قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي.** (ترمذي شريف، البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملک البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم. (شامي، البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٦، كراچي ٥/ ٥٨-٥٩)

البحرالرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٥، كوئٹه ٥/ ٢٦٠۔

تسلیم اس کے مناسب ہوا کرتی ہے(۱) بجلی کا کرنٹ اور میٹر وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے، یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور آلہ سے اس بات کا اندازہ لگانا کہ اس شخص نے کتنی بجلی خرچ کی ہے اس کے جوہر موجود اور جسم ہونے کی دلیل ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے کسی کے تکیہ یا موٹر اور سائیکل کے پہیہ میں ہوا بھر کر اجرت لی جائے۔ **والبیع: مبادلة مال بمال، والمال ما هو مرغوب فيه (۲) ولا يخفى كون البرق والهواء مما يرغب فيه، فكل منهما بعد القدرة عليه والقبض مال، كالماء في القربة. والله تعالىٰ اعلم.**

﴿۴﴾ **قال الموفق في المغني: إذا اشترىٰ الوكيل لمؤكله شيئا بإذنه انتقل الملك من البائع إلىٰ المؤكل ولم يدخل في ملك الوكيل، وبهذا قال الشافعي، وقال أبو حنيفة: يدخل في ملك الوكيل، ثم ينتقل إلى المؤكل؛ لأن حقوق العقد تتعلق بالوكيل بدليل أنه لو اشتراه بأكثر من ثمنه دخل في ملكه، ولم ينتقل إلى المؤكل، ويتفرع عن هذا أن المسلم لو وكل ذميا في شراء خمر أو خنزير فاشتراه له لم يصح الشراء، وقال أبو حنيفةؒ: يصحّ، ويقع للذمي؛ لأنّ الخمر مال لهم؛ لأنهم يتموّلونها ويتبايعونها فصحّ توكيلهم فيها كسائر أموالهم** اھ۔(ص۲۶۳ ج۵ (۳)۔

---

(۱) والمراد بالقبض الكامل في المنقول ما هو المناسب، وفي العقار أيضا ما يناسبه.
(مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۲)

والقبض الكامل في المنقول ما يناسبه، وفي العقار ما يناسبه. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۴۶۳، رقم المادة: ۸۳۷)

(۲) البيع مبادلة مال بمال، أي تمليك شيء مرغوب فيه بشيء مرغوب فيه.
(سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴-۵)

البيع شرعا: مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله (درمختار) وفي الشامية: قوله مرغوب فيه: أي ما من شأنه أن ترغب إليه النفس وهو المال. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۱۱-۱۲، كراچی ۴/ ۵۰۲)

(۳) المغني لابن قدامة، كتاب الوكالة، فصل: وإذا اشترى الوكيل لمؤكله شيئا بإذنه، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۷/ ۲۵۴۔

وفيه أيضاً: وليس للمضارب أن يشتري خمرا أو خنزيرا، سواء كانا مسلمين أوكان أحدهما مسلما والآخر ذميا، فإن فعل فعليه الضمان، وبهذا قال الشافعي، وقال أبو حنيفة: إن كان العامل ذميا صح شرائه للخمر وبيعه إيّاها؛ لأن الملك عنده ينتقل إلى الوكيل اھ۔ (ص ۱۶۲ ج ۵ (۱)۔

وفي المبسوط: يكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالا مضاربة وهو جائز في القضاء. (ص ۱۲۵ ج۲۲ (۲)۔

وفيه أيضاً: وأبو حنيفة يقول: الذي ولى الصفقة هو الوكيل والخمر مال متقوم في حقه يملك أن يشتريها لنفسه، فيملك أن يشتريها لغيره، وهذا؛ لأن الممتنع ههنا بسبب الإسلام هو العقد على الخمر لا الملك، فالمسلم من أهل أن يملك الخمر ألاترى أنه لو تخمر عصير المسلم يبقى مملوكاً له (ثم إذا تخلل جاز له بيعه وأكله) وإذا مات قريبه عن خمر يملكها بالإرث فإن اعتبرنا جانب العقد، فالعاقد من أهله وهو في حقوق العقد، كالعاقد لنفسه، وإن اعتبرنا جانب الملك فالمسلم من أهل ملك الخمر فيصح التوكيل اھ۔ (ص۲۱۶ ج۱۲ (۳)

فإن قيل: ذكر في الهندية في باب المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز، إلا أنه مكروه، فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبى حنيفة، وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح، وعندهما يجوز على المضاربة، وإن أربى فاشترى درهمين

---

(۱) المغني لابن قدامة، كتاب الشركة، فصل: ليس له أن يشتري خمرا أو خنزيرا، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۷/ ۲۵۸۔

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب المضاربة، باب مضاربة أهل الكفر، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲/ ۱۲۵۔

(۳) المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب الوكالة في السلم، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۲۱۶-۲۱۷۔

بدرهم كان البيع فاسدا، ولكن لا يصير ضامنا لمال المضاربة، والربح بينهما على الشرط اهـ. (ص ۴۰۲ ج۵ (۱))

قلنا: قوله: ينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته محمول على الورع، كما هو الظاهر، وإن حمل على الوجوب فهو إذا كان قد اتجر في الخمر والخنزير ولم يتجر في غيرهما، وإلا فحمله ما سيجيء في المخلوط، وقوله: في صورة إرباء الوكيل كان البيع فاسدا لا يضرنا، فإن الوكيل بالبيع كالعاقد لنفسه، وفساد البيع في حق الذمي لايستلزم حرمة الربح على المسلم، فإن تبدل الملك يدفع خبث الفساد، وأما على قول من جوز الربا بين المسلم والكافر في دار الحرب، فالأمر أوسع .

پس صورت مذکورہ میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی ، جب کہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں ، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود مکروہ ہے جیسا کہ مبسوط کے قول سے معلوم ہوا ، اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین کرتی ہوں ، جیسا آج کل غالب یہی ہے ، تو کفار کی کمپنیوں کی شرکت مسلم کمپنیوں کی شرکت سے اہون ہے۔

”ولنذكر بعد ذلك حكم المال المختلط بالحرام والحلال،، قال قاضي خان: إن كان غالب مال المهدى من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين عنده أنه حرام؛ لأن أموال الناس لاتخلو عن قليل حرام، فيعتبر الغالب، وإذا مات عامل من عمال السلطان، وأوصى أن يعطي الحنطة للفقراء، قالوا: إن كان ما أخذه من أموال الناس مختلطا بماله لا بأس به، وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوه إذا علموا أنه مال الغير، وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو مال غيره، فهو حلال حتى يتبين أنه حرام. وفيه أيضاً: إن كان للسلطان مال ورثه عن آبائه يجوز أخذ جائزته، فقيل له لو أن فقيرا يأخذ جائزة السلطان مع علمه أن السلطان يأخذها غصبا أيحل له ذلك؟ قال

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المضاربة، الباب الثاني والعشرون: في المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٣، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٣٤٣۔

إن كان السلطان خلط الدراهم بعضها ببعض، فإنه لا بأس به، وإن وضع عين الغصب من غير خلط لم يجز أخذه، قال الفقيه أبو الليث: هذا الجواب يستقيم على قول أبي حنيفة؛ لأن عنده إذا غصب الدراهم من قوم وخلطه بعضها ببعض يملكها الغاصب، أما على قولهما لا يملكها، ويكون علىٰ ملك صاحبها. اھ ملخصا (ص ۳۶۳، ۳۶۴، ج ۴(۱)

فإذا خلط الوكيل دراهم الربوا بعضها ببعض الدراهم التي أخذها من حلال يجوز أخذ الربح منها؛ لكون الخلط مستهلكاً عند الإمام لا سيما إذا كان الوكيل كافرا، لاسيما والتقسيم مطهر عند نا كما إذا بال البقر في الحنطة وقت الدياسة فاقتسمها الملاك حل لكل واحد أكلها مع التيقن بكون الحنطة مختلطة بالطاهر والنجس، ولكن القسمة أورثت احتمالاً في حصة كل واحد من الشركاء، فحكمنا بطهارة نصيب كل واحد منهم (۲) فكذا ههنا إذا أربى الوكيل بالتجارة وخلط

---

(۱) خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، ما يتعلق بالضيافة، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۴۰۰-۴۰۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۹-۲۹۰۔

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه، قال الحلواني: وكان الإمام أبو القاسم الحكيم يأخذ جوائز السلطان. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۶۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۳)

هندية كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۳، جديد زكريا ۵/ ۳۹۷۔

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل: في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۶۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱۷۵، رقم: ۲۸۴۰۵۔

(۲) ونظير قولهم: القسمة في المثلي من المطهرات يعني أنه لو تنجس بعض البر ثم قسم طهر لوقوع الشك في كل جزء هل هو المتنجس أو لا؟. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: اليقين لا يزول بالشك، قديم ص: ۱۰۲، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۷)

لو بال حمر على حنطة تدوسها فقسم أو غسل بعضه أو ذهب بهبة أو أكل أو ←

الدراهم بعضها ببعض، ثم قسمها على الشركاء يحكم بحل نصيب كل واحد منهم. والله تعالىٰ أعلم. وأخرج البيهقي في سننه في باب كراهية: مبايعة من أكثر ماله من الربا أو ثمن المحرم من طريق شعبة عن مزاحم عن ربيع بن عبداللّٰه سمع رجلاً سأل ابن عمر أن لي جارا يأكل الربا أو قال خبيث الكسب، وربما دعاني لطعامه أفاجيبه؟ قال: نعم، ومن طريق مسعر عن جواب التيمي عن الحارث بن سويد قال جاء رجل إلىٰ عبدالله يعني ابن مسعود فقال: إن لي جارا ولا أعلم له شيئًا إلا خبثا، أو حراما، وأنه يدعوني فأحرج أن اٰتيه واتحرج أن لا اٰتيه، فقال: ائته أو أجبه، فإنما وزره عليه، قال البيهقي: جواب التيمي غير قوي، وهذا إذا لم يعلم أن الذي قدم إليه حرام، فإذا علم حراما لم يأكله اھ (ص ۳۳۵ ج ۲ (۱)۔

قلت: جواب التيمي وثقه بن حبان ويعقوب بن سفيان كما في التهذيب. (ص ۱۲۱، ۲۲، ج ۲ (۲)۔

﴿۵﴾۔ مال تجارت پر زکوٰۃ ہے، جب کہ بقدر نصاب ہو، اور بجلی بھی مال ہے، جیسا مذکور ہوا۔ تو اس میں بھی بوقت تجارت زکوٰۃ ہے (۳) اور جونقد پس انداز ہو اس میں بھی زکوٰۃ ہے جب

← بيع كما مر حيث يطهر الباقي، وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس في كل طرف كمسألة الثوب. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۳۵، كراچی ۱/ ۳۲۸)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۹۶۔

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، جماع أبواب الخراج بالضمان والرد بالعيوب، دارالفكر بيروت ۸/ ۲۳۹-۲۴۰، رقم: ۱۰۹۷۶-۱۰۹۷۷۔

(۲) قلت: وقال ابن حبان في الثقات، كان مرجئا، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة يتشيع. (تهذيب التهذيب، دارالفكر بيروت ۲/ ۹۱)

(۳) عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (أبوداؤد شريف، الزكوة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۸، دارالسلام، رقم: ۱۵۶۲) ←

کہ بقدر نصاب ہو، اور حولانِ حول ہو گیا ہو (۱) اور جو رقم منافعہ میں آتی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ ہے، جب کہ مال تجارت اور منافع کا مجموعہ بقدر نصاب ہو، یا خریدار کے پاس پہلے سے سونا یا چاندی یا نقد بقدر نصاب موجود ہو اور اثنائے حول میں یہ بھی اس کے ساتھ مل جائے تو مجموعہ پر سال تمام پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۲)۔ ولعل ہذا ظاہر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵/ شوال ۱۳۵۵ھ

← **عن حماس قال: مر علي عمرؓ فقال: أد زكوة مالك، قال: قلت ما لي مال أزكيه إلا في الخفاف والأدم، قال: قومه وأد زكاته.** (مصنف عبدالرزاق، كتاب الزكوة، باب الزكوة من العروض، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٩٦، رقم: ٧٠٩٩)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الزكوة، باب زكوة التجارة، دارالفكر بيروت ٦/ ٦٤، رقم: ٧٤٩٦۔

الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت الخ. (الجوهرة النيرة، الزكوة، باب زكوة العروض، دارالكتب ديوبند ١/ ١٥٠)

في عروض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٨-٢٢٩، كراچی ٢/ ٢٩٨-٢٩٩)

(۱) الزكوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما، وحال عليه الحول. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٣٣، رقم: ٣٩٣٤)

وشرط وجوبها: العقل، والبلوغ، والإسلام، والحرية، وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نام ولو تقديرا ملكا تاما. (ملتقى الأبحر، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٥-٢٨٦)

(۲) ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه في حوله وحكمه أي في حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكوة أيضا، فمن ملك مائتي درهم وحال الحول وقد حصلت في أثناءه أو في وسطه مائة درهم يضمها إليه، ويزكي عن الكل. (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، زكوة الذهب و الفضة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٠٧) ←

تتمہ من المجیب

علی ما ذکرنا من أحکام الخلط قاعدة إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام (۱)ولکن صرح في الأشباه بأنه خرجت عن هذه القاعدة مسائل عشرة الأولیٰ من أحد أبویه کتابي والاٰخر مجوسي فإنه یحل نکاحه وذبیحته، ویجعل کتابیا، وهي تقتضی أن یجعل مجوسیا وبه قال الشافعي، ولکن أصحابنا ترکوا ذلک نظرًا للصغیر، فإن المجوسي شر من الکتابي فلا یجعل الولد تابعا له (بل یتبع خیر الأبوین) والثانیة: الاجتهاد في الأواني إذا کان بعضها طاهرا و بعضها نجسا والأقل نجس فالتحري جائز. الثالثة: الاجتهاد في ثیاب مختلطة بعضها نجس و بعضها طاهر جائز، سواء کان الأکثر نجسا أولا، والفرق بین الأواني والثیاب أنه لا خلف لها في ستر العورة وللوضوء خلف في التطهیر وهو التیمم. والرابعة: لو سقی شاة خمرا ثم ذبحها من ساعته فإنها تحل بلا کراهة، ومقتضیٰ القاعدة التحریم، وکذا لو علفها علفًا حراما لم یحرم لبنها ولحمها (للاستهلاک) الخامسة: أن یکون الحرام مستهلکا فلو أکل المحرم شیئًا قد استهلک فیه الطیب فلا فدیة. (قلت: ویدخل فیه مسئلة الخلط أیضا فإنه استهلاک عند الإمام، ولکنه ذکرها علی حدة أیضا، فقال الثامنة: إذا کان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هدیته، وأکل ماله مالم یتبین أنه (أی المهدي

← ثم إنما یضم المستفاد عندنا إلی أصل المال إذا کان الأصل نصابا. (بدائع الصنائع، الزکوة، ما یستفاد بعد الحول، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۹۷)

والمستفاد وسط الحول یضم إلی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الأصل الخ.
(الدرالمختار مع الشامي، کتاب الزکوة، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۲۱٤، کراچی ۲/ ۳۰۷)

تبیین الحقائق، کتاب الزکوة، باب صدقة الغنم، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ٦۲، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۷۲۔

(۱) الأشباه والنظائر، النوع الثاني: القاعدة الثانیة، قدیم ص: ۱۷۰، جدید ۱/ ۳۰۱۔
قواعد الفقه، قاعدة: ۱٤، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۵۵۔ شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

اسم مفعول) من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه، وعن الإمام أن المبتلي بطعام السلطان والظلمة يتحري، فإن وقع في قلبه حله قبل وأكل، وإلا لا لقوله عليه الصلوة والسلام: استفت قلبک الحديث العاشرة قال في القنية: من الكراهة غلب على ظنه إن أكثر بياعات أهل السوق لا تخلو عن الفساد، فإن كان الغالب وهو الحرام تنزه عن شراء ه، ولكن مع هذا لو اشتراه يطيب له اھ۔ قال الحموي ووجهه: أن كون الغالب في السوق الحرام لا يستلزم كون المشتري حراما لجواز كونه من الحلال المغلوب، والأصل الحل اھ (ص ۹۱،۹۲ (۱) فلما ثبت خروج هذه المسائل عن القاعدة فلا إشكال. والله أعلم

يقول أشرف علي: إن هذا التوسع كله في أمثال هذه المعاملات لمن ابتلى بها أو اضطر إليها وأما غيره فالتوقى الورع فقط لمنتصف شوال ۱۳۵۵ھ۔

فصل ثالث: اس میں ایک کپڑے کی خالص مسلمانوں کی کمپنی کے قواعد اور احکام ہیں۔

(**قواعد ضروریہ**) یہ قواعد کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر کی تحریر سے معلوم ہوئے ہیں اور انہوں نے اس کا قصد ظاہر کیا ہے، کہ کمپنی کے قواعد جو انگریزی میں ہیں، اور جس کا صرف ایک نسخہ رہ گیا ہے اس کا ترجمہ کرکے شائع کیا جائے اس کو دیکھ کر اگر ضرورت ہوئی تو اس فصل میں اضافہ کر دیا جائے گا، جو قواعد اس وقت معلوم ہوئے ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)۔ مینجنگ ڈائرکٹر کو پورا اختیار ہے کہ کمپنی کے مفاد کے لئے جو امور ضروری ہیں ان کو عمل میں لائے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کمپنی کے روپے کو مناسب طور اور نفع کے لئے کہیں اور لگائے اور کمپنی کی طرف سے لین دین کرے (بلاسود)۔

(۲)۔ کمپنی کا تمام روپیہ حسب ضرورت بنک میں رکھنا ناگزیر ہے تاکہ آسانی سے دوسری جگہ روپیہ بھیجا جاسکے۔

---

(۱) الأشباه والنظائر، الفن الأول، النوع الثاني: القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، قديم ص: ۱۷۴-۱۷۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۶-۳۰۹)

(۳)۔حسابات سال میں ایک بار ہوں گے،اور منافع فی صدی جوڈائرکٹروں نے طے کیا ہو تمام حصہ داروں کوتقسیم کیا جائے گا۔

(۴)۔زکوٰۃ سال پورے ہونے پرجواپریل میں ختم ہوگاادا کی جائے گی انشاءاللہ تعالےٰ۔

(۵)۔اگرکوئی حصہ دار اپنا روپیہ وصول کرنا چاہے،تواس کی یہ صورت ہے،کہ دوسرااسی رقم کا حصہ دار تلاش کیا جائے وہ ان حصص کوخرید لے،پھرکمپنی نئے حصہ دار سے روپیہ وصول کر کے پُرانے حصہ دارکوادا کردے،تلاش خریداراوررجسٹروں کی درستی وغیرہ کا معاوضہ کچھ فی صدی لےکر باقی روپیہ پہلے حصہ دارکوادا کیا جاسکتا ہے،اور یہ تبادلہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ ڈائرکٹروں کی رضامندی نہ ہو،ڈائرکٹروں کی اجازت کے بعد ہر حصہ کی تبدیلی پرصرف ایک روپیہ فیس عائد کی جائے گی۔

(احکام مبنیہ برقواعدمذکورہ نمبروار) ان اموراورتصرفات کے جواز وعدم جواز کےموافق احکام جاری ہوں گے،اور یہ ظاہر ہے کہ جولوگ بعدمیں شریک ہوں گےان کی شرکت میں ایک بدل عروض ہوں گے،سواس کی تحقیق تکریر فصل ثانی میں گذرچکی ہےاور بلاسودی کی قید سے یہ کمپنی دوسری اکثر کمپنیوں سے اقرب الی الخیر ہوگئی۔

(۲)۔بینک کےمعاملات میں علماء کا اختلاف مشہور ہےاورفصل ثانی میں مذکور۔

(۳)۔اگرنفع کی مقدار معیّن ہوتی تو وہ ربوا ہوتا۔اب اس میں کوئی شبہ نہیں۔

(۴)۔ بلاقید یہ معمول جائزنہیں،البتہ اگراس تفصیل سے قاعدہ مقررکیا جائے تو جائز ہے کہ نابالغ کے حصّہ کی زکوٰۃ توکسی کی اجازت سے بھی جائزنہیں (۱) اور بالغین میں جس کا حصہ نصاب سے کم ہو،یا

---

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لا يجب على مال الصغير زكوة حتى تجب عليه الصلاة.** (سنن الدارقطني، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩٧، رقم: ١٩٦٢)

وشرط وجوبها: العقل، والبلوغ، والإسلام، فلا تجب على مجنون ولا صبي ولا مكاتب الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٥-٢٨٦)

ومن جملة الموانع الصبا والجنون، حتى لا تجب الزكوة في مال الصبي الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل العاشر: بيان ما يمنع وجوب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٦، رقم: ٤٢٣٠) ←

حصہ دار اتنا مقروض ہو کہ منہائی قرض کے بعد اس کا حصہ نصاب سے کم رہ جائے اس کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے جائز ہے، لیکن چونکہ ان لوگوں کے ذمہ واجب نہیں، لہٰذا ان کو اس عدم وجوب کی اطلاع کر دینی چاہیئے، پھر اجازت دینے نہ دینے کا اُن کو اختیار ہے یا اگر کسی کے ذمہ واجب بھی ہے مگر وہ کمپنی کو ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس کے حصہ میں سے بھی دینا جائز نہیں (۱) چونکہ اس تفصیل پر عمل سخت دشوار ہے، لہٰذا زکوٰۃ کی اس دفعہ کو نکال ہی دینا مناسب ہے، نیز اس میں ایک اور فروگذاشت بھی ہے، وہ یہ کہ زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہوتی ہے (۲) اور ان دونوں حسابوں میں ایک سال میں تقریباً دس روز کا فرق پڑتا ہے تو چھتیس سال میں ایک سال کا فرق ہوگا، تو اگر شمسی حساب سے ادا کرتا ہے تو چھتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب رہ جائے گی، اور یہ اپنے کو سبکدوش سمجھے گا۔

← **وشرط افتراضها عقل وبلوغ، فلا تجب على مجنون وصبي.** (الدرالمختار مع الشامي، الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۳، كراچی ۲/ ۲۵۸)

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بغير إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم: ۹۶)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰۔

(۲) **وحولها أي الزكوة قمري لا شمسي.** (الدرالمختار مع الشامي، الزكوة، باب زكوة الغنم قبيل باب زكوة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۳، كراچی ۲/ ۲۵۹)

حولي منسوب إلى الحول سمي به لما أن الأحوال تحول عليه والعبرة للحول القمري كذا في القنية. (النهرالفائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۴)

وسببها ملك نصاب حولي والعبرة للحول القمري. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۵)

البحرالرائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۶، كوئٹه ۲/ ۲۰۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۵)۔اس مبادلہ کے احکام اور تصحیح کا طریق فصل دوم میں مفصلاً مذکور ہے، اور اس صورت میں جو رجسٹروں کی درستی وغیرہ کا کچھ معاوضہ مثلاً فی صدی ایک روپیہ یا کم زیادہ لیا جائے وہ اجرت ہے اہل دفتر کی اس کا کچھ حرج نہیں، اور احقر کے نزدیک منی آرڈر کی فیس بھی اسی توجیہ سے جائز ہوسکتی ہے۔ ھـــذا ماحضر في هذا الحين ، وفي كل امربه نستعين.

ضمیمہ فصل ثالث متعلق دفعہ زکوٰۃ

یہاں سے زکوٰۃ کے متعلق جب جواب گیا تو کمپنی کے ڈائرکٹر کا خط آیا، کہ واقعی میری ناقص نظران امور پر نہ تھی جس کے متعلق حضور والا نے تحریر فرمایا ہے، مگر بعض شبہات مجھے اب پیدا ہوگئے ہیں جو حضور والا سے عرض کرتا ہوں، تاکہ ازالہ ہوجاوے۔اس وقت تک جو رقم بارہ تیرہ ہزار اس کمپنی میں لگائی گئی ہے وہ سر دست تقریباً ڈیڑھ چند ہوگئی ہے، مگر چونکہ علاوہ فرنیچر اور الماریوں اور دیگر اشیاء ضروری کے سب چیزیں اشیاء تجارت میں سے ہیں اور ان پر سال گذرنے والا ہے، لہٰذا اگر ان کی زکوٰۃ نہ نکالی جاوے تو جس شخص نے ایک سو روپے کے حصص خریدے ہیں اور وہ مقروض بھی نہیں ہے اور صاحبِ نصاب بھی ہے اس کا مشترکہ حصہ بصورت مال تجارت ڈیڑھ سو روپیہ ہوگیا ہے، اب وہ زکوٰۃ کیا ادا کرے، اگر ایسی صورت میں کمپنی اپنی ذمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا لازم کرلے، تو سب مال تجارت کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، مگر واقعی اس صورت میں جیسا حضور والا نے تحریر فرمایا ہے ان حضرات کی طرف سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جن کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں، اب جو صورت حضور والا تحریر فرماویں اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔تمّ السوال

اس کا جواب حسب ذیل گیا: تخمینہ سے ادا کی جائے گی، اور حصہ داروں کو تو تخمینہ کرنا دشوار ہے سہل صورت یہی ہے کہ ختم سال پر جب حصہ داروں کو منافع کی رقم تقسیم کی جاوے اس کے ساتھ ہی آپ تخمینہ کرکے اس کی بھی اطلاع ان کو کردیں اور مسئلہ بتلادیں کہ آپ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہے علماء سے پوچھ کر ادا کردی جاوے۔ پھر ان کو اپنے واجب کے ادا کرنے نہ کرنے کا اختیار رہے۔

مسئلتان: (۱) زيدتا وقت النظر الثاني الأولى مني، والثاني من المولوي محمد شفيع الديوبندي في جواب سؤالي بعد عدة أشهر، فالأولىٰ في الدر، وسببه (أى

---

(۱) **خلاصہ ترجمہ**: نظرثانی کے وقت دو مسئلوں کا اضافہ کیا گیا ہے، ایک میری طرف ←

وجوب الزكوٰة ملك نصاب حولي الخ. في رد المحتار: فلا زكوٰة في سوائم الوقف والخيل المسبلة؛ لعدم الملك الخ (۱)۔ قلت: وكذا في دراهم الوقف لاشتراك العلة، وقلت أيضا ودليل المسئلة من الحديث قوله عليه السلام: لما أخبر بمنع خالد الزكوٰة أما خالد فإنكم تظلمون خالدا قد احتبس أدراعه واعتده في سبيل الله الحديث للشيخين، وأبى داؤد النسائي عن أبى هريرة (۲) كذا في جمع الفوائد بيان وجوب الزكوٰة وأثم تاركها (۳)۔ والثانية في صورة السؤال والجواب.

(النورص۱۰، شوال ۱۳۵۹ھ)

← سے اور دوسرا مولوی محمد شفیع دیوبندی کی طرف سے، میرے سوال کے جواب میں چند مہینوں کے بعد پہلا مسئلہ: درمختار میں ہے: "وسببه: أي وجوب الزكوة –إلى قوله– لعدم الملك" میں کہتا ہوں، یہی حکم وقف کے دراہم میں بھی ہے؛ علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے اور نیز میں کہتا ہوں کہ مسئلہ کی دلیل حدیث پاک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو خالد کے زکوۃ نہ دینے کی اطلاع کی گئی تھی۔ "أما خالد فإنكم الخ" اور دوسرا مسئلہ بصورت سوال وجواب آگے آرہا ہے۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۷٤، كراچی ۲/ ۲۵۹ ـ

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بصدقة، فقيل: منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباسؓ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا فأغناه الله تعالى ورسوله، وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا فقد احتبس أدراعه واعتده في سبيل الله، وأما العباس بن عبدالمطلب فعم رسول الله صلى الله عليه وسلم فهي عليه صدقة ومثلها معها. (بخاري شريف، كتاب الزكوة، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۸، رقم: ۱٤٤۷، ف: ۱٤٦۸)

مسلم شريف، كتاب الزكوة، النسخة الهندية ۱/ ۳۱٦، بيت الأفكار رقم: ۹۸۳ـ

أبوداؤد شريف، كتاب الزكوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱٦۲۳ ـ

نسائي شريف، الزكوة، النسخة الهندية ۱/ ۲٦۵، دارالسلام رقم: ۲٤٦٤ ـ

(۳) جمع الفوائد، كتاب الزكوة، وجوبها وإثم تاركها، مكتبه مجمع الشيخ محمد زكريا سهارنپور ۲/ ٤۳۸، رقم: ۲۱۱۷ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دراہم موقوفہ کے منافع پر زکوۃ اور وراثت کا حکم

سوال (۲۱۳۲): قدیم ۳/ ۵۰۲- ایک ضروری سوال حل طلب ہے، جس کا منشاء چند فروع فقہیہ ہیں، اول وہ فروع نقل کرتا ہوں پھر وہ سوال لکھوں گا، اور چونکہ وہ فروع محض یاد سے لکھی ہیں، اس لئے ان کے صحیح یا غلط یاد ہونے کی بھی تحقیق مقصود ہے، وہ فروع یہ ہیں:

﴿۱﴾ دراہم ودنانیر کا وقف کرنا متاخرین کے قول پر صحیح ہے، اس صورت سے کہ اصل سرمایہ باعتبار مقدار کے محفوظ رہے، اور اس کو بذریعہ تجارت بڑھا کر اس کے منافع کو مصارف وقف میں صرف کیا جاوے۔

﴿۲﴾ واقف کو منافع وقف سے تاحیات خود اپنی ذات کے لئے انتفاع کی شرط ٹھہرانا جائز ہے، باقی دوسرے شرائط صحت وقف کا تحقق ہر حال میں ضروری ہے۔

﴿۳﴾ وقف میں زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ اس کے وجوب کے لئے دلیل سے ملک محل کی شرط ہے اور اس علّت کا مقتضا یہ ہے کہ دراہم موقوفہ اور اس کے ربح میں بھی زکوٰۃ واجب نہ ہو یہ مقتضا کلیات سے لکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر دراہم موقوفہ بشرط انتفاع النفس کی آمدنی پر اپنے خرچ میں لانے کے لئے قبضہ کرلیا تو کیا اسی نیت سے قبضہ کرنے سے وہ رقم اس کی ملک میں داخل ہوگئی یا داخل نہیں ہوئی، صرف اباحت کے طور پر اس سے انتفاع جائز رہے گا، دوسری صورت میں یہ سوالات متوجہ ہوں گے، کہ اگر قبل استہلاک اس پر حولانِ حول ہوگیا تو اس پر زکوٰۃ نہ ہونا چاہیئے، نیز اگر واقف مرگیا تو اس میں میراث جاری نہ ہونا چاہیئے، پھر کیا اس صورت میں واقف پر واجب ہوگا کہ اس کے متعلق وصیت کر جاوے اور کیا اس حالت میں اس کا مصرف اس وقف کے مصارف مقصودہ ہوں گے، اور اگر اس کو دوسرے مال میں مخلوط کردیا تو خلط سے مالک ہوکر کیا اس کا ضمان واجب ہوگا اور پہلی صورت یعنی تملک میں یہ سوالات تو متوجہ نہ ہوں گے، لیکن ایک علمی اشکال رہے گا، کہ جب منافع وقف کے بھی وقف ہیں جس کے لوازم سے عدم تملک ہے یہ لازم اُس سے کیسے منفک ہوگیا؟ بینوا توجروا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الجواب: فروع مذکورہ جن پر سوال مبنی ہے سب صحیح اور کلامِ فقہاء میں مصرّح ہیں۔ فروع ﴿۱﴾: عالمگیری کتاب الوقف باب دوم صفحہ ۲۰۲ میں، نیز درمختار و شامی میں مصرّح موجود ہے (۱)۔

---

(۱) وأما وقف المنقول مقصودا، فإن كان كراعا أو سلاحا يجوز، وفيما سوى ذلك، فإن كان متعارفا كالفأس، والقدوم، والجنازة، وثيابها وما يحتاج إليه من ←

فروع ﴿۲﴾: بھی عالمگیری، شامی، درمختار اور عامہ متون وشروح میں مصرّح موجود ہے(۱)۔
اور فروع ﴿۳﴾: کے متعلق شامی کی تصریح درمختار کے قول سببہ ملک نصاب کے تحت میں بالفاظ ذیل ہے: **فلا زكوة فى سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك.** (شامی ص۵ ج۲(۲)۔

← **الأواني والقدور في غسل الموتى، والمصاحف لقراءة القرآن، قال أبو يوسف: إنه لا يجوز، وقال محمدؒ: يجوز، وإليه ذهب عامة المشايخ رحمهم الله تعالى منهم الإمام السرخسي كذا في الخلاصة وهو المختار، والفتوى على قول محمد، كذا قال شمس الأئمة الحلوانيؒ، كذا في مختار الفتاوى.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الثاني، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٣٦١، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٢)

كما صح أيضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم، بل ودراهم ودنانير، قلت: بل ورد الأثر للقضاة بالحكم به كما في معروضات المفتي أبي السعود ...... **وقدر، وجنازة، وثيابها، ومصحف، وكتب؛ لأن التعامل يترك به القياس بخلاف ما لا تعامل فيه، كثياب ومتاع، وهذا قول محمدؒ وعليه الفتوى اختيار.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: في وقف المنقول قصدا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥٥-٥٥٧، كراچی ٤/ ٣٦٣-٣٦٥)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٠-٥٨٢۔

(۱) **في الذخيرة: إذا وقف أرضا أو شيئا آخر وشرط الكل لنفسه أو شرط البعض لنفسه ما دام حيا وبعده للفقراء، قال أبويوسفؒ: الوقف صحيح ومشايخ بلخ أخذوا بقول أبي يوسفؒ وعليه الفتوى.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الرابع: فيما يتعلق بالشروط في الوقف، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٣٩٧، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٣٧٤)

وجاز جعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه عند الثاني، وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٨٣، كراچی ٤/ ٣٨٤)

وصح عند أبي يوسفؒ وقف المشاع، وجعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه، وعليه الفتوى ترغيبا للناس في الوقف، كما في أكثر المعتبرات. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧٣-٥٧٤)

النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٢٤-٣٢٥۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٧٤، كراچی ٢/ ٢٥٩۔

اب جوابِ سوال دو مقدموں پر موقوف ہے، اول یہ کہ منافع وقف وقف نہیں ہوتے (جیسا سوال کے آخر میں کہا گیا ہے) بلکہ واجب التصدق والانفاق فی مصارفہ ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کو منافع وقف سے حصہ دیا جاتا ہے، وہ بطور تملیک ہوتا ہے بطور اباحت نہیں، (ہاں اگر واقف اس کی تصریح کردے کہ بطور اباحت خرچ کیا جاوے تو یہ دوسری بات ہے کہ پابندی اس کی بوجہ اتباع شرائط واقف کے ضروری ہو جائے گی، نہ کہ اصل وقف کے اعتبار سے) دلیل مقدمہ ثانیہ کی عبارات ذیل ہیں:

في الدرالمختار: في تعريف الوقف هو لغة الحبس، وشرعا حبس العين علىٰ حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة، ولو في الجملة (إلى قوله) عنده وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها علىٰ من أحب اھ۔ **قال الشامي في قوله: في الجملة فيدخل فيه الوقف على نفسه ثم على الفقراء، وكذا الوقف على الأغنياء ثم الفقراء.** (شامی ص ۴۹۴ ج۳ (۱)۔ **ومثله في العالمگيرية** (ص ۲۰۲ ج۲ (۲)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥١٩-٥٢١، كراچی ٤/ ٣٣٧-٣٣٩۔

(۲) **وأما تعريفه: فهو في الشرع عند أبي حنيفةؒ: حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة على الفقراء أو على وجه من وجوه الخير بمنزلة العواري، كذا في الكافي ...... وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد الخ.** (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول: في تعريفه وركنه الخ، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٠، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٣٤٦)

هو حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة على الفقراء، وعلى وجه من وجوه الخير، ولو قال: صرف منفعته إلى وجه من وجوه الخير لكان أولى؛ لأن الموقوف له يلزم أن يكون فقيرا أو التصدق لا يكون إلا له تدبر، ثم قيل: المنفعة معدومة، والتصدق بالمعدوم لا يصح فلا يجوز الوقف أصلا عنده، والأصح أنه جائز إجماعا إلا أنه غير لازم عنده كالعارية، وعندهما هو حبس العين على ملك الله تعالىٰ على وجه تعود نفعه على العباد الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٧-٥٧٠)

﴿۲﴾ والصدقة كالهبة بجامع التبرع، وحينئذ لا تصح غيرمقبوضة، ولا في مشاع يقسم. (درمختارمع شامی ص ۸۱۷ ج۴ (۱)۔

﴿۳﴾ وفي البدائع: مستدلا على وجوب التمليک في الصدقات مانصه، والإيتاء هو التمليک، ولذا سمى اللّٰه تعالىٰ الزكوٰة صدقة بقوله عزوجل: إنما الصدقات للفقراء، والتصدق التمليک. (بدائع ص ج۲ (۲)۔

عبارات مذکورہ ﴿۱﴾ میں منافع وقف کوصدقہ قرار دیا گیا ہے،اورعبارت ﴿۲﴾ میں صدقہ کا مثل ہبہ ہونا مصرّح ہے، اور ہبہ کا موہوب لہ کی ملک تام ہونا معلوم ومعروف ہے،اورعبارت ﴿۳﴾ عین التصدق کا عین تملیک ہونا بصراحت مذکور ہے،اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ منافع وقف جن لوگوں کو بطور صدقہ دیا جاتا ہے وہ بطور تملیک ہے بطور اباحت نہیں،اوراغنیاء کو یا خود واقف کو جو حصہ دیا جاتا ہے وہ اگر چہ حقیقۃً صدقہ نہیں بلکہ ہبہ ہے،مگراس کوبھی بلفظ تصدق تعبیر کیا گیا ہے۔ **كما فی تنقيح الحامدية، التصدق على الغنى هبة وإن ذكر لفظ الصدقة وعلى الفقير صدقة وإن ذكر لفظ الهبة۔**

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ ص۹۷ ج۲)

الغرض صدقہ ہو یا ہبہ دونوں پر متصدق علیہ اور موہوب لہ کا قبضہ قبضۂ مالکانہ ہوتا ہے اباحت نہیں۔ واللہ اعلم

اوردلیل مقدمہ اولیٰ (یعنی اس امر کی کہ منافع وقف وقف نہیں ہوتے) عبارات ذیل ہیں

عبارت مذکورہ سابقہ ﴿۱﴾ جس میں منافع وقف کوبخلاف اصل وقف کے صدقہ قرار دیا ہے۔

﴿۲﴾ متولي المسجد إذا اشترى من غلته دارا أو حانوتا فهذه الدار وهذه الحانوت هل تلحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد؟ ومعناه هل تصير وقفا؟ اختلف المشائخ فيه، قال الصدر الشهيد: المختار أنه لا تلتحق، ولكن تصير مستغلا للمسجد، وهذا؛ لأن الشرائط التي يتعلق بها لزوم الوقف وصحته حتى لا يجوز فسخه

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۹، كراچی ۵ / ۷۰۹۔

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل: وأما ركن الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۲، كراچی ۲ / ۳۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ولا بیعہ لم یوجد شيء من ذلک ھھنا فلم یصر وقفا، فیجوز بیعہ. التاسع عشر من وقف الذخیرۃ. (فتاویٰ انقرویۃ ص ۲۲۱ ج ۱ (۱)۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ منافع وقف وقف نہیں بلکہ اگر ان سے وقف کے لئے کوئی جائیداد بھی خرید لی جاوے تو وہ جائیداد بھی وقف نہیں ہوتی (یہ دوسری بات ہے کہ واقف نے تصریح کردی ہو، کہ وقف کی آمدنی کے کل یا جزو سے کچھ جائیداد خرید کر وقف کے ساتھ ملحق کردی جاوے تو اتباع شرائط واقف کی وجہ سے وہ بھی وقف ہو جائے گی۔ **کما یستفاد من القواعد (۲)**۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ دراہم موقوفہ علی نفسہ کے منافع پر جب خود واقف نے حسب شرائط وقف اپنے صرف میں لانے کے لئے قبضہ کرلیا تو یہ قبضہ ملک ہے، اگر اس طرح بقدر نصاب روپیہ جمع ہوگیا تو حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۳) اور بعد وفات مالک اس میں میراث جاری ہوگی، اور چونکہ منافع وقف کا وقف نہ ہونا بلکہ واجب التصدق مثل قیمت چرم قربانی وغیرہ کے ہونا عبارات مذکورہ سے مستفاد ہے اس لئے یہ شبہ نہ رہا کہ منافع وقف مِلک میں کس طرح داخل ہوگئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(النور ص ۷، ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ)

---

(۱) **لم أظفر بھذا الکتاب.**

(۲) **شرط الواقف کنص الشارع، أي في المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب: في قولھم شرط الواقف کنص الشارع، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/ ۶۴۹، کراچی ۴/ ۴۳۳)

لأن شرط الواقف معتبر فیراعی کالنص وعلیہ الفتوی. (مجمع الأنھر، کتاب الوقف، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۷۴)

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباہ والنظائر، قدیم ص: ۱۷۰، جدید زکریا ۱/ ۳۰۰)

شرط الواقف کنص الشارع، فیجب اتباعہ. (البحرالرائق، کتاب القضاء، باب کتاب القاضي إلی القاضي وغیرہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/ ۲۴، کوئٹہ ۷/ ۱۴)

(۳) **غلۃ الأرض الموقوفۃ وثمار الأشجار إن کان الوقف علی قوم بأعیانھم فحصل لبعضھم من الثمرۃ أو الحب نصاب ففیہ الزکوۃ؛ لأن الموقوف علیھم یملکون الثمار، والغلۃ ملکا تاما، ویتصرفون فیہ بجمیع أنواع التصرف فمتی حصل لأحدھم نصاب وجبت علیہ زکاتہ، وھذا عند الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ والحنابلۃ.** (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۲۴/ ۱۷۴)

ضمیمہ ملتقطہ از فتاویٰ عتیقہ احقر موعودہ خطبہ رسالہ ہذا یعنی ''القصص السنی''

فصل رابع

سوال (۲۱۳۳): قدیم ۳/ ۵۰۵- ﴿۱﴾ کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے شیئر یعنی حصص کمپنی مذکورہ کے خریدنا درست و جائز ہے یا نہیں؟

﴿۲﴾ اور ٹرام ریلوے کے حصص خریدنا درست ہے یا نہیں؟

﴿۳﴾ مذکورہ بالا کمپنی نے دو ہزار روپے کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپے مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکور دو ہزار روپیہ پر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

﴿۴﴾ دارالحرب میں بعض لوگ سیونگ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں اور سالانہ سود بھی لیتے ہیں کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے۔

الجواب: ﴿۱-۲﴾ اگر حصہ صرف نقد روپیہ تھا، تب تو اس کے خریدنے کے لئے برابر سرابر ہونا شرط ہے (۱)۔ اور اگر حصہ میں آلات کا جزو بھی ہے تو بدون اس شرط کے بھی درست ہے (۲)۔

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، يدا بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء.

(مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/ ۳۵، بيت الأفكار رقم: ۱۵۸٤)

أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب في الصرف، النسخة الهندية ۲/ ٤۷۵، دارالسلام رقم: ۳۳٤۸۔

ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة، مثلا بمثل، وكراهية التفاضل فيه، النسخة الهندية ۱/ ۲٤۵، دارالسلام رقم: ۱۲٤۰۔

فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲۱)

النهر الفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٤۷۱۔

(۲) ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبا بذهب و أحدهما أقل ومع أقلهما شيء آخر ←

﴿۳﴾ زکوٰۃ اصل ونفع دونوں پر واجب ہوتی ہے(۱)۔

← **يبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهة، وإن لم تبلغ فمع الكراهة.** (هداية، كتاب الصرف، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۰۸)

إذا باع سيفا محلي بالفضة منفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجا أو سكينا مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة المفردة أكثر حتى جاز البيع كان بحصة الفضة صرفا، ويراعى فيه شرائط الصرف، وبحصة الزيادة التي هي من خلاف جنسها بيعا مطلقا فلا يشترط له ما يشترط للصرف، فإن وجد التقابض وهو القبض من الجانبين قبل التفرق بالأبدان تم الصرف والبيع جمعا. (بدائع الصنائع، البيوع، باب بيع السيف المحلى بالفضة ونحوها، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٥)

ولو اشترى سيفا محلى بالفضة أو لجاما مفضضا بفضة خالصة وزنها أكثر من الحلية جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدري لا يجوز، كذا في محيط السرخسي. (هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثاني، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰٦)

الجوهرة النيرة، البيوع، باب الصرف، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲٦۱، زكريا ديوبند ۱/ ۲٥٤ ـ

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، قبيل باب الحقوق، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲٦-۱۲۷ ـ

(۱) **ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه في حوله وحكمه، أي في حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكوة أيضا فمن ملك مائتي درهم وحال الحول، وقد حصلت في أثناءه أو في وسطه مائة درهم يضمها إليه ويزكي عن الكل.** (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب زكوة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية بيرت ۱/ ۳۰۷)

والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الأصل. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۱٤، كراچى ۲/ ۲۸۸)

ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا. (بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، باب ما يستفاد بعد الحول، مكتبه زكريا ۲/ ۹۷)

هداية، كتاب الزكوة، باب في صدقة سوائم، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۹۳ ـ ←

﴿۴﴾ یہ فعل معصیت ہے، مگراس سے جو مال حاصل ہوا وہ مباح ہوسکتا ہے، اوراس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے(۱)۔(النور ص۱۰، ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ)

تحقیق بعض معاملات پتلی گھر

سوال (۲۱۳۴): قدیم ۳/۵۰۵- کانپور کی میورملس کمپنی کے منیجر نے حسب قاعدہ مروجہ ایک اشتہار کمپنی قائم کرنے کا دیا۔ اوراس کے مجوزہ سرمایہ کے مطابق پندرہ لاکھ روپیہ جمع ہوگیا جس سے کاروبار شروع کیا گیا اور ہر سال نفع تقسیم کرتا رہا، اور جیسے کہ عموماً کمپنیوں کا قاعدہ ہے کہ ہر سال کے نفع میں سے کچھ بچا کر تقسیم کیا جاتا رہا تاکہ اتفاقی حوادث کے وقت وہ نفع کام دے، چونکہ شرکاء میں کمی بیشی

← تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب صدقة الغنم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٢، إمداديه ملتان ١/ ٢٧٢۔

(۱) **ولا ربوا بين المسلم والحربي ثمة أي في دارالحرب، وهذا عندهما، وقال أبويوسف: لا يحل، وبه قالت الثلاثة لإطلاق النصوص المحرمة للربا الخ.** (النهر الفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٨٠)

ذهب جمهور الفقهاء وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا فرق في تحريم الربا بين دارالحرب ودارالإسلام، فما كان حراما في دارالإسلام كان حراما في دارالحرب سواء جرى بين المسلمين أو مسلم وحربي، وسواء دخلها المسلم بأمان أم بغيره، واستدلوا بعموم القرآن والسنة في تحريم الربا من غير فرق...... وقال أبو حنيفة ومحمد: لا يحرم الربا بين المسلم والحربي في دارالحرب، ولا بين مسلمين أسلما في دارالحرب ولم يهاجرا منها؛ لأن مالهم مباح إلا أنه بالأمان حرم التعرض له بغير رضاهم تحرزا عن الغدر ونقض العهد، فإذا رضوا به حل أخذ مالهم بأي طريق كان بخلاف المستأمن؛ لأن ماله صار محظورا بالأمان. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٧٤-٧٥)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٧۔

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٤/ ٩٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کمپنی میں نہیں ہوسکتی۔اس واسطے رقم نفع میں کچھ بلکہ کل تک اگر بچار کھا جاوے تو قواعد شرعیہ کے کچھ خلاف بھی نہیں ہے، ہر سال وہ نفع کی رقم بچتے بچتے اس قدر بچ گئی کہ اصل سرمایہ کے برابر یعنی پندرہ لاکھ کو پہنچ گئی اس وقت منیجر نے یہ مناسب سمجھا کہ اب اس رقم کو شامل اصل کر دیا جاوے، اس لئے اس نے تمام شرکاء کو اطلاع دی کہ یا تو لوگ اپنا نفع جو بچ کر اصل کے برابر پہنچ چکا ہے اس کو واپس لے لیں، اور یا اس کو اصل میں شامل کر دیں، اس تقدیر پر اس کی اصل دونی سمجھی جاوے گی لیکن تقسیم نفع کی نسبت اس نے یہ شرط کر لی ہے کہ جدید حصص پر نفع خواہ کسی قدر ہو سیکڑہ سے زائد تقسیم نہ کرے گا، اور جو اس سے زائد نفع ہوگا وہ قدیم حصص پر تقسیم کیا جاوے گا فرض کیا جاوے کہ اصل میں ایک شخص نے سو روپے دیئے تھے، اور اب رقم نفع ملا کر اس کے دوسو کا حصہ سمجھا گیا، تو اگر کمپنی میں نفع اس قدر ہوا کہ ہر سو (۱۰۰) پر ۶ تقسیم ہوسکتا ہے تو وہ اس شخص کو ۱۲ ادے گا، اصل روپے پر ۶ اور زائد پر ۶ اور اگر اس قدر نفع ہوا کہ ہر سو پر ۸ سے صحیح تقسیم ہوسکتا ہے تو وہ اصل پر آٹھ آنہ دے گا، اور رقم نفع پر ۸ لیکن اگر نفع اس قدر زائد ہو کہ ہر سو (۱۰۰) پر دس (۱۰) صحیح تقسیم ہو جاتے ہیں تو وہ رقم نفع پر ۸ دے کر باقی ۱۲ رقم اصل کے نفع دیدے گا۔

خلاصہ یہ کہ رقم نفع میں نفع کی کمی مقدار گو مقرر نہیں، بلکہ اگر نقصان ہو تو بھی لیا جاوے گا لیکن زائد میں مقدار نفع مقرر کر دی ہے کہ ۸ سے زائد اس کو نفع میں کوئی حق نہیں ہے، بلکہ وہ تمام زیادتی صرف قدیم رقم کے متعلق سمجھی جاوے گی، چنانچہ اس اشتہار کے مطابق اکثر لوگوں نے اپنا روپیہ اس کمپنی میں جمع کر دیا۔ اور بعض نے واپس بھی منگوا لیا، چنانچہ پندرہ لاکھ رقم نفع میں تیرہ لاکھ سے کچھ اوپر اس میں رکھ کر شامل اصل کر دی گئی، اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ لوگوں نے واپس کر لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز ہوا یا نہیں، اور اگر کوئی شخص اپنے حصص رقم اصل یا حصص رقم نفع دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے تو اس سے خریدنا جائز ہے یا نہیں، اور آیا زائد از ۸ تقسیم نہ کرنے کی شرط جو حصص قسم ثانی میں ہے اس سے اس شرکت میں فساد آتا ہے یا نہیں شرکت میں حسب تصریح فقہاء کمی وبیشی کی شرط ہوسکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہی شرط ہونا چاہیئے جس میں تعیین مقدار نہ ہو، اور یہاں آٹھ آنہ سے زائد ملنے کی معین شرط ہے، اور آیا فساد آوے گا تو صرف حصص قسم ثانی میں یا اس کا اثر اول قسم تک بھی پہنچ جاوے گا۔ اس وجہ سے کہ جب قسم ثانی میں یہ شرط فاسد ہوئی تو شرکت فاسدہ میں نفع رأس المال کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے، اور یہاں مالکان حصص قسم اول کو اگر نفع زائد ہو تو ۸ سے زائد مل سکتا ہے، حالانکہ وہ مطابق رأس المال تقسیم ہونا چاہئے، تو گویا قسم ثانی کا نفع جو ان کا حق تھا وہ قسم اول کے مالکان کو مل جاتا ہے؛

اس لئے وہ نفع لینا قدیم حصص کے مالکان کو جائز نہ ہو، یا کہ دونوں قسموں کو اس بناء پر جائز کہا جاوے کہ دونوں قسم کے حصص کا مجموعہ نفع غیر متعین ہے اور مالک دونوں کا ایک ہی شخص ہے، نہ علیحدہ علیحدہ، البتہ جو صرف حصص قسم ثانی کسی سے خرید لے گا تب اس کو جائز نہ ہوگا، یا کہ صرف قسم اول کے حصص کوئی خریدے تو اس کو جب ۸ سے نفع زائد ملے گا تو بسبب تعلق حصص قسم نفع زائد از ۸ میں وہ زیادتی جائز نہ ہو، لیکن جو شخص دونوں قسم کے حصص کا مالک ہو یا دونوں قسم کے حصص خریدے اس کے لئے نفع جائز ہو جاوے، علی الخصوص اس وقت جب کہ دونوں قسم کے حصص برابر ہوں، اس لئے کہ اس وقت اگر کمی بیشی ہوئی ہے تو اس سے اسی کو ملتا ہے نہ کہ دوسرے کا مال آتا ہے، یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت اس پر توجہ فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں گے؟

الجواب : میں نے پوری توجہ سے اس سوال کو پڑھا، میرے نزدیک یہ شرط مفسد عقد نہیں، کیونکہ قسم ثانی کے نفع کی مقدار اکثر متعین ہے، مگر اس سے زائد کو دوسرے شریک کے لئے شرط نہیں ٹھہرایا، اگرچہ کسی شریک کے فعل خاص سے کہ وہ اپنا جزو حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ بیچ ڈالے یہ امر کہ ایک کے حق کا نفع دوسرے کو مل جاوے لازم آجاوے، لیکن اصل عقد میں تو یہ شرط نہیں بلکہ مجموعہ منافع متعلقہ ہر دو قسم ایک ہی حصہ دار کا حق ہے کہ اس کے جزو کو ایک قسم کے متعلق قرار دیدیا، اور ایک جزو کو دوسری قسم کے متعلق، البتہ جواز نفع اسی کے لئے ہے جو مجموعہ ہر دو قسم حصص کا مالک ہو، یا مجموعہ ہر دو قسم حصص کو خرید لے، بشرطیکہ دونوں قسم کے حصص برابر ہوں، اور اگر کم وبیش ہوں گے تو بوجہ اُن مفاسد کے جو سوال میں مذکور ہیں عقد میں فساد آجاوے گا۔ اسی طرح اگر ایک حصہ ایک کا ہو اور دوسرا حصّہ دوسرے کا تو یہ صورت بھی جائز نہیں۔ للزوم المفاسدة المذکورة فی السؤال (۱)۔ واللہ اعلم

۶/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۳، حوادث ۱، ۲، ص ۴۴)

---

(۱) یعنی حصص کے کم وبیش ہونے کی صورت میں اسی طرح ایک حصہ ایک کا اور دوسرا حصہ دوسرے کا ہونے کی صورت میں اس طرح کی شرط لگانا مفسد عقد ہوگا؛ کیوں کہ ان صورتوں میں ایک قسم کے حصص کے مالکان کا نفع دوسرے قسم کے حصص کے مالکان کو شرط مذکور وجہ سے پہنچ جائے گا، جو کہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو مفسد عقد ہے؛ لہٰذا اس طرح کی شرط لگانا جائز نہیں۔

ثم جملة المذهب فيه أن يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشتري لايفسد العقد لثبوته بدون الشرط، وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد ←

فصل سادس

سوال (۲۱۳۵): قدیم ۳/ ۵۰۸- آج کل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں اوراس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کرڈالتا ہے، اوران اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اوران کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیج دیتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے، اوراُن چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیج دیتا ہے جس میں ویسے ہی ٹکٹ بھی ہوتے ہیں، جن کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپے کو پھر بیچ ڈالتے ہیں جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کئے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیج دیتا ہے، اورایک ایک کاغذ ایسا ہی جن کے نام انہوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں، صاحب کمپنی کو فروخت کردیتا ہے، پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں، اوراسی طرح اجرار ہتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھاویگا تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلا واسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بواسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اپنے خریدار پیدا کرلو تو اس روپے مرسلہ کے عوض ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کردی، ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کرلیں گے، سواس میں دونوں شرطیں فاسد و باطل ہیں دوسرے خریدار کے پیدا کرنے کی تقدیر

← **المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده.** (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٥٩)

ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو فيه نفع لمبيع هو من أهل الاستحقاق ولم يجر العرف به ولم يرد الشرع بجوازه الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٨١-٢٨٢، كراچى ٥/ ٨٥)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٩٠-

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٠، إمداديه ملتان ٤/ ٤٥-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پر فروخت کرنا بھی کہ وہ تنجیز بیع کے وقت (مقرون بشرط فاسد مخالف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد بحکم ربوا ہے اور تعلیق کے وقت (تعلیق الملک علی الخطر ہونے کی وجہ سے) قمار ہے، اور ربوا اور قمار دونوں حرام ہیں، اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار نہ پیدا کرنے کی تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی کہ صریح اکل بالباطل ہے، اور یہ تاویل ہرگز مقبول نہیں ہوسکتی کہ روپے کے عوض ٹکٹ دیا ہے، کیونکہ ٹکٹ مبیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہو جاتا، ٹکٹ فروخت کر کے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہ ہوتا جیسا تمام عقود میں یہی ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ مبیع نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد اور باطل ہونا ثابت ہوگیا تو ایسا معاملہ بھی بالیقین حرام اور متضمن ربوا اور قمار اور اکل بالباطل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: أحلَّ اللّٰهُ البیعَ وحَرّمَ الربوا (۱)۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ: إنما الخمر والمیسر -إلی قوله- رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیطان. الآیة (۲)۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ: ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل. الأیة (۳)۔

وقال صلی الله علیه وسلم: کل شرط لیس في کتاب اللّٰہ تعالیٰ فهو باطل (۴)۔ ونهی علیه السلام: عن بیع وشرط (۵)۔

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآیة: ۲۷۵۔

(۲) سورة المائدة، رقم الآیة: ۹۰۔

(۳) سورة البقرة، رقم الآیة: ۱۸۸۔

(۴) **أخرج النسائي عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها حدیثا طویلا -وفیه- ثم قام فخطب الناس فحمد الله وأثنی علیه، ثم قال: ما بال أقوام یشترطون شروطا لیست في کتاب الله عز وجل یقولون أعتق فلانا والولاء لي، کتاب الله عز وجل أحق، وشرط الله أوثق، وکل شرط لیس في کتاب الله فهو باطل، وإن کان مائة شرط الحدیث.** (نسائي شریف، کتاب الطلاق، باب خیار الأمة تعتق وزوجها مملوك، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹، دارالسلام رقم: ۳۴۸۱)

ابن ماجة شریف، کتاب الأحکام، أبواب العتق، باب المکاتب، النسخة الهندیة ص: ۱۸۱، دار السلام رقم: ۲۵۲۱۔

(۵) **عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن النبي صلی الله علیه وسلم: أنه ←**

وفی جمیع الکتب الفقهیة صرحوا بعدم جواز بیع مشروط بما لا یقتضیه العقد ولا یلایمه وفیه نفع لأحدهما کما لا یخفی علی من طالعها (۲)۔ واللّٰہ اعلم

(النور ص ۹، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

فصل سابع

سوال (۲۱۳۶): قدیم ۳/ ۵۰۹- یہ مسئلہ استفسار طلب ہے کہ حضور والا کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اکثر کمپنیاں (جماعت تجارت) ایسی ہیں، جو جان و مال کا بیمہ کیا کرتی ہیں، اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جماعت تجارت کو جو مشترک قائم ہیں وہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر ایک کمیشن سالانہ لیا کرتی ہیں، اور اگر اندر سال کے وہ مال صرف بذریعہ آتشزدگی تلف ہو جاوے تو جس قدر تعیین مال پر انہوں نے کمیشن لیا ہے۔ اس قدر تعیین یکمشت مالک مال تلف شدہ کو دیدیا کرتے ہیں، اکثر لوگ اپنی جائیداد کا بیمہ

← **نهی عن بیع وشرط.** (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب النهي عن البیع بالشرط، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴/ ۱۶۷)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رسول الله صلی الله علیه وسلم: نهی عن سلف وبیع، وشرطین في بیع، وربح ما لم یضمن. (نسائي شریف، البیوع، سلف وبیع، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹۷، دارالسلام رقم: ۴۶۳۳)

(۱) **ثم جملة المذهب فیه أن یقال کل شرط یقتضیه العقد کشرط الملک للمشتري لایفسد العقد لثبوته بدون الشرط، وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الاستحقاق یفسده.** (هدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مکتبه أشرفیه دیوبند ۳/ ۵۹)

ولا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو فیه نفع لمبیع هو من أهل الاستحقاق ولم یجر العرف به ولم یرد الشرع بجوازه الخ. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۲۸۱-۲۸۲، کراچی ۵/ ۸۵)

مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۹۰۔

تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مکتبه زکریا دیوبند ۴/ ۳۹۰، إمدادیه ملتان ۴/ ۴۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کرایا کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اس قدر رائج ہے کہ غالباً اس سے آنجناب بھی واقف ہوں گے، پس آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ طریقہ بیمہ کا شرعاً جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، مثلاً یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اکثر لوگ نوٹ وغیرہ بذریعہ رجسٹری شدہ لفافہ کی ڈاک کی معرفت روانہ کیا کرتے ہیں، جس سے مقصود صرف حفاظت نوٹ ہوتی ہے، پس اگر بیمہ کرانا ناجائز ہوگا تو غالباً رجسٹری کر کے نوٹ روانہ کرنا بھی خلاف شرع شریف ہوگا۔ امید کہ سمع خراشی معاف فرمائی جاوے؟

الجواب : ان اشتہاری اور تجارتی بیموں میں کمپنیاں جو مالک کو خاص صورتوں میں معاوضہ دیتی ہیں۔صورۃً تو وہ عوض ہے اس مال تلف شدہ کا، مگر واقع میں عوض ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ داخل کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو مقصود وہی ہے، ورنہ مال ضائع سے اس کو کیا نفع ہوسکتا ہے، پس باعتبار صورۃ کے تو یہ قمار ہے۔ **لأنه تعليق المساوات في الجانبين فيما يجب فيه المساوات**. اور قمار اور سود دونوں حرام ہیں، پس یہ معاملہ یقیناً حرام ہے(۱)۔اسی طرح جان کا بیمہ وہ صورۃً رشوت ہے۔ **لأن المال عوض من غير متقوم وهو النفس**. اور حقیقۃً سود ہے۔ **لعين ما مر في المال**.

رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایہ جاتا ہے، اس کی حقیقت اور ہے کیونکہ ڈاکخانہ والے اس چیز کو پہنچاتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں، پس یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور عملہ ڈاک اجیر ہیں اور بیمہ زیادۃ اجر ہے، اور اُن کی یہ ذمہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے، جس کو بعض فقہاء نے جائز کہا ہے، بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی اس میں یہ تاویل محتمل نہیں۔

---

(۱) املاک کے بیمہ کے بارے میں آج کی دنیا میں غور کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں بغیر بیمہ کے کاروبار قانوناً ممنوع ہے، اگر مسلمانوں کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی تو مسلمان بین الاقوامی تجارت میں قدم بھی نہیں رکھ سکتے، نیز اندرون ملک بھی بہت سی تجارت بغیر بیمہ کے نہیں کرسکتے، اسی طرح گاڑیاں بھی بیمہ کے بغیر قانوناً روڈ پر نہیں چل سکتیں؛ اس لئے بعد کے اہل علم نے املاک کے بیمہ کی گنجائش لکھی ہے۔اور رہی یہ بات کہ حادثہ پیش آنے کی صورت میں کمپنی سے کیا لے لیا جاسکتا ہے؟ اس جادے میں بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ منجانب کمپنی جو کچھ ملتا ہے، وہ کمپنی کی طرف سے ایک قسم کا تعاون ہے؛ لہٰذا جو مل جائے لے سکتے ہیں اور بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اپنی سے اب تک جو کچھ جمع ہو چکا ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام طور سے زائد ملتا بھی نہیں، بہر حال اگر زائد ملتا ہے، اسے واپس کر دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے خود استعمال نہ کریں۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۴۳-۱۴۴)

في الدرالمختار، باب الوديعة: واشتراط الضمان على الأمين الخ. وفي ردالمحتار: وانظر حاشية الفتال، وقد يفرق بأنه هنا مستأجر على الحفظ قصدا بخلاف الأجير المشترک، فإنه مستأجر على العمل تأمل (۱)۔ وفي الدرالمختار، باب ضمان الأجير: ولا يضمن ماهلک في يده -إلى قوله- خلافا للأشباه. وفي ردالمحتار: أى من أنه إن شرط ضمانه ضمن إجماعا ح وهو منقول عن الخلاصة وعزاه ابن الملک للجامع (۲)۔ قلت: وفي هذا البيمة يستأجر بالزيادة على الحفظ قصدا، فكان أولى بالجواز من الأجير المشترک يضمن على العمل. والله أعلم

۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (النور ص۱۰، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

فصل ثامن

سوال (۲۱۳۷): قدیم ۳/ ۵۱۰- زید نے ایک میل کمپنی کے حصے خریدے، ایک ۷۰۰ میں خریدا، آج وہ حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے، اصل حصہ سو روپے کا ہے، اس کی آمد سالانہ کبھی سو کبھی کم کبھی زیادہ ہے زید زکوٰۃ کس طرح دے، اور مفصل گذارش یہ ہے کہ کمپنی کی جائیداد یعنی عمارت اور اس کی مشینیں سانچے وغیرہ یہ کل پچیس لاکھ روپے کی ہیں اور روپیہ جمع پچیس لاکھ ہیں، زید کے حصہ میں اگر یہ جائیداد روپیہ جمع ہوا تقسیم ہووے تو دوسو روپے آنے کی امید ہے، یہ تو جواب ہے۔

اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے، شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپے کا تھا، ایسے دس ہزار حصے کے خریدار لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا اس کی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لاکر نصب کردی گئیں، پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع دس روپے تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دوسو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خرید لیا، دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا، اس پر تقسیم کئے، جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت ۳۰۰ کی ہوگئی، عمرو سے ایک حصہ بکر نے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإيداع، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٤٥٦، كراچی ٥/ ٢٦٤۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۸۹-۹۰، كراچی ٦/ ٦٥۔

ہونے سے قیمت بڑھ گئی، اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زاہد نے ۶۰۰ میں خریدا، پھر زاہد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا، اب اس سال وہی ۴۰۰ میں بکتا ہے، سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جاوے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں، اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دو سو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے اب سوال یہ ہے کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دے یا سرمایہ وجائیداد کی قیمت کر کے جو حصہ جس قدر زید کے حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا اصل حصہ سو (۱۰۰) کا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا آج کل اس کی قیمت ۴۰۰ کی ہوگئی ہے، اس مقدار پر زکوٰۃ دے، تحریر فرماویں؟

الجواب: جواب سے پہلے یہ مقدمات سن لینا چاہئیں۔

﴿۱﴾ تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے (۱)۔

﴿۲﴾ عمارت وآلاتِ حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں (۲)۔

---

(۱) **ویضم مستفاد من جنس نصاب إلیه في حوله وحکمه، أي في حکم المستفاد أو الحول، وحکم الحول وجوب الزکوۃ أیضا فمن ملک مائتي درهم وحال الحول، وقد حصلت في أثناءه أو في وسطه مائة درهم یضمها إلیه ویزکي عن الکل.** (مجمع الأنهر، الزکوۃ، زکوۃ الذهب والفضة، دارالکتب العلمیة بیرت ۱/ ۳۰۷)

والمستفاد وسط الحول یضم إلی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الأصل .
(الدرالمختار مع الشامي، کتاب الزکوۃ، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۲۱٤، کراچی ۲/ ۲۸۸)

ومن کان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إلیه وزکاه به. (هدایة، کتاب الزکوۃ، باب صدقة السوائم، مکتبه أشرفیه دیوبند ۱/ ۱۹۳)

ثم إنما یضم المستفاد عندنا إلی أصل المال إذا کان الأصل نصابا. (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، باب ما یستفاد بعد الحول، مکتبه زکریا ۲/ ۹۷)

تبیین الحقائق، کتاب الزکوۃ، باب صدقة الغنم، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ٦۲، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۷۲۔

(۲) **فلا زکوۃ علی أثاث المنزل ودور السکنی ونحوها، وکذلک آلات المحترفین.**
(الدرالمختار مع الشامي، کتاب الزکوۃ، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۲-۱۸۳، کراچی ۲/ ۲٦۵)

فارغ عن حاجته الأصلیة أي عما یدفع عنه الهلاک تحقیقا أو تقدیرا کطعامه وطعام أهله، وکسوتهما، والمسکن، والخادم، والمرکب، وآلة الحرف لأهلها، وکتب ←

﴿۳﴾ مالِ حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہو جاوے زکوٰۃ ہے، مگر بقدرِ حق غیر دین ہونے کی سبب زکوٰۃ سے مستثنٰی ہو جاوے گا(۱)۔

← **العلم لأهليها وغير ذلك مما لادب منه في معاشه، فإن هذه الأشياء ليست بنامية فلا يجب فيها شيء.** (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٦)

وأما كونه فارغا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى، وثياب البذلة، وأثاث المنزل وآلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم.
(تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٣، إمداديه ملتان ١/ ٢٥٣)

هندية، كتاب الزكوة، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٧٢، جديد زكريا ١/ ٢٣٤-

(۱) ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة، وقوله: أرفق إذ قلما يخلو مال عن غصب، وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثا. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢١٧، كراچی ٢/ ٢٩١)

لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكوة وورث عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٩، كوئٹه ٢/ ٢٠٥)

من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامنا، وإن لم يكن سواها نصاب فلا زكوة عليه في تلك الأموال، وإن بلغت نصابا؛ لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سببا لوجوب الزكوة عندنا لكن لابد أن يكون معه نصاب زائد على ما يوفي دينه؛ لأن ما كان مشغولا بالدين لا زكوة فيه، وإنما يزكي ما زاد عليه إذا بلغ نصابا ...... وعلى هذا فلم تجب عليه زكوة ما غصبه بل الزكوة ماله الزائد عليه. (منحة الخالق على البحرالرائق، الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٦٠، كوئٹه ٢/ ٢٠٥)

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لاتجب عليه بمقدار المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات رافعي، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٣٢، كراچی ٢/ ١٣٢)

ان مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہیئے کہ ابتدائے شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو (۱۰۰) روپے کا تھا، اس میں سے کچھ حصہ تو عمارات وآلات میں لگ گیا، اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اور کچھ حصہ تجارت میں لگا، اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہوئی، خواہ وہ نفع پورا اس شریک کو مِل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ سرمایہ میں شامل ہو گیا، مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارات وآلات میں لگ جاویں، اور اسی تجارت میں لگ جاویں، اور اسی پر پندرہ روپے نفع ہو جس میں دس تو شریک کو مِلے، اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے، اب زکوٰۃ پچانوے روپے پر واجب ہوگی، پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خریدا تو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ پچاسی روپے تو پچاسی روپے کے عوض میں ہو گئے، اور ایک سو پندرہ حصہ آلات وعمارت کے عوض میں کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی (۱) اب شبہ رہا تقابض کا، سو آلات وعمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں، اب حصہ پچاسی کا رہا، سو بیع صرف کی بناء پر تو تقابض فی المجلس ضرور تھا، جو یہاں ممکن نہیں، اس لئے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص صورۃً وعرفاً بائع ہے وہ مشتری کے حصہ سے پچاسی روپے قرض لے لے، پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اس پچاسی روپے سے کر دے، جو کہ کارخانہ میں اس کے امین

---

(۱) **ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبا بذهب و أحدهما أقل ومع أقلهما شيء آخر يبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهة، وإن لم تبلغ فمع الكراهة.** (هداية، كتاب الصرف، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۰۸)

إذا باع سيفا محلي بالفضة منفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجا أو سكينا مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة المفردة أكثر حتى جاز البيع كان بحصة الفضة صرفا، ويراعى فيه شرائط الصرف، وبحصة الزيادة التي هي من خلاف جنسها بيعا مطلقا فلا يشترط له ما يشترط للصرف، فإن وجد التقابض وهو القبض من الجانبين قبل التفرق بالأبدان تم الصرف والبيع جميعا. (بدائع الصنائع، البيوع، باب بيع السيف المحلى بالفضة ونحوها، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٥)

هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثاني، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰٦۔

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، قبيل باب الحقوق، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲٦-۱۲۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یعنی منیجر کے قبضہ میں ہے، اور اب اس کو یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل و امین بنا تا ہے، پس حوالہ مع قبض الامین سے وہ پچاسی روپے اس مشتری حصہ کی ملک میں آ گیا، اور معاملہ مکمل ہوگیا۔ اب یوم ملک سے حولانِ حول ہونے پر حساب کرنے سے دیکھا جائے گا۔ کہ علاوہ آلات و عمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے، اور اس پچاسی روپے والے کا اس میں اصل اور نفع مِلا کر کتنا ہے، اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، جس کے عوض میں یہ حصہ خریدا ہے، اسی طرح اگر یہ حصّہ کسی اور نے خریدا، یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی، اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی، تو اگر قیمت کی مقدار حصہ سے زائد ہے، تو گویہ یہ عقد ناجائز ہے، مگر اس حصّہ میں کسی کا حق نہیں، اس لئے زکوٰۃ صرف حصہ میں ہوگی، اور اگر قیمت کی مقدار حصہ سے کم ہے تو عقد بھی ناجائز ہے، اور زائد حصہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے، مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے، اس لئے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی، مگر بقدر حق مذکور کے یہ شخص مدیون ہے، اس لئے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی، البتہ اگر صاحب حق معاف کردے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی اور یہ بائع حربی ہے تو بنا بر روایت اباحت زیادۃ من الحربی یہ زائد حصہ حق غیر بھی نہ ہوگا (۱)۔

امید ہے کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہوگیا۔ واللہ اعلم ۳؍شوال ۱۳۳۹ھ
دوسرے علماء کو بھی دکھلا لینا یا خود غور کر لینا ضروری ہے۔ (النور، ص ۷، محرم الحرام ۱۳۶۰ھ)

---

(۱) ولا ربوا بين المسلم والحربي ثمة أي في دارالحرب، وهذا عندهما، وقال أبويوسف: لا يحل وبه قالت الثلاثة لإطلاق النصوص المحرمة للربا الخ. (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۸۰)

وقال أبو حنيفة ومحمد: لا يحرم الربا بين المسلم والحربي في دارالحرب، ولا بين مسلمين أسلما في دارالحرب ولم يهاجرا منها؛ لأن مالهم مباح إلا أنه بالأمان حرم التعرض له بغير رضاهم تحرزا عن الغدر ونقض العهد، فإذا رضوا به حل أخذ مالهم بأي طريق كان.
(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۷۴-۷۵)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲۷۔

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۴۷۲، إمداديه ملتان ۴/ ۹۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فصل تاسع

سوال (۲۱۳۸): قدیم ۳/ ۵۱۲- کپاس کی ایک مشین ہے، اس میں کچھ ہے، اس کا منافع ہر سال مِلتا ہے، جو منافع ملتا ہے اس کی تو زکوٰۃ برابر دیدی جاتی ہے، اور جو روپیہ مشین میں لگا ہے اس روپے کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں، کیونکہ یہ مشین لوہے کی ہے، اس میں ہر سال مرّمت کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور اس مشین میں بہت سے آدمیوں کا حصہ ہے چندہ سے ہے اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں؟

الجواب: وہ مشین آلۂ صنعت ہے، مالِ تجارت نہیں لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں (۱)۔

۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

تمّت الضميمة بتمامهَا، تَمَّتْ رسَالة القصَص السّني بتوفيق القادر الغني.

محض قرائن سے شریک پر خیانت کا الزام نہ آویگا بلکہ نقصان اگر ہوگا تو خسارہ سمجھا جاوے گا

سوال (۲۱۳۹): قدیم ۳/ ۵۱۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ ایک

---

(۱) **فلا زكوة على أثاث المنزل ودور السكنى ونحوها، وكذلك آلات المحترفين.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۲-۱۸۳، كراچی ۲/ ۲۶۵)

فارغ عن حاجته الأصلية أي عما يدفع عنه الهلاک تحقيقا أو تقديرا كطعامه وطعام أهله، وكسوتهما، والمسكن، والخادم، والمركب، وآلة الحرف لأهلها، وكتب العلم لأهليها وغير ذلک مما لادب منه في معاشه، فإن هذه الأشياء ليست بنامية فلا يجب فيها شيء. (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۶)

وأما كونه فارغا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى، وثياب البذلة، وأثاث المنزل وآلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها؛ فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم. (تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۳، إمداديه ملتان ۱/ ۲۵۳)

الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب الأول: في تفسيرها الخ، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۲، جديد زكريا ۱/ ۲۳۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شخص نے اپنے لڑکے کو دوسرے شخص کے شریک کیا، اور لڑکے کے والد نے اس شریک سے یہ کہا کہ تم ہوشیاری سے کام کرو، اور لڑکے سے ہوشیار رہو، اور تالی صندوقچہ اور دوکان کی تالیاں اور حساب وکتاب تمہارے قبضہ میں رہے، مگر اس کے والد نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کہیں جاؤ تو ہمارے لڑکے کو دوکان پر چھوڑ کر نہ جانا، چنانچہ وہ شخص کھانا کھانے گیا یا نماز پڑھنے گیا، یا دہلی گیا تو دوکان ان کے لڑکے پر چھوڑی گئی۔ ڈیڑھ سال تک ایسا ہی برتاؤ رہا، تو بسبب کم فرصتی کے سالانہ حساب نہ کیا گیا۔ ماہواری منافع کو جو روزمرہ کی بکری سے زیر قلم ہوتا رہا، جوڑ کر ہر ماہ تقسیم کر کے وہ شخص تو لیتا رہا، کیونکہ وہ شخص غریب تھا منافع میں دوسو روپے اس کے جمع بھی ہو گئے تھے، دوکان میں چونکہ اس کے لڑکے کی شادی ہوئی اس نے وہ روپے منافع کے لے لئے، اور ان کے جمع ہوتے رہے، ڈیڑھ برس میں جو حساب دوکان کا کیا گیا ۹۰۰ عدد جوڑے قیمتی ایک ہزار ایک سوانیس روپے کے کم ہوئے تو اس کی جانچ کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس شخص کے لڑکے نے تماشبینی کی، جو شخص شریک تھا اس کو ڈیڑھ سال تک یہ نہ معلوم ہوا کہ اس قسم کا ہے، جب پھر اس کے والد نے یہ کہا کہ تم تالی صندوقچہ اور تالیاں دوکان کی ہمارے لڑکے کے سپرد کردو، چنانچہ جوتیاں شمار کر کے اور لکھ کر کے اپنے لڑکے کے قبضہ میں کیں برائے آزمائش کے سوا ماہ کے بعد جوتیاں جوڑی گئی تو چند عدد کی کمی آئی اور چند عدد ایک دوکاندار کے ہاں لے کر گیا، اس کے ہاں نہ دیئے، چنانچہ وہ مجرا نہیں دیتا ہے، اس طرح سے کچھ عدد کی کمی آتی ہے، اب از روئے شرع شریف کے اس کمی ایک ہزار روپے کا کون مستحق ہوتا ہے۔ بہت جلد مطلع فرمایئے گا، اور داخلِ حسنات ہو جائے گا؟ فقط

الجواب : خیانت محض قرائن سے ثابت نہیں ہوتی اگر شہادت کافیہ یا اقرار خائن کا ہو تو خائن سے ضمان لیا جاوے گا (۱) ورنہ دوکان میں خسارہ سمجھا جاوے گا، اور اس لڑکے کے والد سے ضمان نہ

---

(۱) **ونصابها لغيرها أي لغير الحدود والقصاص ومالا يطلع عليه الرجال من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره، كنكاح، وطلاق، ووكالة، ووصية، واستهلاك صبي ولو للإرث رجلان أو رجل وامرأتان.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشهادات، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۷۸، كراچى ۵/ ۴۶۵)

وشرط لغير ذلك المذكور من الحدود والقصاص وما لا يطلع عليه الرجال رجلان أو رجل وامرأتان مالا كان الحق أو غير مال كالنكاح، والرضا، والطلاق الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۶۱) ←

لیا جاوے گا، اول تو اس نے مطلع کر دیا تھا دوسرے اس نے کچھ کفالت نہ کی تھی (۱)۔

۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۵)

← **وما سوی ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال.** (هداية، كتاب الشهادة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۵٤)

قاعدة: المرأ مؤاخذ بإقراره، يعني إذا أقر الحر البالغ لزم إقراره مجهولا كان ما أقره أو معلوما، وقد رجم صلى الله عليه وسلم ما عزا بإقراره أربع مرات. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۲۰)

(۱) بلکہ اس لڑکے کے مال سے ضمان لیا جائے گا، اگر فی الحال اس کے پاس کچھ مال ہے۔ اور اگر فی الحال اس کی ملک میں کچھ بھی نہیں ہے تو مال کے آنے تک انتظار کیا جائے گا، جب بھی مال حاصل ہوگا خواہ نابالغی کی حالت میں خواہ بالغ ہونے کے بعد اسی کے مال سے تاوان وضمان لیا جائے گا، والد کے مال سے ضمان نہ لیا جاوے گا۔

وإذا أتلف صبي مال غيره يلزم الضمان من ماله ولو كان غير مميز؛ لأنه وإن كان محجورا في الأصل حتى لا تعتبر تصرفاته القولية إلا أنه لا يعفى من ضمان الضرر الذي نشأ عن فعله كما سيأتي في المادة: ۹۶۰. وإن لم يكن له مال ينتظر إلى حين الميسرة، ولا يضمن وليه؛ لأنه لم يكن إضافة فعله إلى وليه ما لم يكن آمرا. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۵۱۰، رقم المادة: ۹۱٦)

وإن أتلفوا أي هؤلاء المحجورين، سواء عقلوا أو لا درر شيئا مقوما من مال ونفس ضمنوا إذ لاحجر في الفعل لكن ضمان العبد بعد العتق على ما مر، وفي الأشباه: الصبي المحجور مؤاخذ بأفعاله فيضمن ما أتلفه من المال للحال. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحجر، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۰۲-۲۰۳، كراچی ٦/ ۱٤٦)

البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱٤۵، كوئٹه ۸/ ۷۹۔

مجمع الأنهر، كتاب الحجر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۵۱۔

شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه ديوبند ۱/ ۵۳۹، رقم المادة: ۹٦۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مشترک جائیداد سے حاصل شدہ منافع کا حکم

سوال (۲۱۴۰): قدیم ۳/۵۱۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلۂ معروضہ ذیل میں، بینوا توجروا؟

ایک ریاست مشترکہ ہے، جس کی ہندہ زوجۂ مورث اور چار پسران نابالغ وتین دختران بالغ وارث ہیں، ہندہ منتظم ریاست اور زید کارندہ کار پرداز جانب ہندہ ہے خاندان ہندہ میں دختران کا ترکۂ پدری اپنے برادران کے حق میں بخوشی معاف کردینے کا رواج تھا اور دختران کے ساتھ کافی طور پر امداد ہمیشہ ہوتی ہے، اسی خیال سے ہندہ نے اپنی دختران کے ساتھ مراعات جاری رکھیں، عمرو ایک داماد ہندہ جو پسر زید کارندۂ ہندہ کا ہے، اس کو ہندہ نے ریاست کا کام کرنے کی اجازت دی، عمرو نے تحصیل وصول کا کام کیا، اور اکثر رقوم اپنے اور اپنی اہلیہ کے تصرف میں لگائیں، اور سفرحج کے واسطے ہندہ سے زرنقد بھی لیا، اب عمرو اپنی اہلیہ یعنی دختر ہندہ کے منافع کا مطالبہ کرتا ہے، ہندہ کا یہ عذر ہے کہ میں نے جو رقم بطور مراعات دیں، اور جو رقوم عمرو نے وصول کرکے اپنے تصرف میں لیں اور جو زرنقد سفرحج کے واسطے دیا گیا، یہ جملہ رقوم منافع میں منہا ومحسوب ہوکر ما بقی ادا کروں، عمرو کا یہ عذر ہے کہ ہندہ نے جو کچھ اپنی دختر کو بطور مراعات دیا نا قابل مجریٰ ہے، اور جو زرنقد سفرحج کے واسطے لیا، وہ اس وجہ سے نا قابل مجریٰ ہے، کہ عمرو نے اپنے پدر زید سے لیا، زید کا یہ بیان ہے کہ جو رقوم جمع خرچ ریاست مشترکہ میں بنام عمرو درج ہوئیں، ان کو ہندہ نے بارہا وقت تذکرہ منافع زوجۂ عمرو میں مجرا لینے کا ذکر کیا جس کا علم خود عمرو کو ہے، نہ زید کی وہ رقوم تھیں نہ زید نے عمرو کو دیں، صورت مسئولہ بالا میں جو رقوم ہندہ نے بطور مراعات دیں، اور جو رقوم عمرو نے خود وصول کرکے خرچ کیں، اور جو ہندہ سے عمرو نے سفرحج کے واسطے حاصل کیں، یہ سب ہندہ کو منافع زوجۂ عمرو سے مجرا پانے کا حق ہے یا نہیں، نیز دوّابِ ریاست اور ملازمان سے جو مالکانہ طور پر عمرو نے کام لیا، اور سائر خرچ اور پیداوار باغ سے جو تمتع مالکانہ طور پر حاصل کیا اس میں بقدر تصرف عمرو کے ہندہ خرچ میں حصّہ پا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زوجہ عمرو کی جو کہ مورث کی دختر اور حقدارِ میراث ہے، خود ریاست مشترکہ سے کچھ لیتی، یا اپنے شوہر کو وکیل بناتی تو اس کا وصول کیا ہوا مال زوجۂ عمرو کے حصہ میں مجرا کیا جاتا، لیکن

عمر وخود حقدار نہیں ہے(۱) اس لئے اس نے جس قدر ہندہ کی خوشی سے لیا وہ ہندہ پر پڑے گا(۲) اور جس قدر زید سے بلا اذن ہندہ کے لیا وہ زید کے ذمہ سب ورثہ کا مشترک قرض ہے اور جس قدر عمرو نے خود لیا کہ نہ زید سے اجازت لی اور نہ ہندہ سے، اور ہندہ نے اس کو جائز بھی نہ رکھا ہو وہ عمرو کے ذمہ مشترک قرض سب ورثہ کا ہے، ان صورتوں میں زوجۂ عمرو کے حصہ میں مجرا نہیں ہوسکتا، زوجۂ عمرو اپنا پورا حق لے لے گی، پھر ہندہ یا ورثہ زید سے یا عمرو سے جس کے ذمہ بھی جس کا قرضہ ہو وہ اس سے مطالبہ کرے گا(۳)۔ اور ہندہ کے خرچ میں حصہ پانے کا جو سوال کیا گیا ہے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تقریر بالا سے سائل کو اس جزو کا جواب سمجھ میں نہ آیا ہو تو مکرر واضح کر کے پوچھ لیں۔

۴/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۴۹)

---

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦۱، رقم: ۹٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹٦)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ۲۰۰)

(۲) **كل يتصرف في ملكه كيف شاء.** (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف مكتبه رشيديه ۱/ ۷)

يتصرف المالك في ملكه كيف شاء. (البناية، البيوع، فصل: فيما يكره، مكتبه أشرفيه ديوبند ۸/ ۲۱۹)

المالك للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦۳۸، كراچی ۲/ ۳۲۷)

(۳) **عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل يتقاضاه** ←

اہل خانہ کی مشترک کمائی کے مال کا حکم

سوال (۲۱۴۱): قدیم ۳/۵۱۵- ایک استفتا آیا ہے جس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے لیکن دو متضاد روایت قیل قیل کر کے لکھا ہے کس کو ترجیح دی جاوے۔

شامي فاروقي ص: ۳۴۹، فصل في الشركة الفاسدة (تنبيه) يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية: في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت ولا التساوي ولا التميز، فأجاب بأنه بينهما سوية الخ. چند سطر کے بعد لکھا ہے: **فقيل: هي للزوج وتكون المرأة معينة له إلا إذا كان لها كسبًا على حدة فهو لها، وقيل: بينهما نصفان (١)**۔ زیادہ والسلام؟

الجواب: میرے نزدیک ان دونوں روایتوں میں تضاد نہیں، وجہ جمع یہ ہے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں جن کی تعیین کبھی تصریح سے کبھی قرائن سے ہوتی ہے، یعنی کبھی تو مراد اصل کا سب ہوتا ہے اور عورت کے

← **فأغلظ له فهم به أصحابه، فقال: دعوه، فإن لصاحب الحق مقالا.** (بخاري شريف، كتاب الاستقراض، باب مطل الغني ظلم، النسخة الهندية ١/ ٣٢٣، رقم: ٢٣٣٩، ف: ٢٤٠١)

عن ابن عمرو عائشة رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من طلب حقا فليطلبه في عفاف واف أو غير واف. (ابن ماجة شريف، أبواب الصدقات، حسن المطالبة وأخذ الحق في عفاف، النسخة الهندية ص: ١٧٥، دارالسلام رقم: ٢٤٢١)

إذا كانت الديون المطلوبة من المدين غير مشتركة فلكل واحد من أربابها استيفاء دينه على حدة من المدين وما يقبضه يحسب من دينه خاصة لا يشاركه فيه أحد من الدائنين الآخر، أما إذا كان الدين المطلوب من المدين مشتركا بين اثنين أو أكثر فلكل واحد من الشركاء أن يطلب حصته منه، ولا يختص القابض منهم بما قبضه بل يكون مشتركا بين الشركاء لكل واحد منهم حق فيه بقدر حصته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٨-١١٩)

(١) شامي، كتاب الشركة، فصل: في الشركة الفاسدة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعلق عرفاً کسب ہوتا ہی نہیں وہاں تو اس کو معیّن سمجھا جاوے گا اور کہیں گھر کے سب آدمی اپنے اپنے لئے کسب کرتے ہیں، جیسا اکثر بڑے شہروں میں مثل دہلی وغیرہ کے دیکھا جاتا ہے وہاں دونوں کو کاسب قرار دے کر عدم امتیاز مقدار کے وقت علی السویہ نصف نصف کا مالک سمجھا جاوے گا۔ واللہ اعلم

۱۵؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۹)

شرکاء میں منافع کے تفاوت کی شرط کا حکم

سوال (۲۱۴۲): قدیم ۳/ ۵۱۵- چار شخصوں نے مل کر تجارت کی، اور باہم یہ بات قرار پائی کہ ایک سال دو شخص مال تجارت لے کر پردیس کو جاویں اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہیں اور دوسرے سال دو شخص جو مکان پر وطن میں رہے تھے وہ مال تجارت لے کر پردیس کو جاویں اور جو پردیس کو مال لے کر گئے تھے وہ وطن میں مکان پر رہیں، اب صرف دو ہی شخص مال تجارت لے کر پردیس کو جاتے ہیں اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہتے ہیں اب تحقیق طلب یہ بات ہے کہ جو شخص پردیس کو مال تجارت لے کر جاتے ہیں وہ ان دو شخصوں سے جو مکان پر رہتے ہیں اور مال تجارت لے کر پردیس کو نہیں جاتے منافع زیادہ لینے کے مستحق ہیں یا نہیں، اگر منافع زیادہ نہیں لے سکتے تو اپنا حق المحنت پردیس جائے بطور تنخواہ کے لے سکتے ہیں یا نہیں، اگر اس سوال میں کوئی اور شق بھی رہ گئی ہو تو اس کا جواب بھی مرحمت فرما دیا جاوے، تا کہ تکمیل جواب ہو جاوے، اور حضور والا کو مکرر تکلیف نہ دی جاوے؟

الجواب: **في الدرالمختار، كتاب الشركة: وشرطها كون المعقود عليه قابلا للوكالة، فلا تصحّ في مباح كاحتطاب وعدم ما يقطعها، كشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما؛ لأنه قد لا يربح غير المسمى، وحكمها الشركة في الربح. وفي ردالمحتار تحت قوله: وحكمها الشركة، واشتراط الربح متفاوتا عندنا صحيح فيما سيذكر. ج۳ ص ۵۲۰ (۱)۔**

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ باہر جاتے ہیں وہ منافع زیادہ لے سکتے ہیں، مگر تنخواہ معین کر کے نہیں لے

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٤-٤٧٥، كراچی ٤/ ٣٠٥۔

سکتے اور منافع جو زیادہ لیں گے وہ نسبت سے ہونا چاہیئے، مثلاً دو ثلث یہ لیں گے اور ایک ثلث دوسرے شرکاء جو باہر نہ جاویں گے (۱) مثلاً اور یہ جائز نہیں کہ بیس بیس روپے ماہوار لیا کریں گے (۲)۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۰)

---

(۱) عن جابر بن زيد -رضي الله عنه- قال: الربح على ما اصطلحوا عليه والوضيعة على المال، هذا في الشريكين، فإذا هذا بمائة، وهذا بمائتين. (مصنف عبدالرزاق، البيوع، باب نفقة المضارب ووضيعته، المجلس العلمي ۸/ ۲٤۸، رقم: ۱٥۰۸۹، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۱۹۲، رقم: ۱٥۱٦۸)

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويا أو متفاضلا فلا شك أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ۸۳، كراچی ٦/ ٦۲)

ولو شرطا العمل عليهما جميعا صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بينهما على السواء أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط. (الفتاوى الهندية، الشركة، الباب الثالث، الفصل الثاني، قديم زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۰، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳۲٦)

ويجوز مع ذلك أن يتساويا في الربح أو يختلفا فيوزع الربح بينهما على حسب الشرط الذي اتفقا عليه. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس: الشركات، شركة الأموال، مكتبه هدى انٹرنیشنل ديوبند ٤/ ٥۹۲)

(۲) وكون الربح بينهما شائعا فلو عين قدرا فسدت. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب المضاربة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٤۳۳، كراچی ٥/ ٦٤۸)

وشرطها عدم ما يقطعها كشرط دراهم معينة من الربح لأحدهما، فإنه يقطع الشركة في الربح لاحتمال أن لا يربح غيره. (مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ٥٤٤)

وشرط جواز هذه الشركات -إلى قوله- أن يكون الربح جزءا شائعا في الجملة لا معينا، فإن عين عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۱) ←

بغیر حکم حاکم ایک شریک کا دوسرے شریک پر رجوع کا حکم

سوال (۲۱۴۳): قدیم ۳/ ۵۱۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے جائیداد کثیر زمانۂ شاہی میں چھوڑی، اس کے بعد اغیار قابض جائیداد ہو گئے۔ اور قریب سو برس کے اغیار قابض رہے، بعد انگریزی ہونے کے زید مذکور کی اولاد میں سے صرف چند نے دعویٰ کیا اور باقی اولاد نے کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں کیا، جن چند نے دعویٰ کیا انہوں نے منجملہ کل جائیداد کے ایک بہت بڑے جزو کی ڈگری پائی، جو ان کے حق سے بھی بہت کم ہے، ڈگری کے بعد سے ڈگری شدہ جزو پر وہ لوگ تنہا قریب پچاس سال سے قابض ہیں۔ اب دیگر اولاد زید مذکور میں سے بعض لوگ ڈگری یا فتگان سے متقاضی حساب فہمی ہیں۔ تو آیا شرعاً یہ لوگ مستحق حساب فہمی ہیں، باوجودیکہ حصولِ جائیداد میں ان لوگوں نے باوجودِ علم کے نہ کوئی کوشش کی، نہ کچھ خرچ، اور ان لوگوں کے جواب میں مورثوں نے عملاً ڈگری داران کو قابض جائیداد تسلیم بھی کرلیا، بینوا توجروا؟

الجواب: في الدرالمختار: المشترک إذا انهدم فأبی أحدهما العمارة، فإن احتمل القسمة لاجبر وقسم وإلا بنی، ثم آجره ليرجع بما أنفق لو بأمر القاضي وإلا فبقيمة البناء وقت البناء. ج۵ ص ۲۶۴ مع ردالمحتار (۱)۔

اس نظیر سے معلوم ہوا کہ صورت مسئول عنہا میں مدعین بھی حصہ جائیداد کے مستحق ہیں، اور ان مدعین پر کوئی خرچ نہ پڑے گا، جو استخلاص جائیداد میں صرف ہوا ہے۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۹)

← ومنها: أن يكون الربح جزءا شائعا في الجملة لا معينا، فإن عين عشرة أو مأة أو نحو ذلک كانت الشركة فاسدة؛ لأن العقد يقتضي تحقق الشركة في الربح، والتعين يقطع الشركة لجواز أن لا يحصل من الربح إلا القدر المعين لأحدهما، فلا يتحقق الشركة في الربح. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، بيان شرائط جواز الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۷۷)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۵۱۶، كراچی ۴/ ۳۳۵۔

ذهب الحنفية إلى أنه إذا استقل بالنفقة أحد الشريكين فيما ينقسم دون إذن ←

مشترک قبرستان میں کسی شریک کو دفن سے روکنے کا اختیار نہیں

سوال (۲۱۴۴): قدیم ۳/ ۵۱۷- گروہ اثناء عشریہ اہل کتاب واہل قبلہ ہیں یا نہیں ان کو بلا مدّت اور بلا خرید نے دوسرے گورستان کے نکال دینا از روئے شرع شریف انصاف ہے یا نہیں، اور تاوقتیکہ دوسرا گورستان نہ خریدا جاوے اس وقت تک یہ اپنے مُردے کہاں رکھیں، چنانچہ ان کی تو جائے زر خرید نہیں ہے، اور سرکاری جائے پر دفن کرنا خلاف قانون سرکار ہے۔ اس حالت میں ان کے لئے جو حکم کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو بہت جلد تحریر فرماویں؟

الجواب: جب وہ زمین فریقین کے مشترک روپے سے خرید کی گئی ہے تو بقدر نسبت باہمی ہر دو رقم کے وہ زمین دونوں فریق میں شرعاً مشترک ہوگی، یعنی دونوں فریق اپنے اپنے حصۂ رقم کے موافق اس زمین کے مالک ہوں گے(۱) اور ہر مالک کو اپنی مِلک میں تصرف کرنے

← **شريكه فمتبرع لا رجوع له على شريكه بما أنفق لا مثلا ولا قيمة؛ لأن له بالقسمة مندوحة عن ذلك إلا أنهم ذكروا أنه لو خاف تلف المال المشترك أو نقصانه إذا لم ينفق عليه لنقله من مكانه كما لو تعطلت الشاحنة بالمال المشترك في مكان مخوف كبادية مثلا، فإنه ينفق على نقله، ويرجع بما أنفق على شريكه، أما فيما لا ينقسم فقد أطلق ابن نجيم في الأشباه القول برجوع المنفق على شريكه، وأنه إن أمكن يؤجر العين، ويستوفى من أجرتها مثل النفقة التي أنفقها إن كان قد أنفق بإذن القاضي أو قيمة ما أجراه من أوجه الإصلاح إن لم يكن بإذن القاضي.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۲۷)

المشترك إذا انهدم فأبى أحدهما العمارة، فإن احتمل القسمة لا جبر وقسم وإلا بنى، ثم آجره ليرجع الخ. (الأشباه والنظائر، كتاب القسمة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۴)

(۱) مستفاد: وإذا اشتركا بالعروض أو المكيل فاشتريا من المكيل، فلكل واحد منهما مما اشتريا قدر قيمة متاعه، فإن كانت القيمة سواء فهو بينهما نصفان، وإن كانت مختلفة فبحساب ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الفصل الرابع: في شركة العنان، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۹۸، رقم: ۱۰۹۹۰)

وإذا اشتركا بالعروض أو المكيل واشتريا بذلك، فلكل واحد منهما مما اشترى ←

کا حق حاصل ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا (۱) نیز اہل تشیع سب خارج از اسلام بھی نہیں تاوقتیکہ وہ ضروریات دین کا انکار نہ کریں اس پر بھی اگر مصلحت یہی ہو کہ فریقین کے اموات مختلط طور پر مدفون نہ ہوں، تو بقدر حصص اس زمین کو تقسیم کرلیا جاوے، اور درمیان میں حد قائم کردی جائے، تاکہ دونوں کا قبرستان الگ الگ ہو جاوے۔ گو باہم مجاورت رہے، اور اگر یہ زمین خرید کر سب مالکوں نے یا اُن کے وکیلوں نے صریح لفظوں سے وقف کردی ہے تو دوبارہ سوال کیا جاوے اور وہ الفاظ وقف کے بھی سوال میں لکھے جاویں، اس وقت جواب دیا جاویگا۔

۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۵)

عقد شرکت میں ایک شریک کے کام کرنے کی شرط کا حکم

سوال (۲۱۴۵): قدیم ۳/ ۵۱۷- زید، بکر، عمرو تین شخصوں نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی اور یہ قرار پایا کہ اس تجارت کو زید کرے، جو نفع ہو اس کا نصف زید کو ملے گا، اور نصف میں آدھا آدھا بکر اور عمرو کو، اور جو نقصان ہو اس کو تینوں شخص برابر برداشت کریں، یعنی نفع ایک روپیہ

← **قدر قيمة متاعه.** (هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث: في شركة العنان، الفصل الثاني، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٣٢١، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٣٢٧)

لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم بالسوية، ولو اختلفوا في العمل والرأى. (شامي، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف مكتبه رشيديه ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، البيوع، فصل: فيما يكره، مكتبه أشرفيه ديوبند ٨/ ٢١٩)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣٨، كراچی ٢/ ٣٢٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہوتو آٹھ آنے زید کے اور چار چار آنے بکر وعمرو کے، اور نقصان ایک روپیہ ہوتو سوا پانچ آنے ہر شخص برداشت کرے۔ تو آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: یہ شرکت ہے اور باوجود مساوات سرمایہ کے نفع میں تفاوت کی شرط بھی جائز ہے مگر کام ایک شریک کے ذمہ ڈالنے کی شرط ناجائز، اس لئے یہ شرط فاسد ہوئی، نفع سب کو برابر ملے گا (*)۔

(*) ایک شریک پر عمل کی شرط جائز ہے اور شرط تفاوت ربح میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عمل یا کثرت عمل علی احدالجانبین مشروط فی العقد ہوتو عدیم العمل یا قلیل العمل کے لئے قدر رأس المال سے زیادہ کی شرط صحیح نہیں، یہ شرط باطل ہوگی اور بقدر رأس المال منافع میں شریک ہوگا، عامل یا کثیر العمل کے لئے زیادہ ربح کی شرط صحیح ہے؛ البتہ اگر عمل من احدالجانبین عقد میں مشروط نہ ہو؛ بلکہ تبرعاً ایک شخص عمل کر رہا ہوتو غیر عامل کے لئے بھی زیادہ ربح کی شرط جائز ہے۔ (ردالمختار (۱) ۱۲۔ رشید احمد عفی عنہ

---

(۱) وتصح مع التفاضل في المال دون الربح وعكسه (درمختار) وتحته في الشامية: قلت: وحاصل ذلک كله أنه إذا تفاضلا في الربح، فإن شرطا العمل عليهما سوية جاز، ولو تبرع أحدهما بالعمل، وكذا لو شرطا العمل على أحدهما، وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله أو أكثر ولو كان الأكثر لغير العامل أو لأقلهما عملا لا يصح وله ربح ماله فقط، وهذا إذا كان العمل مشروطا كما يفيده قوله: إذا اشترطا العمل عليهما الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مطلب: في شركة العنان، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٤، كراچى ٤/ ٣١٢)

وتصح في نوع من التجارات أو في عمومها وببعض مال كل منهما وبكله ومع التفاضل في رأس المال والربح، ومع التساوي فيهما وفي أحدهما دون الآخر عند عملهما ومع زيادة الربح للعامل عند عمل أحدهما. (ملتقى الأبحر) وتحته في المجمع: ثم المسألة على ثلاثة أوجه: الأول: أن يشترطا العمل عليهما والربح بينهما نصفين، والوضيعة على قدر رأس المال، فإن عمل أحدهما دون الآخر فالربح بينهما على ما شرطا، وإن شرطا العمل على أكثرهما ربحا جاز، وإن شرطاه على أقلهما ربحا خاصة لا يجوز، والربح بينهما على قدر رأس مالهما، وفي التبيين: وإن شرطاه للقاعد أو لأقلهما عملا فلا يجوز. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٥٣) ←

ایضاً

سوال (۲۱۴۶): قدیم ۳/ ۵۱۸- زید، عمرو، بکر نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی، اور یہ کل رقم زید کو دیدی کہ تم کام کرو اور نفع میں تم چار آنے حق محنت پاؤ گے اور بارہ آنے حصہ مساوی بلحاظ روپیہ تینوں میں تقسیم ہوں گے، اور اگر نقصان ہوگا تو نقصان تینوں مساوی برداشت کریں گے، نفع چار آنہ میں تم مضارب ہوا اور بارہ آنے میں شریک، تو آیا یہ صورت جائز ہے، کہ ایک شخص شرکاء میں مضارب بھی ہوا اور شریک بھی ہو؟

الجواب (*): ایک معاملہ میں دوسرے معاملہ کی شرط مفسد عقد ہے (۱) ایک معاملہ الگ ہو دوسرا

(*) سوال سابق کے جواب کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

← **وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه، وهو أن يتساويان في الربح دون المال، ومعناه أن يشترطا الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملا، وإن شرطاه للقاعد أو لأقلهما عملا فلا يجوز الخ.** (تبيين الحقائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٤٥، إمداديه ملتان ٣/ ٣١٨)

وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه، وهو التفاضل في المال دون الربح، اعلم أنهما إذا اشترطا العمل عليهما وتساويا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاثة، خلافا لزفر، والربح بينهما على ما شرطا، وإن عمل أحدهما فقط، وإن شرطاه على أحدهما فإن شرطا الربح بينهما بمقدار رأس مالهما جاز، ويكون مال الذي لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه، وعليه وضيعته، وإن شرطا الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز أيضا على الشرط، ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح للدافع أكثر من رأس ماله لا يصح الشرط، ويكون مال الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما بربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما أبدا. (النهر الفائق، كتاب الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٠-٣٠١)

(۱) **عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة.** (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٩٨، رقم: ٣٧٨٢) ←

اس طرح الگ ہو کہ وہ قبول و عدم قبول میں مختار رہے۔ اور حساب دونوں رقموں کا الگ رہے یہ جائز ہے۔

(تتمہ خامسہ ص ۳۶۶)

تجارت میں مال حرام کی شرکت کا حکم

سوال (۲۱۴۷): قدیم ۳/ ۵۱۸- والد صاحب قبلہ نے پہلے غلّہ کی تجارت کی تھی اس میں بہت نقصان ہوا، اب بجائے اس کے نمک کی سوداگری کی ہے، اور بفضلہ صورت اچھی معلوم ہوتی ہے، ایک شخص شریک ہونا چاہتے ہیں، یہ صاحب پہلے پولیس میں ملازم تھے۔ اب معزول ہو گئے ہیں، مال ان کا مشکوک بلکہ غالب خراب ہے، ان کی شرکت کی نسبت کیا حکم ہے، نمک کی خریداری اس طرح ہوتی ہے کہ روپیہ سرکاری خزانہ میں ہر جگہ جمع کیا جا سکتا ہے، وہاں سے رسید لے کر سرکاری پرمنٹ گودام واقع جھیل سانبھر کو بھیج دی جاتی ہے، اور نمک وہاں سے آجاتا ہے، یا نوٹ خرید کر کسی آڑتی کو بھیج دیئے جاتے ہیں، وہ نمک خرید کر بھیج دیتا ہے، ان صورتوں میں خراب روپیہ شامل کرنے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جن کا مال خراب ہے وہ کسی سے قرض لے کر شرکت کر لیں، پھر وہ قرض اپنے ذخیرہ سے ادا کریں (۱) اور بدون اس تدبیر کے خزانہ میں جمع کرنا یا نوٹ خریدنا اس خرابی کا رافع نہیں ہو سکتا۔

← إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين في بيعة، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٢٠٦۔

عن عبدالرحمن بن عبدالله عن أبيه قال: الصفقة في الصفقتين ربا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٩/ ٣٢١، رقم: ٩٦٠٩)

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن بيعتين في بيعة. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣١)

مجمع الزوائد، باب ماجاء في الصفقتين في صفقة أو الشرط في البيع، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٤۔

(۱) والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به، بل هو مندوب إليه. (عمدة القاري، كتاب الحيل، مكتبه زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩) ←

لأن البدل في حكم المبدل عنه (۱) بخلاف القرض، فإنه ليس بمبادلة كما لا يخفى. (امداد جلد۳ص۲)

← **وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، وهي معنى ما نقل عن الشعبي لا بأس بالحيل فيما يحل ويجوز.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱٤۸٤٦)

هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٦/ ۳۹۰، جديد زكريا ديوبند ٦/ ۳۹۳۔

(۱) لأن للبدل حكم المبدل. (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح، باب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱٤)

لأن حكم البدل حكم الأصل. (شامي، كتاب الزكوة، قبيل باب السائمة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۹٤، كراچى ۲/ ۲۷۳)

لأن حكم البدل حكم الأصل. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل: في بيان مقادير العدة وما تنقضي به، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۹، كراچى ۳/ ۱۹٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

❁❁❁

۳۱/ کتابُ القسمة

تقسیم مشترک کا حکم

سوال (۲۱۴۸): قدیم ۳/۵۱۹- عمروزید ہردوایک مکان مشترک میں رہتے ہیں، اور ہر فریق کی تعمیر جداگانہ قبضہ دار علیٰحدہ علیٰحدہ ہے، اور صحن مکان وزینہ وپائخانہ ودروازہ مشترک ہے اور صحن مشترکہ جنوباً شمالاً ۷ گز ہے اور شرقاً غرباً ۸ گز، اور مکان ہر فریق کے جنوباً شمالاً بنے ہوئے ہیں، زید چونکہ ایک تو نگرآدمی ہے، بغرض ایذارسانی عمرو کے یہ کہتا ہے کہ نصف صحن میں ایک دیوار کرلو اور دروازہ وپائخانہ وزینہ بھی تقسیم کرلو، چونکہ زید کے پاس بوجہ امارۃ ودولت ظاہری اور مکان بھی ہیں، لہٰذا بعد تقسیم زید کو تنگی مکان مضر نہ ہوگی، اور عمرو کے پاس بجز اس مکان کے کوئی دوسرا مکان نہیں، اس کو تنگی صحن باعث ایذا ومضر صحت ہوگی، زید کا تقسیم پر مصر ہونا بغرض ایذارسانی عمرو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: منجملہ شرائط تقسیم کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بعد تقسیم کے اُس شئے مشترک کی منفعت مقصودہ فوت نہ ہو، پس اس صورت میں صحن کی تقسیم تو جائز ہے، کیونکہ بعد تقسیم بھی منفعت صحن کی باقی رہتی ہے، اور پائخانہ اور زینہ اور دروازہ کی تقسیم جائز نہیں کیونکہ بعد تقسیم ان کی منفعت باقی نہیں رہ سکتی۔

وشرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة، ولذا لا يقسم نحو حائط وحمام درمختار وقال الشارح تحت قوله: المنفعة: أي المعهودة، وهى ماكانت قبل القسمة إذ الحمام بعدها ينتفع به كنحو ربط الدواب. (شامى ص ١٦١)

ہاں اگر دونوں شریک تقسیم چاہیں تو درست ہے، فقط ایک کے اصرار پر جائز نہیں.

أما إذا رضي الجميع صحت. شامى ص ١٦١ (۱)۔ فقط (امداد ج ۳ ص ۱۰۵)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب القسمة، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۳٦٨، کراچی ٦/ ٢٥٤۔

وإذا انتفع كل من الشركاء بنصيبه بعد القسمة قسم بطلب أحدهم؛ لأن في القسمة تكميل المنفعة وكانت حتما لازما فيما يحتملها، وإن تضرر الكل بالقسمة كالحمام ←

مشترک مچھلی بغیر وزن تقسیم کرنے کا حکم

سوال (۲۱۴۹): قدیم ۵۱۹/۳- مچھلی کے بچّے ساجھے میں خرید کر کے تالاب میں چھوڑ دیئے گئے، جب بڑے بڑے ہوئے پکڑوا کر انداز سے تقسیم کر لئے جاتے ہیں، اور دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ اگر کسی کے حصے میں کچھ زیادہ گیا، تو وہ معاف ہے۔ اس کا دعویٰ نہیں، ایسی تقسیم جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب: چونکہ ''سمک'' عرفاً موزون ہے۔ اور متجانس ہونا ظاہر ہے؛ اس لئے بلا وزن کے تقسیم اس کی جائز نہیں۔

فی رد المحتار کتابُ الأضحية تحت قوله لاجزافا ما نصه؛ لأن القسمة فيها معنى المبادلة ولو حلل بعضهم بعضا إلى قوله وأما عدم جواز التحليل فلأن الربوا لا يحتمل الحل بالتحليل الخ ص ۳۱۰ ج۵ (۱)۔ اشرف علی ۲۸ رشعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۴۵)

← **وغيره لايقسم إلا برضاهم؛ لأن القسمة لتكميل المنفعة، وفي هذا تفويته فيعود على موضوعه بالنقض الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب القسمة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۲۹)

وقسم بطلب أحدهم لو انتفع كل بنصيبه؛ لأن فيهما تكميل المنفعة إذا كان كل واحد منهم ينتفع بنصيبه بعد القسمة، فكانت القسمة حقا لهم فوجب على القاضي إجابتهم، وإن تضرر الكل لم يقسم إلا برضاهم، وذلک مثل البئر والرحا، والحائط، والحمام؛ لأن القسمة لتكميل المنفعة، وفي هذا تفويتها فيعود على موضوعه بالنقض، وهذا لأن الطالب للقسمة متعنت وهو يريد إدخال الضرر على غيره مع ذلک فلا يجيبه الحاكم إليه؛ لأنه اشتغال بمالا يفيد بل بما يضر، ويجوز بالتراضي؛ لأن الحق لهم وهم أعرف بحاجتهم.
(تبيين الحقائق، كتاب القسمة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۰۹، إمداديه ملتان ۵/ ۲۶۸)

وإن كان كل واحد يستضر لصغره لم يقسمها إلا بتراضيهما؛ لأن الجبر على القسمة لتكميل المنفعة، وفي هذا تفويتها، ويجوز بتراضيهما؛ لأن الحق لهما، وهما أعرف بشأنهما. (هداية، كتاب القسمة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۱۴)

البحرالرائق، كتاب القسمة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۷۴، كوئٹه ۸/ ۱۵۱۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۶۰، كراچی ۶/ ۳۱۷-۳۱۸۔ ←

....

← **ویقسم لحمها وزنا بين الشركاء؛ لأنه موزون لا جزافا ؛ لأن في القسمة معنى التمليك فلا يجوز جزافا عند وجود الجنس والوزن، ولا يجوز التحليل؛ لأنه في معنى الهبة، وهبة المشاع فيما يقسم لاتجوز.** (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨-١٦٩)

سبعة ضحوا بقرة واقتسموا لحمها وزنا جاز؛ لأن بيع اللحم باللحم وزنا مثلا بمثل جائز، فكذلك القسمة، فإن اقتسموا اللحم جزافا لا يجوز اعتبارا بالبيع، ولو أنهم اقتسموا لحمها جزافا وحلل كل واحد منهم لأصحابه الفضل لا يجوز ...... **والفرق أن تحليل الفضل هبة، وفي مسألة اللحم هبة المشاع فيما يحتمل القسمة، وهو اللحم فلم يجز.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥١، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٧)

ويقسم لحمها وزنا؛ لأنه موزون لا جزافا لاحتمال الربا، وتحليل بعضهم بعضا هنا لا يجوز؛ لأنه هبة مشاع يقسم ذكره القهستاني. (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣١٩، كوئٹه ٨/ ١٧٤۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: الشركة في الضحايا، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٥٥، رقم: ٢٧٨١٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

❖❖❖

۳۲/ کتَابُ الزّراعة

کاشتکار کے درختوں پر زمیندار کا حق نہیں ہے

سوال (۲۱۵۰): قدیم ۳/۵۲۰- جو درخت کہ کاشتکار لگاتے ہیں اُن کے لا پتہ ہو جانے یا مرجانے پر زمیندار کو کوئی حق مثل قبضہ وفروخت ثمر حاصل ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے بھی یا نہیں؟

الجواب: چونکہ درخت کا مالک وہ شخص ہے جو اس کو لگاوے، لہٰذا ایسے درخت زمیندار کی ملک نہ ہوں گے، البتہ زمیندار کو یہ اختیار ہر وقت حاصل ہے کہ کاشتکار کو مجبور کرے کہ ہماری زمین خالی کروا گر وہ نہ مانے یہ اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے(۱) اگر لگانے والا مرجاوے اس کے وارث مالک ہوں گے، اور اگر کوئی وارث بھی نہ ہو یا خود وہ بے نشان ہو جاوے تو پہلی صورت میں وہ مساکین کا حق ہے، اور اس کو یا ثمر کو جب

---

(۱) **عن عروة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أحى أرضا ميتة فهي له، وذكر مثله قال: فلقد خبرني الذي حدثني هذا الحديث أن رجلين اختصما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم غرس أحدهما نخلا في أرض الآخر، فقضى لصاحب الأرض بأرضه، وأمر صاحب النخل أن يخرج نخله منها، قال: فلقد رأيتها وإنها لتضرب أصولها بالفوس، وإنها لنخل عم حتى أخرجت منها.** (أبوداؤد شريف، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في إحياء الموات، النسخة الهندية ۲/ ۴۳۷، دارالسلام، رقم: ۳۰۷۴)

عن سعيد بن زيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أحى أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسي عن قوله: ''وليس لعرق ظالم حق" فقال: العرق الظالم الغاصب الذي يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذي يغرس في أرض غيره، قال: هو ذاك. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۶، دارالسلام رقم: ۱۳۹۴-۱۳۹۶)

من بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۸۳-۲۸۴، كراچی ۶/ ۱۹۴) ←

فروخت کریں گے دام مساکین کو دینے ہوں گے (۱) اور اگر زمیندار خود کھاوے گا تو بھی اس کے دام لگا کر خیرات کرنا ضروری ہوگا (۲) اور دوسری صورت میں یعنی جب بے نشان ہو جاوے اس کو نوے سال کی عمر

← **من بنى في أرض غيره أو غرس فيها شجرا أمر الباني والغارس بالقلع والرد.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٧)

الأشباه والنظائر، قاعدة: الضرر يزال، قديم ص: ١٤٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٨۔

هداية، كتاب الغصب، فصل: فيما يتغير بفعل الغاصب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٧٩۔

(۱) ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة -إلى قوله- ثم بيت المال، أي إذا لم يوجد أحد من المذكورين توضع التركة في بيت المال على أنها مال ضائع، فصارت لجميع المسلمين فتوضع هناك (شريفية) وفي هامشه: قوله: لجميع المسلمين، فيصرف إلى نفقة المريض وأدويته إذا كانوا فقراء، وإلى نفقة اللقيط وعقل جنايته، وإلى من هو عاجز عن الكسب، وليس له من يفرض عليه نفقته، وكذلك إلى مثل ذلك. (الشريفية شرح السراجية، ص: ٧-١١)

البيت الثالث: بيت الضوائع: وهي الأموال الضائعة ونحوها من لقطة لايعرف صاحبها أو مسروق لا يعلم صاحبها ونحوها على ما تقدم ...... ومصرف أموال هذا البيت على ما نقله ابن عابدين عن الزيلعي، وقال: إنه المشهور عند الحنفية، هو اللقيط الفقير، والفقراء الذين لا أولياء لهم، فيعطون منه نفقتهم وأدويتهم، وتكاليف أكفانهم ودية جناياتهم، وقال الماوردي: عند أبي حنيفة يصرف لهؤلاء صدقة عمن المال له، أو من خلف المال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/ ٢٥٠)

(۲) لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٥٩)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٢٠١۔

تک کا انتظار کر کے اب کہیں گے کہ وہ مر گیا (۱) اگر اس کے وارث ہوں تو ان کا حق ہے، ورنہ پھر مساکین کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳، ص ۱۰۵)

سوالات متعلقہ جواب بالا

سوال (۲۱۵۱): قدیم ۳/ ۵۲۰- نمبر﴿۱﴾ کاشتکار جو درخت لگاتے ہیں اس کی صورت یوں ہے کہ انہوں نے زمیندار سے یہ کہہ کر زمین حاصل کی کہ آپ کوئی زمین بتا دیجئے جس پر میں چار درخت لگا دوں، جس کا مطلب رواجًا یہ ہے کہ درخت لگانے والا اپنی زندگی تک اس کا پھل کھائے گا اس کے مرنے یا لاپتہ ہونے پر زمیندار کو اس پر قبضہ کا حق حاصل ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

نمبر﴿۲﴾ اگر زمیندار لگائے ہوئے درخت پر بجبر قبضہ کر لے تو یہ گوارا ہوسکتا ہے بمقابلہ اس جبر کے کہ دس بارہ برس تک جن درختوں کو کاشتکار نے نہایت جانفشانی سے بچوں کی طرح پرورش کی ہو اس سے زمین خالی کرالی جائے، اگرچہ کاشتکار کو دبانے کا یہ جائز طریق ہو، لیکن کیا اس کی نقصان رسانی کی منشاء کے ساتھ بضرورت ہی ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جوابات: نمبر﴿۱﴾ غایۃ مافی الباب اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایک امر واقع فی المستقبل پر زمیندار کے مالک ہونے کو معلّق کیا ہے، سو تملیکات میں اس تعلیق کی صلاحیّت نہیں ہوتی قمار کی حقیقت شرعاً یہی ہے (۲) البتہ اگر کاشتکار تصریح وصیّت کی کردے کہ جب میں مرجاؤں یہ درخت زمیندار کے ہیں تو یہ وصیت

---

(۱) بل یوقف قسطه إلی موت أقرانه في بلده علی المذهب (درمختار) وفي الشامیة: وقیل: یقدر بتسعین سنة من حین ولادته واختاره في الکنز، وهو الأرفق، هدایة: وعلیه الفتوی، ذخیره. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب المفقود، مکتبه زکریا دیوبند ۶/ ۴۶۲، کراچی ۴/ ۲۹۶)

وإذا مضی من عمره ما لا یعیش إلیه أقرانه، وقیل: تسعون سنة، وقیل: مائة وعشرون سنة حکم بموته في حق ماله (ملتقی الأبحر) وتحته في الدرالمنتقی: وقیل: إذا مضی من عمره تسعون سنة، وهو المفتی به والأرفق بالناس؛ لأنه أقل المقادیر. (الدرالمنتقی مع ملتقی الأبحر، کتاب المفقود، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۴۰)

النهر الفائق، کتاب المفقود، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۲۔

(۲) إن القمار من القمر الذي یزداد تارة وینقص أخری وسمی القمار قمارا؛ لأن ←

ہو جاوے گی ،اور جس قدر احکام وصیت کے ہیں سب جاری ہوں گے، مثلاً ہر وقت کاشتکار کو اس وصیت کے واپس لینے کا اختیار حاصل ہوگا (۱) اور مثلاً اس زمیندار کے اول مر جانے سے یہ وصیت باطل ہو جاوے گی (۲) اور مثلاً ثلث ترکہ سے زائد میں جاری نہ ہوگی (۳) اور مثلاً یہ تبرّع محض ہے، اس میں جبریا

← **كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۷۷، كراچی ٦/ ٤٠٣)

وسمي القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يتسفيد مال صاحبه فيجوز الازدياد والانتقاص في كل واحد منهما فصار قمارا وهو حرام بالنص. (تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٦، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٧)

فإذا كان المال مشروطا من الجانبين كان قمارا والقمار حرام، ولأن فيه تعليق تمليك المال بالخطر، وأنه لا يجوز. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل السابع: في المسابقة، المجلس العلمي ٨/ ١٤، رقم: ٩٤٨٦)

(۱) ويصح للموصى الرجوع عن الوصية. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٩٢، جديد زكريا ديوبند ٦/ ١٠٩)

وتبطل الوصية بالرجوع عنها؛ لأنها عقد غير لازم فيجوز للموصى الرجوع فيها متى شاء؛ لأن الذي وجد منه الإيجاب فقط، ولأنها عقد لا يثبت حكمه إلا بعد موت الموصى فلا يترتب على الإيجاب، أي حق للموصى له قبل ذلك، فيكون بالخيار بين الإمضاء والرجوع لما روى عن عمرؓ أنه قال: يغير الرجل ما شاء من وصيته، وبه قال عطاء وجابر بن زيد، والزهري، وقتادة، وإسحاق، وأبوثور، وهو قول الحنفية والمالكية، والشافعية، والحنابلة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٣/ ٢٧١)

(۲) وتبطل بموت الموصى له قبل موت الموصى؛ لأن العقد وقع له لا لغيره فلا يمكن إبقاءه على غيره. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، بيان ما تبطل به الوصية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥١٥، كراچی ٧/ ٣٩٤)

تبطل الوصية بموت الموصى له المعين قبل موت الموصى باتفاق الفقهاء، سواء علم الموصى بموته أو لم يعلم؛ لأن الوصية لا تلزم إلا بوفات الموصى وقبول الموصى له. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٣/ ٢٧٣)

(۳) وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع، وإن لم يجز الوارث ذلك لا ←

شرط لگانا جائز نہ ہوگا (۱) اور مفقود کا حکم اس کی نوے سال کی عمر ہونے سے پہلے احیاء کا ہے، اس کا مال امانت رہے گا، اور بعد اس مدّت کے وہ میّت ہے اس وقت وصیت کے احکام مذکورہ ملحوظ ہوں گے (۲)۔

نمبر ﴿۲﴾ جب زمین کا خالی کرالینا جائز ہے واقع میں جبر ہی نہیں (۳) اگر کاشتکار اس کو جبرنا گوار

← **الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ١٠ / ٣٣٩، كراچی ٦/ ٦٥٠)

ولا تصح بما زاد على الثلث. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٨)

(١) الوصية في الشرع تمليک مضاف إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع، سواء كان عينا أو منفعة. (مجمع الأنهر، الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٧)

هي تمليک مضاف إلى ما بعد الموت عينا كان أو دينا، قلت: يعني بطريق التبرع. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ١٠ / ٣٣٥، كراچی ٦/ ٦٤٨)

(٢) وإذا مضى من عمره ما لا يعيش إليه أقرانه، وقيل: تسعون سنة، وقيل: مائة وعشرون سنة حكم بموته في حق ماله (ملتقى الأبحر) وفي الدرالمنتقى: وقيل إذا مضى من عمره تسعون سنة وهو المفتى به، والأرفق بالناس؛ لأنه أقل المقادير، والتفحص عن حال أقرانه متعذر كما في الشرنبلالية عن البرهان. (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب المفقود، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٤٠)

بل يوقف قسطه إلى موت أقرانه في بلده على المذهب (درمختار) وفي الشامية: وقيل يقدر بتسعين سنة من حين ولادته، واختاره في الكنز، وهو الأرفق . هداية: وعليه الفتوى ذخيره. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب المفقود، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٦٢، كراچی ٤/ ٢٨٦)

النهر الفائق، كتاب المفقود، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٢۔

(٣) مستفاد: ومن بنى في أرض غيره أو غرس فيها شجرا أمر الباني والغارس بالقلع والرد. (ملتقى الأبحر، الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤ / ٨٧)

من بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد. (الدرالمختار مع الشامي، الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩ / ٢٨٣، كراچی ٦/ ١٩٤)

هداية، الغصب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٧٩۔

سمجھے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور بجبر قبضہ کر لینا چونکہ ناجائز ہے(۱) اجازت تو اس لئے نہیں، رہا کاشتکار کا اس کو گوارا کر لینا یہ دلیل طیب خاطر کی نہیں، کیونکہ حقیقۃً اس کو گوارا نہیں، بلکہ واقع میں تو ناگوار ہی ہے، لیکن دوسری ناگواری سے یہ ناگواری کم ہے، جب ناگواری ثابت ہے اس لئے گوارئ کو علّت اجازت نہیں قرار دے سکتے، البتہ اگر سچ مچ گوارا ہے تو صاف لفظوں میں کہہ دے کہ میں آپ کو بخوشی ہبہ کرتا ہوں، بشرطیکہ قرائن سے معلوم بھی ہو کہ واقع میں طیبِ خاطر ہے، اور یہ عبارت سمجھ میں نہیں آئی '' لیکن کیا اس کی نقصاں رسانی الی قولہ یا نہیں،، اگر اس جواب کے بعد بھی شبہ باقی ہو اس کو ذرا واضح عبارت سے مکرر پوچھا جاوے شاید یہ مطلب ہو کہ گو یہ طریق جائز ہو، لیکن اگر نیت نقصان رسانی کی ہے تب بھی جائز ہے یا نہیں، اگر یہ مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ طریق مروّت کے خلاف ہوگا مگر گناہ بالکل نہ ہوگا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ / جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۰۶)

---

(۱) **عن أبي حميد الساعدي رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق.** (مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۱۰۶، كراچی ۴/ ۶۱)

البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۶۸، كوئٹه ۵/ ۴۱۔

(۲) اس لئے کہ مالک ارض کو زمین خالی کرانے کا مکمل حق ہے؛ لہٰذا خالی کرانے سے گنہگار نہ ہوگا۔

من بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد. (الدرالمختار مع الشامي، الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۸۳، كراچی ۶/ ۱۹۴)

ومن غصب أرضا فغرس فيها أو بنى قيل له: اقلع البناء والغرس وردها؛ لقوله عليه السلام: ليس لعرق ظالم حق؛ ولأن ملك صاحب الأرض باق، فإن الأرض لم تصر مستهلكة، والغصب لا يتحقق فيها ولابد للملك من سبب فيؤمر الشاغل بتفريغها كما إذا شغل ظرف غيره بطعامه. (هداية، كتاب الغصب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۷۹)

مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مزارع اور زمیندار کی بیج میں شرکت کا حکم

سوال (۲۱۵۲): قدیم ۳/ ۵۲۱- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد! معروض خدمت اقدس ہے کہ رسالہ ''النور'' ۱۳۵۰ھ کے صفحہ۹ میں ہے: ''السوال،، نیرہ اور پھونس اور کڑب کا ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ زمیندار اگر کسان کو نصف تخم دے تو نصف غلّہ اور نصف پھونس لے اگر زمیندار تخم نہ دے تو پھونس کا حصہ کسان نہیں دیتا۔

الجواب: جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت میں شرکت فی البذر بین المزارع واہل الارض ہے، بدائع ج۶، ص۱۸۰ مطبوعہ جمالیہ مصر میں ہے:

منها: أن يشترط في عقد المزارعة أن يكون بعض من قبل أحدهما والبعض من قبل الآخر، وهذا لا يجوز؛ لأن كل واحد منهما يصير مستاجراً صاحبه في قدر بذره فيجتمع استيجار الأرض والعمل من جانب واحد وأنه مفسد. اھ(۱)۔

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرکت فی البذر جائز نہیں، دونوں میں تطبیق کیا ہے؟

الجواب: السلام علیکم! ''النور'' اور بدائع کو دیکھا آپ کی دونوں نقلیں صحیح ہیں، واقعی مجھ سے جواب میں غلطی ہوئی، کیونکہ ''النور'' ہی میں اس سے متصل اوپر کی سطروں میں مزارعت کی جائز صورتوں کو ضبط کیا گیا ہے، اور یہ صورت اُن کے علاوہ ہے، تو اس میں جواز کا شبہ ہی نہیں ہوسکتا، اتنا قریب ذہول ہو جانا عجیب ہے، واللہ اعلم، ذہن کو کیوں خلط ہوا، بہرحال اس سے رجوع کرتا ہوں، اور انشاء اللہ تعالےٰ مستفتی مسئلہ مذکورہ کو بھی اطلاع کردی جاوے گی، اور ترجیح الراجح کے سلسلہ میں شائع بھی کردیا جائے گا، احتیاطاً اس مقام کے متعلق درمختار وردالمحتار سے بھی بقدر ضرورت نقل کرتا ہوں تاکہ اس صورت کا حکم بھی معلوم ہو جاوے اور جس قید کے ساتھ اس صورت میں جواز منقول ہے وہ بھی معلوم ہو جاوے۔

نصهما في الدرالمختار: دفع رجل أرضه إلىٰ اٰخر على أن يزرعها بنفسه وبقره والبذر بينهما نصفان، والخارج بينهما كذلك فعملا على هذا، فالمزارعة فاسدة،

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، بيان أنواع المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۲۶۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ویکون الخارج بینهما نصفین، ولیس للعامل علی رب الأرض أجر لشرکته فیه، والعامل یجب علیه أجر نصف الأرض لصاحبها لفساد العقد –إلی قوله– لاشتراطه الاعارة في المزارعة عمادیة. وفي ردالمحتار: قوله: فالمزارعة فاسدة لما سیذکره من اشتراط الاعارة قوله: لاشتراطه الإعارة في المزارعة، أی إعارة بعض الأرض للعامل فافهم –إلی قوله– وإذا فسدت فالخارج بینهما علی قدر بذرهما، وسلم لرب الأرض ما أخذ؛ لأنه نماء ملکه في أرضه ویطیب للعامل قدر بذره، ویرفع قدر أجر نصف الأرض وما أنفق أیضاً، ویتصدق بالفضل لحصوله من أرض الغیر بعقد فاسد، ولو کانت الأرض لأحدهما والبذر منهما وشرطا العمل علیها علی أن الخارج نصفان جاز؛ لأن کلا عامل في نصف الأرض ببذرة، فکانت إعارة لا بشرط العمل بخلاف الأول اه أی فلم تکن مزارعة حتی یقال شرط فیها إعادة کما أفاده في الفصولین، وتمام هذا المسائل في الخانیة فراجعها (۱)۔

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ (النور، ص ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب المزارعة، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ٤٠٦، کراچی ٦/ ٢٨١۔

فإن کانت الأرض لأحدهما وشرطا أن یکون البذر منهما إن شرطا العمل علی غیر صاحب الأرض، وشرطا أن یکون الخارج بینهما نصفین کانت فاسدة؛ لأن صاحب الأرض یصیر قائلا للعامل: أزرع أرضي ببذري علی أن یکون الخارج کله –إلی قوله– وإذا فسدت المزارعة کان الخارج بینهما علی قدر بذرهما، ویسلم لصاحب الأرض ما أخذ من الخارج؛ لأنه نماء ملکه حصل في أرضه، وله علی الآخر أجر نصف الأرض؛ لأن الآجر استوفی منفعة أرضه بعقد فاسد، وما أخذ من الخارج یطیب له مقدار بذره ویرفع من الباقي أجر نصف الأرض، وما أنفق أیضا ویتصدق بالفضل؛ لأن الزیادة حصلت له من أرض الغیر بعقد فاسد.
(خانیة علی هامش الهندیة، کتاب المزارعة، قدیم زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۷، جدید زکریا ۳/ ۱۱۵)

ذهب الحنفیة إلی أنه یجوز أن یکون البذر من المزارع، ویجوز أن یکون من صاحب الأرض، ولکن لا یجوز أن یکون منهما معا. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۷/ ٥٦) ←

زراعت میں تخم ریزی اور کھیت کاٹنا وغیرہ کا شتکار کے ذمہ ہونے کی شرط

سوال (۲۱۵۳): قدیم ۳/۵۲۳- (۱) شخصے زمین خودرا بکشت کار باین شرط داد کہ تخم وحصاد وخرمن کوبی ہم بر ذمّہ زارع بود بعد ازاں آنچہ حاصل آید نصف زارع راست ونصف اہل زمین را این معاملہ درست است یانہ؟

الجواب: درست است (۲)۔ **في الدر المختار: صح اشتراط العمل كحصاد ودياس ونسف على العامل عند الثاني للتعامل وهو الأصح. ج۵، ص ۲۷۵** (۳)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۶)

← **فإن كانت الأرض لأحدهما وشرطا أن يكون البذر منهما إن شرطا العمل على غير صاحب الأرض، وشرطا أن يكون الخارج بينهما نصفين كانت فاسدة الخ.** (هندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني: في بيان أنواع المزارعة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۳۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۲۷۵)

مجمع الأنهر، كتاب المزارعة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٤۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب المزارعة والمعاملة، الفصل الثاني: في بيان أنواع المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۲۳۸، رقم: ۲۷۰۹۰۔

(۱) **خلاصہ ترجمہ سوال**: کوئی شخص اپنی زمین کسی کا شتکار کو اس شرط پر دے کہ بونا، کاٹنا اور گاہنا بھی کا شتکار کے ذمہ ہوگا، اس کے بعد جو حاصل ہوگا نصف کا شتکار کا ہوگا اور نصف زمیندار کا، تو یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) **خلاصہ ترجمہ جواب**: درست ہے، چنانچہ در مختار میں ہے: "**صح اشتراط العمل كحصاد ودياس -إلى قوله- وهو الأصح**".

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۰۸، كراچی ٦/ ۲۸۲۔

وعن أبي يوسفؒ أنه أجاز شرط الحصاد والرفع إلى البيدر والدياس والتذرية على المزارع لتعامل الناس، وبعض مشايخنا من وراء النهر يفتون به أيضا، وهو اختيار نصير بن يحى ومحمد بن سلمه من مشايخ خراسان، كذا في البدائع. (هندية، كتاب المزارعة، الباب الأول: الشروط المفسدة للمزارعة، فأنواع، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۳۷، جديد زكريا ۵/ ۲۷۳) ←

مزارعت وشرکت کی چند صورتوں کا حکم

سوال (۲۱۵۴): قدیم ۳/ ۵۲۳- زید نے بکر کو ایک بیل کاشتکاری کے لئے خرید کر دیا، اور اپنی ہی ملک رکھا، اور شرائط یہ قرار پائیں کہ بیل کی خوراک اور نصف لگان زید کے ذمہ ہوگا، باقی اخراجات بکر کے ذمہ ہوں گے، مثلاً کھیتی کاٹنا، ہل چلانا، بیل کی خدمت وغیرہ اور آمدنی غلہ وغیرہ نصف نصف مابین زید وبکر ہوگا، یہ رواج ہمارے یہاں اس معاملہ کا عام ہے، حضور ارشاد فرماویں کہ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کس صورت سے معاملہ کیا جائے؟

الجواب: یہ بات اس میں رہ گئی کہ زمین کس کی ہے۔ اب میں قاعدہ کلیہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر زمین کسی تیسرے شخص کی ہو تب تو یہ شرکت ہے، اور اس صورت میں ہر چیز دونوں کی ہونی چاہئے (۱) اور اگر زمین کسی ایک کی ہے تو صرف تین صورتیں اتفاقاً اور ایک صورت اختلافاً جائز ہے، باقی ناجائز ہیں۔

← **وعن أبي يوسفؒ أنه أي شرط أجر الحصاد والرفاع والدياس والتذرية على العامل يصح للتعامل بين الناس اعتبارا بالاستصناع وهو الأصح وعليه الفتوى، وهو اختيار مشايخ بلخ، قال شمس الأئمة السرخسي: هذا هو الأصح في ديارنا.** (مجمع الأنهر، كتاب المزارعة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٣)

وروي عن أبي يوسفؒ أنه أجاز شرط الحصاد والرفع إلى البيدر والدياس والتذرية على الزارع لتعامل الناس على ذلك، وعليه الفتوى، وهو مذهب الحنابلة وابن القاسم من المالكية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٦٣)

وروي عن أبي يوسفؒ أنه أجاز شرط الحصاد والرفع إلى البيدر والدياس والتذرية على المزارع لتعامل الناس، وبعض مشايخنا بما وراء النهر يفتون به أيضا، وهو اختيار نصير بن يحيى ومحمد بن سلمة من مشايخ خراسان. (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، الشروط المفسدة للمزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٦٢)

هداية، كتاب المزارعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٠۔

(۱) شركة مفاوضة وهي لغة المساواة والمشاركة ...... وإنما سمي هذا العقد بها لاشتراط المساواة فيه من جميع الوجوه، وشريعة أن يشتركا متساويان أو أكثر تصرفا ←

نمبر﴿۱﴾ زمین اور تخم ایک کا ہو اور بیل اور عمل ایک کا۔ نمبر﴿۲﴾ زمین ایک کی اور عمل اور بیل اور تخم ایک کا۔ ﴿۳﴾ زمین اور تخم اور بیل ایک کا اور عمل ایک کا۔ ﴿۴﴾ زمین اور بیل ایک کا اور تخم اور عمل ایک کا، اس میں اختلاف ہے۔ کذا فی الہدایہ(۱)۔

۱۱ر شعبان ۱۳۴۹ھ (النور ۸۔ ربیع الاول ۵۰ھ)

← **ودينا ومالا وربحا لتحقق المساواة من جميع الوجوه.** (مجمع الأنهر، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۴۶-۵۴۷)

فلو شرط العمل على أحد المتفاوضين بطلت الشركة عند الحنفية؛ لأن هذا تصريح بما ينافي طبيعة المفاوضة من المساواة فيما يمكن الاشتراك فيه من أصول التصرفات. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۴۷)

(۱) **وهي عندهما على أربعة أوجه: إن كانت الأرض والبذر لواحد، والبقر والعمل لواحد جازت المزارعة، وإن كانت الأرض لواحد والعمل والبقر والبذر لواحد جازت، وإن كانت الأرض والبذر والبقر لواحد والعمل من الآخر جازت، وإن كانت الأرض والبقر لواحد، والبذر والعمل لآخر فهي باطلة، وهذا الذى ذكره ظاهر الرواية، وعن أبي يوسفؒ أنه يجوز أيضا الخ.** (هداية، كتاب المزارعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۲۵-۴۲۶)

وإذا كان البذر والأرض لأحدهما، والعمل والبقر لآخر أو الأرض لأحدهما والبقية للآخر، أو العمل لأحدهما، والبقية للآخر صحت، وإن كانت الأرض والبقر لأحدهما، والبذر والعمل للآخر بطلت المزارعة؛ لأن رب البذر يصير مستأجرا بالبذر، وأنه لا يجوز لكون الانتفاع بالاستهلاك أو يصير مستأجرا للبقر مع الأرض ببعض الخارج، وأنه لا يجوز لعدم التعامل، وهو الظاهر الرواية، وعن أبي يوسفؒ أنه يجوز لما فيه من العادة، والقياس يترك به. (مجمع الأنهر، كتاب المزارعة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۴۳-۱۴۴)

هندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني: في بيان أنواع المزارعة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۷۵، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۲۳۸۔

الدرالمختار مع الشامي، كتاب المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۰۱-۴۰۲، كراچی ۶/ ۲۷۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گھاس پھونس کا نصف پر معاملہ

سوال (۲۱۵۵): قدیم ۳/ ۵۲۳- نیرہ اور پھونس اور کڑب کا (نیرہ اور پھونس کڑب سے مراد مویشیوں کا چارہ ہے) ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ زمیندار اگر کسان کو نصف تخم دے تو نصف غلّہ اور نصف پھونس لے اگر زمیندار تخم نہ دے تو پھونس کا حصہ کسان نہیں دیتا ہے؟ سائل بالا،

الجواب: جائز ہے(۱) تاریخ مذکور۔ (النور ۹/ ربیع الاول ۵۰ھ)

باوجود تخم نہ دینے کے بھوسہ مقرر کرنا

سوال (۲۱۵۶): قدیم ۳/ ۵۲۴- اگر زمیندار اور کسان کے مابین باوجود تخم نہ

---

(۱) **وإن شرطا أن يكون الحب والتبن بينهما نصفين جاز، ويكون الحب والتبن بينهما كما شرطا ...... وفي هذا الوجه إن شرطا التبن لصاحب البذر جاز.** (هندية، كتاب المزارعة، الباب الثالث: في الشروط في المزارعة، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٤٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٢)

إذا دفع الرجل أرضا وبذرا إلى رجل ليزرعها، وشرطا الشركة في الأصل والفرع يعني في التبن والحب، فالمزارعة جائزة. وفي الخانية: ويكون الحب والتبن بينهما، كما شرطا ...... وإن شرطا الحب بينهما والتبن لأحدهما بعينه، فإن شرطا التبن لصاحب البذر جاز الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المزارعة والمعاملة، الفصل الثالث: مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٢٦٢، رقم: ٢٧١٦٠)

المحيط البرهاني، كتاب المزارعة، الفصل الثالث: في الشروط في المزارعة، المجلس العلمي بيروت ١٨/ ٣٨٩، رقم: ١٨٣٨٩۔

وإن شرطا أن يكون الحب والتبن بينهما نصفين جاز، ويكون الحب والتبن بينهما كما شرطا، وكذا لو شرطا أن يكون الربع أو الزرع أو الخارج بينهما جاز، ويكون الكل بينهما على ما شرطا ...... وفي هذا الوجه إن شرطا التبن لصاحب البذر جاز. (خانية على هامش الهندية، كتاب المزارعة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ١٧٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١١٤)

مجمع الأنهر، كتاب المزارعة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٢۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دینے کی حالت میں پھونس کا کوئی حصہ مقرر کرلیا جائے جس پر کسان بھی رضا مند ہو جائے تو زمیندار کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر ثلث یا ربع وغیرہ مقرر کرلیا جاوے جائز ہے، اور اگر اس طرح مقرر ہو کہ اتنے من یا اتنے پیمانے تو جائز نہیں (۱)۔ تاریخ مذکور۔ (النور ص ۹ ربیع الاول ۵۰ھ)

درخت لگانے میں بٹائی کا حکم

سوال (۲۱۵۷): قدیم ۳/ ۵۲۴- زمیندار نے اپنی زمین کاشتکاری کے لئے کسان کو

---

(۱) **لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لاتخرج إلا هذا المقدار.** (هداية، كتاب المزارعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٢٦)

ومنها: أن يكون (الخارج) جزءا شائعا من الجملة حتى لو شرط لأحدهما قفزان معلومة لا يصح العقد الخ. (هندية، كتاب المزارعة، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٣٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٢٧٢)

وأن تكون حصة كل منهما من الخارج جزءا شائعا من الجملة كالنصف أو الثلث أو الربع ونحو ذلك، وعلى ذلك لو شرط لأحدهما كمية معينة من المحصول كعشرة أرادب من القمح أو خمسة قناطير من القطن، فإن العقد لا يصح مطلقا؛ لأن المزارعة فيها معنى الشركة والإجارة كما سبق، وإذا ثبت أن فيها معنى الإجارة والشركة، فإن اشتراط قدر معلوم من الخارج لأحدهما ينفي لزوم معني الشركة لاحتمال أن الأرض لا تخرج زيادة على القدر المعلوم، فلا يبقى للطرف الآخر شيء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٥٨)

والشركة في الخارج فتفسد إن شرط لأحدهما قفزان معينة لاحتمال انقطاع الشركة عند إخراج الأرض مقدارا مذكورا أو قليلا، فحينئذ لا يوجب على ما عقد عليه وهو الاشتراك فيما يخرج على الشيوع الخ. (مجمع الأنهر، كتاب المزارعة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤١)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٠٠، كراچی ٦/ ٢٧٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیدی اور اسی زمین میں کچھ درخت پھل دار اور بے پھل دار مثلاً نیم، کیکر، شیشم وغیرہ جن کی لکڑی کارآمد ہو، زمیندار لگوانا چاہتا ہے کسان کے ہاتھ سے، اگر چوتھا یا پانچواں حصہ درختوں کا بھی اور پھل کا بھی کسان کا مقرر کر دیا جاوے تو یہ صورت درست ہے یا نہیں؟ سائل بالا۔

الجواب درست ہے، اگر کوئی مدت معیّن کردے، ورنہ درست نہیں۔

كذا في ردالمحتار تحت قول الدرالمختار: دفع أرضا بيضاء الخ، باب المساقاة (۱)۔

۱۱ر شعبان ۱۳۴۹ھ (النور ص۹ ربیع الاوّل ۵۰ھ)

کچے پھل خدمت اور نصفا نصف شرکت کی شرط پر دینے کا حکم

سوال (۲۱۵۸): قدیم ۳/ ۵۲۴- اگر باغ کا پھل غیر پختہ اس طرح دیا جائے کہ اس کی پرداخت تیرے اوپر ہے۔ جو پیداوار ہوگی نصفا نصف کی جائیگی، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) قوله: وتكون الأرض والشجر بينهما، قيد به إذ لو شرط أن يكون هذا الشجر بينهما فقط صح، قال في الخانية: دفع إليه أرضا مدة معلومة على أن يغرس فيها أغراسا على أن ما تحصل من الأغراس والثمار يكون بينهما جاز اهـ. ومثله في كثير من الكتب وتصريحهم بضرب المدة صريح في فسادها بعدمه ووجهه أنه ليس لإدراكها مدة معلومة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب المساقاة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۱۷، كراچی ۶/ ۲۸۹)

رجل دفع إلى رجل أرضا مدة معلومة على أن يغرس المدفوع إليه فيها أغراسا على أن ما يحصل من الأغراس والثمار يكون بينهما جاز. (خانية على هامش الهندية، كتاب المعاملة، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۱، جديد كريا ۳/ ۱۳۴)

شرح الطحاوي: ولو أن رجلا دفع أرضه معاملة مدة معلومة على أن يغرس العامل فيها أغراسا وما يحصل من الثمار والأغراس يكون بينهما، فهذا يجوز، ويكون الأغراس والثمار بينهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المزارعة والمعاملة، الفصل الخامس، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۲۸۳، رقم: ۲۷۲۳۵)

وإذا دفع الرجل إلى آخر أرضا بيضاء ليغرس فيها أغراسا على أن الأغراس والثمار بينهما فهو جائز. (هندية، كتاب المعاملة، الباب الثاني: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۷۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۲۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : جائز ہے۔ في الدرالمختار: هي (أی المساقاة) دفع الشجر إلی من يصلحه بجزء معلوم من ثمره، و هي كالمزارعة الخ (۱)۔

۲۸ ؍ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۷۹)

افیون کی کاشت کا جواز

سوال (۲۱۵۹): قدیم ۳/ ۵۲۴- افیون کی کاشت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے (۲)۔ (حوادث اول ص ۱۹)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب المساقاة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۱۲-۴۱۳، كراچی ۶/ ۲۸۵-۲۸۶۔

هي -المساقاة- دفع الشجر إلى من يصلحه بجزء معلوم من ثمره، وهي كالمزارعة حكما حيث يفتى على صحتها الخ. (مجمع الأنهر، كتاب المساقاة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۴۸)

المساقاة في اللغة: مفاعلة من السقي، وهي دفع النخيل والكروم إلى من يعمره ويسقيه ويقوم بمصلحته على أن يكون للعامل سهم، والباقي لمالك النخيل، وأهل العراق يسمونها المعاملة، ولا يخرج المعنى الإصلاحي عن المعنى اللغوي، قال الجرجاني: هي دفع الشجر إلى من يصلحه بجزء من ثمره ...... واختلف الفقهاء في حكم المساقاة على أقوال: القول الأول: أنها جائزة شرعا، وهو قول المالكية والحنابلة، والشافعية، ومحمد، وأبي يوسف من الحنفية وعليه الفتوى عندهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/ ۱۱۲-۱۱۳)

المساقاة هي معاقدة دفع الأشجار إلى من يعمل فيها على أن الثمرة بينهما، وهي كالمزارعة يعني لا تجوز عند الإمام، وتجوز عندهما الخ. (البحر الرائق، كتاب المساقاة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۹۸، كوئٹه ۸/ ۱۶۴)

تبيين الحقائق، كتاب المساقاة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۴۲، إمداديه ملتان ۵/ ۲۸۴۔

هداية، كتاب المساقاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۳۱۔

(۲) ’’افیون‘‘ اور ’’بھانگ‘‘ اسی طرح دیگر نشہ آور چیز کی زراعت وکاشت اور تجارت کے جواز وعدم جواز کا مدار عرف وعادت اور قصد وارادہ پر ہے، جہاں اور جس زمانہ میں ان کا عمومی استعمال دوا وعلاج کے ←

مال حرام سے خریدے گئے بیل سے کی گئی کھیتی کی پیداوار کا حکم

سوال (۲۱۶۰): قدیم ۳/ ۵۲۴- اگر چند شریک زراعت کریں، ان میں سے بعض کے بیل بقیمت حلال خرید کئے ہوں، اور بعض کے بقیمت حرام، تو جس کا بیل حلال قیمت سے ہے اس کی شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی غلّہ مشترک جو کہ زراعت سے حاصل ہوا ہے تقسیم کے بعد حلال ہوگا یا حرام؟

← طور پر ہو وہاں ان کی زراعت وتجارت جائز ہوگی یا دوسرے علاقہ میں سپلائی کی جاتی ہے اور کاشتکار اور تاجر کا مقصد صرف اپنی تجارتی نفع حاصل کرنا ہے تو کاشت اور تجارت اور اس کا نفع سب جائز ہے اور جو ان اشیاء کو معصیت میں استعمال کرے گا وہ خود گنہگار ہوگا اور کاشتکار اور تاجر کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

وَتَعَاوَنُوا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلٰى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة، رقم الآية: ٢]

القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ذكر قاضي خان في فتاواه: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم، وإن قصد به لأجل التخمير حرم، وكذا غرس الكرم على هذا انتهى. وعلى هذا عصير العنب بقصد الخلية أو الخمرية. (الأشباه والنظائر، الفن الأول: في القواعد الكلية، النوع الأول، قديم ص: ٥٣، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٠٢-١٠٣)

قاعدة: الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر مثلا كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لايكره وللتهاون يكره. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٦٢)

قاعدة: الأمور بمقاصدها: وقد استخرج الفقهاء من هذه القاعدة أحكاما منها: أن الشيء الواحد يتصف بالحل والحرمة باعتبار ما قصد به فمثلا أخذ اللقطة بقصد حفظها وردها إلى أصحابها جائز أما أخذها بقصد الاستيلاء عليها، وتملكها فلا يجوز، بل يكون الآخذ غاصبا آثما إلى غير ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٧٤)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٧٢، كراچی ٦/ ٣٩٢)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر بیل حرام مال کے بھی ہوں، مگر چونکہ وہ پیداوار کا آلہ ہے جزو نہیں ہے اس لئے پیداوار میں حرمت نہ آوے گی، اور غلہ مشترک حلال ہوگا (۱)۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۹)

کاشتکار موروثی سے سود لینے کے جواز وعدم جواز کا حکم

سوال (۲۱۶۱): قدیم ۳/ ۵۲۵- یوپی کے اضلاع میں قانون موروثی جاری ہے یعنی کاشتکار کو حق دیا جاتا ہے کہ زمیندار کی زمین سے اپنی کاشت نہ چھوڑے، لیکن اس کا لگان غیر

---

(۱) مستفاد: فلذا كان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائية فقد اختلف فيها على ما مر ومنشأ الخلاف مشاركتها للمائية في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن كان الأصح طهارتها لما مر من الدليل ولشدة لطافتها واضمحلالها فليتأمل، فإنه بديع، وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف، لكن المذكور في فتاوى قاضي خان، والخلاصة وغيرها أن ذلک قياس والاستحسان أن لا يتنجس الثوب به، قال قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه، وكذا الأصطبل إذا كان حارا وعلى كونه طابق أو بيت البالوعة إذا كان عليه طابق، وتقاطر منه، وكذا الحمام إذا أهريق فيه النجاسات، فعرق حيطانها وكوتها وتقاطر الخ. (غنية المستملي شرح كبيري، الطهارة، فصل في الآسار، الشرط الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٩٣)

إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق فأصاب ماءه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتى الإمام أبو بكر محمد بن الفضل، وهو اختيار استاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني، وفي الخانية: وكذا اصطبل إن كان حارا، وعلى كوته طابق فعرق الطابق وتقاطر فيه منه، وكذا الحمام إذا أهريق فيه النجاسة فعرق حيطانها وكوتها وتقاطر منه، وكذا لو كان في الأصطبل كوز معلق فيه فترشح من أسفل الكوز في القياس يكون نجسا، وفي الاستحسان لا يتنجس. (الفتاوى التاتارخانية، الطهارة، الفصل السابع، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٤٤، رقم: ١١٤٦-١١٤٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

موروثی زمین کے مقابلہ میں بہت ہی کم دلایا جاتا ہے، لیکن نالش کی صورت میں گورنمنٹ لگان پر سود دلاتی ہے، پس اگر زمیندار موروثی زمین کے لگان کی کمی کو سود کے نام سے کاشتکار پر نالش کرکے کاشتکار سے وصول کرلے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: منافع کا تقوم موقوف ہے عقد اجارہ پر، اور صورت مسئول عنہا میں عقد پایا نہیں گیا، لہٰذا بناء مذکور فی السوال پر لینا جائز نہیں (۱) صرف ایک صورت جواز کی ہوسکتی ہے وہ یہ کہ کاشتکار سے تصریحاً کہہ دیں کہ موجودہ لگان پر (مثلاً دس روپے) ہم زمین دینے پر راضی نہیں اگر اتنا لگان (مثلاً بیس روپے) دینا ہو تو زمین کاشت کرو ورنہ چھوڑ دو (۲)۔ اگر اس کے بعد وہ کاشت کرے گا، تو بیس روپے کے لگان کو وہ

---

(۱) **ولا يضمن الغاصب منافع ما غصبه سواء سكنه، أي فيما غصبه أو عطله أي جعله معطلا هذا عندنا -إلى قوله- ولنا أن عمرؓ وعلياؓ حكما بوجوب قيمة ولد المغرور وحريته، ورد الجارية مع عقرها على المالك ولم يحكما بوجوب أجر منافع الجارية والأولاد مع علمهما أن المستحق يطلب جميع حقه، وأن المغرور كان يستخدمها مع الأولاد، ولو كان ذلك واجبا له لما سكتا عن بيانه بوجوبه عليهما، ولعدم المماثلة بين المنافع والدراهم لانعدام البقاء في المنافع، فلا يكون تقومها لذاتها بل لضرورة ورود العقد ولا عقد هنا.** (مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٩٣-٩٤)

المنافع جمع منفعة، ومن أمثلتها عند الفقهاء: سكنى الدار، ولبس الثوب، وركوب الدابة، وقد اختلف الفقهاء في ماليتها على قولين أحدهما للحنفية: وهو أن المنافع ليست أموالا متقومة في حد ذاتها؛ لأن صفة المالية للشيء إنما تثبت بالتمول، والتمول يعني صيانة الشيء وإدخاره لوقت الحاجة، والمنافع لا تبقى زمانين لكونها أعراضا فكلما تخرج من حيّز العدم إلى حيز الوجود تتلاشى فلا يتصور فيها التمول غير أن الحنفية يعتبرون المنافع أموالا متقومة إذا ورد عليها عقد معاوضة، كما في الإجارة، وذلك على خلاف القياس، وما كان على خلاف القياس فغيره عليه لا يقاس. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٣٢)

المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٧٨-٧٩۔

تبيين الحقائق، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٣٧-٣٣٨، إمداديه ملتان ٥/ ٢٣٤۔

(۲) **الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص.** (شامي، كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ١٠، كراچی ٤/ ٥٠٢) ←

تسلیم کرلے گا، اوراس پربیس روپے واجب ہوجاویں گے(۱)اس وجوب کے بعد پھراپنا حقِ واجب جس عنوان سے بھی ہو وصول کرے گا، وہ رقم مباح ہوگی (۲)۔

۴؍جمادی الاولیٰ ۵۳ھ (النورص۱۰، بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۵۴ھ)

ہندوستانی زمین میں کاشت اور بیع وشراء کا حکم

سوال (۲۱۶۲): قدیم ۳/ ۵۲۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

نمبر﴿۱﴾ صوبہ یوپی میں زمینداریاں اوراراضیات صدہا سال سے زمینداروں کی اس طرح ملکیت میں ہیں کہ وہ بیع، ہبہ، تملیک، وراثت، وقف وغیرہ کے ذریعہ سے ہرحکومت کی عہد میں بطور جائز ہمیشہ منتقل کرتے رہے ہیں، اور زمینداران اپنی اراضیات میں دوسروں سے کاشت کراکر پیداوار میں سے یا

← **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف، مكتبه رشيديه دهلي ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

(۱) **يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲٦٤، رقم المادة: ٤۷۳)

(۲) **مستفاد: وليس لذي الحق أن يأخذ غير جنس حقه وجوزه الشافعيؒ، وهو الأوسع** (درمختار) **وفي الشامية: قدمنا في كتاب الحجر أن عدم الجواز كان في زمانهم، أما اليوم فالفتوى على الجواز.** (الدرالمختار مع الشامي، الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٦۰٦، كراچى ٦/ ٤۲۲)

قال الحموي في شرح الكنز نقلا عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق. (شامي، كتاب الحجر، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۲۱، كراچى ٦/ ۱۵۰)

شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نصف غلہ اور جنس کی بٹائی کر لیتے ہیں، یا زرِ نقد مقرر کر کے وصول کرتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا ملکیت کی صورت اور کاشت کا طریقہ جو یوپی میں رائج ہے، اسلام کی پہلی صدیوں میں اس کا وجود ملتا ہے یا نہیں، زید کا خیال ہے کہ اس سسٹم (طریقہ) کا پتہ اسلام میں نہیں ہے۔

نمبر﴿۲﴾ اس قسم کی اراضیات کی ملکیت اور اس طریقہ سے دوسروں سے کاشت کرانا شریعت اسلامیہ اور فقہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں، اور پیداوار میں سے مالک کے حق کی مقدار شریعت مقدسہ نے کس قدر مقرر کی ہے؟

نمبر﴿۳﴾ اگر یہ ملکیت اور یہ طریقہ جائز ہے تو مالک اراضی کے لئے اپنے حقوقِ ملکیت کو اور اس قدر مفاد کو جس قدر کہ فقہ میں جائز قرار دیا گیا ہو محفوظ رکھنے کی نفس کوشش کرنا درست ہے یا ناجائز؟

نمبر﴿۴﴾ زید کے اس دعویٰ کو صحیح فرض کرتے ہوئے کہ (زمیندار انگریزی شاہنشاہیت کی پیدا کردہ جماعت ہے اور انگریزوں نے اپنی حکومت کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی ہے) ارشاد فرمایا جاوے کہ موجودہ زمینداریاں اور ان کے حقوق مالکانہ جواب وارثانہ یا مشتریانہ یا متولیانہ ہیں وہ جائز طور پر ہیں یا ناجائز طریقہ سے اور اُن کا منافع ازروئے شرع شریف جائز وحلال ہے یا حرام، اور اس منافع کو صدقات وکارہائے خیر میں صرف کرنا صحیح ہے یا نادرست؟

نمبر﴿۵﴾ زید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ زمینداریاں مثل شراب کے ٹھیکہ کے ہیں، جس طرح شراب کا ٹھیکہ فسخ ہوتا ہے اسی طرح زمینداروں سے ان کی مملوکہ زمینداریاں واراضیات بھی نکال کر کاشتکاران موجودہ کی ملکیت یا اُن کے قبضہ مستقل مالکانہ مخالفانہ میں دی جاسکتی ہیں، اب فرمایا جاوے کہ سوال نمبر ۱، ۲ کے اندر مذکور زمینداریوں کی شراب کے ٹھیکہ سے مثال دینا کیا صحیح اور جائز ہے، اور آیا مذکورہ زمینداریاں مالک کی مرضی کے خلاف بالکل مفت یا واقعی اور بازاری قیمت سے کم معاوضہ میں شرعاً منتقل ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

نمبر﴿۶﴾ مذکورہ بالا اراضیات کو مصارف خیر کے لئے وقف کرنا صحیح ہے یا غیر صحیح، اور ان اوقاف کا بھی جبریہ انتقال جائز ہے یا نہیں؟

نمبر﴿۷﴾ ایسے انتقالات کرنے والوں میں اگر کوئی عالم یا غیر عالم مسلم بھی شامل ہو تو اس کو شرعاً اس حق تلفی کی مخالفت کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: یہ تعامل تصرفات مالکانہ کا جب کوئی دلیل معارض نہ ہو، شرعاً خود دلیل مستقل ہے

مِلک کی (۱) اور جب تمام حکومتوں نے نیز حکومت حاضرہ نے ان تصرفات کو قانوناً بھی جائز رکھا تو یہ ان کی طرف سے اس مالکیت کا اقرار اور تسلیم ہے، اور بتصریح فقہاء اقرار سے رجوع کرنا بدون رضائے مقرلہٗ کے جائز نہیں (۲) اور یہ حکم اس قدر ظاہر ہے کہ اس پر دلائل قائم کرتے بھی شرم آتی ہے، لیکن تبرعاً دلائل کی طرف بھی اجمالی اشارہ کرتا ہوں، وہ دلائل ابواب بیع وہبہ ومزارعت وتقسیم غنائم ووقف وغیرھا کی احادیث اور بیع وہبہ واجارات ووقف وغیرہا کے مسائل فقہیہ ہیں، جن کی قدر مشترک نصاً واجماعاً قطعی ہے، ثبوتاً بھی اور دلالۃً بھی، اور جو جوازِ شرعی کے ساتھ وقوع تاریخی پر بھی دال ہیں، بلکہ ان عقود میں جو صورتیں فاسد ہیں، یا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مزارعت میں کلام فرمایا ہے وہ بھی دلیل ہیں مِلک کی، کیونکہ اس فساد کی علّت عدمِ مِلک نہیں کی گئی، بلکہ بعض عوارض سے فساد کا حکم کیا گیا (۳)۔

---

(۱) **فهذا كله صريح فيما قلنا من العمل بالعرف ما لم يخالف الشريعة الخ.** (شرح عقود رسم المفتي، مكتبه سعيديه سهارنپور ص: ۹۸، دارالكتاب ديوبند ص: ۱۵۸)

ينقسم العرف من حيث اعتباره في الأحكام إلى ثلاثة أقسام، الأول: ما قام الدليل الشرعي على اعتباره ...... فهذا يجب اعتباره، والأخذ به. الثاني: ما قام الدليل الشرعي على نفيه، فهذه الأعراف لا تعتبر. الثالث: ما لم يقم الدليل الشرعي على اعتباره أو نفيه، وهذا هو موضع نظر الفقهاء، فقد ذهب الفقهاء إلى اعتباره ومراعاته، وبنوا عليه الكثير من الأحكام ولم ينكر ذلك أحد منهم، وقد قام الدليل من الكتاب والسنة والإجماع على اعتبار العرف. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/ ۵۷)

شرح عقود رسم المفتي، مكتبه سعيديه سهارنپور، ص: ۹۵، زكريا ديوبند ۱۷۶۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۵۵۶، كراچى ۴/ ۳۶۴)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۷۴۔

(۲) **أما من أقر بحق من حقوق العباد أو بحق الله تعالى لا يسقط بالشبهة كالقصاص وحد القذف، وكالزكاة والكفارات، ثم رجع في إقراره، فإنه لا يقبل رجوعه عنها من غير خلاف؛ لأنه حق ثبت لغيره فلم يملك إسقاطه بغير رضاه؛ لأن حق العبد بعد ما ثبت لا يحتمل السقوط بالرجوع، ولأن حقوق العباد مبنية على المشاحة وما دام قد ثبت له، فلا يمكن إسقاطه بغير رضاه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۷۳)

(۳) **وله ما روي أنه عليه السلام نهى عن المخابرة، وهي المزارعة، ولأنه** ←

اور جب مالکوں کا حق صحیح ثابت ہوگیا تو اس کے لئے کوشش کرنا یقیناً جائز بلکہ بعض صورتوں میں طاعت واجب یا مستحب ہے اور اس میں کوتاہی کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے۔

كما يدل عليه حديث أبي داؤد عن عوف بن مالك أن النبي ﷺ قضى بين رجلين، فقال المقضى عليه لما أدبر حسبي الله ونعم الوكيل، فقال النبي ﷺ: إن الله تعالٰى يلوم على العجز، ولكن عليك بالكيس، فإذا غلبك أمر، فقل: حسبي الله ونعم الوكيل. (باب الأقضية والشهادات (۱)۔

حتی کہ اس کی حفاظت میں جان جاتے رہنے کو شہادت فرمایا گیا ہے، حدیث: "**من قتل دون ماله فهو شهيد**" (۲)۔ اس میں نص ہے اور جب ان کی مِلک صحیح ہے تو اس سے انتفاع کے حلال وطیب

←**استئجار ببعض ما يخرج من عمله، فيكون في معنى قفيز الطحان؛ ولأن الأجر مجهول أو معدوم، وكل ذلك مفسد.** (هداية، كتاب المزارعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ٤٢٥)

وجه قول أبي حنيفةؒ أن عقد المزارعة استئجار ببعض الخارج وأنه منهي بالنص والمعقول، أما النص: فما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال لرافع بن خديج في حائط لا تستأجره بشيء منه، وروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قفيز الطحان والاستئجار ببعض الخارج في معناه، والمنهي غير مشروع، وأما المعقول فهو أن الاستئجار ببعض الخارج من النصف والثلث والربع ونحوه استئجار ببدل مجهول، وأنه لا يجوز كما في الإجارة. (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، ركن المزارعة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٥٥)

(۱) أبو داؤد شريف، كتاب القضاء، باب الرجل يحلف على حقه، النسخة الهندية ٢/ ٥١١، دارالسلام رقم: ٣٦٢٧۔

مسند أحمد بن حنبل بيروت ٦/ ٢٥، رقم: ٢٤٤٨٣۔

(۲) **عن عبدالله بن عمرو قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد.** (بخاري شريف، كتاب المظالم، باب من قتل دون ماله، النسخة الهندية ١/ ٣٣٧، رقم: ٢٤١٦، ف: ٢٤٨٠)

ترمذي شريف، أبو اب الديات، باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد، النسخة الهندية ١/ ٢٦١، دارالسلام، رقم: ١٤١٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے (۱) اِلّا لعارض، اور اول تو کثرت سے وہی اراضی ہیں جو حکومت حال سے پہلے سے زمینداروں کے پاس ہیں، انگریزوں کی دی ہوئی نہیں، لیکن جو انگریزوں کی بھی دی ہوئی ہیں دینے کے بعد ان کی ملک ہوگئیں، اور جب وہ مالک ہیں تو ملک اور ٹھیکہ کیسے جمع ہوسکتے ہیں، اس کو ٹھیکہ کہنا اور اس پر ٹھیکہ کے احکام کو متفرع کرنا باطل ہے اسی طرح جب وہ مالک ہیں تو ان کی مرضی کے خلاف اس میں کسی کا کسی قسم کا تصرف کرنا خواہ بعوض ہو یا بلاعوض خود حرام اور ظلم ہے (۲) اور جب اراضی مملوکہ میں جو کہ فی نفسہ قابل انتقال ہیں ایسے تصرفات حرام ہیں تو اوقاف میں جو کہ قابل انتقال بھی نہیں ایسے تصرفات بدرجہ اولیٰ حرام ہوں گے، اور ایسے ظلم کرنے والوں کے ساتھ اول تو شرکت ہی جائز نہیں، اور جو غلطی سے شرکت ہوگئی ہو تو ان مظالم کے علم کے بعد جُدا ہوجانا واجب ہے اور جدا ہونے کے قبل بھی اُن پر نکیر واجب ہے۔

کما قال تعالیٰ: لا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۳)۔

---

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف مكتبه رشيديه دهلي ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، البيوع، فصل فيما يكره، مكتبه أشرفيه ديوبند ۸/ ۲۱۹)

بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦۳۸۔

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦۱، رقم: ۹٦)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹٦)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ۲۰۰۔

(۳) سورة المائدة، رقم الآية: ۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وکما قال تعالیٰ: لولا ینهاهم الربانیون والاحبار. الآیه (۱)۔ (*) واللہ اعلم

کتبہ: اشرف علی ۱۲/رجب ۵۶ھ (النور ص ۷ بابت ماہ شعبان ۵۶ھ)

کاشتکار کا گیہوں لگان کے بدلہ چھوڑ لینے کا حکم

سوال (۲۱۶۳): قدیم ۳/ ۵۲۷- کاشتکار سے کاغذ صرف غلّہ گندم کے لئے لکھا گیا تھا، اور زبانی اس سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ اگر ہم کو اپنی خواہش سے ضرورت چھوڑہ (دھان) لینے کی پیش آئی تو جس قدر ہم چاہیں گے خریف میں حسب ضرورت چھوڑہ لے لیا کریں گے، اگر ہمیں ضرورت نہ ہوئی چھوڑہ لینے کی تو کل غلہ گندم لیا کریں گے، جس قدر چھوڑہ لیا کریں گے فصلِ خریف میں اسی قدر گندم وضع ہوجایا کریں گے فصل ربیع میں، اب ہماری خواہش اور مرضی پر ہے، مدت سے چھوڑہ لینے کا کوئی اتفاق بھی نہیں ہوا، کاشتکار ہمیشہ خواہش کرتا ہے، اگر فصل خریف میں چھوڑہ لے لیا جاوے، تو دوسری فصل ربیع میں اس کو آسانی ہوجاوے؟

الجواب: یہ تو متعلق معاہدہ ہے، جو دونوں کی مرضی پر ہے، یعنی یہ طے نہیں ہوا کہ ہم گندم کی عوض ضرور چھوڑہ لیں گے اور اس کاشتکار کی اس خواہش اور درخواست کا بھی کچھ ڈر نہیں کہ چھوڑہ لے لو (۲)۔

(النور ص ۷ بابت ماہ رمضان المبارک ۵۶ھ)

(*) اس تقریر مختصر و جامع سے ساتوں سوالوں کا جواب حاصل ہوگیا۔ ۱۲ منہ

---

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ٦٣۔

عن طارق بن شهاب قال: أول من قدم الخطبة قبل الصلاة مروان، فقام رجل، فقال لمروان: خالف السنة، فقال: يا فلان! ترک ما هناک؟ فقال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكرا فلينكره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان. (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، النسخة الهندية ٢/ ٤٠، دارالسلام رقم: ٢١٧٢)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥٠، بيت الأفكار رقم: ٤٩۔

(۲) **عن ابن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن** ←

تتمہ سوال قدیم ۵۲۸/۳- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر فصل ربیع میں پیداوار کم ہوا، غلّہ چارہ باقی کچھ جزورہ گیا تب بھی زمیندار کو اختیار ہے وہ اپنی خواہش سے اگر ضرورت ہو بقایا غلّہ میں کل چھوڑہ لے لے اگر چھوڑہ کی ضرورت نہ ہو تو فصل ربیع ہی میں اپنا غلّہ پورا لے لیوے؟

الجواب: اس کا بھی کچھ حرج نہیں(۱)۔ (النورص ۷، بابت ماہ رمضان المبارک ۵۶ھ)

تتمہ سوال قدیم ۵۲۸/۳- اور اکثر جگہ یہ عام رواج ہے، پانی پت میں سب جگہ ہے، جس قدر غلّہ کاشتکار سے طے ہوجاتا ہے فصل خریف کی پیداوار میں مکی یا چھوڑہ ایک ثلث

← **رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرّم حلالا أو أحلّ حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرّم حلالا أو أحل حراما.** (ترمذي شريف، كتاب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۵، دارالسلام رقم: ۳۵۹٤۔

المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۲۳، قديم ٤/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۱۳، رقم: ۷۰۵۹۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰۔

سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹۔

(۱) عن ابن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرّم حلالا أو أحلّ حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرّم حلالا أو أحلّ حراما. (ترمذي شريف، كتاب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۵، دارالسلام رقم: ۳۵۹٤۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰۔

سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹۔

المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۲۳، قديم ٤/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۱۳، رقم: ۷۰۵۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور ربیع کی فصل میں غلّہ گندم دوثلث، اگر کاشتکار فصل خریف بوجہ عدم پیداوار مکی یا چھوڑہ ایک ثلث نہ ادا کر سکے تو فصل ربیع میں کل گندم ہی پورا ادا کرے گا۔

الجواب: کیا غلّہ سے گندم مراد ہے، اور لینے کے وقت مکی یا چھوڑہ لیتے ہیں، یا یہ کہ طے اسی طرح ہوتا ہے جیسے تفصیل لکھی ہے، ہر صورت کا حکم جدا ہے عبارت صاف نہیں۔ (النور ص ۷ رمضان ۵۶ھ)

تتمہ سوال قدیم ۳/ ۵۲۸- اب دریافت طلب یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے کل غلہ گندم کے بجائے اسی قدر برابر چھوڑہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: لے سکتے ہیں، ایک شرط سے وہ شرط ذیل میں آتی ہے۔ (النور ص ۷ رمضان ۵۶ھ)

تتمہ سوال قدیم ۳/ ۵۲۰- یا حسب ضرورت پانچ من چھوڑہ خریف میں وصول کیا، باقی ربیع میں یہ پانچ من غلہ چھوڑہ وضع کر کے برابر باقی غلہ وصول کیا جاوے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بھی جائز ہے اسی شرط مذکور سے، وہ شرط جواز کی یہ ہے کہ جس مجلس میں یہ بات طے ہوئی ہے کہ مقرر شدہ گندم کے عوض مکی یا چھوڑہ لیں گے، خواہ کُل گندم کے عوض یا جزو گندم کے عوض اسی مجلس میں اس مکی یا چھوڑہ پر قبضہ ہو جاوے، یہ نہ ہو کہ طے تو ہوا ایک مجلس میں اور قبضہ ہو دوسری مجلس میں (۱) اگر

---

(۱) **وإن وجد القدر والجنس حرم الفضل والنسأ، وإن وجد أحدهما وعدم الآخر حل الفضل وحرم النسأ.** (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل السادس: في تفسير الربا وأحكامه، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۱۱۷، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۱۸)

فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط حل التفاضل لا النسأ، ولو بالتساوي. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲۱)

وإن وجد أحدهما أي القدر وحده أو الجنس حل الفضل وحرم النسأ، ولو مع التساوي الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۰۴، كراچی ۵/ ۱۷۲)

وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ. (هداية، البيوع، باب الربا، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۷۹)

النهر الفائق، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۷۱۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

فرض کیجئے کہ جس مجلس میں یہ مبادلہ تجویز ہوا ہے اس وقت گندم یا مکی موجود نہیں اور اس لئے قبضہ نہیں ہوسکتا تو ایسا کرنا چاہئے کہ اس مجلس میں صرف وعدہ ہو جاوے کہ ہم اس طرح لے لیں گے، پھر جب کاشتکار دینے کیلئے مکی یا چھوڑہ لاوے اُس وقت زبان سے پھر کہا جاوے کہ ہم یہ مکی یا چھوڑہ اتنے گندم کے عوض دیتے ہیں اور زمیندار کہہ دے کہ میں منظور کرتا ہو یہ بہت آسان بات ہے۔

۱۲/رجب ۱۳۵۵ھ (النور ص ۷ و ۸ بابت ماہ رمضان ۱۳۵۶ھ)

کاشتکاری سے استعفیٰ کے متعلق جوابات

سوال (۲۱۶۴): قدیم ۳/۵۲۹- آج کل ایک فتویٰ حضرت کے دست مبارک کا لکھا ہوا خادم کے مطالعہ سے گذرا، جس میں سائل نے حضرت سے کاشتکاری کے متعلق سوال کیا تھا اور استعفائے کاشتکاری کے متعلق چند عذر بیان کئے تھے جن کو ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) اگر میں استعفیٰ دیدوں گا زمیندار کو نہ ملے گا، جو شریک کاشت ہے وہ لے لیگا، قانوناً وہی مستحق ہوگا؟

(۲) اس کاشت کے نو زمیندار ہیں۔

(۳) استعفاء میں پچیس (۲۵) روپے میرے خرچ ہوں گے۔

(۴) گھر والے یعنی شریک کاشت دشمن ہو جائے گا۔

(۵) مقدمہ لڑے گا تو میں تھانہ بھون نہ آسکوں گا تا فیصلہ یہیں رہنا پڑے گا۔

(۶) زمیندار کہتا ہے آپ استعفاء نہ دیں، کچھ لگان مقررہ سے زیادہ دیدیجئے، میں بخوشی اجازت کاشت دیتا ہوں، ان سب عذروں کے بعد حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس صورت میں گناہ نہ ہوگا۔

دریافت طلب جواب میں یہ بات ہے کہ صورت مسئولہ میں باضابط استعفاء کی ضرورت نہیں، محض زبانی معاملہ کرلینا کافی ہوگا؟

الجواب: فی نفسہ کافی ہے(۱) مگر عارض سے نفی کفایت کی ہوسکتی ہے۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۸)

---

(۱) عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرّم حلالا أو أحلّ حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرّم حلالا أو أحلّ حراما. (ترمذي شريف، ←

سوال قدیم ۳/۵۲۹- اور عذروں کے متعلق یہ امر دریافت طلب ہے کہ کس عذر پر یہ حکم متفرع ہے؟

الجواب: نمبر۶ پر۔ (تتمہ خامسہ ص۵۹)

تتمہ سوال ..... اور عذر مندرجہ نمبر ﴿۱﴾ کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اگر مستغفی کی شہادت وغیرہ سے زمیندار کو مل سکے تو مقدمہ کی زیر باری مستغفی اٹھاوے اور شہادت دے یا نہیں؟

الجواب: ضرور دے(۱)۔ (تتمہ خامسہ ص۵۹)

تتمۂ سوال ..... اور عذر نمبر۲ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر ایک ہی زمیندار ہو تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: رضا پر مدار ہے، تعدد پر نہیں(۲)۔ (تتمہ خامسہ ص۵۹)

← الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۵، دارالسلام رقم: ۳۵۹۴۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰۔

سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹۔

المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۲۳، قديم ۴/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۱۳، رقم: ۷۰۵۹۔

(۱) وسبب وجوبها طلب ذي الحق أو خوف فوت حقه بأن لم يعلم بها ذو الحق وخاف فوته لزمه أن يشهد بلا طلب. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الشهادات، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۷۳، كراچی ۵/ ۴۶۱)

وقد يكون تحملها وأدائها أو أحدهما فرضا عينا إذا لم يكن هناک غير ذلک العدد من الشهود الذي يحصل به الحكم وخيف ضياع الحق. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۲۱۷)

بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، مطلب: في بيان ما يلزم الشاهد بتحمل الشهادة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۴۲۵۔

(۲) أخرج البيهقي عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. ←

سوال..... اور عذر نمبر ۳ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر خرچہ استعفاء زمیندار دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: پس یہ عذر نہ رہے گا۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

سوال..... اور عذر نمبر ۴ کے متعلق یہ عرض ہے کہ استعفاء حکم شرعی ہے، اس میں گھر والوں کی مخالفت کا خیال کیا جائے گا؟

الجواب: نہیں (۱) مگر یہ مستقل عذر نہیں۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

تتمۂ سوال..... اور عذر نمبر ۵ کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اگر کوئی شریک کاشت نہ ہو اور مقدمہ لڑنے والا کوئی نہ ہو، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

← **وأخرج أيضا عن أبي حميد الساعديؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢-٥٤٩٣)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٥-٥٠٦، رقم: ١١٤٧٠-

لا يجوز لأحد أن يتصرف في الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند : ١١٠)

(١) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.** (ترمذي شريف، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، دارالسلام رقم: ١٧٠٧)

عن علي -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشا وأمّر عليهم رجلا، وأمرهم أن يسمعوا له ويطيعوا، فأجج نارا وأمرهم أن يقتحموا فيها، فأبى قوم أن يدخلوها، وقالوا: إنما فررنا من النار، وأراد قوم أن يدخلوها فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: لو دخلوها أو دخلوا فيها لم يزالوا فيها، وقال: لا طاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف. (أبوداؤد شريف، الجهاد، باب في الطاعة النسخة الهندية ١/ ٣٥٣، دارالسلام رقم: ٢٦٢٥)

مسلم شريف، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية، النسخة الهندية ٢/ ١٣٧، بيت الأفكار، رقم: ١٨٣٩-١٨٤٠- **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: اس واقعہ کو دخل نہیں۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

سوال (۵۴۰)..... اور عذر نمبر ۶ کے متعلق یہ عرض ہے کہ زمیندار جو اس بات پر راضی ہوا کہ استعفاء نہ دیا جائے اور کچھ بیشی مقرر کرلی جائے اس وجہ سے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر دیدیا جائے گا تو مجھے تو ملے گا نہیں، شریک کاشت لے لیگا، تو بہتر یہی ہے کہ کاشتکار سابق کے پاس رہے، کہ ان سے کچھ تو مجھے بیشی مِل جائے گی؟

الجواب: جو رضا طیب خاطر سے نہ ہو کالعدم ہے(۱)۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

تتمۂ سوال:..... اور اس عذر کے متعلق ایک نئی بات اور دریافت کرتا ہوں کہ اگر زمیندار اس خیال سے کہ ان سے نکال کر کچھ فائدہ نہ ہوگا دوسرا ہی لے لیگا، لگان سابق ہی پر راضی ہوگیا تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کا مدار وہی طیب خاطر ہے(۲)۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

---

(۱) الإكراه غير الملجيء كالضرب المحتمل والقيد ونحوهما يفسد الرضا، ولكنه لا يفسد الاختيار أما الإكراه الملجيء، فإنه يعدم الرضا، ويفسد الاختيار. (معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية دارالفضيلة بيروت ۲/ ۱۵۱)

فالإكراه في نظر الحنفية لا ينافي الاختيار حيث قد يكون صحيحا مع الإكراه غير الملجيء، ويكون فاسدا مع الإكراه الملجيء، ولكن الإكراه بقسميه ينافي الرضا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۲۳۰)

(۲) أخرج البيهقي عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.

وأخرج أيضا عن أبي حميد الساعديؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۸۷-۳۸۸، رقم: ۵۴۹۲-۵۴۹۳)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ۸/ ۵۰۵، رقم: ۱۱۷۴۰۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰) ←

سوال :..... اور اس مسئلہ کے متعلق اتنی اور عرض ہے کہ حضرت نے سفر اعظم گڑھ بمقام بھاگلپور میں فرمایا تھا کہ استعفاء کاشتکاری ضروری ہے تاکہ اس کی اولاد اس کے بعد مدعی کاشتکاری نہ ہو، صورت مسئولہ میں اس صورت پر نگاہ نہ کی جائے گی؟

الجواب :ضرور کی جائے گی، انتقال الی الاولاد کے قبل باضابطہ استعفاء ضروری ہے، نمبر۶ میں عارض سے ایسے امور مراد ہیں ان سائل کو یہ سب نمبر سمجھا دیجئے۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۹)

زمیندار کی زمین میں درخت لگانے کا حکم

سوال (۲۱۶۵) ﴿۱﴾ ایک مسئلہ اور دریافت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کا یہ دستور ہے کہ لوگ غیر آباد زمین میں انبہ وجامن کے درخت لگاتے ہیں اور زمیندار کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اور نہ پھل وغیرہ کچھ لیتا ہے، ہاں جب درخت لگانے والا درخت کو فروخت کرتا ہے تو قیمت میں سے زمیندار چہارم یعنی چوتھائی قیمت لیتا ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کا پھل وغیرہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں درست ہے تو کیا کیا جاوے زمیندار سے اجازت لے لی جاوے۔ یا درخت خرید لیا جاوے۔

نمبر﴿۲﴾ اور اس دستور کے موافق زمیندار کی زمین پر بلا اجازت درخت لگانا جائز ہے یا نہیں۔

نمبر﴿۳﴾ اور اگر بلا اجازت لگا دیا تو درخت کس کا ہوگا؟

جواب: نمبر﴿۱﴾ پھل کھانا درست ہے، اگر زمیندار کی اجازت ہو صراحۃً یا دلالۃً (۱)۔

← **لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا . (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦١، رقم: ٩٦)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچی ٦/ ٢٠٠۔

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه، والإذن عام، سواء كان صراحة أو دلالة.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١١٠)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا . (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦١، رقم: ٩٦)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦۔

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچی ٦/ ٢٠٠۔

نمبر﴿۲﴾ بلا اجازت درست نہیں، لیکن اجازت عام ہے صراحت و دلالۃً کو(۱)۔
نمبر﴿۳﴾ لگانے والے کا، مگر مالک زمین جب چاہے زمین خالی کرالے(۲)۔

رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۰)

موروثی کاشتکار کو زمیندار کے اجازت دینے کی شرائط کا بیان

سوال (۲۱۶۶): قدیم ۳/ ۵۳۱- نمبر﴿۱﴾ زمیندار اگر بطیب خاطر یہ کہہ دے کہ تم اپنی کاشتکاری پر قابض ہو مجھے کچھ رنج وملال نہیں، میری مالگذاری مجھے وقت پر دیا کرو۔ پس اسی میں خوش ہوں، اس بات کو کاشتکار کے روبرو بھی کہا، اور غیبت میں بھی اور لوگوں سے کہا یہ کاشتکاری جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) **أنظر إلى الحاشية المتقدمة آنفا.**

(۲) **عن سعيد بن زيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أحيىٰ أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسي عن قوله: "وليس لعرق ظالم حق" فقال: العرق الظالم الغاصب الذي يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذي يغرس في أرض غيره، قال: هو ذاک.** (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات، النسخة الهندية ۱/ ۲۵٦، دارالسلام رقم: ۱۳۹٤-۱۳۹٦)

من بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد، وللمالک أن يضمن له قيمة بناء أو شجر أمر بقلعه إن نقصت الأرض به. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۸۳-۲۸٤، كراچی ٦/ ۱۹٤)

ومن بنى في أرض غيره أو غرس فيها شجرا أمر الباني والغارس بالقلع والرد، وإن كانت تنقص بالقلع فللمالک أن يضمن له قيمتهما مامورا بقلعهما الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۸۷)

هداية، كتاب الغصب، فصل: فيما يتغير بفعل الغاصب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۷۹

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦۳۸)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نمبر﴿۲﴾ اور اس کے مرنے کے بعد بھی دوسرے زمیندار کے وقت میں یہ کاشتکاری جائز رہے گی یا اس کی رضا مندی لینا ہوگا؟

نمبر﴿۳﴾ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے ہمیشہ کے لئے دیدیا، یہ کچھ کام کرے گا یا نہیں؟

الجواب: نمبر﴿۱﴾ یہ کہنا اس لئے کافی نہیں کہ مستقبل میں رضا مندی اس شخص کی معتبر ہوتی ہے کہ جب چاہے اپنے اس تبرع سے رجوع بھی کر سکے، اور یہاں اس پر قدرت نہیں، اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ یہ کاشتکار ایک دفعہ باقاعدہ استعفاء دیدے کہ وہ موروثیت ٹوٹ جاوے اور پھر کرایہ پر لے لے جائز ہے(۱)۔

نمبر﴿۲﴾ خود اصل ہی کے لئے وہ کہنا کافی نہیں اس کے لئے تو کیسے ہوگا، اور اگر اصل کے لئے بھی فرضاً کافی ہوتا تب بھی اس کے لئے ناکافی تھا(۲) جیسا ظاہر ہے۔

نمبر﴿۳﴾ بالکل لغو ہے۔ ۹؍ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۲)

---

(۱) اس سلسلہ میں حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے سوال نمبر: ۲۰۷۴ کے ذیل میں مفصل جواب تحریر فرمایا ہے؛ لہٰذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) اس لئے کہ ایک کے رضا مند ہونے سے ضروری نہیں کہ دوسرا بھی رضا مند ہو؛ لہٰذا دوسرے کی رضا مندی لینا بھی ضروری ہوگا، اس کی رضا مندی کے بغیر جائز نہ ہوگا۔

أخرج البيهقي عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.

وأخرج أيضا عن أبي حميد الساعديؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلک لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧-٣٨٨، رقم: ٥٤٩٢-٥٤٩٣)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٥-٥٠٦، رقم: ١١٤٧٠-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۳/ كتابُ الشربُ

چھوٹے گڈھے کے پانی سے روکنے کا حکم جس میں مملوکہ مچھلیاں ہوں

سوال (۲۱۶۷): قدیم ۳/ ۵۳۲- اکثر ملاح مچھلی کے بچّے دریا سے پکڑ کر بیچتے ہیں اور لوگ خرید کر گڑھے میں پالتے ہیں، جن میں آسمانی پانی جمع ہوتا ہے، تو مچھلی کی حفاظت کے لئے پانی سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ زمین اپنی ملک ہو اور دوسرا پانی قریب ہو تو روکنا جائز ہے، جبکہ اس کے لینے سے مچھلی کو ضرر ہو(۱)۔ ۳/ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۶)

---

(۱) **وفي الأنهار المملوكة، والحوض، والبئر، والقناة لكل حق الشفة إن لم يخف التخريب لكثرة المواشي أو الإتيان على جميع الماء، فإن خيف ذلك فله المنع لتحقق الضرر، ولذا لا سقي أرضه أو شجره إلا بإذن مالكه لما ذكرنا.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٦)

وفي الأنهار المملوكة، والآبار، والحياض لكل شربه وسقي دوابه لا أرضه، وإن خيف تخريب النهر لكثرة البقور يمنع (كنز) وتحته في البحر: بخلاف سقي الأراضي حيث يمنع، وإن لم يكن فيه ضرر؛ لان في إباحة ذلك إبطال حق صاحب الأنهار إذ لا نهاية لذلك فتذهب منفعة صاحب الأنهار فيلحقه بذلك ضرر، بخلاف سقي الدواب؛ لأن مثله لا يلحق به ضرر حتى لو تحققق فيه الضرر يمنع، وهو المراد بقوله: وإن خيف تخريب النهر لكثرة البقور؛ لأن الحق لصاحبه على الخصوص، وإنما أثبتنا ماذكرنا لغيره للضرورة فلا معنى لإبقاءه على وجه يضر بصاحبه. (البحرالرائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٩٢، كوئٹه ٨/ ٢١٣)

الماء الذي في بئر رجل أو حوض رجل فلغيره نوع شركة من حيث الشفة، وسقي دوابه حتى إذا أخذ إنسان من حوض غيره أو بئره ماء للشرب فليس لصاحب الحوض والبئر أن يسترده، فإن كانت الشفة تأتي على الماء كله ذكر شيخ الإسلام خواهرزاده: أن على قول أبي حنيفةؒ ليس له منع ذلك، وذكر شمس الأئمة السرخسي أن في هذا الفصل ←

بڑے تالاب کے پانی سے روکنے کا حکم جس میں مملوکہ وغیر مملوکہ مچھلیاں ہوں

سوال (۲۱۶۸): قدیم ۵۳۲/۳- اور ایسے ہی اگر بڑے تال میں مچھلی پال دیں جس میں قدرتی مچھلی بھی ہو تو اس میں بھی مچھلی کی حفاظت کے لئے پانی سے روکنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں(۱) تاریخ بالا۔ (تتمہ ثانیہ ص۲۶)

← **اختلاف المشايخ، وأكثرهم على أن لصاحب الماء ولاية المنع.** (هندية، كتاب الشرب، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٩١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٤٩)

تبيين الحقائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٨٧، إمداديه ملتان ٦/ ٣٩۔

(۱) **مستفاد: والثاني: ماء الأودية العظام كجيحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه حق الشفة على الإطلاق، وحق سقي الأراضي بأن أحيى واحد أرضا ميتة وكرى منها نهرا ليسقيها إن كان لا يضر بالعامة، ولا يكون النهر في ملك أحد؛ لأنها مباحة في الأصل إذ قهر الماء يدفع قهر غيره.** (هداية، كتاب إحياء الموات، فصل: في مسائل الشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٨٤)

لكل حق الشفة في كل ماء لم يحرز بإناء أو حب، ولكل سقي أرضه من بحر أو نهر عظيم، كدجلة والفرات ونحوهما لأن الملك بالإحراز ولا إحراز؛ لأن قهر الماء يمنع قهر غيره الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب إحياء الموات، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١٢-١٣، كراچی ٦/ ٤٣٨)

والثاني: ماء الأودية العظام كجيحون، وسيحون، ودجلة، والفرات، والنيل للناس فيه حق الشفة على الإطلاق، وحق سقي الأراضي بأن أحيىٰ واحد أرضا ميتة، وكرى منها نهرا ليسقيها إن كان لا يضر بالعامة، ولا يكون النهر في ملك واحد الخ. (هندية، كتاب الشرب، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٩١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٤٩)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، فصل: في الشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٥-٢٣٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۴/ كتابُ الذّبائِح والأضحية والصَّيد والعقيقة

میت کی طرف سے قربانی کا حکم

سوال (۲۱۶۹): قدیم ۳/ ۵۳۲- گائے یا اونٹ کی قربانی میں دو تین آدمی شریک ہوں ان میں سے ایک نے یا ایک سے زائد نے یہ خیال کیا کہ جب سات آدمی تک گائے یا اونٹ کی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اور کسی بزرگ کی طرف سے یا اور کسی اپنے عزیز قریب دوست کی طرف سے خواہ وہ زندہ ہیں یا ان کا انتقال ہو چکا ہے شریک ہو جاؤں اور سات حصے پورے کرلوں اور ان کی طرف سے بقدر حصہ قیمت ادا کروں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے کیونکہ حی اور میت کی طرف سے قربانی کا یکساں حکم ہے۔

في الدر المختار: وإن مات أحد السبعة، وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح -إلى قوله- لقصد القربة من الكل. اھ(۱)۔ واللہ اعلم

۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۱۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٧١، كراچی ٦/ ٣٢٦۔

عن حنش قال: رأيت عليا رضي الله عنه يضحي بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه. (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب الأضحية عن الميت، النسخة الهندية ۲/ ۳۸٥، دارالسلام رقم: ۲۷۹۰)

ترمذي شريف، أبواب الأضاحي، باب الأضحية بكبش، النسخة الهندية ۱/ ۲۷٥، دارالسلام، رقم: ۱٤۹٤۔

وإن مات أحد السبعة وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٤، إمداديه ملتان ٦/ ٧)

وإن مات أحد سبعة الذين شاركوا في البدنة، وقال ورثته وهم كبار اذبحوها عنكم وعنه صح ذبحها استحسانا عن الجميع لوجود قصد القربة من الكل، والتضحية عن ←

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال (۲۱۷۰): قدیم ۵۳۲/۳- میت کی طرف سے اگر قربانی کی جائے تو اس کے گوشت کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار، فرع ۲: من ضحیٰ عن المیت یصنع کما یصنع في أضحیة نفسه من التصدق والأکل والأجر للمیت، والملک للذابح، قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر المیت لا یأکل منها، وإلا یأکل. بزازیة وسیذکره في النظم اھ(۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی میّت کی طرف سے دو طور پر ہے، ایک یہ کہ میت اپنے ترکہ میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر مرا اس قربانی کا تمام گوشت مساکین کو دینا واجب ہے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے مال سے تبرّعاً میّت کی طرف سے قربانی کرے، اس میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے جتنا چاہے دے خواہ کل خود کھالے(۲)۔ فقط واللہ اعلم

۱۸/ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۱۵)

← **الغیر عرفت قربة؛ لأنه علیه السلام ضحی عن أمته.** (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۳)

قال في الأصل: سبعة اشترکوا في بقرة أو بدنة ثم مات بعضهم قبل أن ینحروا، فقال ورثته انحروها عنکم وعن فلان المیت هل یجزیهم؟ القیاس أن لا یجزیهم، وفي الاستحسان یجزیهم الخ. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأضحیة، الفصل السابع في الشرکة في الضحایا، مکتبه زکریا دیوبند ۱۷ / ۴۵۳، رقم: ۲۷۸۰۷)

البحرالرائق، کتاب الأضحیة، مکتبه زکریا دیوبند ۸/ ۳۲۵، کوئٹه ۸ / ۱۷۷۔

هندیة، کتاب الأضحیة، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة في الضحایا، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۳۰۵، جدید زکریا دیوبند ۵ / ۳۵۲۔

(۱) شامي، کتاب الأضحیة، مکتبه زکریا دیوبند ۹ / ۴۷۲، کراچی ۶/ ۳۲۶۔

(۲) **ولو ضحی عن میت من مال نفسه بغیر أمر المیت جاز، وله أن یتناول منه، ولا یلزمه أن یتصدق به؛ لأنها لم تصر ملکا للمیت بل الذبح حصل علی ملکه، ولهذا لو** ←

میت کی طرف سے قربانی کرنے کا طریقہ

سوال (۲۱۷۱): قدیم ۳/ ۵۳۳- متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کا کیا مطلب ہے، آیا اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کرکے اس متوفی کو ثواب پہنچا دے، یا مثل دیگر شرکاء زندہ کرکے اس کا نام حصہ پر قرار دے کر قربانی کرلے۔فقط

الجواب: دونوں طرح درست ہے(۱)۔فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵)

← **كان على الذابح أضحية سقطت عنه، وإن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه ولا يتناول منه؛ لأن الأضحية تقع عن الميت.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۲، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۸)

من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت، والملك للذابح، قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۹۷، كراچی ۱۷/ ۲۷۲)

تبرع بالأضحية عن ميت جاز له الأكل منها والهدية، والصدقة؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي هو المختار، بخلاف ما لو كان بأمر الميت حيث لا يأكل. (فتح المعين، كتاب الأضحية، كراچی ۳/ ۳۸۲)

الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، قبيل كتاب الصيد، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٠۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٥، رقم: ٢٧٧٧٢۔

(۱) **عن حنش قال: رأيت عليا رضي الله عنه يضحي بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه.** (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب الأضحية عن الميت، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٥، دارالسلام رقم: ٢٧٩٠)

ترمذي شريف، أبواب الأضاحي، باب الأضحية بكبش، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، دارالسلام، رقم: ١٤٩٤۔ ←

قربانی کی کھال مدارس میں صرف کرنے اور غنی کو دینے کا حکم

سوال (۲۱۷۲): قدیم ۳/۵۳۳- اس وقت مدرسہ کی یہ حالت ہے کہ اکثر لڑکے مسکین وغریب کے پڑھتے ہیں اور کچھ طلباء باہر کے بھی ہیں مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور غنی کے بھی لڑکے پڑھتے ہیں، مگر بعض لوگ جو غنی ہیں مدرسہ میں چندہ بھی دیتے ہیں، مگر چندہ کافی نہیں ہوسکتا زیادہ پائداری قربانی کی کھال ہی سے معلوم ہوتی ہے، تو آیا قربانی کی کھال فروخت کر کے مدرس کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، اور مدرسہ کے دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں، اور مدرسہ کے کس کس مصرف میں جائز ہے، اور کس میں جائز نہیں، جیسا آپ تحریر فرمائیں ویسا کیا جائے، اور غنی کو قربانی کی کھال دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: فإن بيع الجلد أو اللحم به، أى بمستهلك أو

← **قال في البدائع: لأن الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه، ويحج عنه، وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته، وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح.** (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۱، كراچی ۶/ ۳۲۶)

بدائع الصنائع، كتاب التضحية، شرائط جواز إقامة الواجب، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۲۱۰، كراچی ۵/ ۷۰-

من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت، والملك للذابح. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۲، كراچی ۶/ ۲۹۵)

سئل عمن يضحي عن الميت قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته يريد به أنه يتناول من لحمه كما يتناول من لحم أضحيته، فقيل له: أتصير عن الميت قال: الأجر للميت والملك للمضحي، وبه قال سلمة وابن مقاتل وأبو مطيع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۴، رقم: ۲۷۷۷۱)

خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۲، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۸-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بدراهم تصدق بثمنه. وفي ردالمحتار: وسكت عن بيع اللحم به، أي بما تبقى عينه للخلاف فيه -إلى قوله- والصحيح أنهما سواء الخ (۱)۔

ان روایتوں سے دو امر معلوم ہوئے، ایک یہ کہ کھال کے دام کا تصدق واجب ہے پس غریب طلباء کی اعانت کے سواء دوسرے مصارف میں صرف کرنا جائز نہیں (۲) دوسرا امر یہ کہ غنی کو کھال بعینہ دیدینا جائز ہے (۳) لیکن اگر اس سے یہ غرض حاصل کرنا ہو کہ اہل قربانی غنی کو دیدیں پھر وہ غنی بیچ کر جہاں

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸۔

(۲) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لانه قربة كالتصدق. (هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۱، جديد زكريا ۵/ ۳۴۷)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹۔

(۳) **واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۱، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۷)

ويأكل من لحم أضحيته ويطعم من شاء من غني وفقير. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۳)

ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيا ويدخر ...... ولأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غني، فأولى أن يجوز له إطعام غيره، وإن كان غنيا. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۵، إمداديه ملتان ۶/ ۹)

چاہے صرف کرے، سو اُس کی صحت کے لئے دو شرط ہیں اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں (۱) ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشتہر کرنے کو کافی سمجھا جاوے، کیونکہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کریں، کہ ہم خاص تم ہی کو دیتے ہیں تم مالک ہو اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ نیت مدرسہ میں صرف کرنے کے دیں گے، اور اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا، بلکہ وکیل ہوگا، جس کی بیع بمنزلہ صاحب قربانی کے ہے (۲) اور پھر تصدق واجب ہوگا، جس کی وجہ سے بجز طلباء غرباء کے دوسرے مصارف مندرجہ سوال میں صرف کرنا درست نہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ مالک بھی حقیقتاً بنایا جائے صرف حیلہ نہ ہو۔ جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر یہ غنی اس کو بیع کر کے اپنے خاص حوائج میں خرچ کرے تو اہل عطاء کو ناگوار اور گراں نہ ہو اور اس کی شکایت و مذمت یا دل میں اس سے کدورت و انقباض نہ کریں، اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وہ غنی مالک ہی نہ ہوگا، بلکہ وکیل ہوگا جس کا حکم بضمنِ بیان شرط اول گذر چکا ہے، خوب سمجھ لیا جائے اور مدرسہ چلانے کی ضرورت سے نامشروع افعال کسی طرح مشروع ومباح نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم

۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۱۴)

مثل بالا

سوال (۲۱۷۳): قدیم ۳/ ۵۳۴- قربانی کی کھال کی قیمت سے مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: ويتصدق بجلدها –إلى قوله– فإن بيع اللحم أو الجلد

---

(۱) **ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳۴۴)

(۲) **لأن تصرف الوكيل كتصرف المؤكل.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/ ۲۴۶) بدائع الصنائع، كتاب النكاح، ركن النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۸۷، كراچی ۲/ ۲۳۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

به أو بدراهم تصدق بثمنه (۱)- **وفيه: والصدقة كالهبة بجامع التبرع، وحينئذ لا تصح غير مقبوضة. الخ** (۲)-

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قیمت چرم قربانی کا تصدق بطور تبرع کے واجب ہے، اور ظاہر ہے کہ مدرسین کو تبرعاً نہیں دیا جاتا، لہٰذا تصدق واجب ادا نہ ہوگا، اس لئے جائز نہیں (۳) علی ہذا جس میں تملیک و قبض نہ ہو، جیسے مساجد وغیرہ میں خرچ کرنا یہ بھی جائز نہیں، جیسا دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے (۴)۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۲/ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۵)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸-

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۹، كراچی ۵/ ۷۰۹-

(۳) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لانه قربة كالتصدق. (هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۱، جديد زكريا ۵/ ۳۴۷)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹-

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۶، كوئٹه ۸/ ۱۷۸-

(۴) **مصرف الزكاة والعشر** ...... **وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة. (هندية، كتاب الزكوة، الباب الثامن: في صدقة الفطر، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۴، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۳)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳۴۴) ←

مدارس میں چرم قربانی دینے کا حکم

سوال (۲۱۷۴): قدیم ۳/۵۳۴- چرم قربانی مدارس میں دینا یا اس کی قیمت جائز ہے یا نہیں، اور درصورت جواز متولی کو مدرسہ کی ضرورت کے واسطے چرم کو بیچ کر کتابیں ،فرش وغیرہ بنانا یا خریدنا بلا تملیک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : مدارس میں مصارف مختلف ہیں، مصرف جائز میں صرف کرنے کے لئے مدارس میں دینا درست ہے اور متولی وکیل ہے مالک کا جو تصرف مالک کو درست ہے متولی کو بھی درست ہے(۱) جس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو کھال کسی حاجت مند طالب علم کو مثلاً دیدے یا خود کھال کی کوئی چیز بنوالی جاوے جیسے کتابوں کی جلدیں یا ڈول وغیرہ بنوالے یا خود کھال کے عوض اگر مل سکے ایسی چیز بدل لے جو باقی رہ کر کام آسکے، جیسے فرش وکتاب ولباس وامثال ذلک اور یہ سب صورتیں قبل بیع ہیں، اور اگر کھال کو بعوض روپیہ کے بیچ ڈالا تو اس وقت بجز اس کے کہ کسی حاجت مند کو تملیکاً دیدے اور کسی محل میں صرف کرنا اس کا جائز نہیں، سوان داموں سے کتابیں یا فرش وغیرہ خریدنا درست نہ ہوگا، اور اگر ایسا کیا تو ان چیزوں کا تصدق واجب ہوگا، اور اگر تصدق کے وقت کسی وجہ سے ان کی قیمت کم ہو جاوے تو اس کمی کا اپنے پاس سے ضمان دینا ہوگا، اور وہ ضمان بھی تصدق کیا جاوے گا۔

← **ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد** (درمختار) **وفي الشامية: قوله: "نحو مسجد" كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچى ۲/ ۳٤٤)

ولا تدفع لبناء مسجد؛ لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه. (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸)

هندية، كتاب الزكوة، الباب السابع: في المصارف، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۰۔

(۱) **التوكيل تفويض ما يملكه المؤكل إلى غيره.** (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، بيان حكم التوكيل، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ۲۳، كراچى ٦/ ۲٤) ←

في الدرالمختار: ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال، وجراب، وقربة، وسفرة، ودلو أو يبذله بما ينفع به باقيا كمامر لابمستهلک کخل ولحم ونحوه كدراهم، فإن بيع اللحم والجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه اھ۔ وفي رد المحتار: كما مر أي في أضحية الصغير (۱)۔ وقال في أضحية الصغير وما بقي يبذل بما ينتفع الصغير بعينه كثوب وخف. في ردالمحتار: ظاهره أنه لا يجوز بيعه بدراهم، ثم يشتري بها ماذكره، ويفيده ما نذكره عن البدائع (۲)۔ وفي رد المحتار،

← فيشترط في المؤكل أن يكون ممن يملک فعل ما وكل به بنفسه؛ لأن التوكيل تفويض ما يملكه من التصرف إلى غيره. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ٤۱)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۷۵، كراچی ٦/ ۳۲۸۔

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو أو يشتري به أي بالجلد ما ينتفع به مع بقاءه كغربال ونحوه؛ لأن للبدل حكم المبدل لا ما يستهلک أي لا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک كخل وشبهه، فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۷٤)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه آلة تسعمل في البيت كالنطع والجرّاب والغربال ونحوها؛ لأن الانتفاع به غير محرم، ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع به في البيت بعينه مع بقائه استحسانا، وذلک مثل ما ذكرنا، ولا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه كالخل والأبازيز اعتبارا بالبيع بالدراهم ...... ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤۵۰)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤۸٦، إمداديه ملتان ٦/ ۹۔

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۱، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳٤۷۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۵۹، كراچی ٦/ ۳۱۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبيل باب الرجوع في الهبة: والصدقة كالهبة (۱)۔ وقال في الدرالمختار في بدء كتاب الهبة: هي تمليک العين مجانا اھ(۲)۔ قلت: فأفاد اشتراط التمليک في الصدقة فحيث ما وقع التصدق يجب فيه التمليک. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ جمادی الاولیٰ ۲۳ھ (امداد ج ۱ ص ۱۶۱)

قربانی کی کھال مسجد کے خادم کو دینا

سوال (۲۱۷۵): قدیم ۳/ ۵۳۵- بعض جگہ دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے خادم یا سقوں کو دے دیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا ہوتا ہے اس صورت میں قربانی میں تو کوئی فرق اور خرابی تو نہیں آتی ؟

الجواب: قربانی میں تو کسی حال میں فرق نہیں آتا مگر یہ امر کہ یہ فعل جائز ہے یا نہیں سو اس کا یہ حکم کہ اگر یہ کھالیں بہ عوض خدمت دی جاتی ہیں اس طرح کہ مشروط یا معروف ہے تو جائز نہیں کیونکہ یہ مبادلہ ہے بمقابلہ منافع خدمت کے جس میں معنی بیع کے ہیں اور بیع اسی غرض سے منہی عنہ (۳) ہے اور اگر تبرعاً

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۵۱۹، كراچی ۵/ ۷۰۹۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۸۸، كراچی ۵/ ۶۸۷۔

(۳) **عن علي رضی الله عنه أن النبي صلى الله عليه و سلم: أمره أن يقوم على بدنه، وأن يقسم بدنه كلها لحومها وجلودها وجلالها، ولا يعطي في جزارتها شيئا.** (بخاري شريف، كتاب المناسك، باب يتصدق بجلود الهدي، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲، رقم: ۶۸۶، ف: ۱۷۱۶)

وأما إعطاء الجزار منها فلا يجوز؛ لأنه في معنى البيع وهو غير جائز بلا نية التصدق. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۸۶، كراچی ۱۷/ ۲۶۳)

ولا يعطي أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع واستفيدت من قوله عليه الصلاة والسلام: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸-۳۲۹)

ولا يعط أجرة الجزار منها شيئا لقوله عليه الصلاة والسلام: لعليؓ عنه: تصدق ←

دی جائے تو جائز ہے (۱) چونکہ تبرعات میں جبر حرام ہے اس لئے جھگڑنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم

ایضاً

سوال (۲۱۷۶): قدیم ۳/ ۵۳۶- قربانی کی کھالوں کا روپیہ آیا ہوا تنخواہ مدرسین میں دینا جائز ہے یا نہیں اور طلبہ کو بطور انعام کے دینا جائز ہے یا نہیں، ہندو ہو یا مسلمان غنی ہو یا فقیر؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو ہر شخص کو اس کا دے دینا اور خود بھی اس سے منتفع ہونا جائز ہے، اور جب فروخت کردی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے (۳)

← **بجلالها وخطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئا، والنهي عنه نهي عن البيع؛ لأنه في معنى البيع؛ لأنه يأخذ بمقابلة عمله فصارت معاوضة كالبيع.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦-٤٨٧، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۱) ولأن ما يدفعه إلى الجزار أجرة عوض عن عمله وجزارته، ولا تجوز المعاوضة بشيء منها، فأما إن دفع إليه لفقره أو على سبيل الهدية، فلا بأس به؛ لأنه مستحق للأخذ. (إعلاء السنن، الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٩٠)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤۔

(۲) إذ لا جبر في التبرع. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٨٤، كراچى ٥/ ١٥٨)

إذ لا جبر في التبرع. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٠٢، كوئٹه ٦/ ١٢١)

(۳) ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجرّاب؛ لأنه جزء منها، فكان له التصدق والانتفاع به، ألا ترى أن له أن يأكل لحمها ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقاءه استحسانا، وذلک مثل ما ذكرنا؛ لأن للبدل حكم المبدل، ولا يشتري به مالا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه ←

اورتصدق کی ماہیت میں تملیک ماخوذ ہے، اور چونکہ یہ صدقہ واجب ہےاس لئے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ کے ہیں (۱)۔ پس مدرسین کی تنخواہ میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں، البتہ غریب مسلمان طالب علم جوزکوٰۃ کا مصرف ہو سکے،اس کوبطورانعام یاامدادخوراک وپوشاک تملیکاً دےدینا جائز ہے(۲) اور ہندواورغنی اس کے مصارف نہیں (۳)۔ فقط (امدادجلداول ص۱۶۸)

← **وعياله، والمعني فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق باللحم والجلد.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجرّاب أو خف أو فرو أو يشترى به ما ينتفع به مع بقاءه كغربال ونحوه لا ما يستهلک كنحل وشبهه، فإن بدل اللحم أو الجلد يتصدق به. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٤)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه آلة تسعمل في البيت كالنطع والجرّاب والغربال ونحوها -إلى قوله- ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨۔

(۱) مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣، كراچى ٢/ ٣٣٩)

ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة. (هندية، كتاب الزكوة، الباب الثامن: في صدقة الفطر، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٩٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٣)

مصرف الزكوة والعشر وما أخذه العاشر من تجار المسلمين، قاله الشمني وعمم القهستاني كل صدقة واجبة هو الفقير الخ. (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٤)

(۲) ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤)

(۳) ولا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ ...... وأما الحربي ولو مستأمنا، فجميع ←

ایضاً

سوال (۲۱۷۷): قدیم ۳/ ۵۳۶- جناب کے رسالہ بہشتی زیور حصہ سوئم صفحہ ۴۵(۱) میں قربانی کے مسائل کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کردے یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کردے، حضور کی اس تحریر کے موافق ہمارے ملک میں عوام الناس قربانی کی کھال بہ نیت خیرات فروخت کر کے خیرات کردیتے ہیں، لیکن امسال ایک شخص حضور کے اس فرمان کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قربانی کا چمڑا بہ نیت خیرات فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا جواب سے جلد مستفید فرماویں فقط؟

الجواب: **قال العيني في شرح الكنز: ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التموّل واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق باللحم والجلد.** اھ (۲)۔

← **الصدقات لا تجوز له اتفاقا.** (الدر المختار مع الشامي، الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۱، كراچی ۲/ ۳۵۲)

لا يدفع إلى ذمي لقوله عليه الصلاة والسلام في حديث معاذ: خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۶۱-۴۶۲)

هندية، الزكوة، باب السابع: في المصارف، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۰۔

ولا يجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصابا، أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضا للتجارة أو لغير التجارة فاضل عن حاجته الأصلية. (هندية، الزكوة، باب المصارف، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۹، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱)

ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان. (الدر المختار مع الشامي، الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۵، كراچی ۲/ ۳۴۷)

النهر الفائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۶۴۔

(۱) اختری بہشتی زیور حصہ سوئم ص: ۴۱۔

(۲) تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۸-۹۔ ←

یہ عبارت نص ہے، بہشتی زیور کے مسئلہ کی صحت میں اور مخالفت کے قول کی عدم صحت میں۔ واللہ اعلم
۵/ محرم ۵۳ھ (النور ص ۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ)

فوق العقدہ ذبح کرنے کا حکم

سوال (۲۱۷۸): قدیم ۳/ ۵۳۶- عقدہ کے اوپر جانور ذبح ہو یا درمیان تو کھانا اس جانور کا حلال ہے یا حرام؟

الجواب: اس میں علامہ شامیؒ نے بہت سا اختلاف نقل کر کے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ تجربہ کاروں سے دریافت کرنا چاہئے کہ فوق العقدۃ ذبح کرنے سے تین رگیں منجملہ چار رگ یعنی حلقوم و مریٔ وودجین کے قطع ہو جاتی ہیں یا نہیں، اگر قطع ہو جاتی ہوں تو حلال ہے ورنہ حرام (۱)۔ ۱۴/ رمضان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

← **لا ما يستهلک أي لا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الهلاک کخل وشبهه، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى أنه لا يتصرف على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل.**
(مجمع الأنهر، کتاب الأضحية، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصدق على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، فلا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة کالتصدق بالجلد واللحم.
(البحرالرائق، کتاب الأضحية، مکتبه زکريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، کوئٹه ٨/ ١٧٨)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة کالتصدق. (هندية، کتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زکريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زکريا ديوبند ٥/ ٣٤٧)

هداية، کتاب الأضحية، مکتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠۔

الدرالمختار مع الشامي، کتاب الأضحية، مکتبه زکريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨۔

(۱) اور چونکہ اب روایت ثقات کے تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ذبح فوق العقدہ ←

ایضاً

سوال (۲۱۷۹): قدیم ۳/ ۵۳۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عروق ذبح کون کون ہیں اور ذبیحہ کی کل عروق قطع نہ ہوویں تو ذبیحہ درست ہے؟

← کی صورت میں بھی عروق منقطع ہوجاتی ہیں، جیسا کہ آگے سوال نمبر:۲۱۸۳ کے ذیل میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کا مشاہدہ اور فتوی اور حضرت والا تھانوری علیہ الرحمہ کا اس مشاہدہ اور فتوی کے بعد اپنے سابقہ فتوی حرمت سے رجوع منقول ہے؛ لہٰذا بالاتفاق ذبح فوق العقدہ کی صورت میں بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔

أقول: والتحرير للمقام أن يقال إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفني وإلا فالحق خلافه إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلک بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذا المقال ودع عنک الجدال. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۵، كراچی ٦/ ۲۹۵)

وفي فوائد الرستغفني: لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بما يلي الصدر تؤكل، وكذا إذا بقيت العقدة بما يلي الرأس، والقول بالحرمة قول العوام وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد ألا ترى –إلى قوله– في الجامع الصغير: لا بأس بالذبح فی الحلق كله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح في الأعلى لابد أن يبقى العقدة من تحت، وكيف يصح هذا على رأي الإمام، وقد قال الإمام: يكفي بقطع الثلاث من الأربع أي ثلاث كان، ويجوز على هذا ترک الحلقوم أصلا فبالأولىٰ أن يحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الذبائح، قديم زكريا ديوبند ٦/ ۳۰٦، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱٦۸)

وفي حاشية ابن عابدين من كتب الحنفية ما خلاصته: صرح في الذخيرة: بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم لا يحل؛ لأن المذبح هو الحلقوم، لكن رواية الرستغفني تخالف هذه حيث قال: هذا قول العوام، وليست بمعتبر فتحل سواء بقيت العقدة مما يلي الرأس أو الصدر؛ لأن المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج، وقد وجد، وقد شنع الاتقاني في غاية البيان على من شرط بقاء العقدة في الرأس وقال: إنه لم يلتفت إلى العقدة في كلام الله تعالىٰ ولا كلام رسوله صلى الله عليه وسلم، بل الزكوة بين اللبة واللحيين، وقد ←

الجواب: عروق ذبح ایک حلقوم ہے، یعنی سانس آنے جانے کی راہ جس کو نرخرا کہتے ہیں، دوسری مری یعنی طعام وشراب کی راہ، تیسرے چوتھے ودجین یعنی دونوں شہ رگ جو حلقوم اور مری کے چپ وراست ہیں، وعروقہ الحلقوم والمری والودجان۔ درمختار۔ اگر کل عروق قطع نہ ہوں تو تین کا کٹ جانا کافی ہے۔

وحل مذبوح بقطع أي ثلاث منها. درمختار (۱)۔ (امداد ج۲ص۱۱۶)

← **حصلت لا سيما على قول الإمام من الاكتفاء بثلاث من الأربع أيًّا كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلا فبالأولىٰ إذا قطع من أعلاه وبقيت العقدة من أسفله.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۷۸-۱۷۹)

حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٦، إمداديه ملتان ٥/ ۲۹۰۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۳۹۲، رقم: ۲۷٦۰۳۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۲٤-٤۲٥، كراچى ٦/ ۲۹٤-۲۹٥۔

والعروق التي تقطع في الذكاة الحلقوم، والمرئ، والودجان، ويكفي قطع ثلاثة منها أيًّا كانت عند الإمام؛ لأن للأكثر حكم الكل الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱٥۸)

والمذبح المرئ، والحلقوم، والودجان، وقطع الثلاث كاف، وهذا الاكتفاء بالثلاث مطلقا قول أبي حنيفة الخ. (كنز الدقائق مع تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٦-٤٥۷، إمداديه ملتان ٥/ ۲۹۰)

حقيقة الذبح قطع الأوداج كلها أو بعضها في الحلق على حسب اختلاف المذاهب، وبيان ذلك أن الأوداج أربعة: وهي الحلقوم، والمرئ، والعرقان اللذان يحيطان بهما ويسميان الودجين، فإذا فرى ذلك كله فقد أتى بالذكاة بكمالها، وإن فرى بعضها دون بعض ففيه خلاف، قال أبوحنيفة: إذا قطع أكثر الأوداج وهو ثلاثة منها أيّ ثلاثة كانت وترك واحدا حل؛ لأن للأكثر حكم الجميع فيما بني على التوسعة في أصول الشرع الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۷۷-۱۷۸) ←

ایضاً

سوال (۲۱۸۰): قدیم ۳/ ۵۳۷- مذبوحہ فوق العقد کا کیا حکم ہے، حلال یا حرام یا مکروہ؟

الجواب: (۱) مذبوحہ فوق العقدۃ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً حرام ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً حلال ہے، چنانچہ طحطاوی نے یہ سب اختلاف نقل کئے ہیں۔ اور جانبین کے دلائل ذکر کئے ہیں لیکن ترجیح حرمت کو دی ہے اور کہا ہے کہ احتیاط متفق علیہ میں ہے، یعنی مذبوحہ تحت العقدۃ بالاتفاق حلال ہے، اسی کو حلال کہنا چاہئے، اور مختلف فیہ سے احتراز واجب ہے۔

قال صاحب المواهب: يتعين الذبح بين الحلق اللبة تحت العقدة، وقيل مطلقا، وكذا قال ابن كمال باشا: لم يجز فوق العقدة، وأفتى بعضهم بالجواز، ومال الزيلعي إلٰى تعين الذبح تحتها، وكذلك الشمني، وذكره نحوه ملا علي، وذكره الشربنلالي عن الزيلعي وأقره، وقال الاتقاني عن الرستغفني: ويجوز أكلها سواء بقيت العقدة مما يلي الرأس أو مما يلي الصدر -إلى قوله- وشنع على من أفتى بالحرمة في ذلك، والذي ظهر لي أن الحق قول الزيلعي ومن معه ...... وعلى كل فالاحتياط في المتفق عليه طحطاوي مختصرا كلكتى، ج۴ ص ۱۵۰ (۲)۔ واللہ اعلم

۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۷)

← هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٧ ـ

والعروق التي تقطع في الذكاة أربعة: الحلقوم وهو مجرى النفس، والمرئ: وهو مجرى الطعام، والودجان: وهما عرقان في جانبي الرقبة يجري فيها الدم، فإن قطع كل الأربعة حلت الذبيحة، وإن قطعت أكثرها فكذلك عند أبي حنيفةؒ. (الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٠)

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع فرما لیا ہے، جیسا کہ آگے سوال نمبر: ۵۳۸ کے ذیل میں منقول ہے۔

(۲) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الذبائح، مكتبه كوئٹه ٤/ ١٥٠-١٥١ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضاً

سوال (۲۱۸۱): قدیم ۳/ ۵۳۷- اگر کسی بکرے.........کا ذبح کرتے وقت ٹیٹو اسب کا سب دھڑ کی طرف چلا جاوے تو ایسے ذبیحہ کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فوق العقدۃ ذبح کرنے میں مُری اور حلقوم اور ودجین کٹ جاویں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ بات اہل تجربہ سے تحقیق کرنا چاہئے، اور جس نے اس صورت میں حرام کہا ہے اس بنا پر کہ اس طرح ذبح کرنے میں عروق نہیں کٹتے، پس اگر یہ بناء صحیح ثابت نہ ہو تو حرمت کا حکم ثابت نہ ہوگا(۱)۔

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۴)

---

(۱) اور چونکہ اب روایت ثقات اور اہل تجربہ کی تحقیق اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں بھی عروق منقطع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ آگے سوال نمبر: ۲۱۸۳ کے جواب میں آ رہا ہے؛ لہٰذا بالاتفاق ذبح فوق العقدہ کی صورت میں بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔

أقول: والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفني وإلا فالحق خلافه إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلک بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذا المقال ودع عنک الجدال. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۵، كراچی ۶/ ۲۹۵)

وفي فوائد الرستغفني: لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بما يلي الصدر تؤكل، وكذا إذا بقيت العقدة بما يلي الرأس، والقول بالحرمة قول العوام وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد ألا ترى -إلى قوله- في الجامع الصغير: لا بأس بالذبح فى الحلق كله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح في الأعلى لابد أن يبقى العقدة من تحت، وكيف يصح هذا على رأي الإمام، وقد قال الإمام: يكفي بقطع الثلاث من الأربع أيّ ثلاث كان، ويجوز على هذا ترک الحلقوم أصلا فبالأولىٰ أن يحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الذبائح، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۰۶، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۸)

قال الإتقاني رحمه الله بعد حكاية قول الرستغفني: ويجوز أكلها سواء بقيت ←

ایضاً

سوال (۲۱۸۲): قدیم ۳/ ۵۳۸- ہدایہ میں ہے: **الذكاة: وهي اختيارية كالجرح فيما بين اللبة واللحيين (۱)۔**

اورقاضی خاں میں ہے: **ومحل الزكاة في المقدور ذبحه أهلياً كان أو وحشياً الحلق كله؛ لقوله عليه الصلوٰة والسلام: الذكاة ما بين اللبة واللحيين (۲)۔**

اورسراجیہ میں ہے: **موضع الذكاة الاختيارية ما بين اللبته واللحيين (۳)۔**

← **العقدة مما يلي الرأس أو مما يلي الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج ما نصه: وهذا صحيح؛ لأنه لا اعتبار لكون العقدة من فوق أو من تحت ألا ترى -إلى قوله- محمد بن الحسن الشيبانيؒ في جامع الصغير: لا بأس بالذبح في الحلق كله أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه، فإذا ذبح في الأعلى لا بد أن تبقى العقدة من تحت ولم يلتفت إلى العقدة لا في كلام الله تعالىٰ ولا في كلام رسوله -صلى الله عليه وسلم- بل الزكوة بين اللبة واللحيين بالحديث، وقدحصلت لا سيما على مذهب أبى حنيفة رضي الله عنه، فإنه يكفتي بثلاث من الأربع أيّ ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلا فبالطريق الأولىٰ أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم.** (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٦، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٠)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٧٨-١٧٩۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٣٩٢، رقم: ٢٧٦٠٣۔

(۱) هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٤۔

(۲) خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٦٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٦٠۔

(۳) الفتاوى السراجية، كتاب الصيد والذبائح، باب الذكاة الاختيارية، مكتبه اتحاد ديوبند ص: ٣٧٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان عبارتوں سے میں نے یہ سمجھا کہ حالت اختیار میں محل ذبح کا جس ہڈی پر دندان قائم ہیں اس کے نیچے سے سرسینہ تک، اب عرض کرتا ہوں کہ یہ سمجھ میری صحیح اور مفتی بہ ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: آپ عبارتوں کے معنی صحیح سمجھے ہیں، مگر گفتگو یہ ہے کہ یہ مابین مطلق ہے، یا مخصوص اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ عروق خاصہ کا کٹنا ضروری ہے، مگر بعض نے اپنے مشاہدہ سے دعویٰ کیا ہے کہ فوق العقدۃ کاٹنے سے یہ عروق نہیں کٹتیں اس لئے انہوں نے اس مابین کا مصداق تحت العقدۃ کہا ہے، تو اس کی تحقیق تشریح عروق سے ہر شخص کر سکتا ہے (۱)۔ فقط

۶/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۴)

---

(۱) اور اب چونکہ اہل تحقیق کے تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں بھی عروق منقطع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ آگے سوال نمبر: ۲۱۸۳ کے جواب میں آرہا ہے؛ لہٰذا بالاتفاق ذبح فوق العقدہ کی صورت میں بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔

أقول: والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفني وإلا فالحق خلافه إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلک بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذا المقال ودع عنک الجدال. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۵، كراچی ۶/ ۲۹۵)

وفي فوائد الرستغفني: لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بما يلي الصدر تؤكل، وكذا إذا بقيت العقدة بما يلي الرأس، والقول بالحرمة قول العوام وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد ألا ترى -إلى قوله- في الجامع الصغير: لا بأس بالذبح فى الحلق كله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح في الأعلى لابد أن يبقى العقدة من تحت، وكيف يصح هذا على رأي الإمام، وقد قال الإمام: يكفي بقطع الثلاث من الأربع أيّ ثلاث كان، ويجوز على هذا ترک الحلقوم أصلا فبالأولىٰ أن يحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الذبائح، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۰۶، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۸)

وفي حاشية ابن عابدين من كتب الحنفية ما خلاصته: صرح في الذخيرة: بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم لا يحل؛ لأن المذبح هو الحلقوم، لكن رواية الرستغفني ←

ایضاً

سوال (۲۱۸۳): قدیم ۳/ ۵۳۸- (۱) جناب حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مطلب کہ آنچہ در بارۂ مذبوحہ فوق العقدہ فتویٰ اوشان باشد ازان مطلع فرمودہ باشند واز مولانا خلیل احمد صاحب نیز جواب خواستا یندہ شدہ است، واز مدرسہ دیوبند شریف نیز جواب باین الفاظ (**أقول باللّٰہ التوفیق: حلّ المذبوح فوق العقدۃ ھو الراجح روایۃً ودرایۃً. فقط واللہ تعالیٰ أعلم.** کتبہ: الاحقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند) آمدہ است اکنون آنچہ بنظر اوشان موجب شریعت غراء آمدہ است ارسال داشتہ باشند تا عندالناس مشکور بودہ باشند۔

← **تخالف ھذہ حیث قال: ھذا قول العوام، ولیست بمعتبر فتحل سواء بقیت العقدۃ مما یلي الرأس أو الصدر؛ لأن المعتبر عندنا قطع أکثر الأوداج، وقد وجد، وقد شنع الاتقاني في غایۃ البیان علی من شرط بقاء العقدۃ في الرأس وقال: إنہ لم یلتفت إلی العقدۃ في کلام اللہ تعالیٰ ولا کلام رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم، بل الزکوۃ بین اللبۃ واللحیین، وقد حصلت لا سیما علی قول الإمام من الاکتفاء بثلاث من الأربع أیًّا کانت، ویجوز ترک الحلقوم أصلا فبالأولیٰ إذا قطع من أعلاہ وبقیت العقدۃ من أسفلہ.** (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۲۱/ ۱۷۸-۱۷۹)

حاشیۃ الشلبي علی تبیین الحقائق، کتاب الذبائح، مکتبہ زکریا دیوبند ٦/ ٤٥٦، إمدادیہ ملتان ٥/ ٢٩٠۔

الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الذبائح، الفصل الثاني، مکتبہ زکریا دیوبند ١٧/ ٣٩٢، رقم: ٢٧٦٠٣۔

(۱) **خلاصۂ ترجمہ سوال:** جناب حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب- اللہ آپ کو سلامت رکھے- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعدہ: خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ آنجناب کے مذبوحۂ فوق العقدہ کے سلسلہ میں فتوی سے مطلع ہو چکے ہیں اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بھی جواب طلب کر چکے ہیں اور مدرسہ دار العلوم دیوبند سے بھی جواب ان الفاظ میں: -اقول باللہ التوفیق- مذبوح فوق العقدہ کا حلال ہونا ہی روایۃً اور درایۃً راجح ہے۔فقط آ چکا ہے۔اب ان حضرات کی نظر میں شریعت کے مطابق جو کچھ تحقیق ہوئی ہے اسے ہم بھیج رہے ہیں، تاکہ عندالناس مشکور ہوں۔

نقل تحریر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی

مکرم محترم جناب حاجی شیر محمد شاہ صاحب! -سلمکم اللہ تعالیٰ- گرامی نامہ مع تحریر فریقین مسئلہ ذبح فوق العقدہ میں پہنچا، اس مسئلہ میں مجھ کو سالہا سال سے تحقیق کا اتفاق ہوا ہے، اور میں نے اس کی تحقیق کے لئے خود گائے کا سر منگا کر دیکھا ہے، میرے نزدیک محرمین جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ذبح فوق العقدہ ہوگا تو حلقوم اور مری قطع نہیں ہوں گے، صحیح نہیں ہے، منشا اس کا عدم تجربہ ہے، دیکھو حلقوم عقدہ پر منتہی نہیں ہوگیا، بلکہ سر کی طرف عقدہ سے اوپر تک چلا گیا ہے؛ لہٰذا یہ دعویٰ کہ اگر ذبح فوق العقدہ واقع ہوگا تو حلقوم اور مُری قطع نہ ہوں گے، نہایت تعجب انگیز ہے، اور یہ ایک ایسا قول ہے کہ نہ اس کی کتاب اللہ سے تائید ہوتی ہے، نہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے؛ بلکہ حدیث: ''الزکوٰۃ ما بین اللبۃ واللحیین'' خود اس کو مصدق ہے، اس کے متعلق جس قدر روایات مولانا محمد سعد اللہ صاحب انصاری مفتی خیر پور نے لکھی ہیں کافی ووافی ہیں، مجھ کو اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں؛ لیکن صرف آپ کے اطمینان کے لئے امام شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط سے نقل کرتا ہوں:

وإن نحر البقرة حلت، و يكره ذلک لما بينا أن السنة فى البقرة الذبح. قال اللّٰه تعالیٰ: ''إن اللّٰه يأمركم أن تذبحوا بقرة'' بخلاف الإبل فالسنة فيه النحر، وهذا لأن موضع النحر من البعير لالحم عليه، وما سوى ذلک من حلقه عليه لحم غليظ، فكان النحر في الإبل أسهل، فأما في البقر أسفل الحلق وأعلاه فاللحم عليه، سواء كما في الغنم فالذبح فيه أيسر، والمقصود تسييل الدم والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه، فالمقصود يحصل بالقطع في أي موضع كان منه، فلهذا حل وهو معنى قوله عليه السلام: الذكوٰة ما بين اللبة واللحيين، ولكن ترک الأسهل مكروه في كل جنس لما فيه من زيادة إيلام غير محتاج إليه. (مبسوط جز ۱۲ كتاب الذبائح (۱)۔

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۳۔

الجواب من اشرف علی

حلت وحرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا مبنی صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدۃ میں حلقوم اور مُری قطع ہوں گے یا نہیں، سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے، مشاہدہ کے بعد اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اور چونکہ مشاہدہ قطع کا روایت ثقات سے محقق ہو چکا اس لئے حلت کا حکم دیا جاوے گا (۱) مدت ہوئی کہ احقر نے اس کی حرمت کا فتویٰ کتب فقہ سے نقل کیا تھا، اب اس سے رجوع کرتا ہوں۔

۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۲۲)

---

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم بديل بن ورقاء الخزاعي على جمل أورق يصيح في فجاج منى، ألا إن الذكاة في الحلق واللبة. الحديث** (سنن الدارقطني، الصيد و الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، رقم: ٤٧٠٩)

الحديث السادس: قال عليه السلام: الذكاة ما بين اللبة واللحيين. (نصب الراية، كتاب الذبائح، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور ٤/ ١٨٥)

أبو داؤد شريف، باب ما جاء في ذبيحة المتردية، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٠، دارالسلام رقم: ٢٨٢٥۔

أقول: والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفني وإلا فالحق خلافه إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذا المقال ودع عنك الجدال. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٢٥، كراچی ٦/ ٢٩٥)

وفي فوائد الرستغفني: لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بما يلي الصدر تؤكل، وكذا إذا بقيت العقدة بما يلي الرأس، والقول بالحرمة قول العوام وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد ألا ترى –إلى قوله– في الجامع الصغير: لا بأس بالذبح فى الحلق كله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح في الأعلى لابد أن يبقى العقدة من تحت، وكيف يصح هذا على رأي الإمام، وقد قال الإمام: يكفي بقطع الثلاث من الأربع أيّ ثلاث كان، ←

ایک ذبیحہ کی کھال بیچ کر دوسرا جانور خریدنے کا حکم

سوال (۲۱۸۴): قدیم ۳/ ۵۳۹- ﴿۱﴾ جو جانور صدقۂ نافلہ کی نیت سے ذبح کیا

←ويجوز على هذا ترك الحلقوم أصلا فبالأولىٰ أن يحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه.

(بزازية على هامش الهندية، كتاب الذبائح، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٠٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٨)

قال الاتقاني رحمه الله بعد حكاية قول الرستغفني: ويجوز أكلها سواء بقيت العقدة مما يلي الرأس أو مما يلي الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج ما نصه: وهذا صحيح؛ لأنه لا اعتبار لكون العقدة من فوق أو من تحت ألا ترى إلى قول محمد بن الحسن الشيبانيؒ في جامع الصغير: لا بأس بالذبح في الحلق كله أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه، فإذا ذبح في الأعلى لا بد أن تبقى العقدة من تحت ولم يلتفت إلى العقدة لا في كلام الله تعالىٰ ولا في كلام رسوله -صلى الله عليه وسلم- بل الزكوة بين اللبة واللحيين بالحديث، وقد حصلت لا سيما على مذهب أبي حنيفة رضي الله عنه، فإنه يكتفي بثلاث من الأربع أي ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلا فبالطريق الأولىٰ أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٦، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٠)

وفي حاشية ابن عابدين من كتب الحنفية ما خلاصته: صرح في الذخيرة: بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم لا يحل؛ لأن المذبح هو الحلقوم، لكن رواية الرستغفني تخالف هذه حيث قال: هذا قول العوام، وليست بمعتبر فتحل سواء بقيت العقدة مما يلي الرأس أو الصدر؛ لأن المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج، وقد وجد، وقد شنع الاتقاني في غاية البيان على من شرط بقاء العقدة في الرأس وقال: إنه لم يلتفت إلى العقدة في كلام الله تعالىٰ ولا كلام رسوله صلى الله عليه وسلم، بل الزكوة بين اللبة واللحيين، وقد حصلت لا سيما على قول الإمام من الاكتفاء بثلاث من الأربع أيًّا كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلا فبالأولىٰ إذا قطع من أعلاه وبقيت العقدة من أسفله. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٧٨-١٧٩)

إعلم بأن الذكاة نوعان: (١) اختياري حالة القدرة، وذلك في اللبة وما فوق ذلك إلى اللحيين هذا هو لفظ القدوري، وفي الجامع الصغير: لا بأس بالذبح في الحلق كله ←

جائے اس کی کھال میں جو فقراء اور مساکین کا حق ہے اس طور پر تصرف کرنا کہ کھال بیچ کر کھال کے داموں سے دوسرا جانور صدقہ کی نیت سے لیا جاوے اور اس کو ذبح کر کے کھال کی قیمت کی بجائے فقراء اور مساکین کو گوشت تقسیم کیا جاوے درست ہے یا نہیں۔

﴿۲﴾ صدقۂ نافلہ کے لئے چند لوگوں نے چندہ کر کے جانور خریدا، اور چندہ دینے والوں میں بعض لوگ فقیر اور محتاج بھی ہیں، تو اب اس جانور کا گوشت ان فقراء اور محتاج لوگوں کو جو چندہ میں شریک ہیں دینا کیسا ہے، اگر درست نہیں ہے تو یہ حیلہ جواز کے لئے کافی ہو سکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً پانچ آدمی ایک ایک روپیہ کے شریک ہیں تو گوشت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ مثلاً زید کا ایک عمرو کا ایک فلاں کا علیحدہ علیحدہ کیا گیا، اور زید کے حصہ سے عمرو کو اور عمرو کے حصہ سے زید کو گوشت دیا گیا؟

الجواب: ﴿۱﴾ درست ہے (۱)۔

﴿۲﴾ قبل تقسیم اگر ایسا کیا تو اس میں جس قدر خود اس شخص کا حصہ ہے جس کو گوشت دیا گیا ہے وہ صدقہ نہ ہوگا، اور بعد تقسیم اگر ایک نے دوسرے کو دیدیا سب کا صدقہ ادا ہو جاوے گا (۲) لیکن اگر پہلے

← **أسفله وأوسطه وأعلاه.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٣٩٢، رقم: ٢٧٦٠٣)

(۱) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ٥/ ٣٤٧۔

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩۔

(۲) صدقہ نام ہے ثواب کی نیت سے تملیک فقراء بلاعوض کا۔ اور پہلی صورت میں یہ مفہوم موجود نہیں اور دوسری صورت میں موجود ہے؛ کیوں کہ پہلی صورت میں خود قابض نہیں اور دوسری صورت میں قابض ہے، جیسا کہ ذیل کے جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ←

سے یہ شرط ٹھہرائی تو ثواب کی امید نہیں، بلکہ اگر اس شرط کے خلاف کرنے سے جبر یا نزاع کا احتمال ہو تو معصیت ہوگی (۱)۔ ۱۵/شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۱۵۶)

حجاز ریلوے میں بطور چندہ چرم قربانی کی قیمت دینے کا حکم

سوال (۲۱۸۵): قدیم ۳/۵۴۰- قیمت چرم قربانی حجاز ریلوے میں دینا کیسا ہے، درست ہے یا نادرست؟

الجواب: چونکہ قیمت چرم قربانی میں تملیک واجب ہے، اور چندہ ریلوے میں تملیک نہیں ہوتی؛ اس لئے اس میں دینے سے ادا نہ ہوگا (۲)۔

۶/ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

← **الصدقة: هي تمليک للمحتاج في الحياة بغير عوض على وجه القربة إلى وجه الله تعالیٰ، أو هي ما يخرجه الإنسان من ماجه على وجه القربة.** (معجم المصطلحات، والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۲/ ۳۶۲)

وفي الاصطلاح: هي تمليک في الحياة بغير عوض على وجه القربة إلى الله تعالیٰ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۳۲۳)

(۱) اس لئے کہ تطوع میں جبر نہیں ہے۔

إذ لا جبر في التطوع. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۸٤، كراچی ٥/ ١٥٨)

إذ لا جبر في التطوع. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٠٢، كوئٹه ٦/ ١٢١)

(۲) **مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

مصرف الزكاة والعشر وما أخذه العاشر من تجار المسلمين قاله الشمني وعمم القهستاني كل صدقة واجبة هو الفقير الخ. (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲٤) ←

خنزیر کے دودھ سے پلے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال (۲۱۸۶): قدیم ۳/۵۴۰- بکری کا بچہ جس نے سور کے دودھ سے پرورش پائی ہو حلال ہے یا نہیں اور اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: كما حل أكل جدي غذى بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذى به يصير مستهلكاً لايبقى له أثر. وفي ردالمحتار: أن ابن المبارك قال: معناه إذا اعتلف أياما بعد ذلک كالجلالة، وفي شرح الوهبانية: إنه يحل إذا ذبح بعد أيام، وإلا لا (۱)۔

← **ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد (درمختار) **وفي الشامية: قوله: "نحو مسجد" كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليک فيه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

ولا تدفع لبناء مسجد؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليک فيه. (مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸)

ولا يدفع إلى بناء مسجد وقنطرة ونحوها، ولا إلى تكفين ميت لعدم صحة التمليک منه. (النهرالفائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٦۲)

هندية، كتاب الزكوة، الباب السابع: في المصارف، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۰۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۹۱-٤۹۲، كراچی ٦/ ۳٤۱۔

أما التي تخلط بأن تتناول النجاسة والجيف وتتناول غيرها على وجه لا يظهر أثر ذلک في لحمها فلا بأس به، ولهذا يحل أكل لحم جدي غذي بلبن الخنزير؛ لأن ←

ان روایات سے معلوم ہوا کہ وہ بچہ حلال ہے؛ لیکن کئی روز تک اس کو دوسرا چارہ دینا چاہئے، اس طرح قربانی بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

۱۷ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

کانجی ہاؤس سے نیلام میں خریدے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال (۲۱۸۷): قدیم ۳/ ۵۴۰- نیلام کانجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا جانوروں کا کانجی ہاؤس بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: **وإن غلبوا (أهل الحرب) على أموالنا وأحرزوها بدراهم ملوكها (۱)**۔

اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار کی ہوجائے گا؛ لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے مِلک میں داخل ہوگیا قربانی بھی اس کی درست

← **لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر.** (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل: في الأكل و الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲٤، إمداديه ملتان ٦/ ۱۰)

ولو أكلت الجلالة النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأنه لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السابع: الحظر والإباحة، المبحث الأول الأطعمة، مكتبه اتحاد ديوبند ۳/ ۵۰۹)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۲٦۷، كراچى ٤/ ۱٦۰۔

وإذا غلبوا على أموالنا -والعياذ بالله- وأحرزوها بدراهم ملوكها الخ. (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۵۸۱)

وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدراهم ملكوها الخ. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۲٤)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب استيلاء الكفار، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ٤٤۲-٤٤۳۔

ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے؛ اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں (۱)۔ اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

كما صرحوا به في الدرالمختار آخر باب جناية البهيمة: أدخل غنما أو ثورا أو فرسا أو حماراً في زرع أو كرم أن سائقا ضمن ما أتلف وإلا لا، وقيل: يضمن، وقال الشامي مرجحاً للقول الثاني: أقول: ويظهر ارجحية هٰذا القول لموافقته لما مر أول الباب من أنه يضمن ما أحدثته الدابة مطلقا إذا أدخلها في ملك غيره بلا إذنه لتعديه، وأما إذا لم يدخلها ففي الهداية، ولو أرسل بهيمة فأفسدت زرعا على فورها ضمن المرسل، وإن مالت يمينا أو شمالا وله طريق آخر لايضمن لما مر. (۲) اھـ۔

۵/ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

---

(۱) **حسنات الأبرار سيئات المقربين.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الطهارة، فصل: فيما يجوز به الاستنجاء، دارالكتاب ديوبند ص: ۵۵)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۱، كراچی ۶/ ۳۴۸)

فإن كان ممن يقتدى به فلم يقدر على منعهم خرج ولم يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۵، كوئٹه ۸/ ۱۸۸)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۳، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۷۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الديات، قبيل باب جناية المملوك، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۸۵، كراچی ۶/ ۶۱۲۔ ←

ایضاً

سوال (۲۱۸۸): قدیم ۳/ ۵۴۱- مویشی نیلام شدہ کانجی ہاؤس کہ جو مالک کے پاس سے خواہ بطورآوارگی یا بذریعہ چوری کانجی ہاؤس میں بند کی گئی ہے، چوری کی تشریح یہ ہے کہ کوئی چور مویشی لایا،اوراس نے کسی الزام سے بچنے کی غرض سے کانجی ہاؤس میں کردی، گورنمنٹ مالک کوکسی ذریعہ سے اطلاع نہیں دیتی، پندرہ روز کانجی ہاؤس میں رکھ کراپنے اختیار سے نیلام کردیتی ہے،اوراس کی قیمت خود سرکار رکھ لیتی ہے ایسے مشتری نیلام کو جائز ہے کہ وہ اس مویشی کوقربانی کرے یا نہیں؟

الجواب: ان دونوں حالتوں میں شرعاً قیمت کا تصدق واجب ہے،خود رکھنا درست نہیں(۱) جب

← **ومن أرسل بهيمة وكان سائقها فما أصابت في فورها ضمن، يعني إذا أرسل إنسان بهيمة وساقها فكل شيء أصابته في فورها فإنه يضمنه.** (البحرالرائق، كتاب الديات، قبيل باب جناية المملوك، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۱۳۷، كوئٹه ۸/ ۳٦۲)

ولو أرسل بهيمة فأفسدت زرعا على فوره أي فور الإرسال، والمراد بفور الإرسال أن لا يميل يمينا ولا شما لا ضمن المرسل، وإن مالت يمينا أو شما لا وله طريق آخر لا يضمن لما مر، وفي الفتاوى الصغرى: أرسل حماره فدخل زرع إنسان فأفسده، فإن ساقه إلى الزرع ضمن، وإن لم يسقها بأن لم يكن خلفها فإن لم ينعطف الدابة يمينا ولا شما لا، وذهب إلى الوجه الذي أرسله صاحبه، فأصاب الزرع ضمن أيضا، وإن انعطف يمينا وشمالا فأصاب الزرع إن كان له طريق آخر لم يضمن، وإلا ضمن في ديار شيخ الإسلام رحمه الله. (البناية، كتاب الديات، باب جناية البهيمة والجناية عليها، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۳/ ۲٦۸)

وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۱۰٦، كراچی ٤/ ٦۱)

البحرالرائق، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤۱ـ

النهرالفائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱٦٥ـ

(۱) من ملك ملكا خبيثا ولم يملك الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء.

(معارف السنن، باب ماجاء في لاتقبل صلاة بغير طهور، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۳٤) ←

بائع کی نیت قیمت خود رکھنے کی ہو اور مشتری کو معلوم ہو تو اس کا خریدنا اعانت علی الغیر المشروع ہے؛ اس لئے درست نہیں (۱) اور استیلاء کا مسئلہ یہاں غامض ہے۔

۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (حوادث ج ۵ ص ۴۶)

← **صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.** (بذل المجهود، الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم ١/ ٣٧، دار البشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٥٩، رقم الحديث: ٥٩)

الواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٥)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٣٨٥۔

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٠، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧۔

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١۔

(٢) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة، رقم الآية: ٢]

تأخذ الإعانة على الحرام حكمه -الحرام- مثل الإعانة على شرب الخمر، وإعانة الظالم على ظلمه لحديث ابن عباس رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أتاني جبرئيل فقال: يا محمد! إن الله عز وجل لعن الخمر وعاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وبائعها، ومبتاعها، وساقيها، ومستقيها. (ترمذي شريف، باب النهي أن يتخذ الخمر خلا، النسخة الهندية ١/ ٢٤٢، دارالسلام رقم: ١٢٩٥)

وعن ابن عمر رضي الله عنه في إعانة الظالم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من أعان على خصومة بظلم أو يعين على ظلم لم يزل في سخط الله حتى ينزع. (أبو داؤد شريف، القضاء، باب في الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٦، دارالسلام، رقم: ٣٥٩٨) ←

خول اترے ہوئے سینگ والی گائے کی قربانی کا حکم

سوال (۲۱۸۹): قدیم ۳/ ۵۴۲- جس گائے کا ایک سینگ کی خول اتر جاوے اور گودی سینگ کی نہ ٹوٹے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب :ایسی گائے کی قربانی درست ہے۔ کذا في الدر المختار و ردالمحتار (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵/ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۱۴)

← **وعن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مثل الذي يعين قومه على غير الحق كمثل بعير تردي في بئر فهو ينزع منها بذنبه.** (الترغيب والترهيب، القضاء، الترهيب من إعانة المبطل ومساعدته، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳۷، دارالكتاب العربي ص: ۴۰۳، رقم: ۳۳۲۴)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۱۹۸۔

(۱) **عن عليؓ قال: البقرة عن سبعة، قلت: فإن ولدت؟ قال: اذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسک، قلت: فمكسورة القرن، فقال: لا بأس أمرنا أو أمرنا رسول صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العينين والأذنين.** (ترمذي شرف، الأضاحي، باب في الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۶، دارالسلام رقم: ۱۵۰۳)

ويضحي بالجماء هي التي لا قرن لها خلقة، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۶۷، كراچى ۶/ ۳۲۳)

ويجوز أن يضحي بالجماء، وهي التي لا قرن لها خلقة وتسمي بالجلجاء أيضا، وكذلك القصما، وهي التي انكسر غلاف قرنها. (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۲۸۵، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۲۷۰)

وتجوز الجماء بتشديد الميم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة إذ لا يتعلق به المقصود، وكذا مكسور القرن بل أولى لما قلنا. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۱)

ويضحي بالجماء، وهي التي لا قرن لها؛ لأن القرن لا يتعلق به مقصود، ←

قربانی کے جانور کے سینگ کا ٹوٹنا عیب ہے یا نہیں؟

سوال (۲۱۹۰): قدیم ۳/ ۵۴۲- نمبر﴿۱﴾ سینگ ٹوٹنا داخلِ عیب قربانی ہے یا نہیں؟ نمبر﴿۲﴾ اگر ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے(۱) تو ہر سینگ میں کس قدر شکست داخلِ عیب ہے، اور ہر ہر سینگ کا مستقل لحاظ ہوگا یا مجموعہ کا کرنا پڑے گا؟

الجواب: نمبر﴿۱﴾ نہیں۔ کذا في ردالمحتار (۲)۔

← **وکذا مکسورة القرن، بل أولیٰ لما قلنا.** (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/ ۴۷۹، إمدادیه ملتان ۶/ ۵)

هندیة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۲۹۷، جدید زکریا دیوبند ۵/ ۳۴۳۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ ہو:

عن علي -رضی الله عنه- قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یضحي بأعضب القرن والأذن. (ترمذي شریف، الأضاحي، باب في الضحیة بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۶، دارالسلام رقم: ۱۵۰۴)

(۲) **ویضحي بالجماء هي التي لا قرن لها خلقة، وکذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالکسر أو غیره.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الأضحیة، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/ ۴۶۷، کراچی ۶/ ۳۲۳)

عن عليؓ قال: البقرة عن سبعة، قلت: فإن ولدت؟ قال: اذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسک، قلت: فمکسورة القرن، فقال: لا بأس أمرنا أو أمرنا رسول صلی الله علیه وسلم أن نستشرف العینین والأذنین. (ترمذي شریف، الأضاحي، باب في الضحیة بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۶، دارالسلام رقم: ۱۵۰۳)

ویجوز أن یضحي بالجماء، وهي التي لا قرن لها خلقة وتسمي بالجلجاء أیضا، وکذلک القصما، وهي التي انکسر غلاف قرنها. (الجوهرة النیرة، کتاب الأضحیة، مکتبہ إمدادیه ملتان ۲/ ۲۸۵، دارالکتاب دیوبند ۲/ ۲۷۰)

وتجوز الجماء بتشدید المیم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة إذ لا یتعلق به ←

نمبر﴿۲﴾ وہ حدیث محمول ہے اولیت پر یا مکسورہ الیٰ الخ پر(۱)۔

ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

سینگ اگر مغز تک ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی کا عدم جواز

سوال (۲۱۹۱): قدیم ۳/ ۵۴۲- قاضی خاں جلد چہارم صفحہ ۳۳۴ میں لکھا ہے: **یجوز الجماء في الأضحية، وهي التي لا قرن لها خلقة، وكذلك مكسور القرن (۲)۔**

اس عبارت کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ جس جانور کا سینگ بالکل یعنی مغز سمیت ٹوٹ گیا ہو قربانی اُس کی بلا کراہت درست ہے یہ سمجھ میری درست ہے یا نہیں بتلا دیجئے۔

الجواب: آپ کا یہ سمجھنا بوجہ اس کے کہ اُس کے خلاف کتب میں مصرح ہے، صحیح نہیں۔

في رد المحتار: فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز. قهستاني ج۵ ص۳۱۵ (۳)۔

۹ ر ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

← **المقصود، وكذا مكسور القرن بل أولى لما قلنا.** (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٩، إمداديه ملتان ٦/ ٥۔

(۱) إن أعضب القرن المنهي عنه هو الذي كسر قرنه أو عضب من أصله حتى يرى الدماغ لا دون ذلك فيكره فقط، ولا يعتبر الثلث فيه، بخلاف الأذن، قلت: وكذا عند الحنفية قال في البدائع: وتجري الجماء، وهي التي لا قرن لها خلقة، وكذا مكسورة القرن تجزئ، فإن بلغ الكسر المشاش لا تجزيه، والمشاش رؤوس العظام مثل الركبتين والمرفقين. (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، قديم ٤/ ٧٤)

بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يرجع إلى محل التضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢١٦۔

(۲) خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل في العيوب ما يمنع الأضحية وما لا يمنع، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٩۔

(۳) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٧، كراچی ٦/ ٣٢٣۔

فإن بلغ الكسر المشاش لا تجزيه، والمشاش رؤوس العظام مثل الركبتين والمرفقين.

(بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يرجع إلى محل التضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢١٦) ←

جڑ سے ٹوٹے ہوئے سینگ والی گائے کی قربانی جائز نہیں

سوال (۲۱۹۲): قدیم ۳/۵۴۲- ایک گاؤ واسطے قربانی کے ہے، کہ جس کے سینگ دونوں جڑ سے ٹوٹ گئے ہیں اور اندر کے گودے یعنی ہڈی نہیں ٹوٹی ہے، تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في ردالمحتار: ويضحي بالجماء هي التي لا قرن لها خلقة، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز. قهستاني. وفى البدائع: إن بلغ الكسر المشاش لا يجزئ، والمشاش رؤوس العظام مثل الركبتين والمرفقين (۱)۔

جب گائے کے سینگ ٹوٹ گئے تو اندر کی جو ہڈی جوڑ کی ہے، جس کے اندر مغز ہے، وہاں تک شکستگی پہنچ گئی، پس برروایت مذکورہ اس کی قربانی جائز نہیں، گو اندر کی ہڈی نہ ٹوٹی ہو (۲)۔ واللہ اعلم

۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۵)

← أما مكسورة القرن سواء أكانت عضباء أم قصماء، فإنها تجزئ عند الحنفية إذا لم يبلغ الكسر المشاش، فإذا بلغ الكسر المشاش فإنها لا تجزئ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/ ۲۹٤)

ويجوز بالجماء التي لا قرن لها، وكذا مكسورة القرن، كذا في الكافي، وإن بلغ الكسر المشاش لا يجزيه، والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين. (هندية، الأضحية، الباب الخامس، قديم زكريا ديوبند ٥/ ۲۹۷، جديد زكريا ديوبند ٥/ ۳٤۳)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٦۷، كراچی ٦/ ۳۲۳۔

(۲) سینگ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: (۱) اوپر کا خول۔ (۲) سینگ کی شکل میں خول کے اندر کا گودا، یہ بھی سینگ جیسا ہی ہوتا ہے، اب مسئلہ یہ سمجھنا ہے کہ اگر خول جڑ سے ٹوٹ کر نکل جائے اور اندر کا گودا باقی ہے، تو بالاتفاق اس کی قربانی جائز ہے۔ اور گودا بھی ٹوٹ گیا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر گودا بھی جڑ سے ٹوٹ جائے تو کسی کے نزدیک بھی اس کی قربانی جائز نہیں، اسی کو "إلى المخ" اور "إلى المشاش" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر اندر کا گودا جڑ سے نہیں ٹوٹا ہے؛ بلکہ درمیان سے ٹوٹ گیا ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ ←

فقیر پر جانور معین کی قربانی کی نیت سے بھی قربانی واجب نہیں

سوال (۲۱۹۳): قدیم ۳/۵۴۳- ایک شخص غیر صاحب نصاب نے موسم قربانی میں

← **في العيني تحت قوله: ''لما قلنا'' ش: أن القرن لا يتعلق به مقصود، وبه قال الشافعيؒ، وقال أحمدؒ: إن إنكسر أكثر من نصف القرن لا يجوز، وما دونه يجوز، لما روينا عن علي رضي الله عنه أنه قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن يضحي بعضباء الأذن والقرن، والعضب الكثير من النصف، فكرهت ذلک، رواه أبوداؤد، وقال مالكؒ: إن كان قرنها يدمي كثيرا لم يجزه، وإلا جاز؛ لأن مالا دماء لها اعتبر كالمريضة.** (البناية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۲/ ۳۸-۳۹)

وأما العضب فهو ذهاب أكثر من نصف الأذن أو القرن، وذلک يمنع الإجزاء أيضا، وبه قال النخعي، وأبويوسفؒ ومحمد، وقال أبوحنيفة والشافعي: تجزئ مكسورة القرن الخ. (المغني لابن قدامة، الأضحية، مسألة فيما يجتنب من الضحايا، دارالفكر بيروت ۹/ ۳۵۰، رقم: ۷۸۶۱، دارالكتب العلمية بيروت ۱۳/ ۳۷۰، رقم: ۱۷۵۳)

أما مكسورة القرن سواء أكانت عضباء أم قصماء، فإنها تجزئ عند الحنفية إذا لم يبلغ الكسر المشاش، فإذا بلغ الكسر المشاش فإنها لا تجزئ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/ ۲۹٤)

ويجوز بالجماء التي لا قرن لها، وكذا مكسورة القرن، كذا في الكافي، وإن بلغ الكسر المشاش لا يجزيه، والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين. (هندية، الأضحية، الباب الخامس، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۷، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳٤۳)

مكسورة القرن تجزي عند الحنفية ما لم يصل الكسر إلى المخ أي رأس العظام. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الثامن: الأضحية والعقيقة، المبحث الرابع: المطلب الرابع: أوصاف الحيوان المضحي، مكتبه اتحاد ديوبند ۳/ ۶۲۰)

بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، مكتبه يحيوي سهارنپور قديم ٤/ ۷٤۔

بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يرجع إلى محل التضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ۲۱۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک جانور قربانی کیا، اور ایک بزغالہ جواس کی ملک تھا اس پر اشارہ کر کے کہا کہ بسال آئندہ انشاء اللہ اسے قربانی کروں گا، آیا یہ نیت منعقد ہوگئی، اور اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی یا اس کے بدلے دوسرا بھی کرسکتا ہے؟

الجواب: في رد المحتار تحت قول الدر المختار: وفقير شراها لها مانصه فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها أو اشتراها ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلک لايجب؛ لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. بدائع (۱)۔

بنابراس روایت کے صورت مسئولہ میں اس شخص پر اس بزغالہ کی قربانی واجب نہیں۔ فقط

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۶)

اہل کتاب اور اہل یورپ کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۱۹۴): قدیم ۳/ ۵۴۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ذبیحہ کافر کتابی ذبیحہ مسلم تارک الصلوٰۃ اور فروختہ ہندو کیسا ہے؟

الجواب: ذبیحہ کتابی کا بنص قرآنی حلال ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم. أى ذبائح اليهود والنصارى. جلالين (۲)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٦٥، كراچى ٦/ ٣٢١۔

ولو كان في ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلک أن يضحي بها لا يجب عليه، سواء كان غنيا أو فقيرا؛ لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٣، كراچى ٥/ ٦٢)

ولو ملک إنسان شاة، فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلک أن يضحي بها لا تجب عليه، سواء كان غنيا أو فقيرا. (الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٦)

(۲) جلالين شريف، تحت تفسير قم الآية: ٥ من سورة المائدة، مكتبه رشيديه دهلى ص:٩٥۔

أجمعوا على أن المراد بطعام الذين أوتوا الكتاب ذبائحهم خاصة. (تفسير الخازن، سورة المائدة، دارالمعرفة بيروت ١/ ٣٣٨) ←

مگر شرط یہ ہے کہ غیر خدا کے نام سے ذبح نہ کرے ورنہ حرام ہے۔ **في الدرالمختار: إلا إذا سمع منه عند الذبح ذكر المسيح (۱)۔**

اور بعض فقہاء نے شرط لگائی ہے کہ کتابی یہودی معتقد الوہیۃ عزیر علیہ السلام ونصرانی معتقد الوہیۃ عیسیٰ علیہ السلام نہ ہو، مگر عامہ روایات مطلق ہیں، مگر احتیاط یہ ہے کہ موضع اختلاف سے تحریز کریں۔ **هكذا حققه العلامة الشامي في ردالمحتار (۲)**۔ ذبیحہ تارک الصلوٰۃ کا حلال ہے، کیونکہ نماز شرائط جواز ذبح سے نہیں۔

← **عن قيس بن سكن الأسدي قال: قال عبدالله: إنكم نزلتم بين فارس والنبط، فإذا اشتريتم لحما، فإن كان ذبيحة يهودي أو نصراني فكلوه، وإن ذبحه مجوسي فلا تأكلوه.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب السير، ماقالوا في طعام اليهودي والنصارى، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۷/ ۴۲۰، رقم: ۳۳۳۶۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۳۰، كراچی ۶/ ۲۹۷۔

(۲) **وهل يشترط في اليهودي أن يكون إسرائيليا، وفي النصراني أن لا يعتقد أن المسيح إله، مقتضى إطلاق الهداية وغيرها عدمه، وبه أفتى الجد في الإسرائيلي، وشرط في المصطفى في حل مناكحتهم عدم اعتقاد النصراني ذلك، وفي المبسوط: ويجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إن اعتقدوا أن المسيح إله، وأن عزيرا إله، ولا يتزوجوا بنسائهم، لكن في مبسوط شمس الأئمة: وتحل ذبيحة النصارى مطلقا، سواء قال ثالث ثلاثة أو لا مقتضى الدلائل الجواز، كما ذكره التمرتاشي في فتاواه، والأولىٰ أن لا يأكل ذبيحتهم ولا يتزوج منهم إلا للضرورة، كما حققه الكمال ابن الهمام، وفي المعراج أن اشتراط ما ذكر في النصارى مخالف لعامة الروايات.** (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۳۰، كراچی ۶/ ۲۹۷)

وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعا؛ لأن خلاف الأئمة لا سيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: الحلال بين، والحرام بين، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه. (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۴۲۱، كراچی ۱۴/ ۳۶۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدرالمختار: وشرط كون الذابح مسلما الخ (۱)۔ من غير تقييده بالمصلي. ذبیحہ فروختہ ہندو حلال نہیں، اگرچہ وہ کہے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے۔

وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات، لا في الديانات. درمختار. وفي رد المحتار عن التاتارخانية عن جامع الجوامع لأبي يوسف: من اشترى لحما فعلم أنه مجوسي وأراد الرد، فقال ذبحه مسلم يكره أكله اھ. **ومفاده اَنَّ مجرد كون البائع مجوسيا يثبت الحرمة، فإنه بعد إخباره بالحل بقوله: ذبحه مسلم كره أكله فكيف بدونه تأمل** اھ (۲)۔ البتہ اگر وقت ذبح سے وقت اشتراء تک کوئی مسلمان اس کو دیکھتا رہے اس وقت حلال ہے۔ (امداد ج۲ص۱۱۶)

ایضاً

سوال (۲۱۹۵): قدیم ۳/ ۵۴۴- حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وطعام الذين أوتوا**

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۷، کراچی ۶/ ۲۹۶۔

مما سبق تعرف شروط الذابح وهي: أن يكون مميزًا عاقلا مسلمًا، أو كتابيًا ذميًا، أو حربيًا -إلى قوله- عدلا أو فاسقا لعموم الأدلة وعدم المخصص. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصيد والذبائح، المبحث الأول، هدى انٹرنيشنل ديوبند ۳/ ۶۴۹)

فإن ذبح كل مسلم وكل كتابي حلال ...... برا كان أو فاجرا. (النتف في الفتاوى، كتاب الذبائح، مكتبه سعيد كراچی ص: ۱۴۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۷، کراچی ۶/ ۳۴۴۔

ولا يقبل قول الكافر في الديانات، كالحل والحرمة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۸، جديد زكريا ۵/ ۳۵۶)

لا يقبل قول الكافر في الديانات، وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصة للضرورة الخ. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل: في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۲، کوئٹه ۸/ ۱۸۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الکتاب حل لکم أي ذبائحهم کما أجمع علیه المفسرون (۱)۔ تو کیا بلاد یورپ کے سفر کرنے والے مسلمانوں کو وہاں کے حلال مواشی کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں کئی مقام پر کلام ہے، مقام اول۔ یہ کہ آیت اہل کتاب کے باب میں ہے، اور اہل کتاب کسی قوم کا نام نہیں، بلکہ اس مذہب والوں کا لقب ہے جو کسی نبی مرسل کی تصدیق کرتے ہوں کسی کتاب منزل کا اقرار کرتے ہوں۔ کذا في الدر المختار، کتاب النکاح (۲)۔

اور آج کل جو اہل یورپ کے حالات مسموع ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے ہیں جو محض قوم کے اعتبار سے عیسائی سمجھے جاتے ہیں، لیکن مذہب کے اعتبار سے وہ عیسائی بالکل نہیں بلکہ خود وہ لوگ نفس مذہب ہی کو بیکار بتلاتے ہیں اور محض الحاد و دہریت کے خیالات رکھتے ہیں جو کہ ان میں سائنس کے اشتغال وانہماک سے یا ایسے لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوگئے ہیں، چنانچہ ان کی تقریرات

---

(۱) **وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم. أي ذبائح الیهود والنصاری.** (جلالین شریف، تحت تفسیر رقم الآیة: ۵ من سورة المائدة، مکتبه رشیدیه دهلی ص:۹۵)

أجمعوا علی أن المراد بطعام الذین أوتوا الکتاب ذبائحهم خاصة. (تفسیر الخازن، سورة المائدة، دارالمعرفة بیروت ۱/ ۳۳۸)

(۲) **وصح نکاح کتابیة مؤمنة بنبي مرسل مقرة بکتاب منزل** (درمختار) **وفي الشامیة: في النهر عن الزیلعي، واعلم أن من اعتقد دینا سماویا، وله کتاب منزل کصحف إبراهیم وشیث، وزبور داؤد فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتم وأکل ذبائحهم.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب النکاح، فصل: في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ۴/ ۱۳۴، کراچی ۳/ ۴۵)

وکل من یعتقد دینا سماویا، وله کتاب منزل کصحف إبراهیم علیه السلام وشیث، وزبور داؤد فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتم وأکل ذبائحهم. (هندیة، کتاب النکاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك، قدیم زکریا دیوبند ۱/ ۲۸۱، جدید زکریا ۱/ ۳۴۷)

البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل: في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۲، کوئٹه ۳/ ۱۰۳۔

النهرالفائق، کتاب النکاح، فصل: في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۵۹۔

وتحریرات اس پر شاہد ہیں، پس ان لوگوں کا قوم عیسائی سے شمار کیا جانا یاان کا اپنے کو بہ مصلحت تمدنی عیسائی کہہ دینا کافی نہیں، جب عیسائی نہیں تو ایسے شخصوں کے احکام بھی مثل اہل کتاب کے نہ ہوں گے، پس ذبیحہ بھی..........ان کے ہاتھ کا حلال نہ ہوگا، اور جب اکثر ایسے ہی ہیں تو تاوقتیکہ بالیقین کسی خاص ذبیحہ کے ذابح کا اعتقاداً کتابی ہونا بالیقین نہ ثابت ہوجاوے ان ذبائح سے عموماً احتیاط واحتراز واجب ہے۔

في الدر المختار مسائل شتی: غنم مذبوحة وميتة، فإن كانت المذبوحة أكثر تحری وأكل، وإلا بأن كانت الميتة أكثر أو استويا لا يتحري اھ(۱)۔

مقام ثانی۔ کتابی کے ذبیحہ کے حلّت کی یہ بھی شرط ہے کہ اس نے ذبح کرنے کے وقت اس پر اللہ کا نام بھی لیا ہو، اگر عیسیٰ علیہم السلام کا نام لے یا کچھ بھی نہ کہے تو وہ حلال نہ ہوگا۔

في الدر المختار، كتاب الذبائح: أو كتابياً ذمياً، أو حربياً إلا إذا سمع منه عند الذبح ذكر المسيح اھ(۲)۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۵۹، كراچی ۶/ ۷۳۶۔

غنم مذبوحة وميتة، فإن كانت المذبوحة أكثر تحرى وأكل، وإلا لا. (البحر الرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۴۵، كوئٹه ۸/ ۴۷۸)

تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۴۹، إمداديه ملتان ۶/ ۲۱۹۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۳۰، كراچی ۶/ ۲۹۷۔

وحل ذبيحة مسلم وكتابي، ويشترط أن لا يذكر فيه غير الله تعالى، حتى لو ذكر الكتابي المسيح أو عزيرا لا يحل لقوله تعالیٰ: وما أهل به لغير الله، وهو كالمسلم في ذلك، فإنه لو أهل به لغير الله لا يحل. (البحر الرائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۰۶، كوئٹه ۸/ ۱۶۸)

تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۴۹، إمداديه ملتان ۵/ ۲۸۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بلکہ بعض نے تو اعتقادِ تثلیث کو بھی مانع حل ذبیحہ کہا ہے، اور بعض نے گو اس قاعدہ کو مانع نہیں کہا ہے، مگر اولیٰ ہر حال میں عدم اکل ہی کو کہا ہے۔ **كذا في الدر المختار (۱)**۔

لیکن اگر ان اخیر کے دونوں قولوں پر عمل نہ بھی کیا جاوے تب بھی یہ تو اجماعاً شرط ہے کہ اس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو(۲) جب یہ شرط ہے اور وہاں اس کا بھی اطمینان نہیں، بلکہ حالات سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ **ذابحین** اس کا التزام نہیں کرتے یہ بھی مانع حلت ہوگا، غرض نہ **ذابحین** کا کتابی ہونا معلوم اور نہ ذبح کے وقت تسمیہ کا التزام معلوم، لہٰذا ان ذبائح کے حلت کی کوئی صورت نہیں۔

مقام ثالث: اگر ذبح بشرائط مذکورہ بھی ہوا ہو لیکن یہ امر کہ یہ ذبیحہ کتابی کے ہاتھ کا ہے نہ مشاہدہ سے معلوم ہوا اور نہ کسی مسلم عادل کی خبر سے تب بھی بوجہ اس کے کہ دیانات میں مخبر کا اسلام اور عدالت شرط ہے، کما صرح الفقہاء بہ اس صورت میں حلت کا حکم نہ ہوگا(۳) البتہ اگر سب شرطیں حلت کی متحقق و متیقن ہوں

---

(۱) وفي المبسوط: ويجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إن اعتقدوا أن المسيح إلـه، وأن عـزيـرا إله، ولا يتزوجوا بنسائهم، لكن في مبسوط شمس الأئمة: وتحل ذبيحة الـنـصارى مطلقا، سواء قال ثالث ثلاثة أو لا مقتضى الدلائل الجواز كما ذكره التمرتاشي فـي فتـاواه، والأولىٰ أن لا يأكل ذبيحتهم ولا يتزوج منهم إلا للضرورة، كما حققه الكمال ابن الهمام، وفي المعراج أن اشتراط ما ذكر في النصارى مخالف لعامة الروايات. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۳۰، كراچی ۶/ ۲۹۷)

(۲) يشترط لصحة الذبح في الجملة شرائط راجعة إلى الذابح، وهي أن يكون عاقلا أن يـكون مسلما أو كتابيا أن يكون حلالا إذا ذبح صيد البر أن يسمي الله تعالى على الذبيحة عند التذكر والقدرة الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۸۳)

هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۸۵، جديد زكريا ۵/ ۳۲۹۔

(۳) لا يـقـبـل قـول الـكـافر في الديانات، وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصة لـلضرورة الخ. (البحـرالـرائـق، كتـاب الـكـراهية، فصل: في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۲، كوئٹه ۸/ ۱۸۶)

وأصـلـه أن خبـر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۷، كراچی ۶/ ۳۴۴) ←

یعنی مشاہدہ یا معتبر ناقل مسلم سے یہ امر متیقن ہو جاوے کہ جس شخص نے ذبح کیا ہے اس نے تصدیق واقرار نبوت عیسیٰ علیہ السلام وانجیل کا کیا ہے، اور ذبح کے وقت محض اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے تو ایسا ذبیحہ حلال ہو جاوے گا، لیکن ایسی صورت بہت شاذ ونادر ہو سکتی ہے، بعض لوگوں کو شرط ثانی یعنی وجوب تسمیہ پر ابوداؤد کی ایک روایت سے شبہ ہو گیا ہے، روایت یہ ہے:

عن ابن عباس قال: فکلوا مما ذکر اسم اللّٰہ علیه، ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ فنسخ واستثنی من ذلک، فقال: طعام الذین أوتوا الکتٰب حل لکم. اھ (۱)۔

اور شبہ یہ ہے کہ ابن عباس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ بلاتسمیہ بھی حلال ہے سو اس سے شبہ کا جواب سمجھنا ضروری ہے مگر اس جواب سے پہلے چند مقدمات معلوم کر لینے چاہئیں ایک یہ کہ قطعی اور ظنی میں جب تعارض ہو تو قطعی پر عمل کیا جاوے گا اور ظنی متروک یا مؤول ہوگا (۲)۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ نسخ فرع ہے تعارض کی (۳) جب تعارض دوسری طرح مرتفع ہو سکے تو نسخ کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں، اب جواب سنئے۔ حضرت ابن عباس کا ظاہر قول جو کہ دلیل ظنی ہے معارض ہے ظاہر آیت: **فکلوا الخ** (۴)۔ **ولا تأکلوا الخ** (۵) کے پس ابن عباس کے قول میں اگر تاویل نہ کی

← **ولا یقبل قول الکافر في الدیانات، کالحلّ والحرمة.** (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۳۰۸، جدید زکریا ۵/ ۳۵۶)

(۱) أبوداؤد شریف، الضحایا، باب في ذبائح أهل الکتاب، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸۹، دارالسلام رقم: ۲۸۱۷۔

(۲) **والمخلص عن المعاوضة إما أن یکون من قبل الحجة بأن لم یعتد لا بأن کان أحدهما مشهورا والآخر آحادا، أو یکون أحدهما نصا والآخر ظاهرا، فیترجح الأعلیٰ علی الأدنی.** (نور الأنوار، مبحث التعارض، مکتبه نعمانیه دیوبند ص: ۱۹۵)

(۳) **وفي الاصطلاح: النسخ هو ورود دلیل شرعي متراخیا عن دلیل شرعي مقتضیا خلاف حکمه.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۰/ ۲۵۶)

(۴) **فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.** [سورة الأنعام، رقم الآیة: ۱۱۸]

(۵) **وَلَا تَأْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.** [سورة الأنعام، رقم الآیة: ۱۲۱]

جاوے تو ظاہر آیت کو ترجیح دے کر ابن عباس کے قول کو چھوڑ دیں گے بحکم مقدمہ اولیٰ اور متروک قابل حجت نہیں ہوتا، پس شبہ کا استیصال ہوگیا، لیکن چونکہ حضرت ابن عباس کی نسبت معارضہ قرآن کا قائل ہونا بھی جائز نہیں، اس لئے ان کی اس تفسیر کی یہ تاویل کی جاوے گی کہ وہ آیت: **فکلوا الخ ولا تاکلوا الخ** میں "**منکم**" کی قید لگاتے ہیں، جس سے حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جس ذبیحہ پر مسلمان کی زبان سے تسمیہ نہ ہو اس کو کھانا درست نہیں اور قرینہ اس تقیید کا خود فاعل **کلوا و لا تاکلوا** کا ہوسکتا ہے، اس طرح سے کہ فعل مجہول کو تعیین فاعل میں تابع فعل معروف کا کر دیا جاوے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین کے ذبائح بالا جماع حرام ہیں، اور حرمت بلا دلیل ہوتی نہیں، اور حرمت ذبائح مشرکین کی کوئی دلیل مستقل پائی نہیں جاتی، اس لئے بہتر ہے کہ اس کو اس آیت: **لاتاکلوا** میں داخل کیا جاوے، اور ظاہر ہے کہ آیت: **وطعام الذین أوتوا الکتاب** (۱) کے قبل ذبائح اہل کتاب بھی حرام تھے، اور وہ بھی اس دلیل سے اس آیت: **لاتاکلوا** میں داخل ہوگا، پس اس آیت میں ایسی قید ضروری ہے جو ان دونوں حکموں کو مشتمل ہو اور وہ "منکم" یعنی من المسلمین ہی ہے، پھر اس میں سے اہل کتاب مستثنیٰ ہوگئے، اور مشرکین باقی رہے، جس طرح **لاتنکحوا المشرکات ولا تنکحوا المشرکین** (۲) اہل کتاب ومشرکین دونوں کو ثابت ہے اور **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** نے کتابیات کو مستثنیٰ کر دیا، اور مشرکات اور مشرکین وکتابیین اپنے حکم سابق پر رہے، گو یہ قرائن قطعی نہیں، پہلا تو ظاہر ہے، اور دوسرا اس لئے کہ ممکن ہے کہ عبدالرزاق کی حدیث کو جو کہ در باب مجبوس ہے۔ **سنوا بهم سنة أهل الكتاب غير ناكحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم** (۳) دلیل حرمت ذبائح مشرکین کہا جاوے پس آیت موصوفہ کے عموم کے قائل ہونے کی ضرورت ہی نہ رہی، یا یہ کہا جاوے کہ اصل دماء وفروج میں حرمت ہے، جب حلت ذبائح مشرکین کی کوئی

---

(۱) سورة المائدة، رقم: الآية: ۵۔

(۲) **وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۲۱]

(۳) مصنف عبدالرزاق، كتاب أهل الكتاب، أخذ الجزية من المحبوس، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٥٥، رقم: ١٠٠٥٩۔

موطأ إمام مالك، كتاب الزكوة، جزية أهل الكتاب، النسخة الهندية ص: ١٢١۔

دلیل نہ ہو یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے، غرض بعد اعتبار قید ''منکم'' کے اب آیت طعام الذین او توا الکتاب (۱) اس سے معارض ہوگی، پھر چونکہ سورۂ مائدہ جو کہ مدنی ہے سورۂ انعام سے جو کہ مکّی ہے متاخر ہے، اس لئے آیت وطعام الذین الخ اس جزوخاص یعنی تقیید مذکور میں ناسخ اس کی ہوگی یعنی تسمیہ کہنے والے کا خاص مسلم ہونا ضروری نہ ہوگا، یعنی کتابیہ کا تسمیہ بھی مفید حلت ہو جاوے گا، اور یہ کسی دلیل سے لازم نہ آیا کہ نفس تسمیہ کی بھی حاجت نہیں، بلکہ اس میں لاتأکلوا الخ اپنے عموم واطلاق پر باقی رہے گا اور یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں آیتوں میں نسخ کو مان لیا جاوے، ورنہ واقع میں خود اسی کی حاجت نہیں کیونکہ دونوں میں تعارض ہی ثابت نہیں، بلکہ آیت فکلوا و لا تأکلوا حل ذبیحہ کی ایک شرط کو بتلا رہی ہے کہ ذابح کا غیروثنی ہونا ہے، پس تعارض نہ رہا، تو نسخ بھی نہ ہوگا بحکم مقدمہ دوم پس کسی دلیل سے تسمیہ کا ساقط ہونا ثابت نہیں ہوا، اور شبہ زائل ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم

۲۳ / ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (حوادث اول ۱۴۷)

غیر مزکی کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۱۹۶): قدیم ۳/ ۵۴۶- ذبیحہ جس کی زکات ثابت نہ ہو کیسا ہے؟

الجواب: نہیں معلوم مراد سائل کی لفظ ذکات سے کیا ہے، یہ لفظ بذال معجمہ تو بمعنی ذبح کے ہے سو بدون ذبح شرعی کے حقیقی ہو یا حکمی حلت ثابت نہیں ہوتی (۲) اور اگر مراد زکوٰۃ دینا ہے سو جو شخص زکوٰۃ

---

(۱) سورة المائدة، رقم: الآية: ۵۔

(۲) وللذبح في الاصطلاح ثلاثة معان: ...... الثالث: ما يتوصل به إلى حل الحيوان، سواء أكان قطعا في الحلق أم في اللبة من حيوان مقدور عليه، أم إزهاقًا لروح الحيوان غير المقدور عليه بإصابته في أي موضع كان من جسده بمحدد أو بجارحة معلمة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۷۱)

الذكاة شرط حل الذبيحة لقوله تعالىٰ: ''إلا ما ذكيتم'' ولأن بها يتميز الدم النجس من اللحم الطاهر، وهي اختيارية كالجرح فيما بين اللبة واللحيين، واضطرارية: وهي الجرح في أي موضع كان من البدن الخ. (كتاب الذبائح، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴/ ۴۳۴)

نہیں دیتا ہے مگر فرض جانتا ہے اس کا ذبیحہ حلال ہے(۱) ورنہ باوجود مسلمان ہونے کے فرض نہیں جانتا وہ مرتد ہے، اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ **لایحل ذبیحة وثني، ومجوسي، ومرتد. درمختار** (۲)۔

(امداد ج ۲، ص ۱۱۶)

مکانِ ذبح معین کرنے کا حکم

سوال (۲۱۹۷): قدیم ۳/ ۵۴۷- ذبیحہ کی جگہ مقرر کرنا تبرک جان کر سوائے عیدگاہ کیسا ہے؟

الجواب: اگر تعظیم غیر اللہ کی مقصود نہ ہو تو تعین مکان ذبح جائز ہے، مگر ضروری نہ جانے۔

في المشكوٰة: عن ثابت الضحاک قال: نذر رجل علی عهد رسول الله ﷺ أن ينحر إبلا ببوانة، فأتی رسول الله ﷺ، فقال: هل فيها وثن من أوثان أهل الجاهلية يعبد؟ قالوا: لا، قال: فهل کان فيها عيد من أعيادهم؟ قالوا: لا، قال رسول الله ﷺ: أوف بنذرک. رواه أبو داؤد (۳)۔ (امداد، ج ۲، ص ۱۱۶)

---

(۱) **مما سبق تعرف شروط الذابح وهي: أن يكون مميزًا عاقلاً مسلمًا، أو كتابيًا ذميًا، أو حربيًا -إلی قوله- عدلا أو فاسقًا لعموم الأدلة وعدم المخصص.** (الفقه الإسلامي وأدلته، الصيد والذبائح، المبحث الأول، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۳/ ۶۴۹)

فإن ذبح كل مسلم، وكل كتابي حلال رجلا كان أو أنثی، حرا كان أو عبدا، جنبا كان أو طاهرا، عالما كان أو جاهلا، برا كان أو فاجرا. (النتف في الفتاوی، کتاب الذبائح، مکتبہ سعید کراچی ص: ۱۴۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الذبائح، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/ ۴۳۱، کراچی ۶/ ۲۹۸۔

لا مجوسي، ووثني، ومرتد، ومحرم، وتارک الصلاة عامدا: أي لاتحل ذبيحة هؤلاء. (تبيين الحقائق، کتاب الذبائح، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/ ۴۵۰، إمدادیہ ملتان ۵/ ۲۸۷)

لا تحل ذبيحة وثني، أو مجوسي أو مرتد. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح، دارالکتب العلمية بيروت ۴/ ۱۵۴)

ولا تؤكل ذبيحة المجوسي والمرتد والوثني. (هداية، کتاب الذبائح، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ۴/ ۴۳۴)

(۳) أبوداؤد شريف، کتاب الأيمان والنذر، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، النسخة الهندية ۲/ ۴۶۹، دارالسلام، رقم: ۳۳۱۳-۳۳۲۵۔ ←

آلہ ذبح اور چھری تیز کرنے کا حکم

سوال (۲۱۹۸): قدیم ۳/ ۵۴۷- کس کس اشیاء سے ذبح جائز ہے، اور چھری کب تیز کرے؟

الجواب: نمبر﴿۱﴾ جس سے رگیں کٹ جائیں اور خون بھی بہہ جائے اس سے ذبح جائز ہے۔

وحل بكل ما ترى الأوداج وأنهر الدم، وإلا سنا وظفرا قائمين. درمختار (۱)۔

← مشكوة شريف، كتاب العتق، باب في النذور، النسخة الهندية ۲/ ۲۹۷۔

عن ميمونة بنت كردم اليسارية أن أباها لقي النبي صلى الله عليه وسلم وهي رديفة له، فقال: إني نذرت أن أنحر ببوانة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل بها وثن؟ قال: لا، قال: أوف بنذرك. (ابن ماجة شريف، أبواب الكفارات، باب الوفاء بالنذر، النسخة الهندية ص: ۱۵٤، دارالسلام، رقم: ۲۱۳۰-۲۱۳۱)

وتعين فيه الوقت أما المكان والدرهم والفقير، فهي باقية على الأصل من عدم التعيين. (شامي، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۵۲٤، كراچى ۳/ ۷٤۱)

لو عين درهما أو فقيرا أو مكانا للتصدق أو للصلاة، فإن التعين ليس بلازم. (البحرالرائق، كتاب الأيمان، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤۹۸، كوئٹه ٤/ ۲۹٦)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۲٦، كراچى ٦/ ۲۹۵-۲۹٦۔

عن رافع بن خديج قال: قلنا يا رسول الله! إنا نرجو أن نلقي عدونا، فعسى أن لايكون معنا بعض العدة مما يصلحنا، أفنأكل كل ذبيحة القصبة؟ قال: نعم، كل ما أنهر الدم ذكاة إلا السنن والظفر. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/ ۲٦۹، رقم: ٤۳۸۱)

ويجوز الذبح بكل ما أفرى الأوداج، وأنهر الدم ولو مروة أو ليطة أو سنا أو ظفرا، منزعين لا بالقائمين. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۵۸-۱۵۹) ←

نمبر﴿۲﴾ جانور کے لٹانے سے پہلے تیز کرنا چھری کا مستحب ہے۔ **في الدرالمختار: وندب إحداد شفرة قبل الإضجاع** (۱)۔ (امداد، ج ۲،ص ۱۱۶)

صرف ذبح کرنے والے پر ’’بسم اللہ‘‘ واجب ہے

سوال (۲۱۹۹): قدیم ۳/ ۵۴۷- ذبیحہ کے ذبح میں بسم اللہ اللہ اکبر معین کو بھی کہنا چاہئے اگر نہ کہے تو کیسا ہے؟

الجواب: تسمیہ فقط واسطے ذابح کے ہے۔ **وشرط التسمية في الذابح. درمختار** (۲)۔

(امداد ج ۲ ص ۱۱۶)

← **ويجوز الذبح بالليطة والمروة وكل شيء أنهر الدم إلا السن القائم، والظفر القائم.** (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديو بند ٤/ ٤٣٨)

تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٨، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩١۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٢٦، كراچی ٦/ ٢٩٦۔

وندب إحداد الشفرة قبل الإضجاع. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٩)

يستحب في الذبح أمور: منها، إحداد الشفرة قبل إضجاع الشاة ونحوها صرح بذلك الحنفية والمالكية والشافعية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٩٧)

ويستحب أن يحد الذابح شفرته ...... ويكره أن يضجعها، ثم يحد الشفرة لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رأى رجلا أضجع شاة ويحد شفرته، فقال: لقد أردت أن تميتها موتات هلا حددتها قبل أن تضجعها. (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديو بند ٤/ ٤٣٨)

تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديو بند ٦/ ٤٥٩، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩١- ٢٩٢۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٣٨، كراچی ٦/ ٣٠٢۔

وأما شرائط الركن فمنها: أن تكون التسمية من الذابح الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، شرائط الركن، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٧٠)

ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٦) ←

معینِ ذابح پر وجوبِ تسمیہ کا حکم

سوال (۲۲۰۰): قدیم ۳/ ۵۴۷- مالابد منہ کے اخیر میں رسالۃ اضحیہ لگا ہوا ہے، اس میں لکھا ہے بحوالہ درمختار کہ ذابح کے معین پر تسمیہ واجب ہے، اگر معین نے تسمیہ نہ کیا تو اس کا کھانا حرام ہو جاوے گا یہ کیا سچ ہے؟

الجواب : في الدرالمختار، كتاب الأضحية: فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وإعانه على الذبح سمى كل وجوبا الخ (۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ مطلق معین پر تسمیہ واجب نہیں بلکہ خاص اس معین پر جو کہ ذبح ہونے میں شریک ہو، مثلاً چھری کو دونوں پکڑ کر چلاتے ہو۔ ۱۷/ صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۹)

← **يشترط في التسمية أربع شرائط: الأول: أن تكون التسمية من الذابح الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۹۲)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٦۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٨٢، كراچی ٦/ ٣٣٤۔

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده مع يد القصاب في المذبح وأعانه على الذبح حتى صار ذابحا مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا -رحمه الله تعالى-: يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لا تحل الذبيحة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة، قديم زكريا ٣/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥١)

أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يسمي كل وجوبا فلو تركها أحدهما حرمت، كما في خانية وغيرها. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٦)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح، قال الشيخ الإمام: يجب على كل واحد منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية لا يجوز، كذا في الظهيرية. (هندية، الأضحية، قبيل الباب الثامن، قديم زكريا ٥/ ٣٠٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٠) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

’’اغلاط العوام‘‘ کی ایک عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۲۰۱): قدیم ۳/ ۵۴۷- آپ نے اغلاط العوام میں تحریر فرمایا ہے کہ ذابح کے معین پر تسمیہ واجب نہیں، اور ترجمہ فتاویٰ عالمگیری جلد چہارم ص ۲۴۱ کتاب الاضحیہ میں یہ عبارت تحریر ہے (ایک شخص نے قربانی کرنی چاہی بس اس نے قصاب کے ہاتھ کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی لگایا تا کہ دونوں کی مدد سے اچھی طرح ذبح ہو جاوے، تو شیخ امام ابوبکر بن الفضل نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک پر تسمیہ واجب ہوگا، حتیٰ کہ دونوں میں سے ایک نے تسمیہ چھوڑ دیا تو جائز نہ ہوگی، یہ ظہیریہ میں لکھا ہے، تو محلّہ کی مسجد کے امام صاحب میری معرفت آنحضرت سے ’’اغلاط العوام‘‘، کی عبارت کے صحیح ہونے کی کسی معتبر کتاب سے دلیل چاہتے ہیں؟

الجواب: میں نے معین کا حکم لکھا ہے، اور یہ شخص تو شریک ذبح ہے(۱)۔

۲۴/ رجب ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس ۱۵۷)

---

(۱) **أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح، وأعانه على الذبح سمى كل وجوبا، فلو تركها أحدهما أو ظن أن تسمية أحدهما تكفي حرمت.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۸۲، كراچى ۶/ ۳۳۴)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده مع يد القصاب في المذبح وأعانه على الذبح حتى صار ذابحا مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا -رحمه الله تعالى-: يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لا تحل الذبيحة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة، قديم زكريا ۳/ ۳۵۵، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۵۱)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح، قال الشيخ الإمام: يجب على كل واحد منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية لا يجوز، كذا في الظهيرية. (هندية، الأضحية، قبيل الباب الثامن، قديم زكريا ۵/ ۳۰۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۰)

أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يسمي كل وجوبا فلو تركها أحدهما حرمت، كما في خانية وغيرها. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عورت اور بچے کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۲۰۲): قدیم ۳/ ۵۴۸- نمبر﴿۱﴾ ذبیحہ عورت اور نابالغ کا جائز ہے یا نہیں؟

نمبر﴿۲﴾ اور سوائے اس کے کون کون ذبیحہ جائز اور کون ناجائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نمبر﴿۱﴾ ذبیحہ عورت اور نابالغ کا بشرط یہ کہ ذبح کرسکتا ہو اور بسم اللہ کہے جائز ہے۔ **أو امرأة أو صبياً يعقل التسمية والذبح ويقدر. درمختار** (۱)۔

نمبر﴿۲﴾ سوال کی کوئی صورت معین کرنا چاہئے تا کہ جواب دیا جائے، یوں بہت سے جائز بہت سے ناجائز ہیں۔ (امداد، ج ۲ ص ۱۱۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۳۰، كراچی ۶/ ۲۹۷۔

وتحل ذبيحة مسلم، وكتابي ذمي أو حربي، ولو امرأة أو صبيا أو مجنونا يعقلان حل الذبيحة بالتسمية ويضبطان شرائط الذبح ويقدران على الذبح. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۵۳-۱۵۴)

وحل ذبيحة مسلم، وكتابي، وصبي، وامرأة، وأخرس، وأقلف، والمراد بالصبي هو الذي يعقل التسمية ويضبط. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۵۹، إمداديه ملتان ۵/ ۲۸۷)

البحرالرائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۰۶، كوئٹه ۸/ ۱۶۸۔

وذبيحة الصبي الذي يعقل ويضبط حلال، قوله: ويضبط معناه: أنه يضبط شرائط الضبح من فري الأوداج، وفي الزاد: وكذا السكران، وفي الكافي: ويضبط أي يقدر على فري الأوداج، وإن كان صبيا أو مجنونا أو امرأة أو أخرس أوقلف. (تاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الأول: في أهلية الذابح، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۳۹۰، رقم: ۲۷۵۹۹)

وذبيحة المسلم والكتابي حلال لما تلونا ولقوله تعالى: وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم. ويحل إذا كان يعقل التسمية، والذبحة يضبط، وإن كان صبيا أو مجنونا أو امرأة. (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۳۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قصاب کو اجرت میں قربانی کی کھال دینے کا حکم

سوال (۲۲۰۳): قدیم ۳/ ۵۴۸- کیا ہے حکم شرع کا اس میں کہ کھال قربانی کی قصاب کو اجرت میں دینا یا قیمت جانور میں محسوب کرنا جیسا فی زمانا اکثر لوگ کرتے ہیں، اور جو لوگ بطمع نفع قلیل دیتے ہیں یا لیتے ہیں اُن کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: جناب خانصاحب کانپور

الجواب: قربانی کا کوئی جز کھال ہو یا گوشت اجرت قصاب میں دینا یا قیمت میں مجریٰ کرنا سخت ممنوع ہے۔ **في الدرالمختار: ولا يعطي أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع، واستفيدت من قوله عليه السلام: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له. هداية** (۱)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸۔

عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا. (مسلم شريف، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها، النسخة الهندية ۱/ ۴۲۳، بيت الأفكار رقم: ۱۳۱۷)

بخاري شريف، كتاب المناسك، باب يتصدق بجلود الهدي، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲، رقم: ۱۶۸۶، ف: ۱۷۱۶۔

ولو أراد أن يعطي الجزار أو الذابح أجرته من لحمها لايجوز، وفي الظهيرية: ولا يعطي جلد الأضحية، ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۲، رقم: ۲۷۷۶۳)

ولا يعطي أجر الجزار من الأضحية لقوله عليه السلام لعلي رضي الله عنه: تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئا، والنهي عنه نهي عن البيع أيضا؛ لأنه في معنى البيع. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹۔

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۷، كوئٹه ۸/ ۱۷۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور جو لوگ ایسا کر کے دنیا کے نفع کو آخرت کے ثواب پر ترجیح دیتے ہیں ان کے عتاب کے لئے یہ آیت بس ہے: **بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ خیر وابقیٰ** (۱)۔ **واللّٰہ أعلم**

۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۸)

اجرت میں قربانی کی کھال دینا جائز نہیں

سوال (۲۲۰۴): قدیم ۳/ ۵۴۸- میری بستی میں فقیر مسجد کا ہمیشہ پانی بھرتا ہے اور اس کو بعوض اجرت زمین دی گئی ہے اور چمڑے قربانی کے بھی وہ اسی حق میں شمار کرتا ہے اور اکثر لوگ دیتے بھی ہیں مگر میں نہیں دیتا ہوں بلکہ فروخت کر کے غرباء ومساکین کو تقسیم کر دیتا ہوں تو ایسے فقیر کو چرم قربانی دینا جائز ہے یا نہیں اور قربانی کامل طور سے ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اجرت میں جلد قربانی کی دینا جائز نہیں گو قربانی میں خلل نہیں آتا لیکن بقدر قیمت جلد کے اس شخص پر مساکین کو تصدق کرنا واجب رہے گا (۲)۔ واللہ اعلم رمضان ۱۳۲۳ھ

---

(۱) سورة الأعلیٰ رقم الآية: ١٦-١٧۔

(۲) **عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجولها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا**. (مسلم شريف، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها، النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بيت الأفكار رقم: ١٣١٧)

بخاري شريف، كتاب المناسك، باب يتصدق بجلود الهدي، النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، رقم: ١٦٨٦، ف: ١٧١٦۔

ولو أراد أن يعطي الجزار أو الذابح أجرته من لحمها لايجوز، وفي الظهيرية: ولا يعطي جلد الأضحية، ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٢، رقم: ٢٧٧٦٣)

فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤) ←

شرکاء قربانی کا تقسیم سے پہلے کسی چیز کے ہبہ کرنے کا حکم

سوال (۲۲۰۵): قدیم ۳/ ۵۴۹- قربانی کے بقرہ کا کلّہ شرکاء آپس میں راضی ہوکر قبل تقسیم گوشت کسی شخص کو لِلّٰہ دیدیں تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر سب نے کسی فقیر کو دیدیا یا غنی کو دیا، لیکن شرکاء میں سے کسی نے قربانی کی نذر نہ کی تھی، تو جائز ہے، کیونکہ تقسیم واجب نہیں، کہ ترک واجب سے کوئی محذور لازم آئے اور اگر اس میں کوئی ناذر تھا اور غنی کو دیا تو جائز نہیں، کیونکہ تقسیم کرکے ناذر کا حصہ فقراء پر تصدق کرنا واجب ہے، پس قربانی تو جائز ہوجائے گی؛ لیکن ناذر پر قیمت اپنے حصہ منجملہ کلّہ کے تصدق کرنا واجب ہے(۱)۔

← **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤ / ٤٥٠)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ٥/ ٣٤٧۔

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے جواب کی عبارت سے استدلال کرکے یہ حکم لکھا ہے کہ فقیر کی قربانی کا گوشت نذر کے گوشت کی طرح واجب التصدق ہے، نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ ہی غنی کو کھلا سکتا ہے، اسی طرح کسی نے صراحتاً کسی جانور کی قربانی کی، زبانی نذر مانی ہے، اس کا گوشت بھی خود کے لئے اور غنی کے لئے کھانا جائز نہیں ہے۔ اور آگے بھی مسئلہ نمبر: ۲۲۳۹ میں ہندیہ کے حوالہ سے عدم جواز کو ثابت فرمایا ہے، اس بارے میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے، جو اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کردیتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت خود کے لئے اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اور عدم جواز کا حکم نذر ذبح کے گوشت کے بارے میں ہے۔ احقر نے تقریباً ۲۶/ سال قبل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب کے مطابق اضحیہ منذورہ کے گوشت کو خود ناذر اور غنی کے لئے کھانے کو ناجائز لکھا تھا اور پورے کو واجب التصدق لکھا تھا، مگر اب سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ دونوں بالکل الگ الگ ہیں؛ کیونکہ فعل ذبح عبادت نہیں ہے اور فعل اضحیہ عبادت ہے اور نذر ذبح کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز نہیں۔ اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا خود ناذر اور غنی کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا ۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کا لکھا ہوا مسئلہ امداد الفتاوی کے مطابق تو ہے، مگر اس میں تسامح ہے، صحیح یہی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب ←

فـي الـطـحـطـاوي: أنـظـر هـل هـذه الـقـسـمـة متعينة أو لا؟ حتى لو اشترىٰ لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا، والظاهر أنها لا تشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت. وفي فتاوى الخلاصة: والفيض تعليق القسمة على إرادتهـم، وهـو يـؤيـد مـاسبق غير أنه إذا كان فيهم فقير، والباقي أغنياء يتعين عليه أخذ نصيبه ليتصدق به. ۱۲ (۱)۔ وفـي الدرالمختار: ولا يأكل الناذر منها، فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل. ۱۲ قلت: نفسه وطعام الغني سواء. ۱۲ (۲)۔ واللہ اعلم

(امداد الفتاویٰ ج ص ۱۱۸)

← سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''بذل المجہود'' میں صاحب بدائع کی مکمل عبارت وضاحت کے ساتھ نقل فرمائی ہے، جس سے حضرت کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک بھی نذر اضحیہ کا گوشت خود ناذر کے لئے کھانا چاہے ناذر غنی ہو یا فقیر، اسی طرح دوسرے کو کھلانا چاہے وہ غنی ہو یا فقیر جائز ہے، اس سلسلہ میں ''بدائع الصنائع'' کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وجـمـلة الكلام فيه أن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار وجزاء الصيد، ودم الكفارة الواجبة بسبب الجناية على الإحرام كحلق الرأس ولبس المخيط ...... والثالث: دم المتعة والقران، فعندنا يؤكل، وعند الشافعي لا يؤكل الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب في الأضحية أن تكون سمينه، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/ ٨٠)

بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحي، قديم ٤ / ٧٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩/ ٥٦٦-٥٦٧۔

اس سلسلہ میں فتاوی قاسمیہ ۱۷/ ۷۹ تا ۸۳ رقم المسئلہ: ۷۴۵۱، ۲۲/ ۴۹۵، رقم المسئلہ: ۱۰۰۹۴ پر مفصل ومدلل بحث موجود ہے، اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

(۱) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، کوئٹہ ٤/ ١٦٢۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٤، كراچی ٦/ ٣٢١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حیوان خصی کی سب قسموں کی قربانی جائز ہے

سوال (۲۲۰۶): قدیم ۳/ ۵۴۹- خصی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک کے خصئے مل دیتے ہیں، اور دوسرے کے چڑھا دیتے ہیں، اور تیسرے کے نکال دیتے ہیں، ان تینوں میں کون درست ہے یا ہرسہ درست ہیں، اور جب کہ خصیہ نکل گیا، تو تہائی سے زیادہ عضو بلکہ ثابت عضو جاتا رہا؟

الجواب: تینوں درست ہیں (۱) اور یہ عضو چونکہ مقصود نہیں، بلکہ اس اخصاء سے گوشت اور بھی عمدہ

---

(۱) **عن جابر -رضي الله عنه- قال: ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجوئين.** (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۶، دارالسلام رقم: ۲۷۹۵)

مشكوة المصابيح، باب الأضحية، الفصل الثاني، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸۔

ويضحي بالجماء والخصي والثولاء. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٦۷، كراچی ٦/ ۳۲۳)

أقول: الأحاديث نص في جواز التضحية بالخصي، والأمر مجمع عليه، والمعنى فيه أن الخصاء والوجاء لا يحدث فيه عيبا، بل يزيد اللحم سمنا وطيبا. والله أعلم. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالخصي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۷٦، كراچی ۱۷/ ۲٥٤)

وتجوز الجماء والخصي، وعن الإمام أن الخصي أولى؛ لأن لحمه ألذ وأطيب الخ. **(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۱)**

ويجوز أن يضحي بالجماء والخصي؛ لأن لحمها أطيب وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحي بكبشين أملحين موجوئين. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤۸)

ويضحي بالخصي، وعن أبي حنيفةؒ هو أولى؛ لأن لحمه أطيب، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحي بكبشين أملحين موجوئين ...... والموجوء المخصي، الوجاء هو أن يضرب عروق الخصية بشيء. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤۷۹، إمداديه ملتان ٦/ ٥)

شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا ذہاب مضر نہیں جیسا عالمگیری میں مجبوب کی قربانی کا جواز مصرّح ہے(۱)۔

۸؍ جمادی الثانیہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۴)

ایضاً

سوال (۲۲۰۷): قدیم ۳/ ۵۴۹- جب خصّی جانور کی قربانی جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ آختہ کرنے کے عموماً دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ رگ مخصوص کو کوٹ کر یا مسل کر دوسرے شگاف دیکر عضو مخصوص کو قطعی نکال کران میں قربانی کی کون سی صورت جائز ہے؟

الجواب: فقہاء کی اطلاق سے دونوں صورت جواز کی ہیں، اگر دوسری صورت میں فوت عضو کا شبہ ہو تو فوت وہ مانع ہے جو منقصِ قیمت ہو، اور اس سے قیمت اور بڑھ جاتی ہے، لہٰذا مضر نہیں (۲)۔

۱۸؍ محرم ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۰)

---

(۱) **ویجوز المجبوب العاجز عن الجماع.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٧، جديد زكريا ٥/ ٣٤٣)

(۲) **عن جابر –رضي الله عنه– قال: ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجوئين.** (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٦، دارالسلام رقم: ٢٧٩٥)

مشكوة المصابيح، باب الأضحية، الفصل الثاني، النسخة الهندية ١/ ١٢٨۔

أقول: الأحاديث نص في جواز التضحية بالخصي، والأمر مجمع عليه، والمعنى فيه أن الخصاء والوجاء لا يحدث فيه عيبا، بل يزيد اللحم سمنا وطيبا. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالخصي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٧٦، كراچی ١٧/ ٢٥٤)

ويضحي بالجماء والخصي والثولاء. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٧، كراچی ٦/ ٣٢٣)

وتجوز الجماء والخصي، وعن الإمام أن الخصي أولى؛ لأن لحمه ألذ وأطيب الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

ويضحي بالخصي، وعن أبي حنيفةؒ هو أولى؛ لأن لحمه أطيب، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحي بكبشين أملحين موجوئين ...... والموجوء المخصي، الوجاء ←

ایضاً

سوال (۲۲۰۸): لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کے بارے میں چیرا ہوا بکرا درست ہے اور میں کہتا ہوں مَلا ہوا یعنی جس کے کوئی عضو نہ نکلا ہو، وہ درست ہے؟

الجواب: خصّی جانور کی قربانی درست ہے خواہ عضو چیر کر نکال دیا ہو یا مل کر بیکار کر دیا ہو۔ **لإطلاق الفقهاء من غير تقييد وتفصيل** (۱)۔

۳۰ر شوال ۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۷۰)

← **هو أن يضرب عروق الخصية بشيء.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٩، إمداديه ملتان ٦/ ٥)

ويجوز المجبوب العاجز عن الجماع. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٧، جديد زكريا ٥/ ٣٤٣)

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٨ـ

(۱) عن جابر -رضي الله عنه- قال: ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجوئين. (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٦، دارالسلام رقم: ٢٧٩٥)

مشكوة المصابيح، باب الأضحية، الفصل الثاني، النسخة الهندية ١/ ١٢٨ـ

أقول: الأحاديث نص في جواز التضحية بالخصي، والأمر مجمع عليه، والمعنى فيه أن الخصاء والوجاء لا يحدث فيه عيبا، بل يزيد اللحم سمنا وطيبا. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالخصي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٧٦، كراچى ١٧/ ٢٥٤)

ويضحي بالجماء والخصي والثولاء. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٧، كراچى ٦/ ٣٢٣)

وتجوز الجماء والخصي، وعن الإمام أن الخصي أولى؛ لأن لحمه ألذ وأطيب الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

ويضحي بالخصي، وعن أبي حنيفةؒ هو أولى؛ لأن لحمه أطيب، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحي بكبشين أملحين موجوئين ...... والموجوء المخصي، الوجاء ←

سارق کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۲۰۹): قدیم ۳/ ۵۵۰- ذبیحہ سارق کے بارہ میں کیا حکم ہے، حلال یا حرام؟

الجواب: حلال بمعنی "**ماذكر اسم الله عليه**" ہے(۱)۔ اور حرام (*) بوجہ ملک غیر ہونے کے(۲) اگر بعد ذبح اصل مالک اجازت دیدے کھانا جائز ہے(۳)۔

(*) یعنی جب مسروقہ کو ذبح کیا ہو سوال سے یہی سمجھا گیا۔ اور اگر مذبوح میں کوئی خرابی نہ ہو تو صرف ذابح کے سارق ہونے سے حرمت نہیں آتی؛ کیوں کہ ذابح کا فاسق ہونا مضر نہیں۔ ۱۲ منہ

← **هو أن يضرب عروق الخصية بشيء.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٩، إمداديه ملتان ٦/ ٥)

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٨۔

(۱) **فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.** [سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۱۸]

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم: ۹۶)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، کراچی ۶/ ۲۰۰۔

(۳) **أخرج البيهقي عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.**

وأخرج أيضا عن أبي حميد الساعدي رضـ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۳۸۷-۳۸۸، رقم: ٥٤٩٢-٥٤٩٣)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ۸/ ۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بخلاف مالم یذکر اسم الله علیه کے کہ کبھی مباح ہو نہیں سکتا (۱)۔

۹؍رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۵)

قربانی کا گوشت کفار کو دینا

سوال (۲۲۱۰): قدیم ۳/ ۵۵۰- قربانی کا گوشت کفار کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالحجة والدليل توجروا بالأجر الجزيل؟

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں (۲) پس وہ ہدیہ ہوگا یا صدقہ نافلہ اور حربی مصالح حکم مستامن میں ہے، لہٰذا اس کو دینا جائز ہے (۳) البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو اس میں سے دینا جائز نہیں۔

۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۵)

---

(۱) وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. [سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۲۱]

(۲) **أنظر هل هذه القسمة متعينة أو لا؟ حتى لو اشترى لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنه ولم يقسموها تجزيهم أو لا، والظاهر أنها لا تشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت، وفي فتاوى الخلاصة: والفيض تعليق القسمة على إرادتهم وهو يؤيد ما سبق.** (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴٦۰، كراچی ٦/ ۳۱۷)

حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كوئٹه ٤/ ۱٦۲۔

وإذا كانوا من أهل بيت واحد لم يحتاجوا إلى القسمة فيأكلون جميعا ويتصدقون بما شاءوا جميعا. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب أن البدنة عن سبعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۲۸، كراچی ۱۷/ ۲۰۸)

(۳) **ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ، قديم زكريا ٥/ ۳۰۰، جديد زكريا ديوبند ٥/ ۳٤٦)

وللمضحي أن يهب كل ذلک أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير، مسلم أو كافر. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب بيع جلد الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۸٤، كراچی ۱۷/ ۲٥۸)

ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ماشاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي، ولو ←

جلد اضحیہ کا ثمن بہر حال واجب التصدق ہے

سوال (۲۲۱۱): قدیم ۳/۵۵۰- علماء کا اس شہر میں جلد اضحیہ کے متعلق اختلاف ہے، گو خادم کو یقین ہے کہ جلد اضحیہ کی بیع کے بعد اس کا پیسہ مرمت مسجد میں صرف نہ کرنا چاہئے بلکہ فقراء ہی اس کے مستحق ہیں، مگر مجوزین کا خیال یہ ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

له أن يبيعها بالدراهم ليتصدق بها لا أن ينتفع بالدراهم أو ينفقها علٰى نفسه (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے تموّل اور نفع کے لئے بیع ناجائز ہے، اور اگر کوئی بیع کرے تو اس کا تصدق واجب ہوگا، جیسا کہ عینی میں ہے: **فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق** (۲)۔ اور اگر بیع اس نیت سے کرے کہ صدقہ کردوں گا تو بیع جائز ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے، اب اگر کوئی یہ نیت کرے کہ مسجد کی مرمت میں اس کی قیمت صرف کردوں گا اس نیت سے بیع جائز ہوئی لیکن وجوب صدقہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ عبارت بزازیہ: **له أن يبيعها بالدراهم ليتصدق بها** میں عموم ہے اور چونکہ نفس تصدق جلد مندوب ہے بعد بیع بھی مندوب رہے گا، لہٰذا مرمت مسجد بوجہ صدقہ مندوبہ ہونے کے جائز ہوگی، عبارت بزازیہ کا یہ مطلب لینا کہ تصدق واجب ہے، اس عبارت سے ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا عرض ہے کہ کلام فقہاء رحمہم اللہ میں ایسے مقام پر جہاں بہ نیت تصدق بیع جائز لکھا ہو اس کے ساتھ کوئی لفظ وجوب تصدق جس سے ثابت ہوا گر مِل جاوے تو مجوّزین کے اسکات کے لیے کافی ہوگا، خادم نے بہت تلاش کیا نہیں مِلا، صرف بقصد تمول اگر بیع ہو تو اس میں وجب التصدق کا لفظ ملتا ہے، لہٰذا آنحضور تحریر فرماویں۔ فقط

الجواب: شبہ ہی کی تقریر میری سمجھ میں نہیں آئی درمختار وغیرہ کی عبارت **فإن بيع اللحم او الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه** میں بیع عام ہے، ہر بیع کو خواہ بہ نیت تمول ہو یا بہ نیت تصدق ہو،

← **تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز.** (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كراچی ٤/ ١٦٦)

(۱) بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: في الانتفاع، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٩۔

(۲) البناية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديو بند ١٢/ ٥٥۔

دونوں صورتوں میں تصدق بثمنہ کا جس کا مدلول وجوب تصدق حکم ہوگا (۱) اور یہ بحث دوسری ہے کہ آیا یہ بیع مکروہ ہے یا غیر مکروہ، پس نیت تصدق انتفاء کراہت کی شرط ہے نہ کہ وجوب تصدق کے لئے مانع (۲) بلکہ وجوبِ تصدق کا موجب حسب روایت بالا: **نفس بیع بالمستھلک و بالدراھم** ہے مطلقاً، اس کے بعد جو شبہ کرنا ہو اس کی تقریر کافی وواضح جس میں تقریب بھی تام ہو کیجئے۔ واللہ اعلم

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۵)

ایام قربانی گذرنے کے بعد قیمت قربانی اپنی اصول وفروع یا کافر کو دینے کا حکم

سوال (۲۲۱۲): قدیم **۵۵۱/۳**- قربانی جس کے ذمہ تھی اس نے اپنی سُستی سے ایام قربانی میں نہ کی، بعد ایام گذرنے کے جب وہ قیمت قربانی خیرات کرے تو اصول یا فروع یا کافر کو خیرات کرسکتا ہے، اگر وہ مفلس اور حاجت مند ہوں یا نہیں؟

---

(۱) فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچى ۶/ ۳۲۸)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۱، جديد زكريا ۵/ ۳۴۷۔

(۲) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له بيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلک تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، المجلس العلمي ۸/ ۴۷۰، رقم: ۱۰۸۲۹)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۰، رقم: ۲۷۷۵۷۔

ولو باعهما بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹) **شبیر احمد قاسمی**

الجواب: فقہاء کے کلام میں اس باب میں یہ الفاظ ہیں: **تصدق بقیمتها** جو دال ہے وجوب تصدق پر(۱)۔ اور صدقہ واجبہ کا مذکورین فی السوال پر صرف کرنا جائز نہیں (۲) اور درمختار کتاب الاضحیہ میں ایک جزئیہ ہے، جس میں ایسے وکیل بذبح الاضحیہ پر جس نے عمداً تسمیہ ترک کیا ضمان لازم کیا ہے، اس میں تصریح ہے **تصدق بقيمتها على الفقراء.** ج ۵ ص ۳۲۶ (۳)۔ اور صدقہ واجبہ کے مصارف جو

---

(۱) **وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا لتعلقها بذمته بشرائها أو لا الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٦٥، كراچی ٦/ ۳۲۱)

والغني يتصدق بقيمتها شراها أو لا؛ لأن الواجب يتعلق بذمته. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۷۰)

وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر؛ لأنها واجبة على الغني. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٧)

(۲) **مصرف الزكاة والعشر وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

ولا يصح دفعها لكافر وغني يملك نصابا أو ما يساوي قيمته من أي مال كان …… **وأصل المزكي وفرعه وزوجته ومملوكه.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي الزكوة، باب المصرف، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۷۲۰)

ولا يدفع إلى أصله وإن علا أو فرعه وإن سفل. (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۱)

ولا إلى من بينهما ولاد أو بينهما زوجية. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹٤، كراچی ۲/ ۳٤٦)

(۳) **شرى أضحية وأمر رجلا بذبحها فقال: تركت التسمية عمدا لزمه قيمتها ليشتري الآمر بها أخرى، ويضحي ويتصدق ولا يأكل، لو أيام النحر باقية، وإلا تصدق بقيمتها على الفقراء.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۸۲، كراچی ٦/ ۳۳۳-۳۳٤)

اشترى أضحية وأمر غيره بذبحها فذبحها وقال: تركت التسمية عمدا ضمن ←

فقراء ہوتے ہیں ان سے مذکورین فی السوال خارج ہیں، اور رد المحتار میں ایک جزئیہ ہے جس میں اضحیہ مشتراۃ کو بعد ایام تضحیہ کے ذبح کرنے کی صورت میں لکھا ہے: **لا یحل له الأكل منها إذا اذبحها كما لايجوز له حبس شيء من قيمتها.** ج۵،ص۳۱۴(۴)۔

اور جس چیز کا خود کھانا خرچ کرنا جائز نہیں مذکورین فی السوال کو دینا بھی درست نہیں۔

۳ محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۶)

عین جلد اضحیہ اصول وفروع اور کافر کو دینا جائز ہے

سوال (۲۲۱۳): قدیم ۳/۵۵۲- کھال قربانی کا جو تصدق کرنے کا اختیار ہے اس کو اصول یا فروع یا کافر کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں دے سکتا ہے۔ **في الهداية: واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح** (۲)۔

← **الذابح قيمة الشاة، فبعد ذلك ينظر إن كان أيام النحر قائمة يشتري بقيمتها أخرى ويضحي بها ويتصدق بلحمها ولا يأكل، وإن لم تكن باقية يتصدق بالقيمة على المساكين.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٨، رقم: ٢٧٧٨٨)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع، التضحية عن الغير، المجلس العلمي ٨/ ٤٧٦، رقم: ١٠٨٤٩۔

رجل اشترى أضحية وأمر رجلا بذبحها وقال: تركت التسمية عمدا ضمن الذابح قيمة الشاة للآمر ليشتري الآمر بقيمتها شاة أخرى، ويضحي ويتصدق بلحمها، ولا يأكل، هذا إذا كان أيام النحر باقية، فإن مضت أيام النحر يتصدق بقيمتها على الفقراء. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: في مسائل متفرقة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥٠)

(١) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٥، كراچی ٦/ ٣٢١۔

(٢) **واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح.** (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤) ←

جب دونوں کا حکم ایک ہے اورلحم دینا ان سب مذکورین فی السوال کو جائز ہے(۱) پس عین جلد بھی دینا درست ہے۔ ۳ رمحرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

بلی سے چھڑائی ہوئی مرغی وغیرہ ذبح کرنے کا حکم

سوال (۲۲۱۴): قدیم ۳/ ۵۵۲- مرغی کو بلّی نے پکڑ لیا مگر گردن درست ہے اس کو چھڑا کر جو ذبح کیا تو خون بکثرت نکلا مگر مرغی نے کچھ حرکت نہیں کی، فقط؟

الجواب: حلال ہوگئی۔ **کذا في الدرالمختار ورد المحتار**. ج ۵ ص ۳۰۱ (۲)۔

(تتمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

← **واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠۔

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧۔

(۱) الغياثية: **يطعم منها ماشاء للغني، والفقير، والمسلم، والذمي، فإن أكل الكل فهو جائز.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: ما يجوز من الضحايا، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٣٧، رقم: ٢٧٧٥٢)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦)

ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ماشاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي، ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كوئٹه ٤/ ١٦٦)

وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير، مسلم أو كافر. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب بيع جلد الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٨٤، كراچی ١٧/ ٢٥٨)

(۲) **ذبح شاة مريضة أو خرج الدم أي كما يخرج من الحي حلت، وإلا لا، إن لم تدر حياته عند الذبح، وإن علم حياته حلت مطلقا، وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم.** ←

ایضاً

سوال (۲۲۱۵): قدیم ۳/ ۵۵۲- نمبر﴿۱﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بھینس بیمار تھی جس وقت زیادہ تکلیف ہوئی تو ذبح کرتے وقت اس سے خون قطرہ دوقطرہ نکلا اور اعضاء حرکت کررہے تھے؟

نمبر﴿۲﴾ ایک بیل بیمار تھا، جس وقت زیادہ تکلیف ہونے لگی، اس کو ذبح کیا، اس میں سے خون تو نکلا مگر کسی اعضاء نے ذرا بھی حرکت نہ کی، تو دونوں جانور درست ہوگئے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: **ذبح شاة مريضة فتحركت أو خرج الدم حلت، وإلا لا إن لم تدر حياته عند الذبح، وإن علم حياته حلت مطلقا، وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم، وفي رد المحتار: قوله: فتحركت أى بغير مد نحو رجل وفتح عين مما لا يدل على الحياة كما يأتي قوله: أو خرج الدم أي كما يخرج من الحي –إلى قوله– وهو ظاهر الرواية.** ج۵ص۳۰۱(۱)۔

← (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٧، كراچی ٦/ ٣٠٨)

ولو ذبح شاة لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دم من غير تحرك حلت أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحي الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٤)

ولو ذبح شاة فتحركت أو خرج الدم حل وإلا لا، إن لم يدر حياته، وإن علم حل، وإن لم يتحرك ولم يخرج الدم؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحي؛ لأن الميت لا يتحرك ولا يخرج منه الدم، فيكون وجودهما أووجود أحدهما علامة الحياة فيحل الخ.

(تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧١-٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٧)

وإن ذبح شاة أو بقرة فخرج منها دم ولم يتحرك وخروجه مثل ما يخرج من الحي أكلت عند أبي حنيفةؒ وبه نأخذ. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٠)

البحرالرائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣١٥، كوئٹه ٨/ ١٧٣۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٧، كراچی ٦/ ٣٠٨۔

اس روایت سے یہ تفصیل مفہوم ہوئی کہ اگر ذبح کے قبل متصل اس کی حیات یقینی ہو تب تو ذبح سے وہ حلال ہوتا ہے خواہ حرکت کرے یا نہ کرے اور خواہ خون نکلے یا نہ نکلے اور اگر حیات یقینی نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو ایسی حرکت ہو جو علامات حیات کی ہو جیسے منہ کا بند کر لینا یا آنکھ کا بند کر لینا یا پاؤں کا سمیٹ لینا یا بال کھڑے ہو جانا (كما في الدر المختار أيضاً) یا اتنا خون نکلے جیسا زندہ کے نکلتا ہے تب تو حلال ہے، ورنہ حرام (۱)۔ ۶/ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۴)

---

(۱) ولو ذبحت شاة مريضة ولم يتحرك منها إلا فوها قال محمد بن سلمة: إن فتحت فاها لا تؤكل وإن ضمت عينها أكلت وإن مدت رجلها لا تؤكل، وإن قبضت رجلها أكلت، وإن نام شعرها لا تؤكل، وإن قام شعرها أكلت، وهذا صحيح؛ لأن الحيوان يسترخي بالموت ففتح الفم والعين، ومد الرجل، ونوم الشعر علامة الموت؛ لأنها استرخاء، وضم الفم وتغميض العين، وقبض الرجل، وقيام الشعر ليست باسترخاء بل هي حركات تختص بالحي فتدل على حياته، وقال قاضي‌خان: هذا كله إذ لم يعلم حياته وقت الذبح، وإن علم حياته وقت الذبح أكل على كل حال، وكذا ذكره في المحيط أيضا. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٧)

ولو ذبح شاة لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دم من غير تحرك حلت أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحي ...... وإلا أي وإن لم يتحرك أو لم يخرج الدم فلا تحل إن لم تعلم حياته وقت الذبح، وإن علمت حياتها وقت الذبح حلت مطلقا، أي على كل حال، قال العيني في شرح الكنز: ولو ذبح شاة مريضة لم تتحرك منها إلا فوهها، قال محمد بن سلمة: إن فتحت عينها لا تؤكل، وإن ضمت عينها توكل، وإن مدت رجلها لا تؤكل، وإن قبضت رجلها أكلت، وإن نام شعرها لا تؤكل، وإن قام شعرها أكلت. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٤-١٦٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الثاني: في صفة الذكاة، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٣٩٤، رقم: ٢٧٦١٢-٢٧٦١٣۔

هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی وزکوٰۃ کا روپیہ چندۂ ہلال احمر میں دینے کا حکم

سوال (۲۲۱۶): قدیم ۳/ ۵۵۳- چرمِ قربانی وزکوٰۃ یا اس کی قیمت وہاں کو روانہ کرنا حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ان ایام میں قربانی سے بہتر نہیں، استثناء فرائض کا تو خود سمجھ میں آتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مقدار فرض کے دینے کے بعد نیز جب یہ فرض ہوگا تو جن اشخاص نے صرف زکوٰۃ ہی دی ہے وہ زکوٰۃ ان کی کیسے ادا ہوگی، اشتہار میں اس کی تصریح ہونی چاہیئے کہ مقدار فرض کے دینے کے بعد دینا زکوٰۃ کا جائز ہے، نیز لوگوں کی طرف سے اطمینان کافی تملیک کا نہیں معلوم ہوتا فقط؟

الجواب: قیمت چرمِ قربانی کا دینا چونکہ سہل ہے، اس لئے اس کو تجویز کیا گیا ہے، البتہ تملیک کا انتظام خود کر کے دینا چاہیئے (۱) نفل قربانی کا ترک چونکہ جائز ہے اس لئے بعض علماء کی یہ بھی تجویز ہے اور فضیلت ہر عمل میں جدا قسم کی ہے۔ فقط

۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ یوم سہ شنبہ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۲)

---

(۱) بغیر تملیک کے دینا جائز نہیں؛ کیوں کہ قیمت چرمِ قربانی کا تصدق واجب ہے اور صدقۂ واجبہ میں تملیک فقراء شرط ہے۔

فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴)

مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳۴۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس کا روپیہ تجارتی کمپنی میں لگا ہو اس پر وجوب قربانی کا حکم

سوال (۲۲۱۷): قدیم ۳/ ۵۵۳- بکر صاحب نصاب ہے یعنی مبلغ اسی روپے ہیں مگر روپیہ ایک تجارتی کمپنی میں دیا ہے، اور بغیر ایک سال گذرے روپیہ مل نہیں سکتا، غرض کہ بکر کے قبضہ میں نہیں ہے، اور بکر اس وقت حالت افلاس میں ہے، قربانی کرنے کو روپیہ نہیں ہے نہ قرض مل سکتا ہے تو کیا کیا جاوے؟ فقط

الجواب: اگر کوئی چیز ضرورت سے زائد فروخت کر کے قربانی کر سکے تو واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

وفي ردالمحتار: له مال كثير مال غائب في يد مضاربه أو شريكه ومعه من الحجرين أو متاع البيت ما يضحي به تلزم. ج ۵ ص ۳۰۵ (۱)۔

۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

قربانی کا گوشت فروخت کرنے کا حکم

سوال (۲۲۱۸): قدیم ۳/ ۵۵۳- ایک عورت نے بلا اجازت اپنے خاوند کے قربانی میں ایک حصہ خرید لیا اور قیمت بھی دیدی جس وقت گوشت حصہ کا گھر آیا اس کے خاوند کو قصہ قربانی معلوم ہوا اس نے ناراضگی ظاہر کی اور خفا بہت ہو کر اس حصہ کو کہا فروخت کر دو اس عورت نے وہ حصہ دوسری عورت کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور قیمت لے لی، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جس نے حصہ خرید لیا، اس کو قربانی کا ثواب ہوا یا نہیں، پہلی عورت جس نے شروع میں حصہ خرید لیا تھا، شاید

---

(۱) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۵۳، كراچى ۶/ ۳۱۲۔

له مال كثير مال غائب في يد شريكه أو مضاربه، ومعه ما يشتري به الأضحية من الحجرين أو متاع البيت تلزمه الأضحية، كذا في القنية. (هندية، كتاب الأضحية، الباب التاسع: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۷، جديد زكريا ۵/ ۳۵۵)

له مال كثير مال غائب في يد مضاربه أو شريكه ومعه من الحجرين أو متاع البيت ما يشتري به الأضحية تلزم. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: في نصابها، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۲۸۷، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قدرے زیور کی مالک ہے بلکہ وہ بھی خاوند ہی کی مِلک ہو تحقیق نہیں، اگر عورت صاحب نصاب ہو تو کیا صورت مسئلہ ہے اور غیر نصاب کی کیا صورت فقط؟

الجواب: جس دوسری عورت نے گوشت کا حصہ خریدا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی، اور پہلی عورت نے جب حصہ خرید کر ذبح کرادیا اس کی طرف سے قربانی ہوگئی خواہ وہ غنی ہو یا فقیر (۱) اور ہر حال میں اس کو گوشت فروخت کرنا جائز نہیں تھا، اور جب گوشت فروخت کردیا اس کے دام جو وصول ہوئے، حق مساکین کا ہے اور چونکہ اس نے مساکین کو نہیں دیا اس لئے اب دینا واجب ہوگا (۲)۔ فقط

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

---

(۱) گوشت کا حصہ خریدنے والی عورت کی قربانی اس لئے نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ایسے جانور کا جو موانع اضحیہ سے خالی ہو ایام اضحیہ میں بنیت اضحیہ ذبح کرنا قربانی کے لئے رکن ہے، جو دوسری عورت کے حق میں مفقود ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی نہیں ہوئی، برخلاف پہلی عورت کے جس نے قربانی کے لئے حصہ خرید کر ذبح کروایا ہے کہ اس کے حق میں رکن قربانی متحقق ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی ہوگئی، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر۔

وأما ركنها: فذبح ما يجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها؛ لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلک الشيء، والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل، فكان ركنا. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الأول: في تفسيرها وركنها، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٦)

وركنها ذبح ما يجوز ذبحه من النعم لا غير؛ لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلک الشيء، والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل، فكان ركنا ...... تجب التضحية، أي إراقة الدم من النعم عملا. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٥٣-٤٥٤، كراچی ٦/ ٣١٢)

(۱) **فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه** (درمختار) **وفي الشامية: قوله: فإن بيع اللحم أو الجلد به الخ: أفاد أنه ليس له بيعهما بمستهلک الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله، وقوله عليه السلام: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له يفيد كراهة البيع. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠) ←

قربانی کی نذر کرنے سے قربانی واجب ہے یا تصدق

سوال (۲۲۱۹): قدیم ۳/۵۵۴- ایک شخص بیمار رہوا اس کے لواحقین نے کہا کہ خداوندا اگر یہ مریض صحت پاوے تو تین گائے مسلّم قربانی کروں بفضلہٖ تعالیٰ مریض نے صحت پائی، اور ذی الحجہ کے مہینہ میں گائے ذبح ہوگی، یہ قربانی کے حکم میں ہے یا صدقہ کے؟

الجواب: قربانی کے۔هكذا في رد المحتار (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص۱۳۸)

← **فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل، وقوله عليه السلام: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له يفيد كراهة البيع.** (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩۔

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۱) **ولو نذر أن يضحي شاة، وذلك في أيام النحر وهو موسر فعليه أن يضحي بشاتين عندنا: شاة بالنذر، وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عني به الإخبار عن الواجب عليه، فلا يلزمه إلا واحدة، ولو قبل أيام النحر لزمه شاتان بلا خلاف الخ.** (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٤، كراچی ٦/ ٣٢٠)

وفي أضاحي الزعفران: إذا قال: لله علي أن أضحي بشاة في أيام النحر، فإن كان موسرا فعليه أن يضحي بشاتين إلا أن يعني بالإيجاب ما يجب عليه ...... فإن كان فقيرا فعليه شاة، فإن أيسر كان عليه شاتان، ما أوجب بالنذر، وما أوجب عند اليسار. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: وجوب الأضحية بالنذر أو بمعناه، المجلس العلمي ٨/ ٤٦٠، رقم: ١٠٧٩٤)

إذا قال: لله علي أن أضحي بشاة في أيام النحر، فإن كان موسرا فعليه أن يضحي بشاتين إلا أن يعني بالإيجاب ما يجب عليه، فإن كان فقيرا فعليه شاة، فإن أيسر كان عليه شاتان. (الفتاوى التاتارخانية، الأضحية، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤١٥، رقم: ٢٧٦٨٤)

ولو نذر أن يضحي بشاة وذلك في أيام النحر وهو موسر فعليه أن يضحي بشاتين عندنا شاة لأجل النذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء -إلى قوله- ولو قال ذلك قبل أيام ←

اضحیۂ منذورہ کے گوشت کا حکم

سوال (۲۲۲۰): قدیم ۳/ ۵۵۴- اور اس گوشت کے مصارف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: مساکین کو دینا چاہئے (۱)۔ كذا في ردالمحتار، تحت قوله: ويأكل من لحم

← **النحر يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، شرائط الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٥، كراچی ٥/ ٦٣)

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اپنے قول ''مساکین کو دینا چاہئے'' سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اضحیہ منذورہ کی قربانی کا گوشت واجب التصدق ہے، نہ خود ناذر کے لئے اس کا گوشت کھانا جائز ہے اور نہ ہی کسی غنی کو کھلا نا درست ہے؛ بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا لازمی وضروری ہے، جیسا کہ خود حضرت نے سوال نمبر: ۲۲۰۵ اور سوال نمبر: ۲۲۳۹ کے جواب میں اس کے واجب التصدق ہونے کی صراحت کی ہے؛ لیکن اس بارے میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کر دیتے ہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت خود ناذر کے لئے اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اور عدم جواز کا حکم نذر ذبح کے گوشت کے بارے میں ہے۔ احقر نے تقریباً ۲۶ ر سال قبل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب کے مطابق اضحیہ منذورہ کے گوشت کو خود ناذر اور غنی کے لئے کھانے کو نا جائز لکھا تھا اور پورے کو واجب التصدق لکھا تھا، مگر اب سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ دونوں بالکل الگ الگ ہیں؛ کیونکہ فعل ذبح عبادت نہیں ہے اور فعل اضحیہ عبادت ہے اور نذر ذبح کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز نہیں۔ اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا خود ناذر اور غنی کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا ۱۷ ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کا لکھا ہوا مسئلہ امداد الفتاوی کے مطابق تو ہے، مگر اس میں تسامح ہے، صحیح یہی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''بذل المجہود'' میں صاحب بدائع کی مکمل عبارت وضاحت کے ساتھ نقل فرمائی ہے، جس سے حضرت کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک بھی نذر اضحیہ کا گوشت خود ناذر کے لئے کھانا جائز ہے، چاہے ناذر غنی ہو یا فقیر، اسی طرح دوسرے کو کھلانا چاہے وہ غنی ہو یا فقیر جائز ہے، اس سلسلہ میں ''بدائع الصنائع'' کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وجملة الكلام فيه أن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا ←

الأضحية، هذا في أضحية الواجبة والسنة، سواء إذا لم يكن واجبة بالنذر، وإن وجبت فلا يأكل منها شيئًا، ولا يطعم غنياً. ج۵ص۳۲۰(۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص۱۳۸)

قربانی کی نذر کی صورت میں قیمت مدرسہ میں دینے کا حکم

سوال (۲۲۲۱): قدیم ۳/۵۵۴- اور گائے کی قیمت تخمینہ کرکے روپیہ کسی مدرسہ میں یا غرباء کو دینے سے نذر سے بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ایام قربانی اگر گذر جاویں تو مساکین کو دام دینا چاہیئے (۲)۔ فقط

۲۷/ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۸)

← كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأ. والثاني: دم الإحصار وجزاء الصيد، ودم الكفارة الواجبة بسبب الجناية على الإحرام كحلق الرأس ولبس المخيط ...... والثالث: دم المتعة والقران، فعندنا يؤكل، وعند الشافعي لا يؤكل الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، مكتبه زكريا ديوبند ٤ / ٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥ / ٨٠)

بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحي، قديم ٤ / ٧٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩/ ٥٦٦-٥٦٧۔

اس سلسلہ میں فتاوی قاسمیہ ۱۷/ ۷۹ تا ۸۳ رقم المسئلہ: ۷۴۵۱، ۲۲/ ۴۹۵، رقم المسئلہ: ۱۰۰۹۴ پر مفصل ومدلل بحث موجود ہے، اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٣، كراچی ٦/ ٣٢٧۔

(۲) ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية ناذر لمعينة (درمختار) وفي الشامية: قوله: ومضت أيامها الخ: قيد به لما في النهاية: إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها؛ لأن الواجب عليه الإراقة، وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضي أيامها، وإن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها؛ لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص، ولا تجزيه الصدقة الأولىٰ عما يلزمه بعد؛ لأنها قبل سبب الوجوب. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩ / ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠) ←

قربانی کی قیمت ترک مجروحین کی امداد میں دینے کا حکم

سوال (۲۲۲۲): قدیم ۳/۵۵۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ جو جنگ آج کل خلافت عثمانیہ اور ریاستہائے بلقان میں جاری ہے، اور جس کا منشاء قطعی طور پر سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلام کو (خدانخواستہ) مٹانا چاہتی ہیں۔ اور اگر اس لڑائی میں ترکوں کو شکست ہوگئی تو بظاہر حالات پھر حرمین شریفین کی حفاظت کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کیا ایسی حالت میں یہ جائز ہے کہ عید البقر کے موقع پر بجائے قربانی کے اضحیہ کی قیمت ترکوں کے امدادی سرمایہ میں دیدی جائے، اگر ایسا کیا جاوے تو کیا مسلمان فرض قربانی سے سبکدوش ہو سکتے ہیں، اور جو لوگ قربانی کریں اُن کو اس موقع پر قربانی کے پوست سرمایہ مذکور میں دینا بہتر ہے یا مدارس اسلامیہ میں دینا افضل ہے، بینوا توجروا؟

الجواب: خود قربانی کی قیمت دینے سے تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی، اگر کسی نے ایسا کیا گنہگار رہوگا۔ **لأن الإبدال لاتنصب بالرائ كما صرح به الفقهاء** (۱)۔ البتہ قیمت چرم قربانی اس وقت مدارس

← **فإذا مضى الوقت ولم يضح بالشاة المعينة عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الأضحية حية، سواء أكان الذي عينها موسرا أو معسرا أو بقيمتها، وفي هذه الحال لاتحل له ولا لأصله ولا لفرعه ولا لغني.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٩٤)

فإن فات وقتها قبل ذبحها لزم التصدق بعين المنذورة حية هو الأفضل، فلو تصدق بقيمتها جاز. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٠)

(۱) **ومنها: أنه لا يقوم غيرها مقامها في الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الأضحية.** (هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب الثاني: في وجوب الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٣-٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٩)

إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها؛ لأن الواجب عليه الإراقة، وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضي أيامها، وإن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها؛ لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص، ولا تجزيه الصدقة الأولىٰ عما يلزمه بعد؛ لأنها قبل سبب الوجوب. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠) ←

میں دینے کی نسبت اس چندہ میں دینا بہتر ہے، ہاں ضرورت شدیدہ مستثنیٰ ہے، لیکن اس قیمت چرم کا دینا اس طرح ہونا چاہیئے کہ اول کوئی مسکین کوئی خاص مقدار روپیہ کسی سے قرض لے کر اس چندہ میں داخل کرے پھر قیمت چرم اس مسکین کو بطور مالک دیدی جائے اور وہ مسکین اس سے اپنا قرضہ ادا کر دے، اگر قیمت چرم براہ راست اس چندہ میں دیدی جاوے گی ادا نہ ہوگی (۱)۔

۳/ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۸)

باوجود قدرت کے قربانی چھوڑنے کے جواز پر ہدایہ کی عبارت سے استدلال کا جواب

سوال (۲۲۲۳): قدیم ۳/ ۵۵۵- بضرورت چندہ ہلال احمر علمائے حنفی المذہب کے جو فتوے شائع ہوئے ہیں ان میں عموماً یہ صراحت فرمائی گئی ہے کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے انہیں قربانی

← **لا يقوم غير الأضحية من الصدقات مقامها حتى لو تصدق إنسان بشاة حية أو بقيمتها في أيام النحر لم يكن ذلك مغنيا له عن الأضحية لا سيما إذا كانت واجبة، وذلك؛ لأن الوجوب تعلق بإراقة الدم، والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين لا يقوم غيره مقامه كالصلاة والصوم.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٠٦)

بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل: في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٠، كراچی ٥/ ٦٦۔

(۱) **فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بدّل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ٥/ ٣٤٧۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، كراچی ٢/ ٣٤٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہی کرنی چاہئے، قربانی کی قیمت دینے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ قیمت کا دیدینا بھی جائز ہے، گو افضل یہی ہے کہ قربانی کی جائے، ثانی الذکر علماء کا استدلال ہدایہ کی عبارت ذیل ہے:

وأيام النحر ثلثة (إلى أن قال) والتضحية فيها أفضل من التصدق بثمن الأضحية. (هداية، جلد رابع ص ۱۷۰ (۱)۔

ہدایہ کی اس عبارت کے متعلق صاحب کفایہ نے کچھ حوالۂ قلم نہیں فرمایا اور صاحب ہدایہ نے افضلیت تضحیہ کی ایک دلیل یہ لکھی ہے: **لأنها تقع واجبةً أو سنةً، والتصدق تطوع محض فتفضل عليه.** اس پر نہ معلوم کس کتاب سے ایک تو بین السطور کسی موقع پر یہ حاشیہ لکھا ہے: **وإن كان يسقط عنه الواجب.** دوسرے عنایہ سے ایک بڑی عبارت نقل کر کے تصدق ثمن پر تضحیہ کی افضلیت ثابت کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ایام نحر میں قربانی افضل ہے، لیکن تصدقِ قیمت بھی جائز ہے، اور ایسا کرنے سے واجب ساقط ہو جاتا ہے، یہ صورت جمہور علمائے حنفی المذہب کے موجودہ فتووں کے خلاف ہونے کے علاوہ مسلمانانِ ہندوستان کی تمدنی حالت کے بھی خلاف ہے اس لئے ہدایہ اور اس کے حواشی متذکرہ صدر کی کیا تاویل ہونی چاہیئے، اس سے مشرف باطلاع فرمایا جاوے؟

الجواب: لفظ افضل سے ترک یا ابدال کے جواز پر استدلال کرنا محض غلطی ہے جبکہ اس کے ساتھ ہی تضحیہ کو واجب یا سنت بھی کہا ہے، کہ اس سے مراد بھی مؤکدہ ہے جو قریب واجب کے ہے، مگر دوسرے ائمہ کے یہاں اصطلاح واجب نہ ہونے سے لفظ سنت اختیار کیا گیا ہے، بہرحال نہ کوئی واجب کے ترک یا ابدال کو باوجود قدرت علی الاصل کے جائز کہتا ہے، نہ ایسی سنت کے ترک یا ابدال کو (۲) پس دلیل میں اس

---

(۱) هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٦۔

(۲) **ومنها: أنه لا يقوم غيرها مقامها في الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الأضحية.** (هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب الثاني: في وجوب الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٣-٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٩)

لا يقوم غير الأضحية من الصدقات مقامها حتى لو تصدق إنسان بشاة حية أو بقيمتها في أيام النحر لم يكن ذلك مغنيا له عن الأضحية لا سيما إذا كانت واجبة، وذلك؛ لأن الوجوب تعلق بإراقة الدم، والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين لا يقوم غيره مقامه كالصلاة والصوم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٠٦) ←

کے وجوب وسنیت کی تصریح خود اُن کے دعوے سے معارض ہے، راجح الفعل عزماً کو غیر جائز سے افضل کہنے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اس سے دوسری شق کا فاضل یا جائز ہونا لازم نہیں آتا، کیا **بعولتهن احق بردهن** (۱)۔ سے "**غير بعولتهن**" کا مستحق رد ہونا لازم آسکتا ہے، رہا یہ کہ مفہوم تصانیف حجۃ ہوتا ہے، سو اول تو اس کا مفہوم ہونا مسلّم نہیں، جیسا اوپر بیان ہوا، پھر یہ جب ہے کہ اس کے خلاف کی تصریح نہ ہو، اور تصریح اس کے وجوب وسنیت کی اوپر مذکور ہوچکی ہے، رہا یہ کہ لفظ افضل موہم ضرور ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بعد تصریح کے ایہام مضر نہیں، پھر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اراقتہ دم میں بوجہ اس کی عبادت غیر معقولہ ہونے کے عقلاً شبہ عدم جواز کا تھا، ختم مادہ شبہ کے لئے ترقی کر کے لفظ افضل اختیار کیا گیا، یعنی صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس میں فضیلت بھی ہے (۲) اور فضیلت بھی بہت زیادہ اور آگے اس کی وجہ بتلا دی کہ واجب یا سنت ہے اور کبریٰ مطوی ہے کہ واجب اور سنت کی کمال فضیلت مسلّم وثابت ہے، پس مادہ شبہ کا بالکلیہ قطع ہوگیا، اور بین السطور کا حاشیہ مجہول ہے، کچھ حجّت نہیں، اور بفرض محال اگر سقوط ثابت بھی ہوجاتا ہے تب بھی مفید نہ تھا، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ جمعہ کے روز صلوٰۃ ظہر سے جمعہ ساقط ہوجاتا ہے لیکن ترکِ جمعہ اور صلوٰۃ ظہر کی رائے دینا کیا حرام نہیں ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ایک مبسوط مضمون اس کے متعلق لکھا ہے، اس کی نقل سہانپور سے ضرور منگا لیجئے۔

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۹)

← **ومنها: أن لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الأضحية؛ لأن الوجوب تعلق بالإراقة.** (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل: في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٠، كراچى ٥/ ٦٦)

شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچى ٦/ ٣٢٠۔

والأضحية أحب إليّ من التصدق بمثل ثمنها، والمراد في أيام النحر؛ لأن الواجب التقرب بإراقة الدم، ولا يحصل ذلك بالتصدق بالقيمة، ففي حق الموسر الذي يلزمه ذلك لا إشكال أنه لا يلزمه التصدق بقيمته، وهذا؛ لأنه لا قيمة لإراقة الدم، وإقامة المتقوم مقام ما ليس بمتقوم لا تجوز. (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح، باب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٣)

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ٢٢٨۔

(۲) **إن الإراقة لا تعقل قربة، وإنما جعلت قربة بالشرع في وقت مخصوص** ←

اضطراری ذبح کا طریقہ

سوال (۲۲۲۴): قدیم ۳/ ۵۵۶- کوئی جانور جگہ حلالی سے مٹی یا بوجھ میں دبا ہوا ہے اور جب تک نہ نکالا جاوے اندیشہ مرنے کا ہے تو اس کو حلال کس جگہ سے کیا جاوے، اور اگر وہ جانور بے موقع دبا ہوا ہے آدمی نہیں جا سکتا ہے تو دور کھڑا ہوکر برچھی تکبیر پڑھ کر مارے اور وہ خون بہہ جاوے تو وہ حلال درست ہے یا کہ نہ؟

الجواب: درست ہے(۱)۔ ۳/ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۵)

← **فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص.** (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل: في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٢، كراچی ٥/ ٦٨)

ولما كانت القربة في الأضحية بإراقة الدم، وكانت هذه الإراقة لا يعقل السر في التقرب بها وجب الاقتصار في التقرب بها على الوقت الذي خصها الشارع به. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٩٣-٩٤)

(۱) والأصل في هذا أن الذكاة على ضربين: اختيارية واضطرارية، ومتى قدر على الاختيارية لا يحل له الذكاة الاضطرارية، ومتى عجز عنها حلت له الاضطرارية، فالاختيارية ما بين اللبة واللحيين، والاضطرارية الطعن والجرح، وإنهار الدم في الصيد، وكل ما كان في علة الصيد من الأهل كالإبل إذا ندت أو وقع منها شيء في بئر فلم يقدر على نحره، فإنه يطعنه في أي موضع قدر عليه فيحل أكله الخ. (الجوهرة النيرة، كتاب الصيد والذبائح، مكتبه دارالكتاب ديوبند ٢/ ٢٦٤)

الذكاة الإضطرارية هي الجرح في أي موضع كان من البدن عند العجز عن الحيوان أي كأنها صيد فتستعمل للضرورة في المعجوز عنه من الصيد والأنعام، وتسمي هذه الحالة العقر ذهب جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية والحنابلة إلى حل لحم الحيوان بذكاة الضرورة؛ لأن الذبح إذا لم يكن مقدورا، ولابد من إخراج الدم لإزالة المحرم، وهو الدم المسفوح وتطيب اللحم، فيقام سبب الذبح مقامه وهو الجرح؛ لأن التكليف بحسب الوسع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ٢٠٠)

وأما الاضطرارية فركنها العقر وهو الجرح في أي موضع كان، وذلك في ←

ذبیحہ کی گردن پر پاؤں رکھنے کا حکم

سوال (۲۲۲۵): قدیم ۳/ ۵۵۶- قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت گردن پر قدم رکھ کر ذبح کرنا کوئی سنت کہتا ہے کوئی مستحب کوئی مکروہ کوئی حرام کہتا ہے، اب بندہ کی عرض یہ ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول حق قابلِ قبول ہے؟

الجواب: **فی المشکوة عن أنس قال: ضحیٰ رسول اللّٰه صلی اللہ علیه وسلم بکبشین أملحین أقرنین ذبحهما بیده، وسمي وکبر قال: رأیته واضعا قدمه علی صفاحهما، ویقول: بسم اللّٰه واللّٰه أکبر. متفق علیه (۱)۔ في اللمعات: قوله: صفاحهما جمع صفح بفتح الصاد وسکون الفاء، قیل: هو الجنب، وقیل: الوجه مطبوعه أنصاری ص ۱۱۹ ج ۱ (۲)۔ قلت: هذا الدلیل السمعي، وأما الحکمة العقیلة فیه فهو أنه أمکن**

← **الصید وما هو في معنی الصید، وإنما کان کذلک؛ لأن الذبح إذا لم یکن مقدورا ولابد من إخراج الدم لإزالة المحرم، وتطیب اللحم وهو الدم المسفوح علی ما بینا فیقام سبب الذبح مقامه، وهو الجرح علی الأصل المعهود في الشرع من إقامة السبب مقام المسبب عند العذر والضرورة کما یقام السفر مقام المشقة والنکاح مقام الوطء، والنوم مضطجعا أو متورکا مقام الحدث ونحو ذلک.** (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصید، رکن الذکاة الاضطراریة، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ١٦١)

هدایة، کتاب الذبائح، مکتبه أشرفیه دیوبند ٤/ ٤٣٤۔

الدرالمختار مع الشامي، کتاب الذبائح، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ٤٢٤، کراچی ٦/ ٢٩٤۔

(۱) بخاري شریف، کتاب الأضاحي، باب من ذبح الأضاحي بیده، النسخة الهندیة ٢/ ٨٣٤، رقم: ٥٣٤٣، ف: ٥٥٥٨۔

مسلم شریف، کتاب الأضاحي، باب استحباب الضحیة وذبحها مباشرة بلا توکیل، النسخة الهندیة ٢/ ١٥٥، بیت الأفکار رقم: ١٩٦٦۔

مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب الأضحیة، مکتبه أشرفیه دیوبند ١/ ١٢٧۔

(۲) لمعات التنقیح، الصلاة، باب في الأضحیة، مطبوعه دارالنوادر بیروت ٣/ ٥٧١۔

للذبح فيستحب كما استحب ذبح بعض الحيوانات مضطجعا بمثل هذه الحكمة، كما في العالمگيرية: والسنة في الشاة والبقرة أن تذبح مضطجعة؛ لأنه أمكن بقطع العروق ويستقبل القبلة في الجميع، كذا في الجوهرة النيرة. ج ٦ ص ١٩٣ (٣)۔

(تتمہ ثانیہ ص۱۸۱)

کیچوے سے مچھلی کے شکار کا حکم

سوال (۲۲۲۶): قدیم ۳/ ۵۵۷- اکثر لوگ کیچوؤں ہی سے مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور شکار ہی کو ذریعہ گذر بسر بنائے ہوئے ہیں آٹے سے مچھلی کم ملنے کے باعث کیچوؤں ہی سے مچھلی پکڑتے ہیں پس بوجہ افلاس محتاجی سالن پیدا کرنے کے لئے ان کو کیچوؤں سے شکار کرنا جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: اگر کیچوے کو اول مار دیا جاوے پھر اُس سے شکار کیا جاوے جائز ہے(۲) اس وقت ایک شکاری نے بیان کیا کہ مردہ کیچوے سے بھی ویسی ہی مچھلی آتی ہے۔　۱۲؍ شعبان ۱۳۳۳ھ

---

(۱) هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١۔

الجوهرة النيرة، كتاب الصيد والذبائح، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٢٦٤۔

ان روایات سے واضح ہوا کہ گردن کی جڑ سینہ کے قریب قدم رکھ کر ذبح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ اس لئے اس کو سنت یا مستحب کہنا درست ہے۔

(۲) لیکن اگر زندہ کیچوے کو کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے تو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس میں تعذیب حیوان ہے جو کہ حرام ہے۔

وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو داخل في النهي، ومأمور بالاجتناب عنه. (تكمله فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٥٤٠)

وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره. (فتح الباري، كتاب الصيد والذبائح، قبيل باب لحم الدجاجة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٩/ ٨٠٤، تحت رقم الحديث: ٥٥١٦، دار الريان للتراث ٩/ ٥٦١) ←

مچھلی کے شکار کی خاطر کیچووں کو مارنے کا حکم

سوال (۲۲۲۷): قدیم ۳/ ۵۵۷- فتویٰ حضور عالی سن کر مریدان حضور پابند ہیں مگر تفہیم کے لئے ادباً عارض کہ زندہ کیچوے جو گل پر لگائے جاتے ہیں اُن کو مچھلی نگل جاتی ہے وہ اس کے پیٹ میں جا کر مر جاتے ہیں ہم اگر کیچوؤں کو پانی اور مٹی میں نہ رکھ کر دھوپ میں رکھ کر ماردیں گے تو دونوں صورتوں میں اتلاف جان مردار محقق ہوتا ہے غرض شکار ماہی کے لئے مردار جانور کی جان کے اتلاف کا جواز شرعاً کس درجہ پر مبنی ہے اُس سے بصراحت ارشاد ہو تو راہ نمائی ہوگی اور دونوں صورتوں کا فرق بہ وضاحت ارشاد ہو تو احسان ہے کہ ایسا سوال پیش آنے پر ہم بوجہ بے علمی جواب نہ دے سکے؟

الجواب: دھوپ میں مارنا جائز نہیں بلکہ کسی ایسے آلہ سے ماریں کہ فوراً مر جاویں تا کہ ایلام وتعذیب بلا ضرورت نہ ہو، اسی طرح کانٹے میں چبھونے سے ایلام وتعذیب بلا ضرورت ہے(۱) اور محض اتلافِ جان اس کی علّت نہیں۔ ۱۰/ رمضان ۱۳۳۳ھ

← **وكره الصيد بالخراطين حية، وكذا بكل شيء فيه الروح لما فيه من تعذيب الحيوان، فإن اصطاره فالصيد مباح.** (إعلاء السنن، آخر كتاب الصيد و الذبائح، فوائد شتى تتعلق بأبواب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۲۰، كراچی ۱۷/ ۲۰۱)

وكره كل تعذيب بلا فائدة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۷، كراچی ۶/ ۲۹۶)

وكل ذلك مكروه؛ لأن فيه جميع ذلك وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۶۰، إمداديه ملتان ۵/ ۲۹۲)

وقد قال علماء نا: وكره السلخ قبل أن تبرد، وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث. (مرقاة، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۱۱۵)

(۱) عن شداد بن أوس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فاحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فاحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته، فليرح ذبيحته. (مسلم شريف، كتاب الصيد و الذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵) ←

’’بسم اللہ‘‘ بھول جانے والے کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۲۲۸): قدیم ۳/ ۵۵۸- ایک شخص قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھول گیا، جب وہ گلے پر چھری چلا چکا اور چھری بکرے کی گردن میں رکھی ہوئی ہے، پھر یاد آئی تو اس نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا، اور وہ غریب مسلمان تھا اور نمازی اب قربانی اس کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب: متروک التسمیہ ناسیًا حلال ہے(۱)۔ لہٰذا ذبیحہ بھی حلال ہے اور قربانی بھی درست ہے۔

(تتمہ ثانیہ ص ۲۰۰)

← **وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو داخل في النهي، ومأمور بالاجتناب عنه.** (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۵۴۰)

وكره الصيد بالخراطين حية، وكذا بكل شيء فيه الروح لما فيه من تعذيب الحيوان، فإن اصطاده فالصيد مباح. (إعلاء السنن، آخر كتاب الصيد والذبائح، فوائد شتى تتعلق بأبواب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۲۰، كراچى ۱۷/ ۲۰۱)

وكره كل تعذيب بلا فائدة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۷، كراچى ۶/ ۲۹۶)

وكل ذلك مكروه؛ لأن فيه جميع ذلك وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۶۰، إمداديه ملتان ۵/ ۲۹۲)

وقد قال علماءنا: وكره السلخ قبل أن تبرد، وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث. (مرقاة، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۱۱۵)

وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره. (فتح الباري، كتاب الصيد والذبائح، قبيل باب لحم الدجاجة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۹/ ۸۰۴، تحت رقم الحديث: ۵۵۱۶، دار الريان للتراث ۹/ ۵۶۱)

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه قال: سأل رجل النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! أرأيت الرجل يذبح وينسى أن يسمي؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اسم الله على فم كل مسلم.** (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۳۶، رقم: ۴۷۶۹) ←

غیر منقول اوقات میں ذبح کرنا جائز نہیں

سوال (۲۲۲۹): قدیم ۳/ ۵۵۸- جیسا کہ نفل نماز اور روزہ جب چاہے ادا کرے ثواب ہوتا ہے اسی طرح اگر ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ کے علاوہ اور تاریخوں میں یا دوسرے مہینوں میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر وجوب کے بکرا ذبح کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: **عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لا فرع ولا عتيرة. قال: والفرع أول نتاج كان ينتج لهم كانوا يذبحونه لطواغيتهم، والعتيرة في رجب متفق عليه (۱)۔**

← سنن الدارقطني، كتاب الأشربة وغيرها، باب الصيد والذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٧، رقم: ٤٧٥٨۔

إن ترك الذابح التسمية عمدا فالذبيحة ميتة لا تؤكل، وإن تركها ناسيا أكل، وقال الشافعيؒ: أكل في الوجهين، ومالك: لا تؤكل في الوجهين. (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٥)

فإن ترك التسمية ناسيا تحل ذبيحته؛ لأن النسيان مرفوع حكمه. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٥)

فإن تركها ناسيا حل خلافا لمالك. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٣٤، كراچی ٦/ ٢٩٩)

وحل ناسيا أي حل المذكي إن ترك التسمية ناسيا. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥١، إمداديه ملتان ٥/ ٢٨٨)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الذبائح، الفصل الثالث: ما يتعلق بالتسمية على الذبح، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٠١، رقم: ٢٧٦٣٠۔

(۱) بخاري شريف، كتاب العقيقة، باب الفرع، النسخة الهندية ٢/ ٨٢٢، رقم: ٥٢٦٠، ف: ٥٤٧٣۔

مسلم شريف، كتاب الأضاحي، باب الفرع والعتيرة، النسخة الهندية ٢/ ١٥٩، بيت الأفكار رقم: ١٩٧٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وعن محنف بن سليم قال: كنا وقوفا مع رسول الله ﷺ بعرفة، فسمعته يقول: يـا أيهـاالناس! إن على كل أهل بيت في كل عام أضحية وعتيرة، هل تدرون ما العيترة؟ هـي التـي يسـمـونهـا الـرجبية. رواه التـرمذي وأبوداؤد والنسـائي وابن مـاجة، وقـال الترمذي: هذا حديث غريب ضعيف الإسناد، وقال أبو داؤد: العتيرة منسوخة، كذا في المشكوٰة (۱)۔ قـولـه: لا فرع وفي شرح السنة: كانوا يذبحونه لألٰهتهم في الجاهلية، وقـد كـان الـمسـلـمـون يـفـعلونه في بدء الإسلام، أى للّٰه سبحانه، ثم نسخ، ونهى عنه لـلتشبه، كذا في الـمرقاة، قوله: ولا عتيرة هي شاة يـذبـح في رجب يتقرب بها أهل الـجـاهـلية، والـمسـلمون في صدر الإسلام، قال الخطابي: وهذا وهو الذي يشبه معنى الـحـديـث، ويليق بحكم الدين –إلى قوله– في النهاية: كانت بالمعنى الأول في صدر الإسلام، ثم نسخ، وفى شرح السنة: كان ابن سيرين يذبح العتيرة في رجب اھ۔ ولعلّه ما بلغ النسخ ذكره ملا علي القاري، كذا في الحاشية على الحديثين المذكورين (۲)۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ بجز دماء منقولہ کے ان میں سے عقیقہ بھی ہے، دوسرے دماء سے تقرب غیر مشروع ہے نیز ان میں تشبہ بھی ہے مشرکین کے ساتھ کہ وہ تقرب کے لئے ایسا کرتے

---

(۱) تـرمـذي، شـريف، كتاب الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دارالسلام رقم: ۱۵۱۸۔

أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما في إيجاب الأضاحي، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۵، دارالسلام، رقم: ۱۷۲۸۔

نسائي شريف، كتاب الفرع و العتيرة، النسخة الهندية ۲/ ۱٦۷، دارالسلام رقم: ٤۲۲۹۔

ابـن مـاجة شريف، أبواب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟ النسخة الهندية ص: ۲۲٦، دارالسلام رقم: ۳۱۲۵۔

مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب العتيرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹۔

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب العتيرة، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۳۱٤۔

حاشية المشكوة، باب العتيرة، رقم الحاشية: ۸، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۹۔

ہیں، نیز ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اراقۃ دم قربۃ غیر معقولہ یعنی خلاف قیاس ہے، پس خاص ہوگی وارد کے ساتھ (۱) اور صورت مسئولہ عنہا وارد نہیں لہٰذا بدعت ہے۔

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۰۰)

ذابح اور ذبیحہ میں سے کس کا قبلہ رو ہونا سنت ہے؟

سوال (۲۲۳۰): قدیم ۳/ ۵۵۹- ذبح میں ذبیحہ کا منہ قبلہ کی طرف ہونا شرعاً ضروری ہے یا ذابح کا منہ یا دونوں کا، اگر کوئی شخص جانور کا منہ قبلہ کی طرف یعنی پچھّم کی طرف سر، دم پورب کی طرف کر کے لٹاوے۔ اور خود دکھن کی طرف کھڑا ہو کر ذبح کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ظاہراً کلامِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ذابح کا منہ قبلہ کی طرف ہونا سنت ہے اور سنت بھی موکدہ اس کا ترک بلا عذر مکروہ ہے۔ **كذا في الدر المختار ورد المحتار** (۲)۔ باقی ذبیحہ کے متعلق کہیں نظر سے صریحاً نہیں گذرا۔

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۰۳)

---

(۱) **إن الإراقة لا تعقل قربة، وإنما جعلت قربة بالشرع في وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص.** (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل: في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٢، كراچی ٥/ ٦٨)

الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠)

ولما كانت القربة في الأضحية بإراقة الدم، وكانت هذه الإراقة لا يعقل السر في التقرب بها وجب الاقتصار في التقرب بها على الوقت الذي خصها الشارع به. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٩٣-٩٤)

(۲) **وكره ترك التوجه إلى القبلة لمخالفته السنة، أي المؤكدة؛ لأنه توارثه الناس فيكره تركه بلا عذر.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٢٧، كراچی ٦/ ٢٩٦)

ويستحب التوجه إلى القبلة. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الذبائح، الفصل الأول: في مسائله، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٠٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٧) ←

بانجھ اور حاملہ گائے کی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۳۱): قدیم ۳/ ۵۵۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مندرجہ ذیل میں:
نمبر ﴿۱﴾ بانجھ گائے جس کو یہاں پر بہلا گائے کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک وہ جو کہ شروع ہی سے نہیں جنتی، دوسرے وہ کہ ایک بچّہ جن کر پھر نہ جنے، تو ایسی گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

ضمیمہ سوال اول نمبر ﴿۲﴾ ایک گائے قربانی کی نیت سے خریدی گئی بعد خرید نے کے معلوم ہوا کہ یہ تو گابھن ہے اور گابھن گائے کی قربانی کو عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، تو اس کے عوض میں دوسری گائے خرید کر قربانی کردے یا اسی کو رہنے دے اور سال آئندہ اس کو مع اس کے بچہ کے قربانی کردے اور قربانی کرنے والا غنی بھی ہے اور زمانہ قربانی کا بھی موجود ہے؟

الجواب: نمبر ﴿۱﴾ درست ہے (۱)۔

← **وإذا ذبحها بغير توجه القبلة حلت، ولكن يكره، كذا في جواهر الأخلاطي.** (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٨، جديد زكريا ٥/ ٣٣٢)

وكذا لو ذبحها متوجهة لغير القبلة يكره وتؤكل؛ لأن السنة في الذبح أن يستقبل بها القبلة. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٦٠، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٢)

قلت: كراهة ابن عمر لها محمولة على التنزه؛ لأن توجيه الذبيحة ليس بواجب إجماعا، ولم يدل دليل على وجوبه، وغايته الاستحباب، فلا يكون تركه إلا خلاف الأولى. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أكل ذبيحة الأقلف، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١١٢، كراچی ١٧/ ١٠٠)

(۱) **يجوز المجبوب العاجز عن الجماع والتي بها السعال والعاجزة عن الولادة لكبر سنها.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣)

تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع والتي بها سعال، والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٠، كراچی ٦/ ٣٢٥) ←

نمبر﴿۲﴾ اگر بچہّ میں جان نہ پڑی ہو تب تو شبہ ہی نہیں، ورنہ بہتر ہے کہ دوسری کر لے اور اس گابھن کا جو چاہے کرے(۱) البتہ اگر دوسری گائے کم قیمت کی ہو تو بقدر تفاوت قیمت کے خیرات کر دے(۲)۔

← **والمجبوب العاجز عن الجماع والتي بها السعال، والعاجزة عن الولادة يجوز.** (خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: في العيوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٢١)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: في عيوبها، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٩۔

(۱) شاة أو بقرة أشرفت على الولادة قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٧، جديد زكريا ٥/ ٣٣١)

رجل له شاة حامل أراد ذبحها إن تقاربت الولادة يكره الذبح. (خلاصة الفتاوى، كتاب الذبائح، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٠٧)

إن تقاربت الولادة يكره ذبحها. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤١، كراچی ٦/ ٣٠٤)

خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكاة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٦٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٦١۔

رجل اشترى شاة للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الثاني، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٩)

(۲) وإن اشترى شاة أخرى بعد ما باع الأولى إن اشترى الثانية بجميع ثمن الأولى جاز ولا شيء عليه، وإن اشترى الأخرى بأقل مما تباع الأولى يتصدق بما بقي عنده من ثمن الأولى. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٤)

رجل اشترى شاة للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ، وإن كانت الثانية شرا من الأولى وذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل ما بين القيمتين الخ. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الثاني: في وجوب الأضحية بالنذر، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ضمیمہ سوال نمبر﴿۳﴾ اور اگر دوسری گائے کی تلاش میں زمانہ قربانی کا گذر گیا اور دوسری گائے نہ ملے اور وہ گابھن گائے اس کے پاس موجود رہے، یہاں تک کہ اس نے بچہ دیا تو اس کا دودھ کھانا درست ہے یا خیرات کر دے؟

نمبر﴿۳﴾ دودھ کھانا درست ہے(۱) اور اس کی قیمت کا تصدق بجائے قربانی کے واجب ہے اگر قربانی نہ کی ہو(۲)۔ محرم ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷)

مسافر پر قربانی واجب نہیں صدقہ فطر واجب ہے

سوال (۲۲۳۲): قدیم ۳/ ۵۵۹- مسافر جو مکان میں صاحبِ نصاب ہے اس کو

---

(۱) وأما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها ويجز صوفها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب قبل التضحية وعندها وبعدها، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٠، كراچی ٥/ ٧٨)

فأما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها ويجز صوفها، كذا في البدائع، والصحيح أن الموسر والمعسر فى حلبها، وجز صوفها سواء، هكذا في الغياثية.

(هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧)

(۲) ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية (درمختار) وفي الشامية: لوقوع اليأس عن التقرب بالإراقة، وإن تصدق بقيمتها أجزأه أيضا؛ لأن الواجب هنا التصدق بعينها، وهذا مثله فيما هو المقصود. (الدرالمختار مع الشامي، الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٠٢)

فإن فات وقتها قبل ذبحها لزم التصدق بعين المنذورة حية، وكذا ما شراها فقير للتضحية، والغني يتصدق بقيمتها شراها أو لا؛ لأن الواجب يتعلق بذمته. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٠)

هندية، كتاب الأضحية، الباب الرابع: فيما يتعلق بالمكان الزمان، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٢۔

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٨، إمداديه ملتان ٦/ ٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حالتِ سفر میں اگر قربانی وفطرہ دینے کی قدرت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتو اس پر قربانی یا فطرہ واجب ہوگا یانہیں، لیکن فی الحال سفر میں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت منگانے پر قادر ہے ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟

الجواب: **في الدرالمختار، باب المصرف: وابن السبيل وهو كل من له مال لا معه. وفي ردالمحتار عن الفتح: ولا يحل له أى لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته. ج۲، ص ۹۹ (۱)۔**

وفي الدرالمختار، باب صدقة الفطر على كل حر مسلم ولو صغيرا مجنونا ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية وان لم ينم، وبه أى بهذا النصاب تحرم الصدقة، وتجب الأضحية (۲)۔ وشرائطها الإسلام، والإقامة، واليسار الخ (۳)۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

﴿۱﴾ ایسے مسافر پر نہ صدقہ فطر واجب ہے اور نہ قربانی، کیونکہ وجوب صدقہ وحلت اخذ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے، اور اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے (۴)۔پس صدقہ فطر وقربانی واجب نہیں۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۰، كراچی ۲/ ۳۴۳۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۱۲-۳۱۳، كراچی ۲/ ۳۵۹-۳۶۰۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۵۲، كراچی ٦/ ۳۱۲۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. [التوبة، آیت: ٦٠]

(۴) **ومن له مال في وطنه لا معه هو المراد بابن السبيل فهو غني رقبة فقير يدا فعليه الزكوة لا الأداء، وله أخذ الزكوة.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۷-۳۲۸)

ابن السبيل من كان له مال في وطنه وهو في مكان آخر لا شيء له فيه قال: ←

﴿۲﴾ ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا گو درست ہے، مگر حاجت سے زیادہ نہ لے(۱) اور دینے والا بھی اس سے تحقیق حاجت کی کر لے، زیادہ حاجت سے نہ دے۔

﴿۳﴾ اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ ہی موجود ہو تو قربانی تو پھر بھی واجب نہیں (۲) مگر صدقۂ فطر واجب ہے (۳)۔

← **فهذه جهات الزكوة فللمالک أن يدفع إلى كل واحد منهم.** (هداية، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٠٥)

مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٧۔

(۱) **ومنها ابن السبيل: وهو الغريب المنقطع عن ماله، كذا في البدائع، جاز الأخذ من الزكوة قدر حاجته ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته.** (هندية، كتاب الزكوة، الباب السابع: في المصارف، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٨٨، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٠)

وكذلک المسافر إذا كان له مال في وطنه واحتاج فله أن يأخذ من الزكوة قدر ما يبلغه إلى وطنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل الثامن: من توضع فيه الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢١٨، رقم: ٤١٧٥)

وابن السبيل هو المسافر الذي له مال في وطنه وهو في مكان آخر لا شيء له فيه كذا في الهداية، فيجوز له الأخذ (الزكوة) قدر كفايته لا ما زاد. (النهر الفائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٦١)

البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٢، كوئٹه ٢/ ٢٤٢۔

(۲) **أخرج عبدالرزاق عن إبراهيم قال: رخص للحاج والمسافر في أن لا يضحي. وأخرج أيضا عن إبراهيم قال: كانوا إذا شهدوا ضحوا، وإذا سافروا لم يضحوا.** (مصنف عبدالرزاق، كتاب المناسك، باب الضحايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٩٤، رقم: ٨١٧٣-٨١٧٥)

وإنما تجب على حر مسلم مقيم فلا تجب على المسافر لقول عليؓ: ليس على مسافر جمعة ولا أضحية. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٧)

(۳) **وهي واجبة على الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية، فتجب على مسافر.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الزكوة، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٣٤) ←

﴿۴﴾ لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہوگیا تو پھر قربانی واجب ہوجاوے گی (۱)۔

﴿۵﴾ سفر سے مراد سفر شرعی ہے (۲)۔ ۲۶/ شوال ۱۳۲۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۸۰)

مالدار کو چرم قربانی دینا جائز ہے

سوال (۲۲۳۳): قدیم ۳/ ۵۶۰- چرم قربانی غنی کو تصدق کردینا جائز ہے یا نہیں اور وہ غنی بعد فروخت کرنے کے قیمت اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

← **المسافر والمريض إذا أفطر في رمضان لا تبطل عندهما صدقة الفطر؛ لأن سبب الوجوب موجود في وقت الوجوب في حقهما، وهو طلوع الفجر يوم الفطر.** (الفتاوى الولوالجية، كتاب الصوم، الفصل الرابع، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٤٤)

مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٣٤۔

(۱) **ولا تشترط الإقامة في جميع الوقت حتى لو كان مسافرا في أول الوقت، ثم أقام في آخره تجب عليه، ولو كان مقيما في أول الوقت ثم سافر ثم أقام تجب عليه.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٧)

ولا تشترط الإقامة في جميع الوقت حتى لو كان مسافرا في أول الوقت، ثم أقام في آخره تجب عليه لما بينا في شرط الحرية والإسلام. (بدائع الصنائع، الأضحية، شرائط الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٦)

(۲) **ذهب الحنفية إلى أن مسافة السفر التي تتغير به الأحكام هو مسيرة ثلاثة أيام، وقدر بعض مشايخ الحنفية بأقصر أيام السنة ...... ولا اعتبار عندهم بالفراسخ على المذهب، قال في الهداية: هو الصحيح احترازا عن قول عامة المشايخ في تقديرها بالفراسخ، ثم اختلفوا فقيل: واحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٢٩-٣٠)

شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢، كراچی ١/ ١٢٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جلد کا حکم مثل لحم کے ہے، جس طرح لحم اضحیہ کا غنی کو دینا جائز ہے، اسی طرح جلد بھی غنی کو دینا جائز ہے(۱) جب کہ اس کو تبرعاً دیا جاوے، اس کی کسی خدمت وعمل کے عوض میں نہ دیا جاوے(۲) اور جب اس غنی کی ملک کر دیا جاوے اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے(۳)۔ ۲۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۵)

---

(۱) **واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩۔

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧۔

(۲) اس لئے کہ چرم قربانی کا تصدق بطور تبرع کے واجب ہے، کسی کی خدمت وعمل کے عوض میں دینا جائز نہیں ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا. (مسلم شريف، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها، النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بيت الأفكار رقم: ١٣١٧)

بخاري شريف، كتاب المناسك، باب يتصدق بجلود الهدي، النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، رقم: ١٦٨٦، ف: ١٧١٦۔

ولو أراد أن يعطي الجزار أو الذابح أجرته من لحمها لايجوز، وفي الظهيرية: ولا يعطي جلد الأضحية، ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٢، رقم: ٢٧٧٦٣)

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠۔

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩۔

(۳) **المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف مكتبه رشيد ١/ ٧) ←

متولی یا امام مسجد کو قربانی کی کھال دینے کا حکم

سوال (۲۲۳۴): قدیم ۳/۵۶۰- متولی یا امام مسجد جوغنی ہے اس کو بہ نیت عمارتِ مسجد یا مصالح مسجد دیدینا اور اس کا بعد فروخت کرنے کے عمارت یا مصالح مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس کو مالک بنادیا ہے تو حکم اس کا اوپر گذرا(۱) لیکن اگر وہ متولی یا امام مسجد میں صرف نہ کرے تب بھی جائز ہے، اور اگر اس کو مالک نہیں بنایا بلکہ وکیل بنایا ہے تو اس کو کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں جو کہ مؤکل کے لئے ناجائز ہو، اس لئے اس کا یہ تصرف مذکور فی السوال درست نہ ہوگا (۲)۔

۱۸/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۵)

← **كل يتصرف في ملكه كيف شاء.** (شرح المجلة، لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٥٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣٨)

إن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوجه الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ١٠، كراچی ٤/ ٥٠٢)

البناية، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٨/ ٢١٩۔

(۱) یعنی بوجہ مالک ہونے کے اس کے لئے دیگر اموال مملوکہ کی طرح اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف رشيديه ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٥٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيته. (بدائع الصنائع، النكاح، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣٨، كراچی ٢/ ٣٢٧)

إن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوجه الاختصاص. (شامي، البيوع، مطلب: في تعريف المال، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ١٠، كراچی ٤/ ٥٠٢)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٨/ ٢١٩)

(٢) وأما شرائطها فأنواع: منها ما يرجع إلى الموكل وهو أن يكون ممن ←

قربانی کی کھال میں تملیک کی شرط وغیرہ کا بیان

سوال (۲۲۳۵): قدیم ۳/ ۵۶۱- قربانی کے معینہ چمڑے کو یہ کہہ کر کسی مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں کہ اس کو بیچ کر دام یا جس طرح سے ہو سکے مدرسہ کی بناء یا مسجد کی بناء میں لگائے اور اس کی دلیل یا نقل کیا ہے؟

﴿۲﴾ اس پر کیا دلیل ہے کہ مصارف قیمت جلود اضاحی بعینہ مصارف زکوٰۃ ہیں درحالیکہ کتابوں کے اندر ہے کہ بعد فروخت تصدق واجب ہے، یعنی خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے نہ کہ یہ صاف کہیں ہے کہ یہ صدقہ واجبہ ہے؟

﴿۳﴾ کل صدقہ میں قبض یا تملیک شرط ہے، یا فقط واجبہ میں، اگر سب میں ہے تو صدقۂ جاریہ میں تو ممکن نہیں اس کا کیا جواب اور دلائل ہیں؟

﴿۴﴾ یہ چمڑے کے فروخت سے جو کراہت آتی ہے وہ تحریمی ہے یا تنزیہی اگر تحریمی ہے تو علماء اس کا خلاف کیوں نہیں کرتے، اگر تنزیہی ہو تو اس سے جو روپیہ آئیگا وہ مال خبیث ہوگا یا نہ نیز مال خبیث سے اگر کوئی مدرسہ بنایا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا بدلائل مطلوب؟

﴿۵﴾ کہیں صدقہ واجبہ ونافلہ کا تفصیل وار بیان ہے یا نہ، اگر ہے تو کون سی کتاب میں، سارے دلائل وشواہد حنفی مسلک پر ہونا چاہیئے؟

← **يملك فعل ما وكل به بنفسه الخ.** (هندية، كتاب الوكالة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٥٦١، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٤٧٧)

أما الذي يرجع إلى المؤكل فهو أن يكون ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه؛ لأن التوكيل تفويض ما يملكه من التصرف إلى غيره فما لا يملكه بنفسه كيف يحتمل التفويض إلى غيره. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، شرائط الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ١٥)

فما يرجع إلى المؤكل كونه ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه. (البحرالرائق، كتاب الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٣٧، كوئٹه ٧/ ١٤٠)

المؤكل هو من يقيم غيره مقام نفسه في تصرف جائز، ويشترط فيه أن يكون ممن يملك ذلك التصرف. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ٢١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ صریح توکیل ہے اور وکیل کو وہی تصرف جائز ہے، جو مؤکل کو جائز ہے اور تصرف مذکور فی السوال خود مؤکل کو بھی جائز نہیں، لہٰذا وکیل کو بھی جائز نہیں (۱)۔

﴿۲﴾ صدقہ واجبہ کے تو یہی معنی ہیں کہ تصدق اس کے ساتھ واجب ہے، کیونکہ صدقہ تو اعیان سے ہے اور وجوب صفت ہے فعل کی تو اعیان کا اس کے ساتھ موصوف ہونا مجازاً ہے، حقیقت اس کی فعل ملابس بہ کا وجوب ہے، پس جب تصدق کو واجب مان لیا، اسی سے اس صدقہ کا واجب ہونا بھی بالمعنی المذکور لازم آ گیا، اور بجز اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں، پس صدقہ واجبہ ہونا اس کا ثابت ہوگیا تو اس کے صدقۂ واجبہ کے مصارف میں کیا شبہ رہا، یہی دلیل اس پر کافی ہے (۲)۔

﴿۳﴾ چونکہ عین تو جاری ہے نہیں اس کے منافع جاری ہیں اور وہ محل ملک ہیں، جیسا اجارہ

---

(۱) **وأما شرائطها فأنواع: منها ما يرجع إلى المؤكل وهو أن يكون ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه الخ.** (هندية، كتاب الوكالة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۵۶۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۴۷۷)

أما الذي يرجع إلى المؤكل فهو أن يكون ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه؛ لأن التوكيل تفويض ما يملكه من التصرف إلى غيره فما لا يملكه بنفسه كيف يحتمل التفويض إلى غيره. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، شرائط الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۱۵)

فما يرجع إلى المؤكل كونه ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه. (البحرالرائق، كتاب الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲۳۷، كوئٹه ۷/ ۱۴۰)

المؤكل هو من يقيم غيره مقام نفسه في تصرف جائز، ويشترط فيه أن يكون ممن يملك ذلك التصرف. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۵/ ۲۱)

(۲) **مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة. (هندية، كتاب الزكوة، الباب الثامن: في صدقة الفطر، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۴، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں تملیک منافع بعوض (۱) اوراعارہ میں بلاعوض کی تصریح کی گئی ہے (۲) پس تخلف ملک کا صدقہ سے کہاں لازم آیا، فقہاء کا علی الاطلاق یہ کہنا: **الصدقة كا لهبة لاتصح غير مقبوضة ولا في مشاع** (۳)۔ پھر ہبہ کی تعریف میں تملیک العین کہنا (۴)۔(**والروايتان: في الدرالمختار وغيره**) صاف دلیل ہے کہ مطلق صدقہ میں تملیک شرط ہے اوراگر واجب ہی کے ساتھ بھی خاص کیا جاوے تو اس کا واجب ہونا بھی اوپر ثابت ہوگیا۔

---

(۱) **هي -الإجارة- شرعا تمليك نفع مقصود من العين بعوض.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤-٥، كراچی ٦/ ٤)

هي بيع منفعة معلومة بعوض مالي أو نفع من غير جنس المعقود عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٥١١)

هداية، كتاب الإجارات، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳۔

(۲) **العارية جائزة وهي تمليك المنافع بغير عوض.** (هداية، كتاب العارية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۷۸)

العارية هي تمليك منفعة بلا بدل. (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، كتاب العارية، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٧٩)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب العارية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٤٧٤، كراچی ٥/ ٦٧٧۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، فصل: في مسائل متفرقة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٥١٩، كراچی ٥/ ۷۰۹۔

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض؛ لأنه تبرع كالهبة فلا تجوز في مشاع يحتمل القسمة لما بينا في الهبة. (هداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه وما لا يصح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۲-۲۹۳)

والصدقة كالهبة؛ لأنها تبرع مثلها، فإذا كان كذلك لا تصح بدون القبض بل لابد من كونها مقبوضة كالهبة، ولا تصح في مشاع يقسم. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٥٠٩)

(۴) **هي -الهبة- تمليك عين بلا عوض.** (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٨٩) ←

﴿۴﴾ عینی شرح کنز میں ہے: **ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز الخ** (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نیت سے بیع کرنے میں کچھ کراہت نہیں۔

﴿۵﴾ درمختار باب مصرف الزکوٰۃ میں بقدر ضرورت یہ احکام مذکور ہیں (۲)۔

۴؍محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۷)

اجتماعی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۳۶): قدیم ۳/ ۶۲ ۵- زید اور عمرو دو بھائی ہیں، ان کا مال ایک جگہ جمع ہے اور کھانا پینا علیحدہ ہے، یہ ہمیشہ اس مال میں سے قربانی کرتے ہیں، مگر اس طریق سے کرتے ہیں کہ حصہ مقرر نہیں کرتے، صرف دو حصے ہوتے ہیں اور کبھی چار ہو جاتے ہیں کہ ایک ماں کا ایک باپ کا، پس، آیا اس طریق سے قربانی کرنا درست ہو جاوے گی یا نہیں، اگر اس طریق سے درست نہ ہو تو طریق بتلا دیجئے؟

الجواب: **في العالمگيرية: عن الأضاحي للزعفراني اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم أن يضحوا بها بينهم، ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلک، فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان: يجوز، فقوله: اشترى سبعة نفر سبعة شياه**

← **هي شرعا تمليک العين مجانا، أي بلا عوض.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٨٨، كراچی ٥/ ٦٨٧)

هي تمليک العين بلا عوض. (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨، إمداديه ملتان ٥/ ٩١)

(۱) **ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق.** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق. (هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ٥/ ٣٤٧)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۲) راجع الدرالمختار و ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣-٣٠٨، كراچی ٢/ ٣٣٩-٣٥٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بینهم يحتمل شراء كل شاة بينهم، ويحتمل شراء شاة على أن يكون لكل واحد شاة، ولكن لايعينها، فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول، فما ذكر في الجواب على أحد الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز، كذا في المحيط شاتان بين رجلين ذبحاهما عن نسكيهما أجزاهما بخلاف العبدين بين اثنين اعتاقهما عن كفارتهما لا يجوز. اھ ج٦ ص٢٠٥ (١)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں قربانی درست ہوجاوے گی، باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر ایک خاص شخص کا نام لگا دیا جاوے کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے۔ ۳۱ رشوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۶)

تھن کٹی گائے کی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۳۷): قدیم ۳/ ۵۶۲- ایک گائے جس کا ایک تھن گر گیا ہے اور تین باقی ہیں، قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٥١۔

وفي أضاحي الزعفراني: اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم أن يضحوا بها بينهم، ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها، فضحوا بها كذلك، فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان: يجوز، فقوله: اشترى سبعة نفر سبعة شياه بينهم يحتمل شراء كل شاة بينهم، ويحتمل شراء سبع شياه على أن يكون لكل واحد منهم شاة، ولكن لايعينها، فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر من الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول، فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الثامن، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٥٥، رقم: ٢٧٨١٦)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الثامن: فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، المجلس العلمي ٨/ ٤٨٠، رقم: ١٠٨٥٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في ردالمحتار: وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز أو اثنتان لا ھ ج۵ص ۳۱۷ (۱)۔اس سے معلوم ہوا کہ ایسی گائے کی قربانی جائز ہے۔

۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۹۲)

اضحیہ منذورہ کے گوشت سے امیر کو کھانے کا حکم

سوال (۲۲۳۸): قدیم ۳/ ۵۶۳- اضحیہ منذورہ سے ناذر کو کھانا، اور غنی کو کھلانا جائز ہے یا نہیں بظاہر تو اراقتِ دم سے نذر کا ایفاء ہوگیا، اب لحم کا مثل اضحیہ مطلقہ کے حکم ہونا چاہیئے، جو تحقیق ہوارشاد فرمائیں؟

الجواب: في العالمگيرية: نذر أن يضحي ولم يسم شيئا فعليه شاة، ولا يأكل منها، وإن أكل عليه قيمتها، كذا في الوجيز للكرخي ۶ ص ۱۹۸ (۲)۔

---

(۱) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۰، كراچی ۶/ ۳۲۵۔

وفي الإبل والبقر إن ذهبت وحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لا تجوز كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة والواجب، قديم زكريا ۵/ ۲۹۹، جديد زكريا ۵/ ۳۴۵)

وفي الشاة والمعز إذا ذهبت إحدى حلمتيها خلقة أو بآفة وبقيت الأخرى لا يجوز، وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة جاز، وإن اثنتان لا. (بزازية على هامش الهندية، الأضحية، الفصل الخامس: في عيوبها، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۲۹۴، جديد زكريا ۳/ ۱۵۹)

وفي الشاة والمعز إذا لم يكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحد لم يجز، وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز، وإن ذهبت اثنتان لا يجوز. (خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، قبيل الفصل السادس: في الانتفاع بالأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۳۲۱)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: ما يجوز من الضحايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۳۰، رقم: ۲۷۷۳۱۔

(۲) هندية، كتاب الأضحية، الباب الثاني: في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، قديم زكريا ۵/ ۲۹۵، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۰۔

وفيها: إن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا، ولا أن يطعم غيره من الأغنياء سواء كان الناذر غنيا، أو فقيرا؛ لأن سبيلها التصدق، وليس للمتصدق أن يأكل صدقته ولا أن يطعم الأغنياء كذا في التبيين ج٦ص٢٠١(١)۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اضحیہ منذورہ سے نہ خود ناذر کو کھانا جائز ہے اور نہ غنی کو کھلانا جائز ہے(۲)۔

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۲)

---

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة والواجب، قديم زكريا ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦۔

(۲) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے جواب کی درج بالا روایات سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت نہ خود ناذر کھا سکتا ہے اور نہ غنی کو کھلا سکتا ہے؛ بلکہ پورا کا پورا گوشت نذر کے گوشت کی طرح واجب التصدق ہے، سو اس بارے میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت خود کے لئے اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اور عدم جواز کا حکم نذر ذبح کے بارے میں ہے۔ احقر نے تقریباً ۲۶/سال قبل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب کے مطابق اضحیہ منذورہ کے گوشت کو خود ناذر اور غنی کے لئے کھانے کو ناجائز لکھا تھا اور پورے کو واجب التصدق لکھا تھا، مگر اب سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ دونوں بالکل الگ الگ ہیں: کیونکہ فعل ذبح عبادت نہیں ہے اور فعل اضحیہ عبادت ہے اور نذر ذبح کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز نہیں۔ اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا خود ناذر اور غنی کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا ۷/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کا لکھا ہوا مسئلہ امداد الفتاوی کے مطابق تو ہے، مگر اس میں تسامح ہے، صحیح یہی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی کے لئے کھانا جائز ہے، اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''بذل المجهود'' میں صاحب بدائع کی مکمل عبارت وضاحت کے ساتھ نقل فرمائی ہے، جس سے حضرت کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک بھی نذر اضحیہ کا گوشت ناذر کے لئے کھانا جائز ہے، خواہ ناذر غنی ہو یا فقیر، اسی طرح دوسرے کو کھلانا چاہے وہ غنی ہو یا فقیر جائز ہے، اس سلسلہ میں ''بدائع الصنائع'' کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیے: ←

فقیر کے لئے اپنے جانور کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے

سوال (۲۲۳۹): قدیم ۳/ ۵۶۳- بندہ نے ایک بکرا لے کر پالا برائے قربانی مگر چونکہ بندہ صاحب نصاب نہیں تھا، اس واسطے ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم اس بکرے کی قربانی سے خود گوشت نہیں کھا سکتے کیونکہ تم صاحب نصاب نہیں ہو، اور یہ بکرا تمہارا بارادہ قربانی خرید کیا ہوا بجائے نذر معین کے سمجھا جائے گا، میں نے ایک دوسرے مولوی صاحب سے جا کر استفتاء کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کچھ حرج نہیں تم بلا شک کھا سکتے ہو بحوالہ کتب معتبرہ مسئلۂ حق سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرماویں؟

الجواب: في العالمگيرية: وله أن يدخر الكل لنفسه فوق ثلثة أيام إلا إن إطعامها والتصدق بها أفضل إلا أن يكون الرجل ذاعيال وغير موسع الحال، فإن الأفضل له حينئذ أن يدعه لعياله، ويوسع به كذا في البدائع إن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا، ولا أن يطعم غيره من الأغنياء، سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا. ج ٦ ص ٢٠١ (١)۔

← وجملة الكلام فيه أن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار وجزاء الصيد، ودم الكفارة الواجبة بسبب الجناية على الإحرام كحلق الرأس ولبس المخيط ...... والثالث: دم المتعة والقران، فعندنا يؤكل، وعند الشافعي لا يؤكل الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/ ٨٠)

بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحي، قديم ٤/ ٧٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩/ ٥٦٦-٥٦٧۔

اس سلسلہ میں فتاوی قاسمیہ ۱۷/ ۷۹ تا ۸۳ رقم المسئلہ: ۷۴۵۱، ۲۲/ ۴۹۵، رقم المسئلہ: ۱۰۰۹۴ پر مفصل ومدلل بحث موجود ہے، اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة والواجب، قديم زكريا ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب زبان سے نذر کرلے اس کا کھانا تو خود جائز نہیں اور جو نذر نہ کی ہوگی مثل نذر کے اس پر واجب ہوگیا ہو اس کا کھانا جائز ہے کما یدل علیہ قولہ غیر موسع الحال (۱)۔

۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۰۱)

قربانی کی کھال کا تبادلہ گوشت سے کرنے کا حکم

سوال (۲۲۴۰): قدیم ۳/ ۵۶۳- یہاں چرم قربانی قصاب کو دیتے ہیں اور ان سے بعوض چرم قربانی محرم میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن بلاد میں چرم وزن سے فروخت ہوتا ہے وہاں تو یہ بیع ہی درست نہیں، کہ

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے جواب کی درج بالا عبارات کے پیش نظر یہ فرق بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے زبان سے صراحتاً کسی جانور کی قربانی کی نذر مانی ہے تو اس اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا ناذر کے لئے جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر صراحتاً زبان سے نذر نہیں مانی ہے؛ بلکہ مثل نذر کے اس پر واجب ہوگیا ہے، تو اس کا کھانا اس کے لئے جائز ہے؛ لیکن تحقیق کے بعد اور سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا مطلقاً ناذر کے لئے جائز ہے، چاہے زبان سے صراحتاً قربانی کی نذر مانی ہو یا اس پر مثل نذر کے واجب ہوگیا ہو، بہر صورت ناذر کے لئے اس کا گوشت کھانا جائز ہے، اسی طرح دوسرے اغنیاء کے لئے کھانا بھی جائز ہے، تفصیل کے لئے ماقبل کے سوال نمبر: ۲۲۳۸ کے جواب کے حاشیہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

وجملة الكلام فيه أن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار وجزاء الصيد، ودم الكفارة الواجبة بسبب الجناية على الإحرام كحلق الرأس ولبس المخيط ...... والثالث: دم المتعة والقران، فعندنا يؤكل، وعند الشافعي لا يؤكل الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/ ٨٠)

بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحي، قديم ٤/ ٧٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩/ ٥٦٦-٥٦٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مبادلہ موزون کا موزون سے نسیئۃً ربوا ہے (۱) اور جن بلاد میں عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع تو درست ہے، جب گوشت کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کر دی جاوے (۲) لیکن اس کے عوض میں جو گوشت آویگا ان سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے اگر خود کھاویگا یا غنی کو کھلاویگا اتنی مقدار کی قیمت کا تصدق واجب ہوگا۔

في الدرالمختار: لا بمستهلک کخل ولحم ونحوه کدراهم، فإن بیع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه اھ. قلت: ولا تغلط مما في ردالمحتار عن القنیة: اشتری بلحمها ماکولاً فأکله لم یجب علیه التصدق بقیمته استحسانا. اھ ج ۵ ص ۳۲۱. لأنه مخصوص باللحم دون الجلد، والفرق أن اللحم ماکول دون الجلد فأقیم ماکول مقام الماکول دون غیر الماکول (۳)۔

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۰۱)

---

(۱) چرم کو فروخت کیا جائے تو قیمت کا تصدق واجب ہوتا ہے اور جب گوشت کے عوض میں فروخت کر دیا ہے تو گوشت اس کی قیمت ہوئی؛ لہٰذا اس کا تصدق بھی واجب ہو جائے گا، نیز چرم قربانی اور گوشت دونوں ہم جنس نہیں ہیں؛ لیکن جہاں چرم کو وزن سے فروخت کیا جاتا ہے، وہاں گوشت اور چرم دونوں وزنی ہوگئے اور جب وزن اور جنس دونوں موجود ہوں تو واضح طور پر ربوا ہونے کی وجہ سے ہاتھ در ہاتھ اور نقد بھی کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں اور جب دونوں علتوں میں سے ایک ہو تو نسیئہ اور ادھار جائز نہیں ہے، حضرت والا تھانویؒ نے اسی صورت کو ربوا کہا ہے۔

وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضمون إلیه حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فیه الإباحة، وإذا وجدا حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة، وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ. (هدایة، کتاب البیوع، باب الربا، مکتبه أشرفیه دیوبند ۳/ ۷۹)

وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنسأ بهما والنسأ فقط بأحدهما وحلا بعدمهما. (النهرالفائق، کتاب البیوع، باب الربا، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۲۷۰-۲۷۲)

(۲) **لابد لمعرفة المبیع من أن یکون معلوما بالنسبة للمشتري بالجنس والنوع والمقدار، فالجنس کالقمح مثلا، والنوع کأن یکون من إنتاج بلد معروف، والمقدار بالکیل أو الوزن أو نحوهما.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹/ ۱٦)

(۳) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الأضحیة، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ٤۷۵، کراچی ٦/ ۳۲۸ ←

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جانوروں کے ذبح کا رواج ہے

سوال (۲۲۴۱): قدیم ۳/۵۶۴- ذبح کرنا گائے بھینس وغیرہ کا کب سے جاری ہوا ہے اس معاملہ میں آیت قرآن مجید وحدیث شریف جو ہو مطلع فرماویں؟

الجواب: جب سے حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تب ہی سے ان جانوروں کا ذبح کرنا بحکمِ الٰہی جاری ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ ہابیل نے قربانی کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوئی اور وہ جانور ان کی قربانی کا یا اونٹ تھا یا مینڈھا علی اختلاف روایات التفسیر۔

قال اللّٰه تعالیٰ: اِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فتقبل مِنْ اَحدُهمَا ولم يتقبل مِنَ الآخر. الآية (۱)۔ وهابيل صاحب ضرع وقرب جملا سمينا. بيضاوى ۱۲ (۲) وهو كبش لهابيل. جلالين ۱۲ (۳)۔

← **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤ / ٤٥٠)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤ / ١٧٤)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٥ / ٣٠١، جديد زكريا ٥ / ٣٤٧۔

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ٢٧۔

(۲) بيضاوي شريف، سورة المائدة، مكتبه سعد ديوبند ٢/ ٩٤۔

(۳) جلالين شريف تحت تفسير رقم الآية: ٢٧ / من سورة المائدة مكتبه رشيديه دهلى ص: ٩٨۔

وكان هابيل صاحب غنم فعمد إلى أحسن كبش، فقرب به الخ. (تفسير مظهري، سورة المائدة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٠٩)

فقرب هابيل جذعة، وقيل: كبشا، وقرب قابيل حزمة سنبل الخ. (تفسير روح المعاني، سورة المائدة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٦٤)

اور تب سے اب تک سب امتوں میں ان جانوروں کا ذبح کرنا جاری ومشروع رہا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ لبني اسرائیل: إِنَّ اللّٰهَ يأمُركم أن تَذْبَحُوا بَقَرَةً الآية (۱)۔ وقال تعالیٰ: امتنانا علینا اللّٰه الذي جعل لكم الأنعام لتركبوا منها ومنها تأكلون الآية (۲)۔

۱۲ محرم ۱۳۱۰ھ واللہ اعلم (امداد ج ۳ ص ۱۵۵)

معین پر وجوب تسمیہ کا حکم

سوال (۲۲۴۲): قدیم ۳/ ۵۶۴- کتاب احکام العیدین مصنفہ نواب قطب الدین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایک مسئلہ دیکھا جس سے سخت تر دد ہوا، اس لئے بغرض اطمینان خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب شافی سے جلد سرفراز فرمایا جاوے، اول انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے **وهو هذا:**

وعن أبي الأسد الأسلمي عن أبيه عن جده قال كنت سابع سبعة مع رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم (ثم بعد كلام طويل) فأمر رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فأخذ رجل برجل، ورجل برجل ورجل بيد ورجل بيد ورجل بقرن ورجل بقرن وذبحها السابعة وكبرنا عليها جميعًا رواه أحمد (۳)۔

اس کے ترجمہ کے بعد نواب صاحب نے ایک فائدہ تحریر کیا ہے وہ بھی بعینہٖ منقول کرتا ہوں:

ف: اس سے معلوم یہ ہوا کہ جو ذبح کرے قربانی کو اور جو شخص قربانی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ پکڑے ہوئے ہوں سب تکبیر کہیں، اور اپنے استاد مکرم حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سے سنا میں نے، کہ فرماتے تھے ضرور ہے قربانی کے گلے یا ہاتھ پاؤں وغیرہ پکڑنے والے کو کہ وہ بھی بسم اللہ کہے، اگر نہ کہے تو وہ جانور حرام ہوتا ہے اھ مجھے تو یہ یاد تھا کہ اگر دو آدمی یا زائد ذبح کرنے میں شرکت کریں کہ چھری پر سب ہاتھ ڈالیں تو ہر ایک پر تسمیہ واجب ہے اور اگر ذبح میں شرکت نہ کریں تو محض ہاتھ وغیرہ پکڑنے والوں پر تسمیہ واجب نہیں بلکہ اس صورت میں تسمیہ صرف ذابح کے ذمہ واجب ہے، اور وہی کافی ہے شامی میں صورت

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۶۷۔

(۲) سورة الغافر، رقم الآية: ۷۹۔

(۳) مسند أحمد بن حنبل بيروت ۳/ ۴۲۴، رقم: ۱۵۵۷۵۔

اول یعنی شرکت الاثنین فی الذبح کا حکم وجوب علی کل واحد تو مل گیا۔ مگر صورت ثانیہ کا حکم یعنی جب کہ ذابح صرف ایک شخص ہو اور دوسرے آدمی ہاتھ پیر پکڑنے والے ہوں نہیں ملا۔ **فبینوا بالتفصیل ولکم عند اللّٰہ الأجر الجزیل؟**

الجواب: عالمگیریہ و قاضی خاں و درمختار وغیرہا میں جہاں وجوب تسمیہ علی المعین وشرط اسلامیہ کو لکھا ہے، وہاں ہی اعانت کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے:

وضع صاحب الشاة على السكين يده مع يد القصاب، حتى يعاونا على الذبح أو عجز عن مدقوسه فأعانه على يده مجوسي أو أخذ مجوسي بيد المسلم، فذبح والسكين في يد مسلم (۱)۔

---

(۱) **رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح، قال الشيخ الإمام: يجب على كل واحد منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية لا يجوز، كذا في الظهيرية.** (هندية، الأضحية، قبيل الباب الثامن، قديم زكريا ٥/ ٣٠٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٠)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده مع يد القصاب في المذبح وأعانه على الذبح حتى صار ذابحا مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا –رحمه الله تعالى–: يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لا تحل الذبيحة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة، قديم زكريا ٣/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥١)

أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يسمي كل وجوبا فلو تركها أحدهما حرمت، كما في خانية وغيرها. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٦)

أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح سمي كل وجوبا، فلو تركها أحدهما أو ظن أن تسمية أحدهما تكفي حرمت. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٨٢، كراچی ٦/ ٣٣٤)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس پر یہ تفسیر صادق نہ آتی ہو وہ شخص معین واجب علیہ التسمیہ نہیں۔ **وقد صرحوا بأن مفاهيم الكتب الفقهية حجة** (۱)۔ پس صرف ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر تسمیہ واجب نہیں، فتاویٰ سعدیہ قلمی ص ۱۱۲ میں اس پر کافی بحث ہے، پس نواب صاحب کی تحریر مبنی ہے اشتباہ پر کہ معین کو مطلق سمجھ گئے، اور تفسیر پر باعتبار قید احترازی نظر نہیں فرمائی، شاید تمثیل سمجھا ہو، اور حضرت استادؒ سے جو نقل فرمایا ہے ممکن ہے کہ اس کا بھی یہی منشاء ہو، یا یاد میں خلط ہو گیا ہو یا عدم تدبر فی الحدیث سبب ہوا ہو احتجاج بالحدیث کا، ورنہ تھوڑا سا غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث سے صرف وقوع تسمیہ کا ثابت ہے اور وقوع مستلزم وجوب نہیں، ممکن ہے کہ یہ وقوع بطور استحباب ہوا ہو، اور استحباب کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اور لفظ امر کا معمول حدیث میں اخذ ہے نہ کہ تکبیر۔ فقط

قرب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۹)

فقیر پر دوسرے خریدے ہوئے جانور کی قربانی واجب ہونے کی علت

سوال (۲۲۴۳): قدیم ۳/ ۵۶۵- میں بہشتی زیور حصہ تیسرا دیکھ رہا ہوں صفحہ ۴۴ بیان قربانی مسئلہ ۱۶ کی یہ عبارت ہے، اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اس لئے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی، یہ عبارت ۱۶ کے مسئلہ صفحہ ۴۴ بہشتی زیور میں درج ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ غریب پر دونوں جانوروں کا بار اور امیر پر صرف ایک جانور کا بار؟

الجواب: اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے، اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اس کے ذمہ وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے

---

(۱) **ولم يقل قبل إدخالهما الإناء لئلا يتوهم اختصاص السنة بوقت الحاجة؛ لأن مفاهيم الكتب حجة.** (النهرالفائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۷)

ولذا لم يقل قبل إدخالهما الإناء لئلا يتوهم اختصاص السنة بوقت الحاجة؛ لأن مفاهيم الكتب حجة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، مطلب في دلالة المفهوم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۱۰، زكريا ۱/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ۱۶۲، زكريا ۱/ ۳۱۴، كراچی ۱/ ۱۷۲)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳-۲۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واجب ہوا تھا، سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہو گیا (۱) اور امیر آدمی پر خود شرع سے قربانی واجب ہے گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہے، پس خواہ یہ کتنے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہے گا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا (۲) اور غریب آدمی جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے۔ ۷؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۷)

---

(۱) **وفي فتاوى أهل سمرقند: الفقير إذا اشترى أضحية فسرقت فاشترى أخرى مكانها، ثم وجد الأولى فعليه أن يضحي بهما، وفيه أيضا: الفقير إذا اشترى أضحية فضلت فليس عليه أن يشتري مكانها أخرى، ولو كان غنيا فعليه ذلك.** (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني: وجوب الأضحية بالنذر، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۱۳، رقم: ۲۷۷۴)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، المجلس العلمي ۸/ ۴۵۹، رقم: ۱۰۷۹۰۔

إذا اشترى الغني أضحية فضلت فاشترى أخرى، ثم وجد الأولى في أيام النحر كان له أن يضحي بأيتهما شاء، ولو كان معسرا فاشترى شاة وأوجبها، ثم وجد الأولى، قالوا: عليه أن يضحي بهما كذا في فتاوى قاضي خان. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۹)

(۲) **ولو ضلت أو سرقت فشرى أخرى فظهرت فعلى الغني إحداهما وعلى الفقير كلاهما.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۱، كراچى ۶/ ۳۲۶)

وعلى هذا يخرج ما إذا اشترى شاة للأضحية وهو موسر، ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت في أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحي بشاة أخرى؛ لأن الوجوب في جملة الوقت والمشترى لم يتعين للوجوب والوقت باق وهو من أهل الوجوب فيجب ...... وإن كان معسرا فاشترى شاة للأضحية فهلكت في أيام النحر أو ضاعت سقطت عنه، وليس عليه شيء آخر لما ذكرنا أن الشراء من الفقير للأضحية بمنزلة النذر، فإذا هلكت فقد هلك محل إقامة الواجب فيسقط عنه، وليس عليه شيء آخر بإيجاب الشرع ابتداء لفقد شرط الوجوب وهو اليسار، ولو اشترى الموسر شاة للأضحية فضلت فاشترى شاة أخرى ←

قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں

سوال (۲۲۴۴): قدیم ۳/ ۵۶۶- احقر نے قربانی کے مسائل کو گجراتی زبان میں کیا ہے آپ نے جو مسائل بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں درج کئے ہیں اس کے متعلق وہو ہذا، مسئلہ ا قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کردے الخ مسئلہ ۲ اس کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت الخ یہ عرض ہے کہ کہاں سے لئے گئے ہیں اور کون سی کتاب کے ہیں، مجھ کو اپنی گجراتی زبان میں اس کا حوالہ دینا ہے، کیونکہ لوگ یہاں اس مسئلہ میں مختلف ہیں، آپ مہربانی فرما کر حوالہ اس کا مرحمت فرماویں؟

الجواب: یہ احکام مختلف ابواب سے لئے ہیں۔ **في الدر المختار: فإن بيع اللحم و الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه** (۱)۔ **وفيه كتاب الهبة: والصدقة كالهبة لا تصح غير مقبوضة** (۲)۔ **وفيه: هو أي الهبة تمليك العين مجانا** (۳)۔ **وفيه باب المصرف للزكوة: وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقات لهم الخ** (۴)۔

← **ليضحي بها، ثم وجد الأولىٰ في الوقت، فالأفضل أن يضحي بهما، فإن ضحى بالأولىٰ أجزأه ولا تلزمه التضحية بالأخرى الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٩)

مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٣۔

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٠، كوئٹه ٨/ ١٧٥۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، فصل: في مسائل متفرقة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٥١٩، كراچی ٥/ ٧٠٩۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٨٨، كراچی ٥/ ٦٨٧۔

(۴) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٠، كراچی ٢/ ٣٥١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان روایات سے ثمن جلد کے تصدق کا وجوب (۱) اور تصدق میں اشتراط تملیک (۲) اور صدقات واجبہ کا مصرف مثل زکوٰۃ کے ہونا ثابت ہوا (۳) اور اس مجموعہ سے وہ احکام مجموعی ثابت ہوئے۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۷)

---

(۱) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ٥/ ٣٤٧۔

(۲) **والصدقة كالهبة؛ لأنها تبرع مثلها، فإذا كان كذلك لا تصح بدون القبض بل لابد من كونها مقبوضة كالهبة، ولا تصح في مشاع يقسم.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠٩)

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض؛ لأنه تبرع كالهبة فلا تجوز في مشاع يحتمل القسمة لما بينا في الهبة. (هداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه وما لا يصح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٩٢-٢٩٣)

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض، ولا في مشاع يحتمل القسمة؛ لأنه تبرع كالهبة، ويلزم فيها ما يلزم في الهبة فامتنعت بدون القبض كالهبة. (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٧٦، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٤)

(۳) **مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣، كراچی ٢/ ٣٣٩)

أي مصرف الزكوة والعشر وما أخذه العاشر من تجار المسلمين قاله الشمني وعمم القهستاني كل صدقة واجبة. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٤)

ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة. (هندية، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٩٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٥)

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

مسجد میں چرمِ قربانی وقف کرنے کا حکم

سوال (۲۲۴۵): قدیم ۳/ ۵۶۶- کھال قربانی کے عین سے انتفاع جائز ہے بس اسی طرح اگر کسی غنی کو یا سید کو دیدیا جاوے تو بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، البتہ فروخت کر کے غنی کو یا سید کو دینا جائز نہ ہوگا کہ تصدق واجب ہے، اب بعد عین کے ہبہ کر دینے کے سید اور غنی کو فروخت کر دینے کا اور قیمت اپنے مصرف میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں، ظاہر شق اول ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اگر کوئی شخص مسجد میں وقف کردے تب بھی جائز ہوگا، پھر متولی مسجد کو اختیار رہوگا کہ بعد فروخت کے اس کی قیمت جس مصرف میں چاہے خرچ کردے، البتہ اگر متولی کو وکیل بنادے اور وہ وکالۃً بیچے اور پھر اجازت سے مسجد میں صرف کرے تو بوجہ عدم تملیک درست نہ ہوگا، علیٰ ہذا اگر خود ہی بطریق نیابت عن الفقراء فروخت کر ڈالے تب بھی بظاہر تصدق واجب کے شرائط ضروری معلوم نہیں ہوتے یعنی سیدوں وغیرہ کو دینا جائز معلوم ہوتا ہے بلکہ اس طریق سے تو حجاز ریلوے میں بھی دینے کی گنجائش نکلتی ہے، اور مدارس میں جو کھالیں آتی ہیں، ان کا مہتمم کو بعد فروخت تمام ضروریات مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا، خواہ تملیک پائی جائے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار تعريف الوقف: حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من أحب (۱)۔ وفيه: فإذا تم ولزم لا يملك ولايملك (۲)۔ وفيه: وكما صح أيضًا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم، بل ودراهم ودنانير (۳)۔ وفي ردالمحتار: إن الدراهم لا تتعين بالتعيين، فهي وإن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها، لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها فكأنها باقية (۳)** اھ۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٢٠-٥٢١، كراچی ٤/ ٣٣٨-٣٣٩۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١-٣٥٢۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥٥، كراچی ٤/ ٣٦٣-٣٦٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفيه: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه الخ (۱)۔

وفيه: فوقف الدراهم متعارف في بلاد الروم دون بلادنا، ووقف الفأس والقدوم كان متعارفا فی زمن المتقدمين، ولم نسمع به في زماننا، فالظاهر أنه لا يصح الآن، ولئن وجد نادرًا لايعتبر لما علمت من أن التعامل هو الأكثر استعمالا فتأمل اھ(۲)۔

اس عبارت سے چندامور مستفاد ہوئے:

﴿۱﴾ وقف میں حبس عین ضروری ہے، حقیقۃً یا حکمًا اس طرح کہ اس کا بدل باقی رکھا جاوے(۳)۔

﴿۲﴾ وقف منقول ان ہی اشیاء کے ساتھ خاص ہے، جس میں اس کا عرف ہو(۴)۔

---

(۱) شامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥٦، كراچی ٤/ ٣٦٤۔

(۲) شامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥٧، كراچی ٤/ ٣٦٤۔

(۳) **وعندهما وهو حبس العين على ملک الله تعالیٰ على وجه يعود نفعه على العباد.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧٠)

والوقف اصطلاحا: عرفه الفقهاء بتعريفات مختلفة، فعرفه الحنفية بأنه حبس العين على حكم ملک الله تعالى، وصرف منعفتها على من أحب، وهذا عند الصاحبين. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٠٨)

هداية، كتاب الوقف، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٦٣٧۔

وأما الحنفية والمالكية على المذهب فقد أجازوا الطعام كالحنطة، ووقف الدراهم والدنانير إذا وقف ذلک للسلف ورد البدل، واعتبروا أن رد البدل قائم مقام بقاء العين، أما وقفها مع بقاء عينها فلا يجوز، قال ابن عابدين: الدراهم لاتتعين بالتعين، فهي وإن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها، لكن بدلها قائم مقام عينها لعدم تعينها، فكأنها باقية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦٦-١٦٧)

(۴) **وصح وقف العقار، وكذا المنقول المتعارف وقفه عند محمدؒ كالفأس، والمرو، والقدوم، والمراجل، والمصاحف، والكتب، وأبو يوسفؒ معه فی وقف السلاح، والكراع، والإبل في سبيل الله، وبه يفتى لوجود التعامل في هذه الأشياء، واختاره أكثر فقهاء الأمصار، وهو الصحيح كما في الإسعاف، وهو قول عامة المشايخ، كما في الظهيرية؛ ←**

﴿۳﴾ بجز وجہ موقوف علیہ کے دوسرے مصرف میں صرف کرنے کا متولی کو اختیار نہیں (۱)۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اول تو مساجد میں جو لوگ کھال دیتے ہیں ان کا قصد وقف کا نہیں ہوتا دوسرے اگر قصد بھی ہو تو بوجہ عرف نہ ہونے کے صحیح نہیں اور شاذ و نادر کسی کا عمل پایا جانا قابل اعتبار نہیں، تیسرے اگر صحیح بھی ہو تو اس چرم قربانی کا باقی رہنا شرط ہوگا، حقیقۃً مثلاً ڈول یا جانماز بنالی جائے یا حکمًا کہ اس کو فروخت کر کے بقدر اس کے ثمن کے ہمیشہ باقی رکھا جاوے اور اس کی منفعت وجہ خیر میں صرف ہوتی رہے، چوتھے منفعت بھی اس کی اسی مصرف میں ہو سکے گی جس میں واقف نے تعیین کی ہے نہ یہ کہ متولی جہاں چاہے، اور ان سب امور کا فقدان ظاہر ہے، پس مسجد میں وقف صحیح نہیں، اور واقع بھی نہیں، بلکہ مقصود تو کیل ہی ہوتا ہے اور نیابت کے لئے اول تو انابت کی حاجت ہے اور اگر اس میں وسعت کر لی جائے تاہم ضرور ہے کہ فقراء ہی کو دے، کیونکہ انہوں نے حکمًا و تقدیراً اپنی منفعت کے لئے نائب بنایا ہے، نہ کہ حجاز ریلوے وغیرہ کے لئے اور اگر اس تاویل سے سیدوں کے لئے گنجائش نکالی جائے تو بھی مشکل ہے کیونکہ واقع میں تو

← **لأن القياس قد يترك بالتعامل كما في الاستصناع بخلاف ما لا تعامل فيه كالثياب والأمتعة.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۷۸-۵۸۰)

ويجوز عند محمدؒ وقف المنقول قصدا إذا كان متعارفا، وفيه تعامل للناس كالفأس، والقدوم، والقدر، والجنازة، وثيابها، والمصحف، والكتب؛ لأن القياس قد يترك بالتعامل لقول عبدالله بن مسعودؓ ما رأى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن، بخلاف مالا تعامل فيه، أي لم يجر التعامل بوقفه كالثياب، والحيوان، والمتاع، والفتوى على قول محمدؒ، وإليه ذهب عامة المشايخ، ومنهم السرخسي. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦٥)

(۱) **شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٤٩، كراچی ٤/ ٤٣٣)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر، قبيل القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، قديم ص: ١٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٣٠٠)

نہیں ہوئی صرف کراہت بیع کے لئے تاویل کی جاسکتی ہے، سواس سے مصرف ثمن کا نہیں بدل سکتا (۱) وہذا ظاہر کلہ متامل۔ واللہ اعلم اور مضمون وقف سے پہلے سوال میں جتنا مضمون ہے سب صحیح ہے۔

۱۶/ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۰۷)

سال بھر سے چندروز کم بکرے کی قربانی جائز نہیں

سوال (۲۲۴۶): قدیم ۳/ ۵۶۸- ایک بکرا عیدالاضحیٰ تک آٹھ یوم کم ایک سال کا ہوگا ویسے وہ نہایت فربہ اور تیار ہوگیا ہے، جوان ہے دانت بھی کر لئے ہیں مگر سال سے آٹھ یوم کم کی اس کی عمر بقرعید تک ہوگی وہ بکرا قربانی اس عید پر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: **في العالمگيرية: وتقدير هذه الاسنان بما قلنا يمنع النقصان، ولا يمنع الزياده حتى لو ضحى بأقل من ذلك شيئًا لا تجوز، ولو ضحى بأكثر من ذلك شيئًا يجوز، ويكون أفضل.** ج۶ ص ۱۹۹ (۲)۔

---

(۱) **ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له بيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها.** (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، المجلس العلمي ۸/ ۴۷۰، رقم: ۱۰۸۲۹)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۰، رقم: ۲۷۷۵۷۔

ولو باعهما بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۹)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصدق على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۶، إمداديه ملتان ۶/ ۸-۹)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۷، كوئٹه ۸/ ۱۷۸۔

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۰۔

(۲) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۷، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۳۔ ←

اس روایت میں لفظ ''شیئًا'' میں تصریح ہے کہ صورت مسئولہ میں اس کی قربانی درست نہیں (۱)۔

۲/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۱۴)

ایضاً

سوال (۲۲۴۷): قدیم ۳/ ۵۶۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور مثلاً بکرا اگر پورا سال ہونے میں ایک آدھ روز کم ہو اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں، علیٰ ہذا القیاس گائے کے دوسال پورے ہونے میں بھی اگر ایک دو روز کم ہوں قربانی ہو جاوے گی یا نہیں؟

← **عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة.** (أبوداؤد شريف، الضحايا، باب ما يجوز من السن في الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۶، دار السلام، رقم: ۲۷۹۷)

مسلم شريف، الأضاحى، باب سن الأضحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۵، بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۳۔

وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، محل إقامة الواجب، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۲۰۶، كراچى ۵/ ۷۰)

فلو ضحى بسن أقل لا يجوز وبأكثر يجوز وهو أفضل. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۶۶، كراچى ۶/ ۳۲۲)

(۱) **ويشترط الكامل فلا يجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز من الضحايا وما لايجوز، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳۴۹، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۵)

ويجزئ في الأضحية الثني فصاعدا من كل شيء، ولا يجزئ ما دون ذلك من كل شيء، والثني من الغنم الذي تم عليه سنة. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز، المجلس العلمي ۸/ ۴۶۶، رقم: ۱۰۸۱۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۲۵، رقم: ۲۷۷۱۳-۲۷۷۱۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: نہیں ہوگی۔ **في العالمگيرية: وتقدير هذا الاسنان بما قلنا يمنع النقصان، ولا يمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذلك شيئًا لا تجوز.** ج۶ص۱۹۹ (۱) **قلت: قوله شيئا يعم يومًا أو يومين.**

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱۵)

---

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣۔

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة. (أبوداؤد شريف، الضحايا، باب ما يجوز من السن في الضحايا، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٦، دارالسلام، رقم: ٢٧٩٧)

مسلم شريف، الأضاحى، باب سن الأضحية، النسخة الهندية ٢/ ١٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٩٦٣۔

وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز الخ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، محل إقامة الواجب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٦، كراچى ٥/ ٧٠)

فلو ضحى بسن أقل لا يجوز وبأكثر يجوز وهو أفضل. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٦، كراچى ٦/ ٣٢٢)

ويشترط الكامل فلا يجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز من الضحايا وما لايجوز، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٩، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٥)

ويجزئ في الأضحية الثني فصاعدا من كل شيء، ولا يجزئ ما دون ذلك من كل شيء، والثني من الغنم الذي تم عليه سنة. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز، المجلس العلمي ٨/ ٤٦٦، رقم: ١٠٨١٣)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٢٥، رقم: ٢٧٧١٣-٢٧٧١٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بطور نذر یا بطور شکر ذبح کرنے کا حکم

سوال (۲۲۴۸): قدیم ۳/ ۵۶۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہوگیا اور مجھے اس میں کامیابی ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا یا گائے ذبح کروں گا یا نذر تو نہیں مانی، مگر یوں ہی کسی مطلب برآری کے شکریہ میں کوئی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین اور غربا کو تقسیم کردیا تو آیا اس کی یہ نذر یا اس کا یہ فعل جائز بھی ہے یا نہیں۔ مع حوالۂ کتب ونقل اسناد جواب مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا؟

الجواب: في الدرالمختار: ولو قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة أو عليّ شاة أذبحها فبرئ لا يلزمه شيء؛ لأن الذبح ليس من جنسه فرض، بل واجب كالأضحية فلايصح، إلا إذا زادوا تصدق بلحمها فيلزمه؛ لأن الصدقة من جنسها فرض وهي الزكوٰة (فتح وبحراه) وفي ردالمحتار عن الخانية: قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة، وبرئ لايلزمه شيء، إلا أن يقول: فللّٰه عليّ أن أذبح شاة اھ. ثم قال لأن قوله ذبحت شاة وعدلا نذر، ثم قال: ثم لم يجب (أى الصوم) ما لم يقل: للّٰه علي، وفي الاستحسان: يجبا. اھ ج۳ ص ۱۰۷ (۱)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح نذر کی کہ میں ذبح کر کے مساکین کو کھلا دوں گا، یا دیدوں گا تب تو یہ نذر بالاتفاق منعقد ہو جاوے گی، اور اگر مساکین کو کھلانے یا دینے کا ذکر نہیں کیا، صرف اتنا ہی کہا کہ ذبح کروں گا تو اس نذر کی صحت میں اختلاف ہے، مگر علاّمہ شامی نے ترجیح صحت کو دی ہے۔

كما قال بعد العبارة المذكورة: ويؤيده أيضاما قدمناه عن البدائع، وبه يعلم أن الأصح أن المراد بالواجب ما يشمل الفرض، والواجب الاصطلاحی لاخصوص الفرض فقط اھ(۲)۔ قال العبد الذي أسرف على نفسه ويرد عليه أن من شرائط صحة

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۵۲۳، کراچی ۳/ ۷۳۹-۷۴۰۔

(۲) شامي، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۵۲۳، کراچی ۳/ ۷۴۰۔

النذر كون المنذور به قربة مقصودة، وقد صرح الفقهاء بأن الإراقة غير معقولة مختصة بزمان مخصوص (۱)۔ ويلزم منه كون الإراقة في غير ذاك الزمان غير قربة، فكيف انعقد النذر به؟ وأجاب عنه بعض أحبابي بأنه لعل المراد أعم من أن يكون نفس المنذور به قربة أو يكون جنس المنذور به قربة، فالإراقة في غير زمان مخصوص، وإن لم يكن قربة لكن الإراقة في زمان مخصوص التي هي من جنسها قربة فيصح النذر، وعورض أوّلاً بأنه خلاف الظاهر، فيحتاج إلى نقل صريح، وثانيا بأنه معارض بنقل صريح وهو ما في الدرالمختار: وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة، وفي ردالمحتار: وهو عبادة مقصودة الضمير راجع إلى النذر بمعنى المنذور اھ. وفي فتح القدير مما هو طاعة مقصودة لنفسها ومن جنسها واجب. ج۴ ص ۳۷۴ (۲)۔

وفي رد المحتار بعد العبارة المذكورة: فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة، لاما كان من جنسه. ج ۳ ص ۱۰۲ (۳)۔ ثم بدا لي جواب وهو أنا سلمنا أن القياس يقتضي عدم صحة هذا النذر كما قاله المورد: لكنا

---

(۱) إن الإراقة لا تعقل قربة، وإنما جعلت قربة بالشرع في وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل: في كيفية الوجوب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٢، كراچی ٥/ ٦٨)

ولما كانت القربة في الأضحية بإراقة الدم، وكانت هذه الإراقة لا يعقل السر في التقرب بها وجب الاقتصار في التقرب بها على الوقت الذي خصها الشارع به. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٩٣-٩٤)

الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٥١٥-٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥۔

(۳) شامي، كتاب الأحكام، مطلب: في أحكام النذر، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تركنا القياس بالنص وهو ما رواه أبو داؤد في سننه: أن رجلا قال: يا رسول الله! إني نذرت أن أنحر ببوانة، قال: أهنا وثن من أوثان المشركين أو عيد من أعيادهم؟ قال: لا، قال: فأوف بنذرك الحديث (۱)۔ كما أن النذر بذبح الولد قلنا بصحته، وأنه يجب فيه شاة مع كون ذبح الولد غير قربة ومعصية لكنا تركنا القياس بالنص، كما في الدر المختار: نذر أن يذبح ولده، فعليه شاة لقصة الخليل عليه الصلاة والسلام. ج۳ مع ردالمحتار ص ۱۰۶ (۲)۔

یہ کلام تو نذر میں تھا اور اگر بلا نذر بطور شکر کے ذبح کرے، اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خود ذبح مقصود نہیں بلکہ مقصود اعطاء یا اطعام مساکین ہے، اور ذبح محض اس کا ذریعہ ہے سہولت کے لئے، اور علامت اس تصدق کے مقصود ہونے اور ذبح کے مقصود نہ ہونے کی یہ ہے کہ اگر اتنا ہی اور ویسا ہی گوشت کسی دُکان سے مل جاوے تو انشراح خاطر سے اس پر اکتفا کرے ذبح کا اہتمام نہ کرے، تب تو یہ ذبح جائز ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ خود ذبح ہی مقصود ہو اور ذبح ہی کو مخصوصہ طریقۂ شکر و قربت سمجھے، سو قواعد سے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔

لما أن الإراقة في غير محال واردة لم يعرف قربة، وهذا لم يرد فيه نقل، كما قد

---

(۱) عن ثابت بن الضحاك قال: نذر رجل على عهد النبي صلى الله عليه وسلم أن ينحر إبلا ببوانة، فأتي النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني نذرت أن أنحر إبلا ببوانة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد؟ قالوا: لا، قال: هل كان فيها عيد من أعيادهم؟ قالوا: لا، قال النبي صلى الله عليه وسلم: أوف بنذرك، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله، ولا فيما لا يملك ابن آدم. (أبو داؤد شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، النسخة الهندية ۲/ ٤٦٩، دارالسلام رقم: ۳۳۱۳)

ابن ماجة شريف، أبواب الكفارات، باب الوفاء بالنذر، النسخة الهندية ص: ١٥٤، دار السلام رقم: ۲۱۳۰- ۲۱۳۱۔

مشكوة شريف، كتاب العتق، باب في النذور، النسخة الهندية ۲ / ۲۹۷۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأيمان، مكتبه زكريا ديوبند ٥ / ٥٢٢، كراچی ۳/ ۷۳۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

علمت في تقرير الإيراد والجواب عنه. اور یہاں تک جواب ہوگیا اجزاء سوال کا اور اس سے ایک اور صورت کا حکم بھی معلوم ہوگیا، جس سے اس استفتاء میں تو تعرض نہیں کیا گیا، مگر سائل کے خط میں اس کا بھی ذکر ہے، اس عبارت سے کہ جہاں کوئی ایسی ویسی بات پیش آئی، اور بھیڑ یا بکری ذبح کر کے صدقہ کر دیا، محض اللہ کے نام پر الخ اور اس عبارت کے بعد کسی عالم کا جن کی تعیین نہیں کی، قول بھی نقل کیا کہ یہ فعل قطعاً ناجائز ہے الخ اسی طرح خصوصیت کے ساتھ اکثر عوام بلکہ ممتاز لوگوں میں یہ رسم ہے کہ مریض کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہیں یا وبا وغیرہ کے دفع کے لئے ایسا ہی کرتے ہیں، سو چونکہ قرائن قویہ سے ان مواقع پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود ذبح ہی مقصود ہے اور اسی کو مؤثر فی دفع البلاء خصوص مرض کی حالت میں اس ذبیحہ کو من حیث الذبح فدیہ سمجھتے ہیں، سو اس کا حکم بھی قواعد سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔

لما مر من قوله: إن الإراقة في غير محال واردة الخ، ولايقاس على العقيقة؛ لأنه غير معقول فلا يتعدى. بلکہ اعتقادیت مؤثر یا فدائیت کی حالت میں تو نذر بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ **لأنه اعتقاد من غير دليل فيكون العمل معه بدعة، وبالبدعة لا ينعقد النذر (۱)۔**

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا نذر في معصية، وكفارته كفارة يمين. (أبوداؤد شريف، كتاب الأيمان، باب من رأى عليه كفارة إذا كان في معصية، النسخة الهندية ۲/ ٤٦٧، دارالسلام رقم: ۳۲۹۰)

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه. (بخاري شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة، النسخة الهندية ۲/ ۹۹۱، رقم: ٦٤٤، ف: ٦٦٩٦)

ترمذی شريف، كتاب النذور والأيمان، باب ما جاء في عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا نذر في معصية، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۹، دارالسلام رقم: ۱٥٦٤۔

في شرح الطحاوي: النذر إن كان في المباح أو في المعصية فلا يلزمه. (التاتارخانية، الأيمان، الفصل السادس والعشرون: في النذور، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۲۸۱، رقم: ۹۳۷٦۔

وأما الذي يرجع إلى المنذور به فأنواع: ومنها: أن يكون قربة فلا يصح النذر بما ليس بقربة كالنذر بالمعاصي. (بدائع الصنائع، كتاب النذور، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ۲۲٦-۲۲۷، كراچی ٥/ ۸۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

البتہ اگر یہاں بھی ذبح مقصود نہ ہو محض اعطاء اور اطعام مقصود ہو جس کی علامت اوپر مذکور ہو چکی تب جائز ہے۔ **لكنه بعيد من حال عوام الناس فالأحوط منعهم مطلقا من مثل هذا.**

اسی طرح اگر تتبع سے کسی موقع پر متکلم فیہا سے کسی روایت کا ورود ثابت ہو جاوے وہاں اس نص کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر کے جواز کا حکم کر دیں گے، بشرط سلامت اعتقاد۔

من المؤثرية وغيرها كما نقل في التفسير المظهري عن عمرؓ: أنه ذبح ناقة غالية الثمن لما ختم البقرة شكرالله تعالى (۱)۔ فلو ثبت بدليل صريح صحيح أن مقصوده كان الشكر بخصوص طريق الذبح فيحكم على مثله بالجواز أيضًا، لكن محض الاحتمال لايكفى لصحة الحكم بالجواز؛ لأن الأصل وهو كون الإراقة غيرمعقول لا يعدل عنه لمحض الاحتمال، بل الغالب بشهادة الذوق من مثل عمرؓ أن مقصوده كان الإطعام، وكان تخصيص الذبيحة لطيب لحمها وغلاء ثمنها، هذا ما عندي في هذا الباب. والله أعلم بما عنده من الصواب.

کتبہ: اشرف علی ۳۱ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۵۵)

خنثیٰ جانور کی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۴۹): قدیم ۳/۱۷۵- **في العالمگيرية: لا تجوز التضحية بالشاة الخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج** اھ(۲)۔ **وفي الدرالمختار: ولا بالخنثى لأن لحمها لا ينضج** اھ(۳)۔

---

(۱) **عن نافع عن ابن عمر قال: تعلم عمر بن الخطاب رضي الله عنه البقرة في اثني عشرة سنة، فلما أتمها نحر جزورا.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب تعظيم القرآن، فصل: في تعليمه، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۳۱، رقم: ۱۹۵۷)

(۲) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۵۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۰، كراچی ۶/ ۳۲۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ روایت صحیح ہے یا نہیں، اگر کسی نے اتفاقاً خنثیٰ بکرے کی قربانی کرلی اور وہ علت عدم جواز کی نہ پائی گئی، یعنی گوشت اچھی طرح سے پک گیا، تو قربانی جائز ہوگئی یا نہیں؟ خنثیٰ سے مطلق خنثیٰ مراد ہے یا خنثیٰ مشکل؟ یہاں کے علماء اس باب میں دو فریق ہوگئے، حضرت کے جواب کے لئے سب منتظر ہیں؟

الجواب: درمختار کے قول مذکور کے تحت میں صاحب ردالمحتار نے کہا ہے: **و بهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لا تخلوا، إما أن تكون ذكرا أو اُنثیٰ، وعلى كل تجوز.** آھ ج۶۵ ص ۳۱۷(۱)۔

اس تقریر سے دو امر مستفاد ہوئے: ایک یہ کہ **لأن لحمها الخ** علت ہے، حکمت نہیں، اور ظاہر ہے کہ علت کے ارتفاع سے حکم مرتفع ہوجاتا ہے (۲) پس جب گوشت اچھی طرح پک گیا تو قربانی کو صحیح کہا جاوے گا۔ دوسرا امر یہ مستفاد ہوا کہ خنثیٰ سے مراد خنثیٰ مشکل ہے، مطلق خنثیٰ نہیں **كما يدل عليه قوله لا تخلوا إما أن تكون ذكرا أو أنثى**. ورنہ ظاہر ہے کہ غیر مشکل کا ذکر یا انثیٰ ہونا متعین ہے، اور اس تقریر سے سوال کے دونوں جزو کا جواب ہوگیا۔ ۱۵/صفر ۱۳۲۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۵)

---

(۱) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۰، كراچى ۶/ ۳۲۵۔

ولا يضحي بالخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الثامن: الأضحية والعقيقة، المبحث الرابع، مكتبه اتحاد ديوبند ۳/ ۶۱۷)

حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۲، إمداديه ملتان ۶/ ۶۔

(۲) **ويوضحه أنه بعد سد الرمق غير مضطر فزال الحكم بزوال علته؛ لأنه القاعدة المقررة أن الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/ ۳۸۶)

الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما. (شامي، كتاب النكاح، فصل: في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۱۷، كراچى ۳/ ۳۹)

من المسلم لدى الفقهاء أن الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما، فإن وجدت العلة ثبت الحكم، وإن انعدمت العلة انتفى الحكم. (المصباح في رسم المفتي، المبحث الأول: تغير الحكم بتغير العلة، مكتبه اتحاد ديوبند ص: ۴۹۵)

الحكم يدور مع العلة ولا يدور مع الحكمة. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل: في الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۹، إمداديه ملتان ۶/ ۲۲)

قربانی کی کھال اور گوشت کے بعض مصارف کی تحقیق

سوال (۲۲۵۰): قدیم ۳/ ۵۷۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل میں:

﴿۱﴾ ایک شخص نے ایک مدرسہ کا اہتمام اس شرط پر لیا کہ سابقہ چڑھی ہوئی تنخواہ مدرسین کا میں ذمہ دار نہیں ہوں، اور نہ اس وقت مدرسہ میں کچھ توفیر تھی۔

﴿۲﴾ اگر مصلحت شرعی سے گوشت قربانی فروخت کیا جاوے تو کیا حکم ہے، صدقۂ واجبہ کا یا غیر واجبہ کا، اور اس کو مدرسین کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں یا کسی حیلہ سے۔ بینوا توجروا؟

الجواب پہلے سوال میں صرف واقعہ لکھا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ مقصود بالسوال اس واقعہ میں کیا ہے، لہٰذا جواب سے معذوری ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ لحم کا حکم مثل جلد کے ہے، اگر فروخت کیا جاوے گا تو اس کا حکم صدقہ واجبہ ہے اور مدرسین کی تنخواہ چونکہ دَین ہے اس میں دینا معنیً تمول ہے، لہٰذا جائز نہیں (۱) اور گو وہ تنخواہ اس

---

(۱) ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصدق على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٨)

ولا يشترى به ما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه كالخل والأبازير اعتبارا بالبيع بالدراهم، والمعنى فيه أنه تصرف على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى أنه لا يتصرف على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دینے والے کے ذمہ نہ ہو، اور شاید سوال اول سے اس کی طرف اشارہ ہے، مگر جب دیا جاویگا من حیث الدین دیا جاتا ہے، اور اس سے دین ہی ادا ہوتا ہے، گو متبرع باداء الدین من علیہ الدین سے حق رجوع نہیں رکھتا، لیکن اور سب احکام دین ہی کے ہوں گے، جیسے فراغ ذمہ مدیون عدمِ استحقاقِ مطالبہ دائن اس لئے ان احکام میں مثل غیر متبرع کے ہوگا، اس لئے یہ رقم تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی اور حیلہ ظاہر کیا جاوے تاکہ اس کا حکم لکھا جاوے۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۴)

چرم قربانی کے عوض خریدے ہوئے تیل کا استعمال جائز نہیں

سوال (۲۲۵۱): قدیم ۳/ ۵۷۲ - حضرت نے وعظ میں فرمایا تھا جس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ کھال قربانی یا اس کے عوض دوسری چیز قابل استعمال بدل کام میں لاسکتے ہیں مگر روپیہ یا ایسی چیز جیسا کہ تیل کہ جس کو خود استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ اس کو جلا کر روشنی سے نفع اٹھا سکتے ہیں، یا روپیہ سے کوئی اور چیز خرید کر نفع اٹھا سکتے ہیں ایسے تبادلہ کا استعمال جائز نہیں بلکہ وہ تیل اور روپیہ خیرات کیا جاوے، اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر تیل سر میں لگایا جائے یا کسی چمڑے یا لکڑی کے دروازوں وغیرہ کے ملنے کے کام میں لایا جائے تو یہ تبادلہ اور استعمال جائز ہوگا یا نہ، فقط؟

الجواب: نہیں، کیوں کہ یہ انتفاع اس کے بقاء کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ وہ کھپ کر فنا ہوگیا(۱)۔
یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۴)

---

(۱) **ولا یشتری بہ ما لاینتفع بہ إلا بعد استھلاکہ کالخل والأبازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم، والمعنی فیہ أنہ تصرف علی قصد التمول، واللحم بمنزلۃ الجلد في الصحیح، ولو باع الجلد أو اللحم بالدراھم أو بمالا ینتفع بہ إلا بعد استھلاکہ تصدق بثمنہ؛ لأن القربۃ انتقلت إلی بدلہ.** (ھدایۃ، کتاب الأضحیۃ، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ۴/ ۴۵۰)

ولا بأس بأن یشتري بہ ما ینتفع بعینہ مع بقاءہ استحسانا، وذلک مثل ما ذکرنا؛ لأن للبدل حکم المبدل، ولا یشتري بہ ما لا ینتفع بہ إلا بعد الاستھلاک، نحو اللحم والطعام …… ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز؛ لأنہ قربۃ کالتصدق بالجلد واللحم. (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/ ۴۸۶، إمدادیہ ملتان ۶/ ۸)

أو یشتري بہ أي بالجلد ما ینتفع بہ مع بقاءہ کغربال ونحوہ؛ لأن للبدل حکم ←

قربانی کی کچی کھال کا تبادلہ پختہ کھال سے جائز ہے

سوال (۲۲۵۲): قدیم ۳/ ۵۷۳- قربانی کے اصل چمڑے خام سے چمڑے پختہ کا تبادلہ برابر یا کچھ قیمت کا جزو خام کے ہمراہ شامل کر کے لینا جائز ہے یا نہیں اور ایسے تبادلہ کے وقت دونوں چمڑوں کی قیمت کا خیال تبادلہ کنندہ ضرور کیا کرتا ہے، فقط؟

الجواب: جائز ہے، مگر پختہ کے ساتھ قیمت کا شامل ہونا جائز نہیں (۱)۔ فقط تاریخ بالا۔

(تتمہ خامسہ ص ۷۴)

← **المبدل لا ما يستهلک أي لا يشتري بـه مـا لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک کخل وشبهه، فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل.** (مجمع الأنهر، کتاب الأضحية، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

أو يبدله بما ينتفع به باقيا کما مر لا بمستهلک کخل ولحم ونحوه، کدراهم، فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بمثنه. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الأضحية، مکتبه زکريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨)

البحرالرائق، کتاب الأضحية، مکتبه زکريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، کوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۱) عن عبادة بن الصامت: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والتمر بالتمر، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والملح بالملح، إلا سواء بسواء، مثلا بمثل، فمن زاد أو استزاد فقد أربى. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٣١٤، رقم: ٢٣٠٥٩)

عن عبادة بن الصامت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الذهب بالذهب، مثلا بمثل، والفضة بالفضة، مثلا بمثل، والتمر بالتمر، مثلا بمثل، والبر بالبر، مثلا بمثل، والملح بالملح، مثلا بمثل، والشعير بالشعير، مثلا بمثل، فمن زاد أو ازداد فقد أربى. الحديث (ترمذي شريف، کتاب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة، مثلا بمثل،، وکراهية التفاضل فيه، النسخة الهندية ١/ ٢٣٥، دارالسلام رقم: ١٢٤٠)

نسائي شريف، کتاب البيوع، بيع البر بالبر، النسخة الهندية ٢/ ١٩٢، دارالسلام، رقم: ٤٥٦٣-٤٥٦٤-٤٥٦٥۔ ←

تبالہ میں لی ہوئی چرم پختہ کو اپنے کام میں لانا جائز ہے

سوال (۲۲۵۳): قدیم ۳/ ۵۷۳- اس تبادلہ پختہ چمڑہ کو مثل ڈول موڑی وغیرہ اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہ فقط سائل بالا۔

الجواب: جائز ہے(۱)۔ فقط تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ص ۷۴)

← **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، وزنا بوزن، مثلا بمثل، والفضة بالفضة، وزنا بوزن، مثلا بمثل، فمن زاد أو استزاد فهو ربا.** (مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقدا، النسخة الهندية ٢/ ٢٥، بيت الأفكار رقم: ١٥٨٨)

الربا هو فضل مال خال عن عوض شر لأحد العاقدين فى معاوضة مال بمال. (ملتقى الأبحر، البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١٩)

الربا هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال. (النهرالفائق، البيوع، باب الربا، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٦٩)

(۱) **ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع به في البيت بعينه مع بقاءه استحسانا، وذلك مثل ما ذكرنا؛ لأن للبدل حكم المبدل.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

أو يبدله بما ينتفع به باقيا لقيامه مقام المبدل، فكأن الجلد قائم معنى بخلاف المستهلك. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب؛ لأنه جزء منها، فكان له التصدق والانتفاع به، ألا ترى أن له أن يأكل لحمها ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقاءه استحسانا، وذلك مثل ما ذكرنا؛ لأن للبدل حكم المبدل. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقاءه استحسانا، وذلك مثل ما ذكرنا؛ لأن للبدل حكم المبدل. (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٨، كوئٹه ٨/ ١٧٨)

مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤۔ ***شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ***

تبادلہ میں لی ہوئی چرم پختہ کی قیمت صدقہ کرنی چاہئے

سوال (۲۲۵۴): قدیم ۳/ ۵۷۳- اور اگر وہ کسی وقت فروخت کیا جاوے تو کیا اس کی قیمت خیرات کرنا چاہیئے؟

الجواب: ہاں خیرات کرنا چاہیئے (۱)۔ تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ص ۷۵)

ایک حصۂ قربانی میں متعدد اموات کو شریک کرنا جائز ہے

سوال (۲۲۵۵): قدیم ۳/ ۵۷۳- اگر فوت شدہ عزیزوں یا اہل بیت یا خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی جاوے تو اس کا کیا طریقہ ہے، آیا مثل دیگر شرکاء ہر ایک شخص کی طرف سے ایک ایک حصہ ہی میں چند کو شریک کردے، فقط؟

الجواب: ایک ہی میں سب کو ثواب بخش سکتے ہیں (۲)۔ فقط تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ۷۵)

---

(۱) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالا ستهلاک جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له بيعها بالدراهم لينفقه على نفسه أو عياله، ولو فعل ذلک تصدق بثمنها. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٠، رقم: ٢٧٧٥٧)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٨۔

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۲) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد، وشهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد، وعن آل محمد** ←

میں نے گذشتہ سال زبانی فتویٰ دیا تھا کہ جس طرح اپنی طرف سے قربانی کرنے میں ایک حصہ دو شخصوں کی طرف سے جائز نہیں، اسی طرح غیر کی طرف سے تبرعًا نفل قربانی کرنے میں خواہ زندہ کی طرف سے یا میّت کی طرف سے، ایک حصہ دو شخص کی طرف سے جائز نہیں، مگر روایات سے اس کے خلاف ثابت ہوا اس لئے میں اس سے رجوع کر کے اب فتویٰ دیتا ہوں، کہ جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعًا (*) کی جاوے چونکہ وہ ملک ذابح کی ہوتی ہے، اور صرف اس دوسرے کو ثواب پہنچتا ہے، اس لئے ایک حصہ کئی کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ مسلم میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہنچانا جائز ہے (۱) پس یہ بھی ویسا ہی ہے۔ والروایات ہٰذہ:

فرع من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت، والملك للذابح. قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها، وإلا ياكل. بزازية وسيذكر في النظم ردالمحتار ص ۳۱۸ ج۵ (۲)۔

(*) تبرع کی قید سے وہ صورت نکل گئی کہ میت نے اپنے مال سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو، اس صورت میں ایک حصہ ایک ہی کی طرف سے جائز ہے۔ ۱۲ منہ

← **صلى الله عليه وسلم.** (ابن ماجة شريف، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۲۲۵-۲۲۶، دارالسلام رقم: ۳۱۲۲)

أبو داؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۶، دارالسلام رقم: ۲۷۹۲۔

(۱) **عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، ويبرك في سواد، وينظر في سواد، فأتي به ليضحي به، فقال لها: يا عائشة! هلمي المدية، ثم قال: اشحذيها بحجر، ففعلت، ثم أخذها وأخذ الكبش، فأضجعه، ثم ذبحه، ثم قال: باسم الله، اللهم تقبل من محمد وآل محمد، ومن أمة محمد، ثم ضحى به.** (مسلم شريف، كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية وذبحها مباشرة بلا توكيل والتسمية والتكبير، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۶، بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۲، كراچی ۶/ ۳۲۶۔ ←

وعن ميت أى لو ضحّى عن ميت وارثه بأمره الزمه بالتصدّق بها وعدم الأكل منها، وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس قال الشرنبلالي: لكن في سقوط الأضحية عنه تامل اھ. أقول: صرح في فتح القدير في الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه، وللاخر الثواب. فراجعه ردالمحتار ج۵ ص ۳۲۸ (۱)۔

وفي الدرالمختار: وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة :إذبحوا عنه وعنكم، صح عن الكلّ استحساناً، لقصد القربة من الكلّ. وفي ردالمحتار: قوله: لقصد القربة من الكلّ، هذا وجه الاستحسان، قال في البدائع: لأن الموت لا يمنع التقرّب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحجّ عنه، وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والاٰخر عمن لم يذبح من أمته، وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. اھ ص ۳۱۸ (۲)۔

قلت: وقد دل الحديث على جواز التضحية عن الحي تبرعاً، وعلى جواز الصحة الواحدة عن الكثيرين.

اوراسی وقوع الذبح عن الذابح وحصول الثواب للغیر کی فرع یہ ہے کہ اس تضحیہ نافلہ عن الحی تبرعًا میں اس حی کے اذن کی ضرورت نہیں میں اس کی ضرورت بھی بتلاتا تھا اس سے بھی رجوع کرتا ہوں، بخلاف زکوٰۃ وصدقات واجبہ وتضحیہ واجبہ کے کہ اس میں اذن غیر کا شرط ہے (۳)۔

قرب ۱۳۳۶ھ (ترجیح خامس ص ۲۴)

← بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٠۔

(۱) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٨٤، كراچى ٦/ ٣٣٥۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧١، كراچى ٦/ ٣٢٦۔

بدائع الصنائع، كتاب التضحية، شرائط جواز إقامة الواجب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢١٠۔

(۳) لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذا ←

میت کی طرف سے وصیت کے بغیر واجب قربانی ساقط نہیں ہوتی

سوال (۲۲۵۶): قدیم ۳/ ۵۷۴- اگرکسی متوفی کے ذمہ واجب قربانی رہی ہوئی ہوتو کیا اس ثواب رسانی سے ساقط ہوجائے گی، فقط؟

الجواب: نہیں(۱)۔فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۵)

← **على المتصدق؛ لأنها ملكه، ولم يصر نائبا عن غيره فنفذت عليه.** (شامي، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۸، كراچى ۲/ ۲۶۹)

ولو أدى زكوة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذا على المتصدق لأنها ملكه ولم يصر نائبا عن غيره، فنفذت عليه. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۶۹، كوئٹه ۲/ ۲۱۰)

هندية، كتاب الزكوة، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۰-۱۷۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۲۔

ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم. (شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۵۷، كراچى ۶/ ۳۱۵)

إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لاتجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا. (هندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۸)

خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۶۔

في المختار: ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۲۹۵، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۰)

(۱) قوله: وأما دين الله تعالىٰ الخ: محترز قوله من جهة العباد، وذلك كالزكاة والكفارات ونحوها، قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت فلا يلزم الورثة أداؤها إلا إذا أوصى بها، أو تبرعوا بها من عندهم؛ لأن الركن في العبادات نية المكلف وفعله، وقد فات ←

قربانی کا ثواب میت کو پہنچانے کی صورت میں قربانی کنندہ کو بھی ثواب ملنے کی تحقیق

سوال (۲۲۵۷): قدیم ۳/۵۷۴- قربانی اپنی طرف سے کر کے ثواب میت کو پہنچانے پر قربانی کرنے والے کو ثواب مِلے گا یا میت کی طرف سے حصہ رکھ کر قربانی کرنے کا بھی ثواب قربانی کنندہ کو ملے گا۔ فقط؟

الجواب: یہ آخرت کے متعلق ہے یہ مسئلہ نہیں اس کی تحقیق کے لئے قیاس اجتہاد کافی نہیں نقل وروایت ہونا چاہیئے، اور وہ نظر سے نہیں گذری (۱)۔ فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

← **بموته فلا يتصور بقاء الواجب اھ. وتمامه فيه. أقول: وظاهر التعليل أن الورثة لو تبرعوا بها لا يسقط الواجب عنه لعدم النية منه؛ ولأن فعلهم لايقوم مقام فعله بدون إذنه تأمل.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۹۵، كراچی ۶/ ۸۶۰)

(۱) بعض روایات اور فقہی جزئیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نے نفل قربانی کردی ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچانے کی نیت کرلی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ میت کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا اور خود قربانی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

عن عبدالعزيز بن عبدالله بن عمر عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب له عتقا من النار، وكان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيئا. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في بر الوالدين، فصل: في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، دارالكتب العلمية بيروت ۶/ ۲۰۵، رقم: ۷۹۱۲)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعا فيجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيئا. (مجمع الزوائد، باب الصدقة عن الميت، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳۸)

الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء الخ. (شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه كراچی ۲/ ۵۹۵، زكريا ديوبند ۴/ ۱۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نابالغوں کی طرف سے ماں باپ پر قربانی واجب نہیں

سوال (۲۲۵۸): قدیم ۳/ ۵۷۵- نابالغ بچوں کی جانب سے قربانی کرنا ان کے باپ کے ذمہ ہے یا نہ فقط؟

الجواب: نہیں(۱)۔ فقط تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ص ۷۵)

---

(۱) **وفي الولد الصغير عن أبي حنيفةؒ روايات: في ظاهر الروايات تستحب ولا تجب بخلاف صدقة الفطر، وفي رواية الحسن عن أبي حنيفة أنه يجب أن يضحي عن ولده الصغير وولد ولده الذى لا أب له، والفتوى على ظاهر الرواية.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٨)

ويضحي عن ولده الصغير من ماله صححه فى الهداية، وقيل: لا صححه في الكافي، قال: وليس للأب أن يفعله من مال طفله، ورجحه ابن الشحنة، قلت: وهو المعتمد لما في متن مواهب الرحمن من أنه أصح ما يفتى به (درمختار) وفي الشامية: واختاره في الملتقى حيث قدمه وعبر عن الأول قيل: ورجحه الطرسوسي بأن القواعد تشهد له؛ ولأنها عبادة، وليس القول بوجوبها أولى من القول بوجوب الزكوة في ماله. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٥٨-٤٥٩، كراچی ٦/ ٣١٦)

وقوله: لا عن طفله: يعني لا يجب عليه عن أولاده الصغار؛ لأنها عبادة محضة بخلاف صدقة الفطر. (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣١٩، كوئٹه ٨/ ١٧٤)

وإنما تجب على حر مسلم مقيم موسر عن نفسه لا عن طفله، أي أولاده الصغار في ظاهر الرواية؛ لكونها قربة محضة فلا تجب على الغير بسبب الغير. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٦-١٦٧)

وقوله: لا عن طفله: أي لا يجب عليه من أولاده الصغار؛ لأنها عبادة محضة والأصل في العبادات أن لا تجب على أحد بسبب غيره بخلاف صدقة الفطر؛ لأن فيها معنى المؤنة، والسبب فيها رأس يمونه ويلى عليه، وهذا المعنى يتحقق في حق الولد في صدقة الفطر دون الأضحية؛ ولهذا لا تجب عليه عن عبده، وصدقة الفطر تجب عليه عنه. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٥، إمداديه ملتان ٦/ ٣) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

نفل قربانی سے رضائے الٰہی کی تحقیق

سوال (۲۲۵۹): قدیم ۳/ ۵۷۵- اگرواجب قربانی سے زائد کوئی شخص نذر کرلے کیا اللہ میاں اس سے راضی ہوجائیں گے یا محض ثواب میں زیادتی ہوگی، فقط؟

الجواب: ان دونوں میں مقابلہ ہی کیا ہے، کیا ثواب کی زیادتی خداتعالیٰ کی رضانہیں ہے(۱)۔ فقط تاریخ بالا۔ (تتمہ خامسہ ص ۷۵)

---

(۱) ثواب کی زیادتی ہی رضائے الٰہی کی دلیل ہے اورنفل کا ثواب منصوص ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن أول ما يحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة، قال: يقول ربنا عز وجل لملائكته وهو أعلم: أنظروا في صلاة عبدي أتمها أم نقصها؟ فإن كانت تامة كتبت له تامة، فإن كان انقص منها شيئا قال: انظروا هل لعبدي من تطوع؟ فإن كان له تطوع قال: أتموا لعبدي فريضته من تطوعه، ثم تؤخذ الأعمال على ذلك. (ابوداؤد شريف، الصلاة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: كل صلاة لا يتمها صاحبها تتم من تطوعه، النسخة الهندية ١/ ١٢٦، دارالسلام رقم: ٨٦٤)

عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته، وكان له فضل عشر حج. (سنن الدارقطني، كتاب الحج، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٢٩، رقم: ٢٥٨٧)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله قال: من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلي عبد بشيء أحب إلي مما افترضت عليه، وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصره به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، وإن سألني لأعطينه، ولئن استعاذني لأعيذنه وما ترددت عن شيء أنا فاعله ترددي عن نفس المؤمن، يكره الموت، وأنا أكره مساء ته. (بخاري شريف، كتاب الرقاق، باب التواضع، النسخة الهندية ٢/ ٩٦٢، رقم: ٦٢٥٣، ف: ٦٥٠٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواز استعمال چرم قربانی کہ خریدہ شود

سوال (۲۲۶۰): قدیم ۳/ ۵۷۵- قربانی کا چمڑا اگر شریک اپنے حصہ کے علاوہ دوسرے شرکاء سے ان کے حصے خرید لے تو پھر وہ تمام چمڑا خرید کنندہ شریک اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟

الجواب: لاسکتا ہے(۱)۔ ۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۶)

خریدی ہوئی چرم قربانی اگر مشترک ہو تو جواز کی تحقیق

سوال (۲۲۶۱): قدیم ۳/ ۵۷۵- اگر ایک شریک شرکاء سے کھال قربانی خرید کر خود فروخت کردے تو کل قیمت کھال خیرات کرنا ہوگی، یا کل قیمت اپنے مصرف میں لاسکے گا، یا بقدر اس حصہ کے جو خریدا تھا اپنے مصرف میں لاسکے گا اور باقی خیرات کرے گا، اس کی اجازت وغیر اجازت کی تفصیل مطلوب ہے؟

الجواب: ہاں یہی تیسری صورت ہے(۲)۔ ۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۶)

---

(۱) **ويتصدق بجلدها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال ونحوها؛ لأن الانتفاع به غير محرم.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو؛ لأن الانتفاع به ليس بحرام. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب؛ لأنه جزء منها، فكان له التصدق والانتفاع به، ألا ترى أن له أن يأكل لحمها. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٨، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۲) یعنی اپنے حصہ کے بقدر خیرات کرنا ضروری ہے؛ اس لئے کہ اپنی قربانی کی کھال کی رقم صاحب قربانی کے لئے اپنے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ غریب ونادار کو صدقہ کرنا واجب ہے اور دوسرے شرکاء کے حصوں کے بقدر قیمت اپنے مصرف میں لانا جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ اس کی ←

پختہ چرم کے عوض خریدی ہوئی چرم قربانی کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے

سوال (۲۲۶۲): قدیم ۳/۵۷۵- اگر خام کھال قربانی کا تبادلہ پختہ چمڑہ غیر قربانی سے جائز ہو تو پختہ چمڑا دے کر خام چمڑا قربانی والا جس شخص کے پاس تبادلہ میں پہنچے گا وہ شخص اس قربانی کے چمڑے کو فروخت کر کے دام اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہ؟

الجواب: لاسکتا ہے(۱)۔ ۵/ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۶)

← قربانی کا جزء نہیں ہے، پس جب دیگر شرکاء سے ان کے حصص کی کھال خرید لی تو وہ ان حصص کا مالک ہو گیا؛ لہٰذا اسے ان میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوگا۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف رشيديه ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

يتصرف المالك في ملكه كيف شاء. (البناية، البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٨/ ٢١٩)

المالك للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته. (بدائع الصنائع، النكاح، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣٨، كراچی ٢/ ٣٢٧)

(۱) اس لئے کہ جس شخص کے پاس تبادلہ میں قربانی کا خام چمڑا پہنچا ہے وہ صاحب قربانی نہیں ہے کہ اس کے لئے چمڑے کو فروخت کر کے اپنے مصرف میں لانا جائز نہ ہو؛ بلکہ وہ غیر صاحب قربانی ہے؛ لہٰذا اس کو اس میں بوجہ مالک ہونے کے ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوگا۔

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف رشيديه ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) ←

ذیل کے رسالہ کی تمہید

بعد الحمد و الصلوٰۃ. احقر اشرف علی عرض رسا ہے کہ میں آغاز ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں گورکھپور گیا تھا، ایک روز جناب مولانا عبد الغفار صاحب نے ایک سوال دکھلایا جو گاؤکشی کے متعلق تھا، میں نے مولانا سے اس کا مبسوط جواب لکھنے کے لئے درخواست کی جس کو علاّمہ موصوف نے منظور فرمایا، پھر میں وسط جمادی الاولیٰ میں جب وطن واپس پہنچا تو میرے پاس وہی سوال آیا جس کو میں نے جواب کے لئے مولانا حبیب احمد کیرانوی کے سپرد کردیا۔ دو وجہ سے: ایک اس لئے کہ مجھ کو فرصت نہیں تھی۔ دوسرے اس لئے کہ وہ مجھ سے اچھا لکھیں گے، جب جواب ثانی تیار ہوا، اسی اثنا میں جواب اول کی نقل بھی میرے استدعاء پر میرے پاس پہنچ گئی، چونکہ یہ دونوں جواب ماشاء اللہ کافی وافی شافی تھے، اس لئے دونوں کو جمع کرکے امداد الفتاویٰ کا جزو بنا دینا مناسب معلوم ہوا، اول جواب کا لقب ''الاعتصام بحبل شعائر الإسلام''. دوسرے کا لقب ''تصلية سقر لمانع تضحية البقر''.

الجواب الاوّل: الملقّبُ ''باعتصام بحبل شعَائر الإسُلام''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم............ نحمده و نصلّی علی رسولِه الکریم

رسالہ ''اعتصام بحبل شعائر الإسلام''

سوال (۲۲۶۳): قدیم ۳/ ۵۷۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہنود کے خوش کرنے اور اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے گائے کی قربانی یا روزمرہ کے لئے گائے کا ذبح بند کردینا کیسا ہے، ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے حکم شرع سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: محض ہنود سے اتفاق پیدا کرنے اور ان کے خوش کرنے کے لئے گائے کی قربانی کو

← **يتصرف المالك في ملكه كيف شاء.** (البناية، البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ۸/ ۲۱۹)

المالك للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيته. (بدائع الصنائع، النكاح، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۳۸، كراچی ۲/ ۳۲۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

موقوف کردینا اور ہمیشہ کے لئے گائے کی قربانی کا گوشت چھوڑ دینا درست نہیں؛ اس لئے کہ گائے کا ذبح کرنا (قربانی کے لئے ہو یا محض کھانے کے لئے) شعائر اسلام سے ہے (۱)۔اور گائے کا ذبح نہ کرنا اور اس کے گوشت سے مذہبی حیثیت سے نفرت کرنا شعائر کفر سے ہے (۲)۔اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر کے شعائر کو اختیار کرنا اور اس خیال سے خود ذبح کو چھوڑ دینا اور کسی کو ترغیب نہ دینا بلکہ ترک کی رغبت دلانا کہ مخالفین اسلام خوش رہیں مداراۃ ناجائز اور مداہنۃ فی الدین ہے، ہماری شریعت مطہرہ نے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی ہے (۳) یہاں تک تو اصل سوال کا جواب تھا، اب میں اس کی دلیل مختصر طور پر عرض کرتا ہوں، پہلے تمہیدی مقدمات ملاحظہ فرمایئے:

---

(۱) وَالْبُدْن جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ. [سورة الحج، رقم الآية: ۳۶]

والبدن جمع بدنة، كخشب و خشبة، قال الجزري في النهاية: البدن يقع على الجمل، والناقة، والبقرة، وهي بالإبل أشبه، وسميت بدنة لعظمها وسمنها، وقال في القاموس: البدنة محركة من الإبل والبقر، وبه قال أبوحنيفةؒ. (تفسير مظهري، تحت تفسير رقم الآية: ۳۶ من سورة الحج، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۶/ ۲۴۲، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۱۷)

عن جابر رضي الله عنه قال: ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عائشةؓ بقرة يوم النحر. (مسلم شريف، كتاب الحج، باب الاشتراك فى الهدي الخ، النسخة الهندية ۱/ ۴۲۴، بيت الأفكار رقم: ۱۳۱۹)

(۲) وَجَاوَزْنَا بِبَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوْا يَا مُوْسَى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۳۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِىْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ الْمُفْتَرِيْنَ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۵۲]

أخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن جريج في قوله تعالىٰ: فأتوا على قوم يعكفون على أصنام لهم، قال تماثيل بقر من نحاس، فلما كان عجل السامري شبه لهم أنه من تلك البقرة، فذلك كان أول شان العجل. (الدرالمنثور، سورة الأعراف، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۳)

(۳) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآئَكُمْ مِنَ الْحَقِّ. [سورة الممتحنة، رقم الآية: ۱]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تمہیدی مقدمات

اوّل: یہ امر تو مسلّم ہے کہ بعض ماکولات وملبوسات محض مباح ہیں، ان میں اسلامی شعائر ہونے کو دخل نہیں، جیسے چاول، دال، آٹا، دودھ، دہی، گھی وغیرہ کھانا، اور سوتی اونی کپڑا پہننا یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہر ملّت اور ہر مذہب کے لوگ استعمال کرتے ہیں ان کو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تاکہ شعائر اسلام سے کہے جائیں۔

دوم: بہت چیزیں شعائر اسلام سے ہیں، ان کو اسلام کے ساتھ خاص تعلق ہے (۱) اور بہت چیزیں شعائر کفر سے ہیں جن کو اہل کفر کے ساتھ خاص تعلق ہے، شعائر اسلام کی تمثیلیں یہ ہیں، ختنہ کرنا، نماز کے لئے اذان کہنا، گائے کی قربانی کرنا، گائے کے گوشت سے بحیثیت مذہبی نفرت نہ کرنا، زنّار پہننے کو بڑی معصیت سمجھنا، ہنود کی طرح سر پر چوٹی نہ رکھنا، وغیرہ اور شعائر کفر کی تمثیلیں یہ ہیں زنّار پہننا، سر پر خاص طور سے چوٹی رکھنا، گائے کو معبود یا مقدّس ومعزز سمجھ کر ذبح نہ کرنا، گائے کے گوشت سے بحیثیت مذہبی نفرت کرنا، اور اس کے ذبح کو روکنا، اور رُک جانے سے بحیثیت مذہبی خوش ہونا، بت خانہ بنانا، اور اس کی تعظیم کرنا، مسلمانوں کے ساتھ چھوت کا برتاؤ کرنا وغیرہ۔

سوم: ذبح کا اسلامی ذبیحہ بلکہ شعائر اسلام سے ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِيْنٌ. ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ اٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ. وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ (۲)۔

---

(۱) **فكل ما كان من أعلام دين الله وطاعته تعالى فهو من شعائر الله، فالصلاة، والصوم والزكوة، والحج ومناسكه ومواقيته، وإقامة الجماعة، والجمعة في مجاميع المسلمين في البلدان والقرى من شعائر الله ومن أعلام طاعته، والأذان، وإقامة المساجد، والدفاع عن بيضة المسلمين بالجهاد في سبيل الله من شعائر الله وغير ذلك.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۹۷-۹۸)

(۲) سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۴۲-۱۴۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس آیت سے حلّت گاؤ کی بنص صریح ثابت ہے کسی اہل حق کو چون و چرا کی گنجائش نہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ازواج مطہرات کی جانب سے گاؤ کی قربانی کی ہے۔

عن جابر قال: ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عائشة بقرة. رواه مسلم، كذا في المشكوٰة (١)۔ وعن جابر قال: نحر النبي صلى الله عليه وسلم عن نسائه بقرة في حجته. رواه مسلم، كذا في المشكوٰة (٢)۔

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤ کی قربانی کی عام اجازت بھی دی ہے، اور صحابہؓ نے عام طور پر گائے کی قربانی کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

عن جابر أن النبي ﷺ قال: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة (٣)۔

اور ترمذی ونسائی وابن ماجہ میں ہے: **عن ابن عباس قال: كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فحضر الأضحى فاشتركنا في البقرة سبعة، وفي البعير عشرة (٤)۔**

---

(١) مسلم شريف، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما عن سبعة، النسخة الهندية ١/ ٤٢٤، بيت الأفكار رقم: ١٣١٩۔

مشكوة شريف، كتاب المناسك، باب الهدي، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٣١۔

(٢) مسلم شريف، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي الخ، ١/ ٤٢٤، بيت الأفكار رقم: ١٣١٩۔

مشكوة شريف، كتاب المناسك، باب الهدي، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٣١۔

(٣) **عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: نحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة.** (مسلم شريف، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما عن سبعة، النسخة الهندية ١/ ٤٢٤، بيت الأفكار رقم: ١٣١٨)

ترمذي شريف، الأضاحي، باب الاشتراك في الأضاحي، النسخة الهندية ١/ ٢٧٦، دارالسلام رقم: ١٥٠٢۔

(٤) ترمذي شريف، الأضاحي، باب الاشتراك في الأضاحي، النسخة الهندية ١/ ٢٧٦، دارالسلام رقم: ١٥٠١۔ ←

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام طور پر گاؤ کے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کھانے کا تعامل بھی تھا، صحیح مسلم میں ہے:

عن عائشة قالت: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بلحم بقرة تصدق به علىٰ بريرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدية (۱)۔

اور گاؤ کی حلت پر اجماع امت بھی ہے، چنانچہ علامہ دمیری شافعی ''حیاۃ الحیوان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ويحل أكلها (أى البقرة) وشرب ألبانها بالإجماع اھ (۲)۔

اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے (اگر چہ قرآن وحدیث میں منصوص ہونے کے بعد قیاس کی ضرورت نہیں) کہ خاص گاؤ کا ذبح کرنا اسلامی ذبیحہ میں داخل ہو، اس لئے کہ اکثر اسلامی احکام تعلیم توحید اور اعلائے حق پر مبنی ہیں، چونکہ بنی اسرائیل میں گوسالہ پرستی (جو سراسر شرک ہے) جاری ہوگئی تھی اور گوسالہ پرستی کے شرک میں امت سابقہ مبتلا ہو چکی تھی جس کا ذکر قرآن شریف میں یوں کیا گیا ہے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِىٓ اِسْرَائِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتَوا عَلىٰ قَوْمٍ يَعْكِفُوْنَ عَلىٰ اَصْنَام لَهُمْ قَالُوْا يٰمُوسىٰ اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (۳)۔

تفسیر کبیر میں ہے: **قال ابن جريج: كانت تلك الأصنام تماثيل بقرة** اھ (۴)۔

← ابن ماجة شريف، أبواب الأضاحي، باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة، النسخة الهندية ص: ۲۲۶، دار السلام رقم: ۳۱۳۱۔

نسائي شريف، كتاب الضحايا، باب ما تجزئ عنه البدنة في الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۱، دار السلام رقم: ۴۳۹۷۔

(۱) مسلم شريف، كتاب الزكوة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم هاشم وبني المطلب، وإن كان المهدي ملكها بطريق الصدقة، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۵، بيت الأفكار رقم: ۱۰۷۵۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۳۸۔

(۴) التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي تحت تفسير رقم الآية: ۱۳۸ من سورة الأعراف، بيروت ۱۴/ ۲۲۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور تفسیر درمنثور میں ہے: **أخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن جريج في قوله تعالىٰ: فأتوا علىٰ قوم يعكفون على أصنام لهم قال تماثيل بقر من نحاس فلما كان عجل السامري شبه لهم أنه من تلك البقرة فذلك كان أول شان العجل.** اھ(۱)۔

اس شرک کو شریعت الٰہی نے یوں مٹایا کہ ذبح گاؤ اور اس کی قربانی کو مشروع کردیا اور گمراہوں کو یوں تعلیم دی کہ اے نالائقو! گائے کی مورت کو معبود اور مقدس کیوں سمجھتے ہو، اور اس کی پرستش کیوں جائز خیال کرتے ہو، دیکھو گائے کی تصویر کی کیا ہستی ہے، خود گائے ہی میں صلاحیت معبود ہونے کی نہیں ہے، بلکہ وہ معمولی ماکولات سے ہے، بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ کی طرح اس کے گوشت پوست انسان کے لئے بنائے گئے ہیں، وہ معبودیت کے لئے ہرگز قابل نہیں، بلکہ وہ معبود حقیقی پر نثار اور قربان کرنے کے قابل ہے اس کو یا اس کی تصویر کو معبود یا مقدس خیال کرنا سخت جہالت ہے، پس معلوم ہوا کہ ذبح گاؤ کی مشروعیت ایک شرک جلی کے ابطال اور توحید کے اجراء وابقاء پر مبنی ہے اس لئے اس کا مطابق قیاس کے ہونا ضرور قابلِ تسلیم ہے۔ یہاں تک تو گائے کے اسلامی ذبیحہ ہونے کا ثبوت تھا، اب میں اس کے اسلامی شعار ہونے کے متعلق گفتگو کرتا ہوں۔

ذبح بقر اسلامی شعار ہے اس کا ثبوت

صحیح بخاری میں ہے: **عن أنس أنه قال: قال رسول الله عليه وسلم: من صلّٰى صلوٰتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته. رواه البخاري، كذا في المشكوٰة (۲)۔**

غور کرنا چاہیئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو افصح العرب والعجم اور صاحب جوامع الکلم تھے) جملہ ’’**وأكل ذبيحتنا**‘‘ کیوں اضافہ فرمایا۔ اور ذبیحہ کو مقید باضافت کیوں کیا۔ بجائے ’’**ذبيحتنا**‘‘ کے

---

(۱) الدرالمنثور، سورة الأعراف، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۳۔

(۲) بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب في استقبال القبلة، النسخة الهندية ۱/ ۵۶، رقم: ۳۸۹، ف: ۳۹۱۔

مشكوة شريف، كتاب الإيمان، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

"ذبیحة" کیوں نہ ارشاد فرمایا اور واؤ عاطفہ کے ساتھ وصل کیوں کیا، یا درکھئے یہ تینوں امر نکتہ اور فائدہ سے خالی نہیں، مجھ سے سنئے، اس جملہ سے سبق دینا ہے کہ خاص اسلامی ذبیحہ کا کھانا مثل ادائے اسلامی نماز و استقبال اسلامی قبلہ کے شعائر اسلام سے ہے، ان میں سے کسی کو مدارات غیر مذہب کے لئے نہیں چھوڑ سکتے اور ذمّہ داری اللہ اور رسول کی ان تینوں امر کے ساتھ وابستہ ہیں، اگر چہ وہ دونوں عملاً فرض ہیں، اور اکل ذبیحہ فرض نہیں، مگر شعائر ہونے کی حیثیت سے سب متساوی ہیں، **ولا منافاة بين كون الأمرين متغائرين بوجه وبين كونهما متحدين وجه آخر** ۔ اور یہی مناسبت من حیث شعاریت عطف کرنے کا باعث ہے۔ **لأن الوصل بالعطف لابد فيه من المناسبة بين المعطوف عليه كما هو مصرح في علم المعاني (۱)**۔

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے "**ذبيحتنا**" فرمایا اس سے یہ بتلانا ہے، کہ مطلق ذبیحہ کھالینا ذمہ داری خدا ورسول کے لئے کافی نہیں، بلکہ خاص اسلامی ذبیحہ کا کھانا شرط ہے، اور پہلے آپ قرآن وحدیث وتعامل صحابہ واجماع وقیاس سے معلوم کر چکے ہیں کہ گاؤ اسلامی ذبیحہ میں داخل ہے، پس گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا بلاشبہ اسلام کے علامات سے ٹھہرا، اور ہم اسلامی علامات ہی کو شعار اسلام اور شعائر دین اور شعائر اللہ کہتے ہیں، الغرض حدیث نبوی سے ذبح گاؤ کا شعار اسلام سے ہونا بخوبی ثابت ہے۔ **وفيه الكفاية لمن له دراية.**

چهـــارم: ہنود کی مدارات (یعنی خاطر داری) اگر چہ عملاً ہو اعتقاداً نہ ہو اسی قدر جائز ہوسکتی ہے جس سے کوئی شعار اسلام نہ چھوٹ جائے اور مذہبی امور پامال نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے واقعہ سے اس کا استدلال ہوسکتا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ آپ جب یہودیت سے تائب ہوئے مشرف باسلام ہوئے یہ خیال گذرا کہ توریت سے اونٹ کے گوشت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور وہ بھی آسمانی کتاب ہے اور قرآن پاک سے اس کی حلت متحقق ہوتی ہے، کیا حرج ہے کہ احتیاطاً ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں چنانچہ ایسا ہی کر گذرے، اللہ تعالیٰ نے اس احتیاط سے ان کو سختی سے منع کیا، اور یوں آیت نازل فرمائی:

---

(۱) **وبالجملة يجب أن يكون أحدهما مناسبا للآخر ملابسا له.** (مختصر المعاني، الباب السابع، الفصل والوصل، مكتبه رشيديه دهلي ص: ۲۵۴۔

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِيْن (۱)۔

غور کیجئے ایسے خطرات وخیالات جومزاحم ومناقض شریعت ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اتباع شیطان فرمایا، کیوں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے شعار اسلام کا ترک لازم آ گیا، اور ترک شعار اسلام ممنوع ہے، باوجودیکہ یہود اہل کتاب تھے، اور توریت آسمانی کتاب تھی، اور اونٹ کے گوشت کی حرمت اس میں مذکور بھی تھی اگرچہ قرآن شریف سے منسوخ ہو چکی تھی اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ صحیح العقیدہ بھی تھے، یعنی اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھتے تھے پھر بھی یہود کی مدارات یا توریت کے اس حکم کی عظمت (قصداً ہو یا التزاماً) خدا نے جائز نہ رکھی، بلکہ سختی کے ساتھ اس کی ممانعت کردی، کیونکہ عملاً حکم منسوخ کی تعظیم آتی تھی، تو ہنود کی (جو اہلِ کتاب بھی نہیں اور ان کی کتاب آسمانی بھی نہیں) اتنی مداراۃ کرنا جو شعار اسلام کے ترک تک پہنچ جائے کب جائز ہوسکتا ہے، امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں اس آیت مذکورہ کی شان نزول یوں لکھتے ہیں:

وكانوا يقولون: ترك هذه الأشياء مباح في الإسلام، وواجب في التوراة، فنحن نتركها احتياطا، فكره الله تعالىٰ ذلك منهم، وأمرهم أن يدخلوا في السلم كافة.

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۰۸۔

أخرج ابن جرير عن عكرمة قال: قال عبدالله بن سلام، وثعلبة، وابن يامين، وأسد وأسيد ابني كعب، وسعيد بن عمرو، وقيس بن زيد كلهم مومني اليهود: يا رسول الله! يوم السبت يوم كنا نعظمه فدعنا فلنسبت فيه، وإن التوراة كتاب الله فدعنا فلنقم بها بالليل، وكذا قال البغوي، وقال: وكانوا يكرهون لحوم الإبل وألبانها بعد ما أسلموا فنزلت: ’’ياأيها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة‘‘. (تفسير مظهري، سورة البقرة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۷۷)

أخرج غير واحد عن ابن عباس رضي الله عنهما، أنها نزلت في عبدالله بن سلام وأصحابه، وذلك أنهم حين آمنوا بالنبي صلى الله عليه وسلم، وآمنوا بشرائعه وشرائع موسى عليه السلام فعظموا السبت وكرهوا لحمان الإبل وألبانها بعد ما أسلموا، فأنكر ذلك عليهم المسلمون، فقالوا: إنا نقوي على هذا وهذا، وقالوا للنبي صلى الله عليه وسلم: إن التوراة كتاب الله تعالىٰ فدعنا فلنعمل بها، فأنزل الله تعالى هذه الآية. (روح المعاني، سورة البقرة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٤٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أی في شرائع الإسلام كافة، ولا يتمسكون بشيء من أحكام التوراة اعتقادا له وعملا به؛ لأنها صارت منسوخة. اه (۱)۔

جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا، اور تھوڑی یہ غلطی کی کہ اس کو شعار اسلام نہیں خیال کیا، اسی طرح گاؤ کا قصہ ہے، پس جس طرح وہ مورد عتاب ہوئے یہ لوگ بھی مورد عتاب ہوں گے، اس مقام پر جو شبہ ہوسکتا ہے اس شبہ کا جواب آگے چل کر ہم اخیر میں لکھیں گے، الغرض ایسی مداراۃ ہنود کی جو ترک شعار اسلام کا مستلزم ہو جائز نہیں علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

والفرق بين المداهنة المنهية والمداراة المامورة أن المداهنة في الشريعة أن يرى منكراً و يقدر على دفعه ولم يدفعه حفظا لجانب مرتكبه أو جانب غيره لخوف أو طمع أو لاستحياء منه أو لقلة مبالاة في الدين، والمداراة موافقته بترك حظ نفسه، وحق يتعلق بماله وعرضه، فيسكت عنه دفعا للشر، ووقوع الضرر، ومنه قوله: فدارهم مادمت في دارهم اه (۲)۔

پنجم: کسی امر موہوم یا مشکوک کی توقع پر (اگرچہ وہ امر مستحسن ہو) ہنود کے ساتھ ایسی مدارات کرنا جائز نہیں جس سے اسلامی ضرر متبادر اور بین ہو، اس کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ (۲)۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ جو جلیل القدر صحابی تھے اور غزوۂ بدر وخندق و دیگر مشاہد میں شریک بھی ہو چکے تھے، اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی مدح کی ہے، اُن سے یہ ذلّت (ممکن ہے خطائے اجتہادی سے ہوئی ہو) ہوگئی تھی، کہ آپ نے مدینہ سے کفار مکہ کو

---

(۱) التفسير الكبير للإمام فخر الرازي، سورة البقرة، بيروت ٥/ ٢٢٦۔

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ٣٣١۔

(۳) سورة الممتحنة، رقم الآية: ١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بطور مخبری کے ایک خط لکھ دیا تھا، اس توقع سے کہ ان کے اہل وعیال مکہ میں تھے، اگر کفار مکہ خوش رہیں گے تو ان کو آرام دیں گے، اوران کی خبر گیری کریں گے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الہام ربانی کی خبر ہوگئی، اور وہ خط پکڑا گیا، اس پر وہ ماخوذ ہوئے آپ نے صداقت کے ساتھ اقرار کیا اور خط لکھنے کی وجہ بیان کی اس وقت آیت نازل ہوئی، مگر چونکہ آپ بدری تھے اور آپ نے اپنے اعتقاد کامل کا اظہار فرمایا اور یقین دلایا اور وجہ بھی معقول بیان کی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ذلّت معاف کردی (۱)۔ خیال فرمائیے ایسے جلیل القدر صحابی کہ ان کی شان میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

---

(۱) **یاایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء: نزلت في حاطب بن عمرو بن أبي بلتعة، أخرج الإمام أحمد، والبخاري، ومسلم، وأبوداؤد، والترمذي، والنسائي، وابن حبان، وجماعة عن عليؓ قال: بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا والزبير والمقداد، فقال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها ظعينة معها كتاب، فخذوه منها، فأتوني به، فخرجنا حتى أتينا الروضة، فإذا نحن بالظعينة، فقلنا: أخرجي الكتاب قالت: ما معنى من كتاب؟ قلنا: لتخرجن الكتاب أو لتلقين الثياب، فأخرجته من عقاصها، فأتينا به النبي صلى الله عليه وسلم، فإذا فيه: من حاطب بن أبي بلتعة إلى أناس من المشركين بمكة يخبرهم ببعض أمر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ما هذا يا حاطب؟ قال: لا تعجل علي يا رسول الله! إني كنت امرأ ملصقا في قريش، ولم أكن من أنفسها، وكان من معك من المهاجرين لهم قربات يحمون بها أهلهم وأموالهم بمكة، فأحببت إذ فاتني ذلك من النسب فيهم أن أصطنع إليهم يدا يحمون بها قرابتي، وما فعلت ذلك كفرا ولا ارتدادا عن ديني، فقال عمرؓ: دعني يا رسول الله أضرب عنقه، فقال عليه الصلاة والسلام: إنه شهد بدرا وما يدريك لعل الله اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم، فنزلت: يا أيها الذين آمنو الآية.** (روح المعاني، سورة الممتحنة، مكتبه زكريا ديوبند ١٥/ ٩٦)

تفسير مظهري، سورة الممتحنة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٤٨-٢٤٩۔

بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب الجاموس، النسخة الهندية ١/ ٤٢٢، رقم: ٢٩١٥، ف: ٣٠٠٧۔

مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر وقصة حاطب بن أبي بلتعة، النسخة الهندية ٢/ ٣٠٢، بيت الأفكار رقم: ٢٤٩٤۔

ما يدريک يا عمر! لعل الله تعالیٰ قد اطلع علی أهل بدر، فقال لهم: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم اھ۔

کیوں مورد عتاب ہو گئے، اس وجہ سے کہ اسلامی ضرر جو متبادر اور بین تھا اس کا لحاظ نہیں کیا، اور اہل وعیال کے فائدہ کے لئے مخبری کردی، اگر چہ وہ استحصال نفع بذاتہ مذموم نہ تھا مگر مذہبی ضرر کی وجہ سے اس کا ترک کرنا لازم تھا، کیونکہ اس نفع کا حصول ناجائز مدارات پر موقوف تھا، اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے۔

کما في الأشباه والنظائر: درأ المفاسد أولیٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة، ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات اھ(۱)۔

جب: جب مقدمات ممہدہ معلوم ہو چکے تو اب میں صورت استدلال عرض کرتا ہوں۔

(**الف**) مقدمہ اول وثانیہ وثالثہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا محض مباح ہی نہیں بلکہ اسلامی شعار ہے۔

(**ب**) اور مقدمہ رابعہ سے معلوم ہوا کہ ہنود کی ایسی مدارات جس سے اسلامی شعائر چھوٹ جائیں ممنوع وقبیح ہے، پس ان مقدمات اربعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ گاؤ کا ذبح نہ کرنا ہنود کے خوش اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے جائز نہیں۔

(**ج**) اور مقدمہ خامسہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بالفرض اگر چہ ذبح گاؤ بند کردینا کسی فائدہ موہوم پر مبنی ہو۔ تاہم جائز نہیں، کیونکہ اس کے دینی ودینوی نقصانات متبادر اور ظاہر ہیں، اور ''**درأ المفاسد أولی من جلب المصالح**'' روشن دلیل ہے۔

ہاں اس جگہ چند شبہات قابل ذکر ہیں، ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہات پیدا ہو جائیں۔

پہلا شبہ: مذہبی حیثیت سے گاؤ کی قربانی ہم نہیں بند کرتے ہیں، بلکہ تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے، اس لئے کہ ہم گائے کے ذبح پر مجبور نہیں، اعتقاداً ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں، اگر ہنود کے خوش کرنے اور

---

(۱) الأشباه والنظائر، الفن الأول: في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة، الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۷، جديد زکريا ديوبند ۱/ ۲۶۴۔

ان سے اتفاق پیدا کرنے کے لئے مباح فعل کو ترک کردیں تو اس میں کیا حرج ہے، جس طرح کوئی مسلمان بیماری یا عدم رغبت کے سبب سے یا کوئی ذاکر شاغل کسی خاص وظیفہ کے لحاظ سے کبھی گائے کا گوشت نہ کھائے اور بجائے گائے کے ہمیشہ بکری، دنبہ، بھیڑ قربانی کرتا رہے، اس پر کوئی شرعی جرم نہیں عائد ہوسکتا، اسی طرح ہم بھی بے جرم کیوں نہ سمجھے جائیں گے۔

اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے اونٹ کا گوشت نہیں چھوڑا تھا بلکہ مذہبی حیثیت سے، کیونکہ ان کا احتیاط کرنا احکامِ منسوخہ کی توقیر کا مستلزم تھا، اور ہمارا ترک ایسا نہیں، اس لئے ہمارے عمل کو ان کے عمل پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

الجواب: اس شبہ کا یہ ہے کہ جو شئے شرعاً مذہبی ہے اس کو تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے تعبیر کرنا پھر اس کو چھوڑ دینا کہاں جائز ہے، عنوان اور تعبیر کے بدل دینے سے معنون معبر عنہ کی حقیقت نہیں بدل جاتی مثلاً کسی بستی کے لوگ اذان یا ختنہ چھوڑ دیں اور یوں کہتے پھریں کہ مذہبی حیثیت سے نہیں بلکہ تمدنی (*) حیثیت سے ہم نے چھوڑ دیا ہے، یا کوئی مسلمان کسی بت کی ناجائز تعظیم کرے اور یوں کہے کہ مذہبی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے، یعنی فلاں راجہ صاحب کے خوش کرنے کے لئے تعظیم کرلیا کرتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہوسکتا ہے ہرگز نہیں اسی طرح گائے کا ذبح کرنا چونکہ شعار اسلام سے ہے جیسا کہ پہلے ہم ثابت کرآئے ہیں، ہم کو ہرگز مجاز نہیں کہ اس کو اخلاقی اور تمدنی حیثیت کے سانچہ میں ڈھال کر کسی ہنود کے خوش کرنے کے لئے چھوڑ دیں۔ وہ مثل گھی دودھ کے محض مباح ہی نہیں ہے تاکہ وہ قابل ترک سمجھا جائے۔ اور کسی مسلمان کا مرض یا عدم رغبت یا خاص وظیفہ کے سبب سے گائے کا گوشت نہ کھانا اور کسی صحیح الاعتقاد مسلمان کا دنبہ، بھیڑ کی قربانی پر اکتفا کرنا ہنود کی مدارات اور اتفاق کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتا، تاکہ اس پر کوئی شرعی جرم عائد ہو، بخلاف صورت متنازعہ کے کہ ہنود کی ناجائز مداراۃ پر مبنی ہے، دونوں ترک کو یکساں خیال کرنا ہرگز صحیح نہیں، اگر آپ انصاف کریں گے تو دونوں کی وجدانی حالت بھی متغائر پائیں گے، یعنی مدارات کرنے والے کو عملاً ضرور گاؤ سے نفرت ہوگی، چاہے اعتقاداً نہ ہو، بلکہ دوسروں کو ذبح کرنا

(*) مثلاً یوں کہیں کہ بچوں کو ختنہ سے سخت تکلیف ہوتی تھی؛ اس لئے ہم نے ختنہ موقوف کردیا اور ہمارے جوار کے ہنود جو ہمارے دلی دوست ہیں، ان کو اذان کی آواز سے بہت تکلیف ہوتی تھی صبح کی اذان سے صبح کی نیند اور ظہر کی اذان سے دن کے خواب استراحت میں خلل آتا تھا؛ اس لئے ہم نے اذان بند کردی۔ ۱۲ منہ

بھی اس پر شاق اور نا گوار ہوگا، کیونکہ مطلقاً ذبح گاؤ کو مداراۃ اور اتفاق کے خلاف سمجھتا ہے، اور اس کی دلی کشِش اس جانب ہوگی کہ گائے کا ذبیحہ کہیں نہ دیکھے، بخلاف ان لوگوں کے جو مرض وغیرہ کے سبب سے چھوڑ دیتے ہیں، ان کو نہ کبھی نفرت ہوگی نہ کبھی اس کا خیال ہوگا۔ **فبینهما بون بعید۔**

رہا عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ اس کے متعلق جو شبہ پیدا کیا گیا، وہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ تو مسلّم ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ صدق دل سے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور اعتقاداً ہرگز مخالف اسلام نہ تھے، قرآن شریف کے الفاظ صاف بتلارہے ہیں "**یٰایها الذین اٰمنوا الخ**" میں لفظ "**آمنوا**" اور "**کافة**" ثبوت کے لئے کافی ہے، ہاں مخالفت اُن کی بعض امور میں عملاً تھی۔ اب غور کیجئے فریق اول (یعنی تارکین لحم شتر) اور فریق ثانی یعنی (تارکین لحم بقر مداراۃ ہنود) عملاً و اعتقاداً مساوی ٹھہرے یا نہیں، جب دونوں مساوی ٹھہرے تو لامحالہ دونوں "**لا تتبعوا خطوات الشیطن**" کے حکم میں داخل ہوں گے، باقی رہی حیثیت کی مغائرت وہ بھی مضر نہیں، اس لئے کہ اصل وجہ عتاب کی ترک شعائر اسلام ہے، اسی لئے آیت نازل ہوئی ہے جس طرح لحمِ شتر شعائر اسلام سے ہے اسی طرح لحم بقر بھی اگرچہ دونوں فریق کے منشائے ترک میں مغائرت ہے، مگر منہی عنہ ہونے میں دونوں متحد ہیں، کیونکہ فریق اول کے ترک کا منشاء احتیاط تھا، مگر اس سے احکام منسوخہ توریت کی تبعیت یا عظمت لازم آگئی، جو منہی عنہ تھی، اور فریق ثانی کے ترک کا منشاء مدارات ہنود ہے، جس سے تعظیم وتوقیر شاستر ہنود ہے۔ نیز تقویت عقائد باطلہ ہنود لازم آتی ہے جو منہی عنہ ہے۔ **بل الثاني أقبح من الأول كما لا يخفى على من تفطن وتأمل.** چونکہ دونوں منشاء منہی عنہ ہونے میں مشترک ہیں باوجود تغائر حیثیت کے حکم میں اختلاف نہیں پیدا ہوسکتا، پس معلوم ہوا کہ اس جگہ باوجود تغائر حیثیت کے حکم یکساں ہے۔ **وهذا ما ادعيناه وههنا أبحاث شتى طويت عنها كشحى لغرابة المقام وإيجاز الكلام.**

علاوہ بریں اہل اسلام خوب جانتے ہیں کہ ہنود کے مذہب میں گائے نہایت مقدس بلکہ دیوتا ہے، اور ان کے جذبات دلی گائے کی عظمت اور پرستش کی جانب مائل ہیں۔ پس لامحالہ ترک ذبح سے ہنود کی خوشی اور مسرت قلبی محض مذہبی حیثیت سے ہوگی، نہ اخلاق اور تمدنی حیثیت سے، کیونکہ ہمیشہ ان کی ممانعت مذہبی حیثیت سے ہوا کرتی ہے، نہ تمدنی حیثیت سے چاہے ممانعت بزور ہو یا خوشامد و تملق کے طور پر، پس جو لوگ ہنود کی خاطرداری سے متفق الرائے ہوکر ذبح بقر کو بند کردیں گے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ ہنود کے

جذبات دلی کے پودے کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں، اور اسلامی جذبات کو پامال و پژمردہ، پہلے شبہ کا جواب تو ہو چکا، اب دوسرا شبہ سنئے:

دوسرا شبہ: حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے واقعات پر اس واقعہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ ان کی مخبری ناجائز اور ضرر رساں تھی، اور ہمارا فعل یعنی ترک ذبح جائز اور غیر مضر ہے، کجا وہ اور کجا یہ
ع: ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

جواب: اس شبہ کا یہ ہے کہ جائز و ناجائز سے کیا مراد، جواز و عدم جواز شرعی و نفس الامری، یا وہ کہ جس کو مرتکب فعل اپنے ذہن میں بطور فیصلہ کر کے سمجھ لے، اگر شق اول مراد ہے تو عدم جواز اور ضرر میں دونوں مشترک ہیں، جس طرح وہ مخبری ناجائز و مضر اسی طرح متفق الرائے ہو کر شعار اسلام کو ترک کر دینا ناجائز و مضر، اور اگر شق ثانی مراد ہے تو جس طرح آپ نے ترک شعار اسلام کو مداراۃ ہنود کے لئے اپنے ذہن میں خود فیصلہ کر کے جائز سمجھ لیا، اسی طرح حضرت حاطبؓ نے بھی اپنے فعل کو جائز غیر مضر سمجھ لیا تھا، دیکھئے وہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یوں بیان کرتے ہیں: **وقد علمت أن كتابي لن يغني عنهم (أي أهل مكة) شيئًا.**

تیسرا شبہ: اچھا ہم اتفاق ہنود و مدارت غیر مذہب کا خیال چھوڑ کر دوسرے نقصانات جو متعدد ہیں، بلکہ بعض مضر تر ہیں ان کی بناپر ذبح بقر چھوڑ دیں گے، اور اس قاعدہ پر عمل کریں گے:

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما كما في الأشباه (۱)۔

الجواب: یہ شبہ مبحث سے خارج ہے، آپ جب وہ نقصانات اور بعض کا مضر تر ہونا قوی دلائل سے ثابت کر کے دوسرا سوال پیش کریں گے، اس کا بھی شرعی جواب سن لیں گے، اس وقت نہ اس شبہ کی ضرورت نہ ازالہ کی حاجت۔

باقی رہا منشائے مداراتِ ہنود یعنی اتفاق، اس سے کیا مراد ہے۔

اول: اتفاق کل مسلمانوں کا کل ہنود سے۔

دوم: یا اتفاق کل مسلمانوں کا بعض ہنود سے۔

---

(۱) الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۵، جديد زكريا ۱/ ۲۶۱۔

سوم: یا اتفاق بعض مسلمانوں کا کل ہنود سے۔

چهارم: یا اتفاق بعض مسلمانوں کا بعض ہنود سے۔

یہ چہار صورتیں ہوئیں، اور ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں، اتفاق دائمی یا اتفاق تا زمان محدود کل آٹھ صورتیں ہیں، بالفرض اگر مان لیا جاوے کہ جملہ نزاعات واختلافات فریقین کا قلع قمع فقط ترک بقر پر مبنی ہے، تاہم ان اتفاقات مذکورہ سے بجز ایک صورت کے کوئی مفید نہیں۔ وہ کون صورت ہے، اتفاق کل مسلمانوں کا کل ہنود سے دائماً، اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاق عادۃً ممتنع الوجود ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو اتفاقات ممکن ہیں (اگر ان کا امکان عادۃً مان لیا جاوے) وہ مفید نہیں، اور جو مفید ہے وہ عادۃً ممکن نہیں، اس لئے ایسے اتفاق کی بنا پر شعار اسلام کو چھوڑ دینا بنائے فساد علی الفاسد ہے۔

هذا ما سنح لي بالبال والله تعالىٰ أعلم بحقيقة الحال، وعندي فليكن شان المؤمن كما قال الله تعالىٰ: يا ايها الذين اٰمنوا لا تتخذوا عدوی و عدو كم أولياء (۱)۔ وحبذا ماقال: البعيث بن حريث:

وَلَسْتُ وَاِنْ قَرَّبْتُ يَوْمًا بِبَائِعٍ ☆ خَلاَ فِیْ وَلاَدِیْنِیْ ابْتِغَاءَ التَّحَبُّبِ

وَيَعْتَدَّهٗ، قَوْمٌ كَثِيْر تِجَارَةً ☆ وَيَمْنَعُنِیْ عَنْ ذَاكَ دِيْنِیْ وَمَنْصَبِیْ

وهٰذا آخر الكلام فالحمد لله على الإتمام إتمام هذه الرسالة المسماة بالاعتصام بحبل شعائر الإسلام، والصلوٰة والسلام على رسوله سيد الأنام، وعلىٰ اٰله وأصحابه الغر الكرام إلى يوم القيام، وأنا عبده الراجي لطفه ألابدى أبو الأنوار محمد عبدالغفار الحنفي النقشبندي الاعظمي المئوي. ۱۸/ جمادى الأولىٰ ۱۳۳۸ھ

الجَواب صَحِيحٌ، وَالمُجِيبُ نَجِيح

ذبح البقر کے متعلق مؤلف علام نے جو تحقیق کی اور قوی دلائل سے اس کا اسلامی شعار ہونا ثابت فرمایا بہت صحیح ہے، اب اس سے زیادہ تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں، میں بطور شہادت کے فقط چار نامی علمائے لکھنؤ کی عبارتیں مجموعہ فتاویٰ جناب مولانا عبدالحی مرحوم ومغفور سے نقل کرتا ہوں، لکھنؤ فرنگی محل کے یہ چاروں مقدس علماء ہیں، ان کی عبارتیں یہ ہیں:

---

(۱) سورة الممتحنة، رقم الآية: ۱۔

اول: مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم مغفور مجموعہ فتاویٰ ص ۶۸۶ ج ۲ پس ہندو کی ممانعت تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت اور ترویج کا ہوگا، اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں اھ وایضاً اور گاؤ کشی کے طریقہ کو کہ اہل اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے ترک نہ کریں (۱)۔

دوم: مولانا عبدالحلیم لکھنوی مرحوم ومغفور ص: ۲۸۴، ج: ۲ بہر حال گاؤ کشی کو کہ شعار مسلمانی ہے ترک نہ کریں۔اھ (۲)۔

سوم: مولانا عبدالوہاب لکھنوی مرحوم ومغفور ص ۲۸۶ ج ۲ فی الحقیقت قربانی گائے کی مِلّت اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود موجب معصیت ہے، بلکہ قائم رکھنے قربانی گائے میں مسلمانوں کو سعی وکوشش لازم ہے (۳)۔

چھارم: مولا ابوالغنا محمد عبدالمجید صاحب لکھنوی عم فیضہ ص ۳۸۵ ج ۲ اس آئین دیرین کو کہ شعائر اسلام سے ہے ترک کرنا نہ چاہیئے، بلکہ اس طریقہ کے ابقا میں سعی کرنا چاہیئے۔اھ (۴)۔

ان چاروں علماء کی تحقیق سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبح گاؤ شعائر اسلام سے ہے اور اسلامی شعار کا چھوڑنا ہنود کی خاطر داری اور دل جوئی کے لحاظ سے جائز ہے نہ ان کی ممانعت سے، ان کی رعایت وہیں تک کی جاسکتی ہے، جس کی شریعت میں اجازت ہو۔ جناب مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم اپنی تفسیر بیان القرآن ص ۱۰۷ ج ا میں تحریر فرماتے ہیں، اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جوامر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جاوے، اھ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ: احقر العباد محمد عبدالحق سیوانی عفی عنہ، حال مدرس انجمن اسلامیہ گورکھپور۔

---

(۱) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٥۔

(۲) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦۔

(۳) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦۔

(۴) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦-٣١٧۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خلاصہ رسالہ

(۱) گاؤ کی قربانی اوراس کا ذبح کرنا قرآن وحدیث وتعامل صحابہ واجماع وقیاس سے ثابت ہے۔
(۲) گاؤ کا ذبح محض مباح ہی نہیں، بلکہ شعائر اسلام سے ہے۔
(۳) چونکہ گاؤ کی قربانی اوراس کا ذبح شعائر اسلام سے ہے ہنود کے اتفاق اورخوشی کے لئے بند کرنا درست نہیں۔
(۴) گاؤ کی قربانی اوراس کے ذبح کوتمدنی اوراخلاقی حیثیت قرار دے کر چھوڑ دینا بھی درست نہیں۔
(۵) کسی فائدہ موہوم کی بناء پر بھی اس کو ترک کر دینا درست نہیں۔
(۶) اتفاق ہنود جو منشائے ترک قرار دیا گیا ہے، عادۃً ناممکن ہے۔
(۷) ذبح بقر کے شعائر اسلام ہونے پر نامی علمائے لکھنو فرنگی محل کی شہادتیں۔

لخصه: محمد متین طالب علم مدرسه انجمن اسلامیه گور کھپور ناقل رساله هذا.

الجواب الثانی الملقب به: ’’تصلیة سقر لمانع تضحیة البقر‘‘

أقول: وبه نستعين :- ہنود کی خوشامد اوران کے خوشنود کرنے کے لئے گائے کی قربانی کا ترک کرنا یا مطلقاً ذبح گاؤ کو بند کرنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ ترک ذبح بقر شعار کفار ہے(۱) اور مسلمانوں کا ترک کرنا اس شعار کفر کی ترویج میں اعانت ہے، اور کسی شعار کفر کی ترویج میں مسلمانوں کی اعانت جائز نہیں ہے(۲)۔ دوسرے گو آج کل محض اس کو مصلحت وقت سمجھ کر چھوڑا جاتا ہے، لیکن اس کے شیوع کے بعد نتیجہ

---

(۱) وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يَا مُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۳۸]
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۵۲]
أخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن جريج في قوله تعالىٰ: فأتوا على قوم يعكفون على أصنام لهم، قال تماثيل بقر من نحاس، فلما كان عجل السامري شبه لهم أنه من تلك البقرة، فذلك كان أول شان العجل. (الدرالمنثور، سورة الأعراف، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۳)
(۲) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے عقیدوں میں خلل آجاوے گا۔ اور وہ بھی اس کو مثل ہنود کے بُرا سمجھنے لگیں گے، اور یہ امر شرعاً مذموم ہے جس سے بچنا واجب ہے اس لئے جو امر مذموم کی طرف مفضی ہو اس سے بچنا بھی شرعاً واجب ہے (۱)۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ہندوؤں کے اختلاط نے نکاح بیوگاں پر کیا اثر کیا ہے، اور علماء کو اس رسم قبیح کے مٹانے میں کس قدر دقتیں اٹھانی پڑی ہیں اور ایک نکاح بیوگاں ہی پر کیا خصوصیت ہے، اور بہت سی ہنود کی رسمیں ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں جن کے مٹانے کے لئے علماء برسوں سے کوشش کر رہے ہیں، مگر اب تک ان کو پوری کامیابی نہ ہوئی، پس اگر طریقہ گاؤکشی متروک ہوگیا تو اس کا اثر دوسری رسوم سے زیادہ بُرا ہوگا، اس لئے اس میں کسی مسلمان کو حصہ نہ لینا چاہیئے۔

تیسرے: بہت سے غریب مسلمان ہیں جو مستقل طور پر بکرا نہیں کر سکتے، بلکہ چند آدمی مل کر ایک گائے ذبح کر لیتے ہیں پس اگر طریقہ گاؤکشی کو بند کیا گیا تو ان کو نقصان پہنچے گا۔

چوتھے: بہت سے لوگ گائے کے گوشت کے شائق اور عادی ہیں پس گائے کشی کے انسداد میں سعی کرنا ان کو جبراً ان کے جائز حق سے محروم کرنا ہے۔

پانچویں: اگر آج ان لوگوں کی خواہش سے جو صرف گائے کے ذبح کو برا سمجھے ہیں، گائے کے ذبح کی ممانعت کی گئی تو کل کو ہندوؤں کا دوسرا فرقہ جو مطلقاً قتل حیوانات کو برا سمجھتا ہے، ان کی خواہش سے مطلقاً قربانی اور گوشت خوری ترک کرنی پڑے گی اور اس کا ضرر ظاہر ہے۔

چھٹے: اگر اس ضرر کو بھی بالفرض برداشت کر لیا جاوے تو ہندوؤں کو ہماری اذانیں اور نمازیں اور مسجدیں، بلکہ ہمارا مسلمان ہونا بھی برا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ان کی خاطر سے ان سب کو بھی خیر باد کہنا پڑے گا۔

---

(۱) **وأيضا فإنه يتوصل به لإقامة الواجب على وجه وما لا يقام الواجب إلا به فهو واجب.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٢٥)

وما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١١٤، كوئٹه ١/ ١٦)

وكذلك الإقرار بالحق الذي عليه للغير إذا كان متعينا لإثباته؛ لأن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٤٧، ٦/ ٢٤٣، ٢/ ٧٣)

ساتویں گو آج کل یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ذبح بقر کو ناجائز نہیں سمجھتے، لیکن اس رسم قبیح کے جاری ہونے کے بعد اگر ایک زمانہ کے بعد مسلمانوں کے عقیدوں میں تزلزل آ گیا اور علماء کو اصلاح عقیدے کے لئے نکاح بیوگان کی طرح اس سنت کے احیاء کی ضرورت ہوئی تو پھر اس مردہ سنت کا جلانا ناممکن ہوگا، کیوں کہ ہندو اس میں مزاحمت کریں گے، اور جاہل مسلمان ان کے مددگار رہوں گے، الغرض ہندوؤں کے ساتھ ایسا اتفاق ہرگز جائز نہیں، جس سے کسی اسلامی عقیدے میں خلل آنے کا اندیشہ ہو یا کسی شعار اسلامی میں خلل پڑے یا دوسرے مسلمانوں کو اس سے کسی قسم کا نقصان پہنچے یا اس میں کسی شعار کفر کی ترویج ہو، اور گاؤکشی کے ترک میں یہ سب باتیں موجود ہیں، اس لئے اس میں ہندوؤں کی موافقت کسی طرح جائز نہیں، بلکہ اس میں زوال ایمان کا اندیشہ ہے، لہٰذا مسلمانوں کو کوشش کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کا ایک طریقہ جو ابتداء اسلام سے چلا آ رہا ہے اس کو قائم رکھنے میں امکانی کوشش کریں، اور ناعاقبت اندیش اور نادان دوستوں کی بظاہر خوشنما تقریروں اور تحریروں سے دھوکا نہ کھاویں، گاؤکشی اور قربانی گاؤ کا مسئلہ نیا نہیں ہے، بلکہ پہلے بھی ہندوؤں نے اس میں کوشش کی ہیں۔ مگر اگلے علماء نے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اس وقت چند علماء فرنگی محل کے فتویٰ نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں پر اس مسئلہ کی اہمیت ظاہر ہو، چنانچہ جناب مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں۔

”یہ ایک طریقہ قدیمہ ہے، زمان آنحضرت ﷺ وتابعین و جملہ سلف صالحین سے تمام بلاد وامصار میں اس کی اباحت پر اجماع واتفاق ہے تمام اہلِ اسلام کا ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود روکیں، اور بنظر تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے، بلکہ ہرگاہ ہنود ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے بقاء واجراء میں سعی کریں، اور اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار رہوں گے بقدر حاجۃ منقول از صفحہ ۲۸۳ جلد ثانی مجموعہ فتاویٰ (۱)۔

اور جناب مولوی عبدالوہاب صاحب والد بزرگوار مولوی عبدالباری صاحب لکھنوی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۳۱۲۔

’’فی الواقع جن بلاد میں رواج گاؤکشی بے قصد فتنہ وفساد کے جاری رہا اور اب کوئی قوم ہنود سے مانع ہے ان بلاد میں مسلمانوں کو رسم گاؤکشی کے باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے،، اھ بقدر الحاجۃ فتاویٰ مذکورہ صفحہ مذکور(۱) اور جناب مولوی عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں۔

’’جن بلاد وامصار وقصبات وقریات ودیہات ومواقعات ہندوستان میں رواج گاؤکشی کا طریقہ قدیمہ ہے بلا قصد فتنہ وفساد قدیم الایام سے چلا آیا ہے، اور اب کوئی ہندو بپاس تعصب مذہبی مانع ومزاحم ہے، ایسے مواقع میں مسلمانوں کو بپاسِ حمیت اسلامی ابقاء رسم گاؤکشی میں کوشش بلیغ لازم ہے زینہار ترک نہ کریں، اور فقرۂ مسئول عنہا سے یہ مراد نہیں ہے کہ تقلید واتباع ہنود میں قطعاً گاؤکشی کہ ماثور قدیم ہے اور جس کی اباحت پر اجماع واتفاق جمیع اہل اسلام کا از سلف تا خلف رہا ہے اور رہے گا، ممانعت ومزاحمت ہنود سے ترک ہوجاوے معاذ اللہ من ذلک، وہر گاہ فی زماننا ہنود اہل اسلام سے تعصب مذہبی وعداوت بہت ہے، کہ شعار اسلامیہ سے روکتے ہیں، پس دریں صورت مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی روکنے سے ہنود کے واسطے قربانی گاؤ کھانے گوشت گائے کے کہ طریقہ ماثورہ قدیم ہے رکنا نہ چاہیئے۔ اور ان کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہیئے، بہرحال گاؤکشی کو کہ شعار مسلمانی ہے ترک نہ کریں، احیاناً اگر کسی منازعت میں احتمال فساد فیما بین ہو تو بذریعہ حکامِ وقت دفع کرنا اس کا بابقاء رواج قدیم واجب ہے، اور بخوف فساد ہنود قربانی گاؤ سے لوگ باز نہ رہیں، اس میں کوشش بلیغ کو کام فرماویں ورنہ گنہگار رہوں گے۔

إن ينصركم الله فلا غالب لكم والله غالب على أمره هداكم الله إلى سواء السبيل

ص ۴۰۴ فتاویٰ مذکور (۲) نیز مولوی عبدالحئ صاحب دوسرے فتوی میں تحریر فرماتے ہیں:

ازانجا کہ گائے کے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے زمانہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو ذبح کیا اور اس کے گوشت کے حلال ہونے پر اور ذبح کے جائز ہونے پر خواہ بروز عید ہو یا کسی اور روز ہوا تفاق ہے تمام

---

(۱) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۳۱۲-۳۱۳۔

(۲) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۳۱۳-۳۱۴۔

سورۂ آل عمران، رقم الآية: ۱۶۰۔

مسلمانوں کا کوئی مسلمان اس کے جواز اور حلت میں شبہ نہیں کرتا ہے، بناء علیہ جب کوئی مسلمان عید الضحٰی کے روز خواہ کوئی اور روز گائے ذبح کرے اور کوئی ہندو بنظر اپنے مذہب کے اس کو روکے تو مسلمان کو باز آنا درست نہیں ہے، اور ہندوؤں کی ممانعت کو جومبنی ہے اس کے اعتقاد باطل پر تسلیم کر لینا نہیں جائز ہے، ہماری شریعت میں بہ نسبت اور جانوروں کے گائے کی کچھ بھی عظمت ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ مثل اور جانوروں کے جواز ذبح میں ہے، جو شخص اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے، پس ہندوؤں کی ممانعت کو تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت اور ترویج کا ہوگا، اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں ہے، الیٰ آخر ما قال، مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۸۵ (۱) اس کی تائید اپنے الفاظ میں مولوی عبدالحلیم صاحب نے بھی فرمائی ہے، دیکھو مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۳۸۶، جلد دوم (۲) اور مولوی عبد الوہاب صاحب پدر مولوی عبد الباری صاحب نے اس کی تائید میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے:

''فی الحقیقت قربانی گائے کی ملتِ اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے، اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود موجب معصیت ہے، بلکہ قائم رکھنے قربانی میں مسلمانوں کو سعی وکوشش لازم ہے،، مجموعہ فتاویٰ ص ۲۶۲ جلد دوم (۳) اسی مضمون کی تائید مولوی عبدالمجید صاحب فرنگی محلّی ومولوی محمد نعیم صاحب ومولوی محمد اکرم صاحب نے بھی اپنے اپنے الفاظ میں فرمائی ہے، دیکھو مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۸۷ (۴) چونکہ یہ تمام مضامین مجموعہ فتاویٰ میں مطبوع ہو چکے ہیں اس لئے ان کی عبارات کو نقل کرنا موجب تطویل سمجھ کر ترک کیا گیا جس کا جی چاہے مجموعہ فتاویٰ میں دیکھ لے۔

---

(۱) مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الأضحية، مکتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٥-٣١٦۔

(۲) مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الأضحية، مکتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦۔

(۳) مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الأضحية، مکتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦۔

(۴) مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الأضحية، مکتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣١٦-٣١٧۔

خلاصہ ان تمام فتاویٰ کا یہ ہے کہ کسی ہندو کی خاطر سے کسی ایک شخص یا کسی ایک مقام پر قربانی گاؤ کا ترک کرنا جائز نہیں ہے چہ جائے کہ تمام ہندوستان سے اس شعار اسلامی کو مٹا دیا جاوے، نعوذ باللہ منہ جو لوگ اس شعار اسلامی کے مٹانے میں ساعی ہیں اُن کے استدلال کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ گاؤ کشی شرعاً مباح ہے نہ کہ واجب اس لئے اس کا چھوڑنا جائز ہے، لیکن ان لوگوں کو اتنی خبر نہیں کہ اگر کوئی مباح کسی معصیت کا ذریعہ بن جاوے تو وہ حرام ہو جاتا ہے، پس ترک گاؤ کشی جس میں ایک شعار اسلامی کا مٹانا اور ایک شعار کفر کی ترویج اور مسلمانوں پر ناجائز دباؤ وغیرہ ہیں کیونکر جائز ہوگی؟ دیکھئے جس طرح قربانی گاؤ واجب نہیں ہے یوں ہی ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار بھی واجب نہیں ہے، مگر جس وقت حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے درخواست کی کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ہفتہ کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو ہم یہودیت کے زمانہ میں کیا کرتے تھے یعنی ہم اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں، اس پر آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. نازل ہوئی۔ كما في الدر المنثور۔

جس میں ان کو بتلایا گیا کہ اسلام لانے کے بعد شعار یہود کا اتباع خلاف اسلام اور اتباع شیطان ہے، گو وہ اتباع صرف درجہ عمل میں ہو نہ کہ درجہ اعتقاد میں، پس جب کہ اسلام کے بعد سبت کی عملی تعظیم یعنی اس روز قصداً مچھلی کا شکار نہ کرنا خلاف اسلام اور اتباع شیطان ہوا، حالانکہ تعظیم سبت ایک وقت میں مامور من اللہ رہ چکی ہے، تو ترک گاؤ کشی بقصد موافقت ہنود کیسے جائز ہو سکتی ہے، پس اگر ایک شخص بھی اس قصد سے گاؤ کشی چھوڑے گا تو سخت گنہگار ہوگا، چہ جائیکہ تمام مسلمان گاؤ کشی چھوڑ کر عملاً ہندو ہو جاویں مسلمانوں کو ہرگز ایسی جرأت نہ کرنی چاہئے اور ایسے خیالات سے توبہ کرنی چاہئے، مسلمانوں کے لئے کس قدر غیرت اور شرم کی بات ہے کہ ہندو کافر ہو کر اس کو جائز نہیں رکھتے کہ وہ مسلمانوں کی خاطر اپنے غلط خیال یعنی قبح گاؤ کشی سے دست بردار ہو جاویں یا کم از کم مسلمانوں سے اس بارہ میں تعرض نہ کریں، اور مسلمان باوجود حق پر ہونے کے ہندوؤں کی خاطر اپنے ایک جائز طرز عمل کو چھوڑ کر جس کا جواز قرآن میں بضمن:

ومن الابل اثنين ومن البقر اثنين قل آلذكرين حرم ام الانثيين أما اشتملت عليه أرحام الانثيين أم كنتم شهداء إذا وصاكم الله بهذا الأية (۱)۔ مذکور ہے۔ان جیسے بن جاویں افسوس صدافسوس، اس سے بھی زیادہ عجیب بات اور سنئے، اگر ہندو یہ کہیں کہ ہم تم سے اس وقت اتفاق کریں گے جب تم اپنی جائیدادیں اور مکانات وغیرہ ہم کو دیدو یا اپنے حقوق سے جو حکومت میں تم کو حاصل ہیں دست بردار ہو جاؤ تو یہی لوگ جو اس وقت گاؤ کشی کے ترک میں ساعی ہیں کبھی اس صلح پر رضامند نہ ہوں گے تو کیا اشعار اسلامیہ اور احکام الٰہیہ کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ جائیدادوں اور زمینوں وغیرہ کی کہ ان کو دے کر ہندوؤں سے صلح کی جاتی ہے، گو اس قدر تحریر ترک گاؤ کشی کے عدمِ جواز کے لئے کافی ہے مگر بعض دیگر ضروری مضامین کا افادہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، سو واضح ہو کہ جس طرح ہندوؤں نے گائے کو جو منجانب اللہ حلال ہے، اپنی طرف سے حرام کر رکھا ہے یوں ہی مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا، حق سبحانہٗ اس تحریم ناجائز کی تردید فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں۔

يٰأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الأَرْضِ حَلاَلًا طَيِّباً وَلا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِين، إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُوْلُوا عَلَى اللهِ مَالاَ تَعْلَمُون (۲)۔

پس اس آیت میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم اپنی طرف سے حلال کو حرام کر کے شیطان کا اتباع اور خدا پر افترا مت کرو، یوں ہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ تم گاؤ کشی کو ناجائز بتلا کر شیطان کی پیروی اور خدا پر بہتان نہ باندھو، چونکہ خدا نے اس کو حلال کیا ہے، اس لئے تم بھی حلال سمجھو اور کھاؤ پس جب کہ خود ہندوؤں کو یہ حکم ہے، کہ اس کو حرام نہ سمجھیں اور اس کے ساتھ حرام کا سا معاملہ نہ کریں، تو مسلمانوں کو کب اجازت ہو سکتی ہے، کہ وہ ہندوؤں کی موافقت کر کے عملاً افتراء علی اللہ اور اتباع شیطان میں حصہ لیں، اور سنئے بعض صحابہؓ نے راہبوں کی روش کا اتباع کرنا چاہا تھا، اور گوشت خوری اور نکاح وغیرہ کے ترک کا عزم کر لیا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس روش کو ناپسند فرمایا، اور فرمایا کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں

---

(۱) سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۴۴۔

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ۱۶۸-۱۶۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کو کہ وہ ایسا ایسا کہتے ہیں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں اورافطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں اورقیامِ لیل بھی کرتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں، اورنکاح بھی کرتا ہوں (میری سنت یہ ہے) پس جو میری روش کو چھوڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ **أخرجه البخاري ومسلم كما في الدرالمنثور** (۱) اورعکرمہ وقتادہ سے مروی ہے، کہ اسی واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی (۲)۔ **یاایھاالذین اٰمنوا لاتحرموا طیبات ما أحل اللّٰہ لكم ولاتعتدوا إن اللّٰہ لا یحب المعتدین** (۳)۔

---

(۱) وأخرج البخاري ومسلم عن عائشةؓ أن ناسا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر، فقال بعضهم: لا آكل اللحم، وقال بعضهم: لا أتزوج النساء، وقال بعضهم: لا أنا على فراش، فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ما بال أقوام يقول أحدهم كذا وكذا، لكني أصوم وأفطر وأنام أقوم، وآكل اللحم وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني. (الدرالمنثور، سورة المائدة، رقم الآية: ۸۷، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۴۴)

بخاري شريف، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، النسخة الهندية ۲/ ۷۵۷، رقم: ۴۸۷۲، ف: ۵۰۶۳۔

مسلم شريف، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، النسخة الهندية ۱/ ۴۴۸، بيت الأفكار رقم: ۱۴۰۱۔

(۲) أخرج عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر عن عكرمة، أن عثمان بن مظعون في نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال بعضهم: لا آكل اللحم، وقال الآخر: لا أنام على فراش، وقال الآخر: لا أتزوج النساء، وقال الآخر: أصوم ولا أفطر، فأنزل الله: "يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم. الآية.

وأخرج عبدالرزاق وابن جرير عن قتادة في قوله: "لاتحرموا طيبات ما أحل الله لكم" قال: نزلت في أناس من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أرادوا أن يتخذوا من الدنيا ويتركوا النساء تزهدوا، منهم علي بن أبي طالب، وعثمان بن مظعون. (الدرالمنثور، سورة المائدة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۴۴-۵۴۵)

(۳) سورة المائدة، رقم الآية: ۸۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اب غور کا مقام ہے کہ گوشت خوری وغیرہ تمام امور مباحہ ہیں، واجب ان میں ایک بھی نہیں، مگر عزم ترک علی الدوام پر جو کہ عملی تحریم ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کس قدر ڈانٹا اور حق سبحانہ نے کیسی تنبیہ فرمائی، پس جب کہ صحابہ عزم ترک مباحات علی الدوام پر جو کہ عملی تحریم ہے ملامت کے مستحق ہوئے تو جو لوگ ارضاء ہنود کے لئے گائے کی عملی تحریم میں ساعی ہوں وہ کس درجہ حق سبحانہ کے یہاں معتوب اور ملام ہوں گے، خدا محفوظ رکھے جہل سے، اور لیجئے مشرکین نے کچھ مسلمانوں کو بہکایا تھا کہ تمہارے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی جانور اپنی موت مر جاوے تو حرام ہے اور جس کو تم ذبح کرو وہ حلال ہے آخر یہ کیا بات ہے کہ جس کو خدا مارے وہ حرام اور جس کو تم مارو وہ حلال، بعض کمزور مسلمان اس دھوکہ میں آ گئے، حق سبحانہ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں:

ومالكم أن لا تاكلوا مماذكر اسم الله عليه وقد فصّل لكم ما حرّم عليكم الخ(۱)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ جس چیز کو خدا نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے تم بھی اعتقاداً وعملاً اس کو حلال سمجھو، اور مشرکین کے داؤ میں نہ آؤ، پس مسلمانوں کے لئے کب جائز ہوگا کہ وہ ہندوؤں کی نفرت سے متاثر ہو کر جس کو خدا نے حلال کیا ہے اس کو عملاً اپنے اوپر حرام کر لیں، اور سنئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلى صلوتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته. رواه البخاري (۲)۔

---

(۱) سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۱۹۔

روي أبو داؤد والترمذي عن ابن عباس قال: أتى ناس النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا: يا رسول الله! أنأكل ما نقتل ولا نأكل ما يقتل الله، فأنزل الله تعالىٰ: فكلوا مما ذكر اسم الله عليه الآية. الفاء للسببية، فإنه تعالىٰ لما نهى عن اتباع الكفار المضلين فرع عليه قوله: فكلوا يعني لا تتبعوا في تحريم الحلال وتحليل الحرام آراء الكفار القائلين بتحليل الميتة، وتحريم الذبائح الخ. (تفسير مظهري، سورة الأنعام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۵)

(۲) بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب في استقبال القبلة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، رقم: ۳۸۹، ف: ۳۹۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیکھئے اس حدیث میں صلوٰۃ واستقبال قبلہ کے ساتھ اکل ذبیحہ مسلم کو بھی شعائر وعلامات اسلام سے قرار دیا ہے، پس اگر کوئی اس کا اہتمام کرے کہ میں مسلمان کا ذبیحہ نہ کھاؤں تو وہ ایک شعار اسلام کا تارک ہوگا، حالانکہ اکل ذبیحہ مسلم فی نفسہ واجب نہیں یوں ہی گوذبح بقر فی نفسہ واجب نہ ہومگر چونکہ شعار اسلام ہے اس لئے اس کا باقی رکھنا واجب ہے، اگر کوئی ایک شخص بھی اس کے ترک کا عزم واہتمام کرے گا تو وہ شعار اسلام کا تارک ہو جائے گا، چہ جائیکہ پوری قوم اور پورا ملک اس کا اہتمام کرے، اوراس کو مطلقاً ترک کردے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ گائے کا گوشت کھانا اوراس کا ذبح کرنا خواہ قربانی کے لئے ہو یا فقط کھانے کے لئے ازروئے قرآن وحدیث جائز ہے، اور ہندوؤں کی خوشامد میں اس کا ترک کسی حال میں ایک شخص کے لئے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمام ملک کے لئے، پس جو اس میں ساعی ہوگا وہ ایک شعار اسلام کے مٹانے اور شعار کفر کے رواج دینے اور گاؤپرستی کا عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں جمانے اور ما احل اللہ کے عملاً تحریم اور اتباع شیطان وافتراء علی اللہ کا مجرم ہوگا، لہٰذا مسلمانوں کو ایسے فعل سے احتراز واجب ہے، ہندوؤں کے ساتھ اتفاق کی یہی صورت نہیں کہ مسلمان گؤکشی چھوڑ دیں۔ بلکہ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی شعار پر قائم رہیں، اور ہندو اپنے شعار مذہبی کو قائم رکھیں، یعنی خود گاؤکشی نہ کریں، مگر مسلمانوں کی مزاحمت نہ کریں، اوراگر ہندواس پر رضامند نہ ہوں تو پھر مسلمانوں کو صاف کہہ دینا چاہئے۔

یا أیھا الکافرون لا أعبد ماتعبدون ولا أنتم عابدون ما أعبد ولا أنا عابد ماعبدتم ولا أنتم عابدون ما أعبد لکم دینکم ولی دین (۱)۔

کیونکہ مسلمان آزادنہیں ہیں کہ اپنی مرضی سے اوراپنے خیالی ووہمی منصوبوں کی بنا پر جس سے چاہیں صلح کرلیں، اورجس سے چاہیں جنگ کرلیں، اورجن شرائط پر چاہیں اتفاق کرلیں، بلکہ وہ خدائی قانون کے ماتحت ہیں اوروہ جو کچھ بھی کرسکتے ہیں، قانون الٰہی کے تابع ہوکر کرسکتے ہیں، اورقانون الٰہی ان کو ترک گاؤکشی بغرض ارضاء ہنود کی اجازت نہیں دیتا، لہٰذا ان کو اس میں ہندوؤں کی موافقت جائز نہیں ہے، اوروہ اس کے خلاف کریں گے تو آخرت میں سخت سزا کے مستحق ہوں گے، اور دنیا میں جو کچھ رسوائی اور ذلّت ہوگی، وہ الگ ہے سخت افسوس کی بات ہے کہ اگر خدا کسی مسلمان کو دنیوی وجاہت عطا کرتا ہے، اور کچھ لوگ

---

(۱) سورۃ الکافرون، رقم الآیۃ: ۱-۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کو بڑا ماننے لگتے ہیں تو وہ حمایت اسلام کے پردہ میں پہلا وار اسلام پر کرتا ہے، اور اس کی شاخیں کاٹ کر پھینکنا شروع کرتا ہے، بلکہ جڑ تک اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے، برخلاف ہندوؤں کے کہ جب ان کو اپنی قوم میں مقبولیت ہوتی ہے تو وہ مخالفت سے یا موافقت سے جس طرح بن پڑتا ہے اپنے مذہب کو تقویت پہنچانے کی فکر کرتے ہیں، پس مسلمانوں کو خدا اور رسول سے شرمانا چاہئے، اور ہرگز کوئی کاروائی اسلام کے خلاف نہ کرنی چاہئے، سنا گیا ہے کہ بعض مقامات پر بعض لیڈران ہنود کے خوش کرنے کے لئے جاہل مسلمانوں نے اپنے ماتھوں پر تلک لگائے، اور بعض دیگر مقامات پر دیگر کفریات کا ارتکاب کیا، پس جب کہ ابتدائے اتفاق میں مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ماتھوں پر کفر کے نشانات لگاتے ہیں۔ اور دیگر کفریات میں ہندوؤں کی شرکت کرتے، اور شعائر اسلام کو مٹاتے اور شعار کفر کو رواج دیتے ہیں تو آگے چل کر ان کی کیا حالت ہوگی، غرض کہ یہ واقعات نہایت خطرناک ہیں، اور ایک سخت امتحان کا مقام ہے، مسلمانوں کو نہایت احتیاط اور حزم سے کام لینا چاہئے اور اسلام کے نادان دوستوں یا ہوشیار دُشمنوں کے خطرہ سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، یاد رہے کہ حقیقی عزّت آخرت کی عزت ہے، جس کا بدون حق سبحانہ کو خوش رکھے حاصل ہونا ناممکن ہے، رہی دنیاوی عزت سو اول تو وہ کوئی چیز نہیں، اور اگر کچھ ہو بھی تو وہ بھی حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے، تم ہزار ہندوؤں کی خوشامد کرو اور دنیا کے لئے دین برباد کرو مگر خدا تم کو عزت نہ دینا چاہیں تم کچھ نہیں کر سکتے (۱) اور یہی ہندو جن کی خاطر آج اسلام کی بیخ کنی کی جا رہی ہے، وقت پر تم کو ذلیل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے، پس مسلمانوں کے اپنے اسلام کی بچاؤ کی فکر چاہئے نہ کہ دنیاوی عزت اور ارضاء ہنود کی اور **إن ينصركم الله فلا غالب لكم وإن يخذلكم فمن ذا الذي ينصركم من بعده** (۲) کو پیش نظر رکھنا چاہئے، ہاں اگر اسلام کو محفوظ رکھ کر اور جائز تدبیر سے دنیوی عزت بھی حاصل ہو جاوے تو مضائقہ نہیں، مگر دنیاوی عزت کے واقعی یا خیالی منصوبوں کی بناء پر اسلام کو ضرر پہنچانا اور افعالِ کفریہ کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، حق سبحانہ ایسے ہی دین فروش اور دنیا خرید لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں:

---

(۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. [آل عمران، آیت: ۲۶]

(۲) سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۶۰-۱۶۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أیبتغون عندھم العزة فإن العزة للّٰہ جمیعا (۱)۔ وما علینا إلا البلاغ. واللّٰہ اعلم بالصواب.

کتبہ: الراجی رحمت ربہ الصمد حبیب احمد الکیرانوی مقیم خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

التماس از اشرف علی

اس وقت دینی ضرورت ہے کہ ان جوابوں پر علماء سے دستخط کرا کر مسلمانوں میں بکثرت شائع کریں، چنانچہ لوگوں کے خیال میں منسوب الی العلم ہونے کے سبب میں بھی ذیل میں دستخط کرتا ہوں، وہو وھٰذا۔

احقر اشرف علی تھانوی نے یہ دونوں جواب دیکھے، بالکل صحیح اور حق صریح ہیں، قابل غور امر ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد: ویحلفون باللّٰہ لکم لیرضوا کم واللّٰہ ورسولہ أحق أن یرضوہ إن کانوا مومنین (۲)۔ اور ارشاد ہے: یحلفون لکم لترضوا عنھم فإن ترضوا عنھم فإن اللّٰہ لایرضیٰ عن القوم الفاسقین (۳)۔ ان دونوں آیتوں میں تصریح ہے کہ اللہ ورسول کو ناراض کر کے جب مسلمانوں کو راضی کرنا بھی موجب عتاب وعقاب ہے تو اللہ ورسول کو ناراض کر کے کافروں کو راضی کرنا تو کس طرح موجب عتاب وعقاب نہ ہوگا، اس امر کو خفیف نہ سمجھیں، اس کا شدید ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تحسبونہ ھینا وھو عنداللّٰہ عظیم (۴)۔ اس فتاوی پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت حرام ہے۔

تصحیح دیگر علماء

احقر نے دونوں رسالوں کو دیکھا، بحمد اللہ دونوں جواب صحیح اور اثبات مدعا میں کافی وافی ہیں، بیشک گائے کے ذبح کرنے کو ترک کر کے جو کہ شعار دین سے ہے ہنود کی موافقت کو اور اللہ اور رسول کی مخالفت کو کوئی مسلمان گوارہ نہیں کرسکتا۔

کتبہ: انوار الحق امروھوی مدرس مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

---

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ۱۳۹۔

(۲) سورة التوبة، رقم الآية: ٦٢۔

(۳) سورة التوبة، رقم الآية: ۹٦۔

(۴) سورة النور، رقم الآية: ۱۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعد الحمد و الصلوٰۃ! یہ محتاج رحمت رب احد احقر الوریٰ بندہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ میں نے رسالہ تصلیۃ سقر کو بالتفصیل اور دوسرے رسالہ کو بالاجمال دیکھا، بحمد اللہ دونوں جواب صحیح اور مقصود کی توضیح میں کافی ووافی ہیں، اللہ تعالیٰ مجیبین کو جزائے وافر عطا فرماویں، جماعت علماء کو اس وقت اس رائے کا شدت کے ساتھ مقابلہ اور رد کرنا واجب ہے، جو بعض اتفاق پرستوں نے ظاہر کی ہے کہ مسلمانانِ ہند کو گائے کی قربانی ترک کردینا چاہئے، یہ لوگ محض ہنود کی خوشامد سے ایک اسلامی شعار کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ **واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** (۱)۔ **یحلفون لکم لترضوا عنهم فإن ترضوا عنهم فان اللّٰہ لایرضی عن القوم الفاسقین** (۲)۔ حق تعالیٰ دین اسلام کی نصرت کے لئے ہر زمانہ میں ایک جماعت کو کھڑا کردیتے ہیں جو شعائر اسلامی کی حفاظت کرتی ہے (۳) اس لئے جماعت اہل حق کو اس وقت شعار اسلامی کی حفاظت کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور تقریر وتحریر سے اس رائے کی پوری تردید کرنا چاہئے، بھلا جس اتفاق کی ابتداء اسلامی شعار کے ابطال سے ہو اس میں فلاح و برکت کب ہوسکتی ہے۔ **ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیمًا والسلام** (۴)۔

۲۰/ جمادی الاخریٰ ۳۸ھ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

أما بعد الحمد و الصلوٰۃ! احقر اہل الزمن احمد حسن ملتمس خدمت ناظرین ہے کہ صورت مسئولہ میں گاؤ کا ذبح بند کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ علاوہ مخالفت شعار دین کے اخلاق مامور بہا کے بھی خلاف ہے، جس کا آج کل کے مہذبین نے بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے، کیونکہ یہ ایک سخت بے شرمی ہے اور غیرت اسلامی اس خوشامد کی ہرگز اجازت نہیں دیتی اور حیا سے ہاتھ اٹھا لینا گوارا ہو تو اختیار ہے، جو دل چاہے کیا جاوے۔

---

(۱) سورة الصف، رقم الآية: ۸۔

(۲) سورة التوبة، رقم الآية: ۹۶۔

(۳) **عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي قوامة على أمر الله لا يضرها من خالفها.** (ابن ماجة شريف، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية، ص: ۲، دارالسلام، رقم: ۷)

(۴) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۷۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فقد قال صلى الله عليه وسلم: إن مما أدرک الناس من كلام النبوة الأولىٰ إذا لم تستحي فاصنع ماشئت. رواه البخاري (۱)۔

اور نیز یہ خوشامد غایت پست ہمتی ہے، اور پست ہمتی حق تعالیٰ نیز مخلوق کو ناپسند ہے۔ فقد روى الطبراني في الكبير عن السيد الحسن بن عليؓ مرفوعاً ورجاله ثقات كما في العزيزي: إن اللّٰه تعالیٰ يحب معالي الأمور وأشرافها، ويكره سفسافها اھ(۲)۔

نیز یہ امر مخلوق سے طمع بھی ہے اور طامع محبوب عندالناس نہیں ہوسکتا۔ فقد روى ابن ماجة وغيره، وسنده حسن كما في بلوغ المرام عن سهل بن سعدؓ قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول اللّٰه! دلني على عمل إذا عملته أحبني اللّٰه وأحبني الناس، فقال: ازهد في الدنيا يحبك اللّٰه، وازهد فيما عند الناس يحبك الناس اھ(۳)۔

حاصل یہ ہے کہ بے شرمی اور پست ہمتی اور افعال ناپسندیدہ عندالخالق والمخلوق کا ارتکاب کر کے مقصود پورا ہونے کی ہرگز امید نہیں، لہٰذا ہر مسلمان کو اتباع شریعت بطریق کمال اختیار کر کے حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور شیطانی وساوس کے اتباع کو ترک کرنا چاہئے۔

کتبہ: احمد حسن (تتمہ خامسہ ص ۱۲۷)

بطور تبرع معلم کو چرم قربانی دینے کا حکم

سوال (۲۲۶۴): قدیم ۳/ ۵۹۶- کسی معلم کو قربانی کی کھال بطور تصدق دیدی جاوے اور وہ معلم ملازم نہ سمجھا جاوے، کوئی قانون اور زور ملازمت کا نہ برتا جاوے بلکہ اس کی خوشی پر رکھا جاوے اور وہ معلم غربت کی حالت میں ہو اور متوکل ہو، اور متعلمین بھی غربا مساکین ہوں تو یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) بخاري شريف، كتاب الأدب، باب إذا لم تستحي فاصنع ما شئت، النسخة الهندية ۲/ ۹۰۴، رقم: ۵۸۸۲، ف: ۶۱۲۰۔

(۲) المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۳/ ۱۳۱، رقم: ۲۸۹۴۔

(۳) ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، النسخة الهندية ص: ۳۰۲، دارالسلام رقم: ۴۱۰۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر یہ معلّم بالکل کام نہ کرے تب بھی دینے والے اس کو دیں گے یا نہیں (۱)۔

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۴۰)

---

(۱) اگر کام نہ کرنے کی صورت میں بھی دیں تو ایسی صورت میں دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا معلم کو دینا اس کو ملازم سمجھنے کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ ہی اس کا حق سمجھنے کی وجہ سے ہے؛ بلکہ تبرعاً ہے؛ لہٰذا جس طرح دوسروں کو بطور تبرع چرم قربانی دینا جائز ہے، اسی طرح اس معلم کو دینا بھی جائز ہوگا۔

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير، مسلم أو كافر. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب بيع جلد الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٨٤، كراچی ١٧/ ٢٥٨)

ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ماشاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي، ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كراچی ٤/ ١٦٦)

هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦۔

اور اگر معلم کے کام نہ کرنے کی صورت میں نہ دیں تو ایسی صورت میں دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا معلم کو چرم قربانی دینا تبرعاً نہیں ہے؛ بلکہ اس کو ملازم سمجھنے اور اس کا حق سمجھنے کی وجہ سے ہے، پس جس طرح دوسروں کو بطور اجرت چرم قربانی دینا جائز نہیں ہے اسی طرح اس معلم کو دینا بھی جائز نہ ہوگا۔

عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا. (مسلم شريف، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها و جلالها، النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بيت الأفكار رقم: ١٣١٧)

وفي الظهيرية: ولا يعطي جلد الأضحية، ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ.

(تاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس الخ مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٢، رقم: ٢٧٧٦٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جلے ہوئے بالوں والے جانور کی قربانی جائز ہے

سوال (۲۲۶۵): قدیم ۳/ ۵۹۷- اوراگر مویشی کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر بال نہ جمے ہوں اور زخم وغیرہ نہ ہو اور تمام اعضاء صحیح وسالم ہوں تو ایسے مویشی کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صریح جزئیہ تو ملا نہیں مگر دو جزئیے اور ملے ان سے ان کی قربانی کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے۔ **في العالمگيرية: و كذا (أى تجزى) المجزوزة، وهي التي جز صوفها، كذا في فتاوىٰ قاضى خان، وفيها: تناثر شعر الأضحية في غير وقته يجوز إذا كا ن لها نقى، أى مخ كذا في القنية.** ج۲ص۴ (۱)۔　　　　۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ۱۷۱)

قربانی کے لئے کسی بھی جگہ عید کی نماز ہوجانا کافی ہے

سوال (۲۲۶۶): قدیم ۳/ ۵۹۷- ایک گھر میں چند آدمیوں کی جانب سے قربانی ہوتی ہے آیا ایک شخص نماز عید پڑھ کے سب کی جانب سے قربانی کرسکتا ہے اور اگر نماز کسی نے بھی نہیں پڑھی مگر شہر کی کسی مسجد میں عید کی نماز ہوگئی ہو اس صورت میں بغیر نماز پڑھے قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار: وأول وقتها -إلى قوله- بعد أسبق صلوة عيد ولو**

---

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٨-٢٩٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٤-٣٤٥۔

وكذا (جاز) المجزوزة، وهي التي جز صوفها. (خانية على هامش الهندية، الأضحية، قبيل فصل في الانتفاع بالأضحية، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٩)

أما الأنعام التي تجزئ التضحية بها؛ لأن عيبها ليس بفاحش فهي كالآتي: الخامس عشر: المجزوزة وهي التي جز صوفها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٨٥-٨٦)

وتكره المجزوزة التي جز صوفها قبل الذبح لينتفع به. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الثامن: الأضحية و العقيقة، المبحث الرابع: الحيوان المضحي به، المطلب الرابع: أوصاف الحيوان المضحي، مكتبه اتحاد ديوبند ٣/ ٦٢١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبل الخطبة، لكن بعدها أحب. وفي رد المحتار: ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا؛ لأنها صلوة معتبرة حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم، وكذا عكسه. ج۵ ص ۳۱۰ (۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ خود مضحی کا نماز عید سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے، جواز اضحیہ کی بلکہ مسجد یا عیدگاہ میں نماز ہو چکنا کافی ہے، اس لئے سوال کی دونوں صورتوں میں قربانی جائز ہوگئی (۲)۔

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۱)

غیر کے قربانی کردینے سے اپنے ذمہ سے واجب قربانی ساقط نہیں ہوتی

سوال اول: (۲۲۶۷): قدیم ۳/۵۹۷- قربانی زید پر واجب ہے مگر وہ اس لئے قربانی پر اپنا روپیہ صرف نہیں کرتا کہ اسے یہ علم ہے کہ عمر میری جانب سے تبرعاً قربانی کردے گا اگر واقعی عمر قربانی کردے، تو زید کے ذمہ سے قربانی ادا ہو جائے گی؟

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۶۰، كراچی ۶/ ۳۱۸۔

(۲) **ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا؛ لأنها صلاة معتبرة حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم، وكذا على عكسه، وقيل: هو جائز قياسا واستحسانا.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۴۶)

ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا، والمعتبر هي الصلاة دون الخطبة. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۰)

ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا؛ لأنها صلاة معبرة حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم، فيكون الذبح عقيب صلاة معتبرة، وإن كان على العكس فعلى القياس والاستحسان، وقيل: يجوز قياسا واستحسانا؛ لأن المسنون في صلاة العيد الخروج إلى الجبانة فكان أصلا، والآخر كالخلف عنه. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۷، إمداديه ملتان ۶/ ۴)

ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا؛ لأنها صلاة معتبرة. (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۲، كوئٹه ۸/ ۱۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : في العالمگيرية: إذا ضحٰى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لاتجوز؛ لأنه لايمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الاٰمر هٰهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. ج۶ص۲۰۲(۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کے ذمے جو قربانی واجب ہے وہ صورت مسئولہ میں ادا نہ ہوگی (۲)۔

۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

ایضا

سوال دوم به تشریح سوال اوّل: (۲۲۶۸): قدیم ۵۹۸/۳- قربانی کے متعدد جانور زید نے عمرو کے روبرو پیش کر کے یہ کہا کہ ان میں سے ایک ایک پر ایک ایک کے نام کی قربانی کردو، زید نے گو خود تعیین نہیں کی کہ کس پر کس کے نام کی قربانی کی جائے، لیکن عمرو نے ایک ایک جانور ذبح کیا، اور ہر ایک پر ایک ایک کی بالتعیین نیت کر لی تو اس صورت میں قربانی صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب : یہ توکیل مطلق اذن بالتعیین بھی ہے، لہٰذا جس جس کی طرف سے عمرو نے جو جو جانور ذبح کیا، وہ اس کی طرف سے واقع ہوگیا، اب اگر وہ لوگ جن کی طرف سے قربانی کی گئی ہے، اُن جانوروں

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير، وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٨۔

(۲) **في فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧٠)

وفي فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز. (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٦، كوئٹه ٨/ ١٧٨)

وفي فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز الأضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع: المجلس العلمي ٨/ ٤٧٣، رقم: ١٠٨٣٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کے مالک ہیں، تب تو اُن سب کی طرف سے واجب بھی ادا ہوگیا اور اگر صرف زید ہی مالک ہے تو زید کی طرف سے تو واجب ادا ہوا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا ہوا (۱) اور ان لوگوں کے مالک ہونے کے دو طریق ہیں، ایک یہ کہ قبل اشتراء سب سے اشتراء کی اجازت حاصل کر کے وکیل بالاشتراء بن جاوے اور گو ثمن اس میں سب کے ذمہ واجب ہوگا، مگر تبرعاً خود دیدے دوسرا طریق یہ کہ مامور بالذبح کو سب وکیل بنادیں کہ زید جو جانور ہم کو ہبہ کرے اس پر تم قبضہ کرلو طریق اول کی صحت کی دلیل یہ روایت ہے۔

وفي الأضاحي للزعفراني اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم أن يضحوا بها بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك، فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان: يجوز فقوله: اشترىٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم يحتمل شراء كل شاة بينهم، ويحتمل شراء شياه على أن يكون لكل واحد شاة، ولكن لا بعينها، فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين الرجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز، كذا في المحيط، عالمگيرية. ج٦ ص٢٠٥ (٢)۔

---

(۱) ان کے ذمہ جو واجب قربانی تھی وہ ادا نہیں ہوئی ملک کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جیسا کہ ماقبل کے سوال نمبر: ۲۲٦۷ کے جواب میں گذر چکا۔

إذا ضحى بشاة عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز الأضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٠٢، جديد زكريا ٥/٣٤٨)

في فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧٠)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٦، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(٢) هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب التاسع: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٣۔ ←

قلت: ولما وقع الذبح ههنا على التعيين فيجوز في القياس أيضاً كما هو ظاهر.

طریق ثانی کی صحت کی دلیل وہ روایت ہے جو اولاً اصل سوال کے جواب میں نقل کی گئی تھی۔

حيث ذكر فيها لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض ولم يوجد قبض الآمر ههنا لابنفسه ولا بنائبه الخ (۱)۔ قلت: ولما ارتفعت علة عدم الصحة وهي عدم القبض حيث وجد القبض بالنائب ارتفع حكم عدم الصحة كما هو ظاهر.

فائدة: (۲) ذكر في العالمگيرية بعد هذه الرواية بسطرين: ولو ضحى بدنة عن نفسه وعرسه وأولاده ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب

← وفي أضاحي الزعفراني: اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم أن يضحوا بها بينهم، ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها، فضحوا بها كذلك، فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان: يجوز، فقوله: اشترى سبعة نفر سبعة شياه بينهم يحتمل شراء كل شاة بينهم، ويحتمل شراء شاة على أن يكون لكل واحد شاة، ولكن لايعينها، فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول، فما ذكر في الجواب على إحدى الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الثامن، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۵۵، رقم: ۲۷۸۱۶)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الثامن: فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، المجلس العلمي ۸/ ۴۸۰، رقم: ۱۰۸۵۶۔

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۸۔

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، المجلس العلمي ۸/ ۴۷۳، رقم: ۱۰۸۳۵۔

(۲) خلاصۂ ترجمہ فائدہ: عالمگیریہ میں اس روایت کے دوسطر کے بعد ذکر کیا گیا ہے: "ولو ضحى بدنة عن نفسه -إلى قوله- كذا في فتاوى قاضي خان" بظاہر بکری والی روایت اور بدنہ والی ←

الأضحية: إن كان أولاده صغاراً جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وإن كانوا كباراً إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبى حنيفة وأبي يوسف، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا يجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يامر صار لحما فصار الكل لحما، وفي قول الحسن بن زياد: إذا ضحى بدنة عن نفسه وعن خمسة من أولاده الصغار وعن أم ولده بأمرها أو بغير أمرها لا تجوز عنه ولا عنهم، قال أبو القاسم: تجوز عن نفسه، كذا في فتاوىٰ قاضي خان (۱) اھ۔ وظاهره التعارض بين رواية الشاة وبين رواية البدنة، فالوجه عندي أن البدنة يجوز الهبة فيها مشاعاً بقبض الواهب عنهم بأمرهم، والأمر بالذبح أمر بالقبض وبقبضه عن الصغار بلا أمرهم، فأجاز الشيخان تضحيتها عنهم، ثم من لم يجوزها أبطلها بعضهم وأوقعها بعضهم عن الذابح بخلاف الشاة حيث لم يصح ههنا مشاعا لكونها محلا للقسمة وبقيد عدم الصحة هذه بكونها عن الكبار. فافهم.

← روایت کے درمیان تعارض ہے، تو اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ بدنہ میں بطور مشاع کے ہبہ کرنا جائز ہے واہب کے اولاد کبار کی طرف سے ان کے حکم سے قبضہ کرنے کی وجہ سے، اس حال میں کہ امر بالذبح امر بالقبض ہے۔ اور اس کے اولاد صغار کی طرف سے ان کے حکم کے بغیر قبضہ کرنے کی وجہ سے، پس شیخین نے بدنہ کی قربانی کو ان کی طرف سے جائز قرار دیا، پھر جن لوگوں نے اس قربانی کو جائز قرار نہیں دیا، ان میں سے بعض نے اس کو سرے سے باطل قرار دیا اور بعض نے اس کو ذابح کی طرف سے قرار دیا، برخلاف بکری کے کہ وہاں پر بطور مشاع کے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس کے قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے اور بدنہ کے صحیح نہ ہونے کو اس کے اولاد کبار کی طرف سے ہونے کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ سے، پس خوب غور کر لیجئے۔

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۸۔

خانية على هامش الهندية، كاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضا

سوال سوم (۲۲۶۹): قدیم ۳/۵۹۹- زید کا معمول یہ ہے کہ اپنی بیوہ غریب ماں اور نابالغ اولاد اور بالغہ غنیّہ بیٹی اور غنیّہ بیوی سب کی جانب سے قربانی کے جانور خرید لیتا ہے اور روپے قیمت کے کسی سے نہیں لیتا اور نہ پہلے سے یہ معین کرتا ہے کہ کون جانور کس کے نام کا ہے، ذابح کو سب کے نام بتا کے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہر ایک کے نام پر ایک ایک جانور کی قربانی کردو، ذابح ایک خاص ترتیب سے ایک ایک جانور ایک ایک کے نام ذبح کرتا ہے، اس صورت میں سب کی قربانی صحیح ہو جائے گی یا نہیں، اور بیوی اور بیٹی کو جو خود مالدار ہیں یہی قربانی کافی ہو جائے گی یا اپنی جانب سے علیحدہ قربانی کرنی پڑے گی، یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے حالات میں دلالۃً امر و اجازت ہوتی ہے کہ ہماری جانب سے قربانی کردو۔ اور یہ مامور کا تبرّع ہے کہ وہ قربانی کی قیمت نہیں لیتا۔

الجواب: سوال سوم، اس کا جواب بھی سوال بالا کے جواب سے نکل آیا، کہ اس سے دوسروں کا واجب ادا نہیں ہوگا، کیونکہ قبضہ نہیں پایا گیا، اور محض قربانی کا امر قبض کی توکیل نہیں ہے (۱)۔ اور تبرع بالقیمت کی وہ صورت معتبر ہے جس کو سوال بالا میں طریق اول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۹/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۵)

---

(۱) **إذا ضحى بشاة عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز الأضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة.** (هندية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٠٢، جديد زكريا ٥/ ٣٤٨)

وفي فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز الأضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه.

(المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع: المجلس العلمي ٨/ ٤٧٣، رقم: ١٠٨٣٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧٠ - ←

چوری کا جانور بغیر علم کے خرید لیا اس کی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۷۰): قدیم ۳/ ۶۰۰ - قربانی کے لئے ایک شخص سے بچھڑا خرید ا تھا وہ اس گاؤں کا رہنے والا تھا اور قسم کھاتا تھا کہ یہ چوری کا نہیں، جس سے لیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ چوری کا ہے معتبر آدمی سے پختہ طور پر، قربانی درست ہوگی یا نہیں، پھر کریں قربانی؟

الجواب: في العالمگيرية عن المنتقى: لو غصب أضحية غيره وذبحها عن نفسه وضمن القيمة لصاحبها أجزأه ما صنع؛ لأنه ملكها بسابق الغصب كذا في الخلاصة: لو غصب من رجل شاة فضحیٰ بها لايجوز، وصاحبها بالخيار إن شاء أخذها ناقصة وضمنه النقصان، وإن شاء ضمنه قيمتها حية فتصير الشاة ملكا للغاصب من وقت الغصب، فتجوز الأضحية استحسانا، وكذا لو اشترى شاةً فضحى بها ثم استحقها رجل، فإن أجاز البيع جاز، وإن استرد الشاة لم يجز، كذا في شرح الطحاوي. ج۲ ص۳۰۲ (۱)۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ استحقاق کی صورت ہے اور استرداد نہیں ہوا، اور وجوب ضمان سے قربانی جائز ہو جاتی ہے، اصل مالک اگر مل جاوے تو اس کو اطلاع کردے (۲)۔

← **وفي فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلک الغير أو بغير أمره لا تجوز.** (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۶، كوئٹه ۸/ ۱۷۸)

(۱) هندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۳، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۰۔

(۲) **فلو غصب إنسان شاة وضحى بها عن نفسه لم تجزئ عنه لعدم الملک، ثم إن أخذها صاحبها مذبوحة وضمنه النقصان فكذلک لاتجزئ عن واحد منهما، وإن لم يأخذها صاحبها وضمنه قيمتها حية أجزأت عن الذابح؛ لأنه ملكها بالضمان من وقت الغصب فصار ذابحا لشاة هي ملكه لكنه آثم؛ لأن ابتداء فعله وقع محظورا فتلزمه التوبة والاستغفار ...... ولو اشترى إنسان شاة ليضحي بها فلما ذبحها تبين ببينة أنها مستحقة، أي أنها كانت ملک إنسان غير البائع، فحكمها حكم المغصوبة، وشراؤه إياها بمنزلة العدم.** (الموسوعة الفقهية الكويتة ۵/ ۸۸) ←

اگر وہ اس سے تاوان لے تو یہ اپنے بائع سے زرِ ثمن واپس کرسکتا ہے(۱)۔

۱۵/محرم ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۴)

کافر کو قربانی کے گوشت دینے میں اختلاف کا بیان

سوال (۲۲۷۱): قدیم ۳/۶۰۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ قربانی کا گوشت ہندوستان کے کفار کو جو ذمی نہیں ہیں دینا جائز ہے یا نہیں، اور ذمی کفار کی تعریف کیا ہے، اور بیان القرآن میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ کافر ذمی یعنی غیر حربی کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اور دوسرے صدقات واجبہ ونفل جائز ہیں، اس سے واضح نہیں ہوتا ہے کہ یہاں کے کفار کا کیا حکم ہے اور اگر تکلیف نہ ہو تو مذکور عبارت ملحقات الترجمہ کا ماحصل اردو میں عام فہم لکھئے۔

← **وفي المنتقى: رجل غصب أضحية غيره وذبحها عن نفسه وضمن القيمة لصاحبه أجزأه ما صنع ...... هذا إذا ضمن الغاصب قيمتها للمالك، وإن اختار المالك أخذها مذبوحة بحاله لا يجزئه عن أضحيته أخذها المالك مذبوحة أو ضمنه قيمتها ...... ولو كان مكان الغصب استحقاقا، فإن ضمنه صاحبه قيمتها ذكر الزعفراني في أضاحيه أنه يجوز بلا خلاف، وذكر الناطفي في أجناسه، فصل الاستحقاق، ونص أنه يجزئه في قول أبي حنيفة وأبي يوسفؒ.** (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، المجلس العلمي ۸/ ۴۷۴-۴۷۵، رقم: ۱۰۸۴۲-۱۰۸۴۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۷، رقم: ۲۷۷۸۰۔

هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۲۔

(۱) **ويثبت رجوع المشتري على بائعه بالثمن إذا كان الاستحقاق بالبينة.** (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۳۵، كراچی ۵/ ۱۹۵)

إن المشتري يرجع بالثمن على البائع مطلقا، سواء أثبت الاستحقاق بالبينة أم بالإقرار أم بالنكول، وهو قول الحنابلة، وهو أيضا قول الحنفية والشافعية إن ثبت الاستحقاق بالبينة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/ ۲۲۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تقريره أن حاصل نهيه ﷺ كان سلبا كليا، وحاصل الآية الإيجاب الجزئ المتحقق ببعض الصدقات فلا يردان الآية عامة في كل الصدقات، فإن محط الفائدة عموم المصرف لا عموم المصروف (۱)۔ بينوا توجروا.

الجواب: في الدر المختار: أما الحربي ولو مستأمنا فجميع الصدقات لاتجوز له اتفاقا بحر عن الغاية وغيرها، لكن جزم الزيلعي بجواز التطوع له اھ(۲)۔ وانظر ماعلق عليه في ردالمحتار ج۲ ص۱۰۸(۳)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کفار ہند کو قربانی کا گوشت دینے کا (کہ صدقہ تطوع یا ہدیہ ہے) جواز مختلف فیہ ہے، مگر معمول ہمارے علماء کا اس کا جواز ہے (۴) یہ تو اصل سوال کا جواب ہو گیا، باقی بیان القرآن

---

(۱) بیان القرآن تحت تفسیر رقم الآیة: ۲۷۱، من سورة البقرة، مکتبہ پبلشرز دهلي ۱/ ۱۶۳۔

(۲) درمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۳۰۱-۳۰۲، کراچی ۲/ ۳۵۳۔

(۳) قوله: (لكن جزم الزيلعي بجواز التطوع له) أي للمستامن كما تفيده عبارة النهر، ثم إن هذا لم أره في الزيلعي، وكذا قال أبو السعود وغيره مع أنه مخالف لدعوى الاتفاق، لكن رأيت في المحيط من كتاب الكسب، ذكر محمد في السير الكبير: لا بأس للمسلم أن يعطي كافرا حربيا أو ذميا، وأن يقبل الهدية منه لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث خمس مائة دينار إلى مكة حين قحطوا وأمر بدفعها إلى أبي سفيان بن حرب وصفوان بن أمية ليفرقا على فقراء أهل مكة؛ ولأن صلة الرحم محمودة في كل دين، والإهداء إلى الغير من مكارم الأخلاق. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۲، كراچی ۲/ ۳۵۳)

(۴) وللمضحي أن يهب كل ذلک أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير، مسلم أو كافر. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب بيع جلد الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۸٤، كراچی ۱۷/ ۲۵۸)

ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ماشاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي، ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كراچی ٤/ ١٦٦) ←

کی عبارت کے متعلق یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ صدقات واجبہ کے جواز کا مضمون کسی قدر محتاج تفصیل ہے، جو کتب فقہ میں مذکور ہے (۱) اوراس کے ملحقات ترجمہ کی عربی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نہی نبی عن الصدقات علی الکفار کے بعد جو آیت نازل ہوئی اس سے ظاہراً جمیع صدقات کا عموم معلوم ہوتا ہے جوزکوٰۃ کو بھی شامل ہے، پھر نہی عن الزکوٰۃ آیت کے خلاف ہے، لا یرد الخ میں اسی اشکال کی تقریر ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ مقصود آیت سے حضور کی نہی کا منسوخ فرمانا ہے،اورآپ کی نہی کا حاصل یہ تھا کہ کافر کو کوئی صدقہ مت دو، سلب کلی سے یہی مراد ہے،اورآیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار کو بعض صدقہ دینا چاہئے، ایجاب جزئی سے یہی مراد ہےاورظاہر ہے کہ موجبہ جزئیہ نقیض اور معارض ہوتا ہے سالبہ کلیہ کا، پس نسخ صحیح ہوگیا، پھر اگر کوئی کہے کہ آیت ظاہراً تو عام ہے، اورتمہاری تقریر پرآیت عام نہیں رہتی بلکہ بعض صدقات کے ساتھ خاص ہے، اس کا جواب اس میں ہے فان محط الفائدۃ الخ یعنی آیت عام بیشک ہے، لیکن عموم اس کا باعتبار مصروف یعنی صدقہ کے نہیں ہے، تاکہ زکوٰۃ وغیرہا سب کو شامل ہو، بلکہ عموم باعتبار مصرف کے ہے، یعنی مطلق صدقہ کا مصرف مسلم وکافر دونوں ہیں نہ کہ صرف مسلم، جیسا کہ نہی منسوخ کا حاصل تھا، انتہی حل الملحقات اور یہ عموم مصرف اس قول پرتو ظاہر ہےجس میں حربی کو صدقہ تطوع دینا جائز ہے، باقی دوسرے قول پرعموم باعتبار مسلم کے ہے، یعنی صدقہ خاص نہیں مسلم کے ساتھ۔

۱۷رذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۹)

← **ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي.** (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦)

(۱) **ولا يدفع إلى ذمي لقوله عليه الصلاة والسلام في حديث معاذ: خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم، كما مر إذ لا خلاف أن الضمير في أغنياهم يرجع للمسلمين، فكذا جميع ضمير فقرائهم ...... وصح دفع غيرها أي غير الزكوة كالنذر والفطرة والكفارات، خلافا للثاني، وأجمعوا على جواز دفع التطوع إلا أن فقراء المسلمين أحب، أما الحربي فلا يجوز دفع صدقة ما إليه اتفاقا كذا في غاية البيان وغيره، وإطلاقه يعم المستأمن، وبه صرح في النهاية لكن جزم في الشرح بجواز التطوع له.** (النهر الفائق، الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٦١-٤٦٢)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مالدار کو چرم قربانی کی قیمت لینا حرام ہے

سوال (۲۲۷۲): قدیم ۳/ ۱۰۶ - حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ قربانی کی کھال کی قیمت کو فقیر مسکین کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا ہے، ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مالدار و فقیر سب کو لینا درست ہے اور کہتے ہیں کسی عربی کتاب میں دکھلائیں؟

الجواب: في خلاصة الفتاویٰ عن مجموع النوازل: قوله عليه الصلوة والسلام: لا تحل الصدقة لغني، ولا لفقير بني هاشم محمول على الصدقة الواجبة، أما النفل فيجوز، وعن أبي يوسف يجوز أن يعطوا من صدقة الأوقاف، لكن هذا إذا سمى به الأغنياء وبنو هاشم أما إذا أطلق لفظ الصدقة فهي صدقة واجبة. ج۱ص۲۴۵(۱)۔

صدقۂ واجبہ کا غنی اور بنی ہاشم کے لئے حلال نہ ہونا، اور اغنیاء و بنی ہاشم کے لئے صدقہ وقف حلال نہ ہونے کی بناء اس کے صدقہ واجبہ ہونے کو قرار دینا اس عبارت میں مصرح ہے:

وفي البحر الرائق: وقيد بالزكوة لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر، والكفارات، والنذور، وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني؛ لعموم قوله عليه الصلوٰة والسلام: لا تحل صدقة لغني خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة، كذا في البدائع. ج۲ص۲۴۵(۲)۔

---

(۱) خلاصة الفتاوی، كتاب الزكوة، الفصل التاسع: في الحظر والإباحة، جنس آخر، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۴۵۔

(۲) البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۷، كوئٹه ۲/ ۲۴۵۔

وكما لا يجوز صرف الزكوة إلى الغني لا يجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه كالعشور، والكفارات، والنذور، وصدقة الفطر؛ لعموم قوله تعالىٰ: إنما الصدقات للفقراء، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني، ولأن الصدقة مال تمكن فيه الخبث لكونه غسالة الناس لحصول الطهارة لهم به من الذنوب، ولا يجوز الانتفاع بالخبيث إلا عند الحاجة، والحاجة للفقير لا للغني، وأما صدقة التطوع ←

اس میں خلاصہ سے زیادہ اس کی تصریح ہے، اور ثمن جلد اضحیہ کے تصدق کا وجوب بھی مصرح ہے (۱) پس ان روایات کی بناء پر اس ثمن کا محلِ تصدق خاص فقیر ہوگا جو بنی ہاشم میں سے نہ ہو، اور وقف سے شبہ نہ کیا جاوے، کیونکہ اس کا لزوم تابع التزام کے ہے تو بحسب التزام ہوگا اور مبحوث عنہ میں لزوم شرعی ہے۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۰)

وقت ذبح "بسم اللہ سنت ابراہیم خلیل اللہ" کہنے کا حکم

سوال (۲۲۷۳): قدیم ۳/ ۶۰۲ - جس جانور کے اوپر بسم اللہ اللہ اکبر کی جگہ بسم اللہ سنت ابراہیم خلیل اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے آیا وہ شرع کے اندر جائز ہے یا نہیں، یہاں پر چک نمبر ۴۸۱ میں جوکہ راجپوت مسلمان خانپور وغیرہ کے باشندے آباد ہیں، یہاں پر ایک قصائی ہے جوکہ ایک فقیر سے اس طریقہ پر ذبح کراتا ہے اور وہ ہمارے کہنے سے بسم اللہ اللہ اکبر کو نہیں مانتا، اس کا کہنا شرع کے اندر درست ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: وإن ذكر مع اسمه تعالىٰ غيره، فإن وصل بلا عطف كره كقوله: بسم الله اللّٰهم تقبل من فلان أو مني أو منه بسم اللّٰه محمد رسول الله بالرفع لعدم العطف، فيكون مبتدئا، لكن يكره للوصل صورةً، ولو بالجر أو النصب**

← **فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة.** (بدائع الصنائع، الزكوة، ما يرجع إلى المؤدي إليه، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٥٧، كراچی ٢/ ٤٧)

(۱) **ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

فإن بدل اللحم أو الجلد به، أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٠، رقم: ٢٧٧٥٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حرم، درر. قيل: هذا إذا عرف النحو والأوجه أن لا يعتبر الإعراب، بل يحرم مطلقا بالعطف لعدم الحرف. زيلعي الخ (١)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو عبارت وہ شخص پڑھتا ہے اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہوتا، البتہ اس طرح پڑھنا خود مکروہ ہے (۲)۔ ۹؍ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٣٥، كراچی ٦/ ٢٩٩-٣٠٠۔

(۲) **وكره أن يذكر مع اسم الله تعالىٰ غيره وصلا دون عطف مثل أن يقول: بسم الله محمد رسول الله بالرفع؛ لأنه غير مذكور على العطف فيكون مبتدأ لكن يكره لوجود القرآن والوصل صورة، وإن قال بالخفض لا يحل، قيل: هذا إذا كان يعرف النحو أكل ذبيحته، وكره أن يقول: بسم الله اللهم تقبل من فلان، فإنه لا يحرم؛ لأن الشركة لم توجد، ولم يكن الذبح واقعا عليه، ولكنه يكره لما ذكرنا قبيله.** (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٥)

وكره أن يذكر مع اسم الله تعالىٰ غيره، وأن يقول عند الذبح: اللهم تقبل من فلان، وإن قال قبل التسمية والإضجاع جاز (كنز) وفي البحر: وهذا النوع على ثلاثة أوجه: أحدها أن يذكره موصولا من غير عطف فيكره ولا تحرم الذبيحة مثل أن يقول: بسم الله محمد رسول الله بالرفع؛ لأن اسم الرسول غير مذكور على سبيل العطف فيكون مبتدأ لكن يكره لوجود الوصف صورة الخ. (البحرالرائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٠٨، كوئٹه ٨/ ......)

ويكره أن يذكر مع اسم الله تعالىٰ شيئا غيره، وأن يقول عند الذبح: اللهم تقبل من فلان، وهذه ثلاث مسائل: إحداها أن يذكر موصولا لا معطوفا، فيكره ولا تحرم الذبيحة، وهو المراد بما قال ونظيره أن يقول: بسم الله محمد رسول الله؛ لأن الشركة لم توجد فلم يكن الذبح واقعا له إلا أنه يكره لوجود القرآن صورة فيتصور بصورة المحرم. (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٦)

تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٣، إمداديه ملتان ٥/ ٢٨٨-٢٨٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پرورش کے واسطے ادھیا پر دئے گئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال (۲۲۷۴): قدیم ۳/ ۶۰۲ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ کوئی گائے وغیرہ پرورش کے لئے اس شرط پر اجرت میں دے دی جاوے کہ بعد پرورش پانے کے نصفا نصفی یا تہائی وغیرہ حصہ اجیر کا ہو باقی مالک کا ہو ایسی مویشی کو مالک اس کے حصہ کی قیمت دے کر خرید لے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے، کیونکہ اس فعل سے مالک کی ملک میں کوئی خبث نہیں آیا، البتہ پرورش کنندہ سے نہ خریدنا چاہئے (۱)۔ ۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۷۱)

شبہ کے وقت قربانی کے جانور کے متعلق تحقیق ضروری ہے

سوال (۲۲۷۵): قدیم ۳/ ۶۰۲ - کیا بوقت خرید جانور منجملہ دیگر عیوب کی جانچ کے اس حصہ وغیرہ کی جانچ خریدار پر واجب ہوگی؟

---

(۱) ادھیا پر دینے کا معاملہ شرعاً اجارۂ فاسدہ ہے، جس میں اجیر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے اور ادھیا پر دیا گیا جانور اور اس کے بچے سب بدستور مالک کی ملک ہوتے ہیں، پس جو بچہ اس معاملہ کے نتیجہ میں مالک کے پاس پہنچا ہے، اس کی قربانی مالک کے لئے بوجہ مملوک ہونے کے جائز و درست ہے؛ البتہ پرورش کرنے والے مستاجر کے لئے جائز و درست نہیں ہے۔

وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجع القياس، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفان فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل علفه الذي علفها وأجر مثله لمن قام عليها. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الفصل السادس: الشركة بالأعمال، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٥٠٥، رقم: ١٠١٠١)

هندية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: في قفيز الطحان، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٥، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٨١ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواب: ہاں جہاں شبہ قوی ہو(۱)۔ ۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۶)

قربانی کے ایک مسئلہ میں رجوع سے متعلق سوال کا جواب

سوال (۲۲۷۶): قدیم ۳/ ۶۰۳ - بہشتی زیور مصنفہ جناب میں چھ مہینہ کی موٹی تازی بھیڑ قربانی میں جائز لکھی ہے(۲)۔اور کتب لغت میں بھی ضأن کے معنی ذوات الصوف یا خلاف المعز لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار منتہی الأرب، صراح ان میں معنی مذکور الصدر بیان ہوئے ہیں (۳)۔علاوہ ازیں مظاہر حق مصنفہ نواب قطب الدین خاں صاحب مرحوم میں بھی بھیڑ اور دنبہ میں کچھ فرق نہیں بتایا، بلکہ دونوں کا ایک حکم تحریر ہوا ہے(۴) لیکن شرح وقایہ کی بابُ الاضحیہ میں ضان کی شرح مالہ الیہ کی گئی ہے (۵) ادھر ایک شخص جناب کی طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ مولانا نے ایک کتاب بہشتی در تصنیف

---

(۱) **مستفاد: عن علي رضی الله عنه قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن، ولا نضحي بعوراء ولا مقابلة، ولا مدابرة، ولا خرقاء، ولا شرقاء.**

(أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۲۸۸، دارالسلام رقم: ۲۸۰۴)

ترمذي شريف، كتاب الأضاحي، باب ما يكره من الأضاحي، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۵، دارالسلام، رقم: ۱۴۹۸۔

السنن الكبرى للبيهقي، الضحايا، باب ما ورد النهي عن التضحية به، دارالفكر بيروت ۱۴/ ۲۰۰، رقم: ۱۹۶۴۰۔

(۲) بہشتی زیور اختری، حصہ سوم، مکتبہ اختری سہارنپور ص:۳۹، اشاعتی مکتبہ دارالاشاعت ص:۱۶۱۔

(۳) **ضأن: مثل قراء هذا الزمان كمثل غنم ضوائن ذات صوف عجاف هو جمع ضائنة، وهي الشاة من الغنم خلاف المعز.** (مجمع بحار الأنوار، مكتبه دارالايمان المدينة المنورة ۳/ ۳۸۲)

(۴) پس ذبح کرو جذعہ دنبہ یا بھیڑ سے۔ (مظاہر حق، باب الاضحیہ، مکتبہ دار اشاعت دینیات دہلی ۱/ ۵۰۵)

(۵) **وصح الجذع من الضأن الجذع شاة لها ستة أشهر، والضأن ما تكون له إليه.**

(شرح الوقاية، كتاب الأضحية، مكتبه رحيميه ديوبند ۴/ ۴۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرمائی ہے اس میں اس مسئلہ سے رجوع کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حکم ضأن کا دنبہ کی طرف راجع ہے، آیا یہ کتاب جناب کی تصنیف سے ہے اور ایسا جناب نے تحریر فرمایا ہے؟

دوسرے عرض یہ ہے کہ لغت میں تفرد شارح وقایہ کا معتبر ہے یا نہیں، اور عرب میں بھیڑ ہوتی ہے یا نہیں، اور بھیڑ کو دنبہ کی جنس سے شمار کیا جاوے جیسا کہ مولانا عبدالحی مرحوم عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ باب زکوٰۃ الاموال میں فرماتے ہیں: **الضأن بفتح الضاد المعجمة ذوات الصوف، ومنه ماله إليه** (۱)۔ یا معز بکری میں شمار کیا جاوے؟

الجواب: بہشتی در نام ہی آج سنا ہے میری کسی کتاب کا یہ نام نہیں، اور نہ مجھ کو اس مسئلہ سے رجوع کرنا یاد ہے، بلکہ غالباً معاملہ بالعکس ہے کہ اول کسی سوال کے جواب میں ضان کو دنبہ کے ساتھ خاص کیا تھا، پھر اس سے رجوع کیا (۲)۔ بہرحال اگر اس راوی کے پاس کوئی سند ہو دکھلاوے اس میں نظر کروں، عرب

---

(۱) عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الزكوة، باب زكوة الأموال، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۲۲۲۔

(۲) **والضأن ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم.** (تفسير خازن تحت تفسير رقم الآية: ۱۴۳، من سورة الأنعام، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۶۵)

والضأن ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم. (تفسير كبير، مكتبه تهران ۱۳/ ۲۱۶)

فالمعز ذوات الشعور منها، والضأن ذوات الصوف. (تاج العروس للزبيدي، فصل الميم من باب الزاء، بيروت ٤/ ۸۲)

معز المعاعز ذو الشعر من الغنم خلاف الضأن. (لسان العرب بيروت ۵/ ۴۱۰)

المعز بالفتح ويحرک خلاف الضأن من الغنم. (القاموس، دارالفكر بيروت ۲/ ۱۹۲)

قوله صلى الله عليه وسلم: فتذبحوا جذعة من الضأن، بالهمز ويبدل ويحرک خلاف المعز من الغنم. (مرقاة، كتاب الصلاة، باب في الأضحية، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۳۰٤)

ان مجموعہ عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ "معز" تو اسے کہتے ہیں جس پر بال ہوں۔ اور "ضأن" وہ ہے جس پر صوف یعنی اون ہو اور لسان العرب اور مرقاۃ کی عبارتیں اس بارے میں نص صریح ہیں کہ معز کے ←

میں بھیڑ ہونا نہ ہونا تو یاد نہیں، لیکن لغت حجت کافی ہے، اور عبارت شرح وقایہ کو عمدۃ الرعایہ کی عبارت کے ساتھ ماوّل کیا جاوے، جس کا حاصل تعریف ببعض الاصناف ہے، جیسے کوئی کہے: **المرأة من لها ثديان ناهدان.** ۲/ محرم ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۰)

قربانی کے جانور پر مریض کے ہاتھ پھیرنے کا حکم

سوال (۲۲۷۷): قدیم ۳/ ۶۰۳- ایک شخص کا لڑکا بیمار تھا اس نے ایک بکری پر لڑکے کا ہاتھ پھیرا کر نیت کی ہے کہ بعد صحت قربانی کروں گا، چنانچہ لڑکا اچھا ہوگیا، وہ بکری پروردہ گھر کی ہے وہ چاہتے ہیں کہ اس کے عوض میں دوسری بکری یا بکرا یا گائے و بیل قربانی کریں۔ اور وہ بکری گھر میں رہے لہٰذا اس بارہ میں کیا مسئلہ ہے دوسری ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بلکہ دوسری زیادہ بہتر ہے اور اگر اس وقت یہ خیال تھا کہ جان کے بدلہ جان صرف کرنے کی نیت کرنے سے مریض کی جان بچ جائے گی تو خواہ کوئی سا جانور ذبح کیا جاوے اس کے جواز کی تحقیق دوسرے علماء سے کرنا چاہئے، مجھ کو شبہ ہے (۱)۔

۹/ رجب ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۱)

← خلاف غنم میں جو جانور ہیں وہ سب ضأن ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ غنم میں بکری، بھیڑ اور دنبہ تینوں داخل ہیں، پس جب کہ فقط بکری ان میں سے معز ہے تو بھیڑ اور دنبہ دونوں ضأن ہیں اور ضأن کا جذعہ جائز ہے، تو بھیڑ اور دنبہ دونوں چھ ماہ سے زائد کے جائز ہوں گے، صرف دنبہ کے جواز اور بھیڑ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱) جان کے بدلہ جان کی نذر غیر شرعی ہے، ایسی نذر منعقد نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ نذر کے منعقد ہونے کے لئے تین شرائط مشروط ہیں:

(۱) منذور میں معصیت کا کوئی پہلو نہ ہو۔

(۲) منذور ایسی عبادت کی قسم میں سے ہو جو فرض یا واجب ہو اور جان کے بدلہ جان دینا نہ از قبیل فرض ہے اور نہ ہی از قبیل واجب ہے۔

(۳) منذور ایسے واجب کے قبیل میں سے ہو جو فی نفسہ عبادت مقصودہ واجبہ ہو اور جان کے بدلہ جان دینا کسی ایسی واجب عبادت مقصودہ میں سے نہیں ہے؛ بلکہ کسی قسم کی عبادت کے قبیل میں سے نہیں ہے؛ اس لئے اس بکرے کی قربانی لازم نہیں ہے۔ ←

قربانی کا ثواب میت کو پہنچانے کی صورت میں قربانی کرنے والے کو بھی ثواب ملنے کی تحقیق

سوال (۲۲۷۸): قدیم ۳/۶۰۴ - قربانی اپنی طرف سے کر کے ثواب میت کو پہنچانے پر قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا یا میت کی طرف سے حصہ رکھ کر قربانی کرنے کا بھی ثواب قربانی کنندہ کو ملے گا۔ فقط؟

الجواب: یہ آخرت کے متعلق ہے، یہ مسئلہ نہیں، اس کی تحقیق کے لئے قیاس واجتہاد کافی نہیں، نقل وروایت ہونا چاہئے، اور وہ نظر سے نہیں گذری (۱)۔ فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۵)

← **عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه.** (بخاري شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة، النسخة الهندية ۲/ ۹۹۱، رقم: ٦٤٤٠، ف: ٦٦٩٦)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا نذر في معصية، وكفارته كفارة يمين. (أبوداؤد شريف، كتاب الأيمان، باب من رأى عليه كفارة إذا كان في معصية، النسخة الهندية ۲/ ٤٦٧، دارالسلام رقم: ۳۲۹۰)

واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلاثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصودا لنفسه، قالوا: فخرج بالأول النذر بمعصية. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥١٤، كوئٹه ۲/ ۲۹٤)

قال في الفتح: وأما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر فيجب أن يكون معناه إذا كان حراما لعينه أو ليس فيه جهة قربة ...... وحاصله أن الشرط كونه عبادة فيعلم منه أنه لو كان معصية لم يصح. (شامي، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٥١٨، كراچی ۳/ ۷۳٦)

النذر إن كان في المباح أو فى المعصية فلا يلزمه الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۲۸۱، رقم: ۹۳۷٦)

(۱) بعض روایات اور فقہی جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کسی نے نفل قربانی کی اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دیا تو انشاء اللہ تعالیٰ میت کو اس کا پورا ثواب پہنچ جائے گا اور خود قربانی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ←

یہود کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۲۷۹): قدیم ۳/ ۶۰۴ - نصرانیوں کا ذبیحہ جس طرح وہ کرتے ہیں اس کو تو میں خود بھی حرام سمجھتا ہوں، کیونکہ وہ ایک حربہ سے جانور کو مار ڈالتے ہیں، جس سے کبھی خون باہر نکلتا ہے، اور کبھی اندر ہی رہ جاتا ہے، لیکن یہودیوں کا ذبیحہ میں نے خود جا کر دیکھا ہے، وہ جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر خون نکال دیتے ہیں، دریافت کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیتے ہیں، اگر کوئی خاص ضروری باریکیاں مذہب اسلام میں نہیں تو ان کا ذبیحہ دیکھنے میں ہمارے ذبیحہ جیسا معلوم ہوتا ہے، آیا ان حالات میں جب کہ دوسرا ذبیحہ نہیں مل سکتا تو یہودیوں کا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ہماری طرح یہود بھی خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے؟

الجواب: اگر یہ یہودی موسیٰؑ کو اور توریت کو بھی آسمانی کتاب مانتے ہوں دہری نہ ہوں تو

← **أخرج البيهقي عن عبدالعزيز بن عبدالله بن عمر عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب له عتقا من النار، وكان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيئا.**

وأخرج أيضا عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي: إذا أردت أن تتصدق صدقة فاجعلها عن أبويك، فإنه يلحقهما ولا ينتقص من أجرك شيئا. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في بر الوالدين، فصل: في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٢٠٥، رقم: ٧٩١١-٧٩١٢)

وأخرج الهيثمي عن الطبراني عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعا فيجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيئا. (مجمع الزوائد، باب الصدقة عن الميت، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨)

الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء الخ. (شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بحالت مذکورہ سوال کہ وہ اللہ کا نام بھی لیتے ہیں گو کسی زبان میں لیتے ہوں ان کا ذبیحہ حلال ہے(۱)۔

(تتمہ خامسہ ص ۴۱۸)

---

(۱) **وقال الله تعالیٰ: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ.** [سورة المائدة، رقم الآية: ٥]

واعلم أن من اعتقد دينا سماويا، وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث، وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتم وأكل ذبائحهم. (شامي، كتاب النكاح، فصل: في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ١٣٤، کراچی ٣/ ٤٥)

كل من يعتقد دينا سماويا، وله كتاب منزل كصحف إبراهيم عليه السلام وشيث، وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتم وأكل ذبائحهم. (هندية، كتاب النكاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك، قدیم زکریا دیوبند ١/ ٢٨١، جدید زکریا ١/ ٣٤٧)

النهر الفائق، كتاب النكاح، فصل: في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ٢/ ١٥٩۔

قال الحنفية: إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء، أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالى وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيء يحمل على أنه قد سمى الله تعالى وجرد التسمية تحسينا للظن به كما بالمسلم، وإن سمع منه ذكر اسم الله تعالیٰ، لكنه عني به - عز وجل- المسيح عليه السلام تؤكل؛ لأنه أظهر تسمية هي تسمية المسلمين إلا إذا نص فقال مثلا: بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا تحل، وإذا سمع منه أنه سمى المسيح وحده أو سمى الله تعالى والمسيح لا تؤكل ذبيحته لقوله عز وجل: وما أهل لغير الله به. وهذا أهل لغير الله به فلا يؤكل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٨٧)

وحل ذبيحة مسلم وكتابي ويشترط أن لا يذكر فيه غير الله تعالى حتى لو ذكر الكتابي المسيح أو عزيرا لا يحل لقوله تعالیٰ: وما أهل به لغير الله. وهو كالمسلم في ذلك فإنه لو أهل به لغير الله لا يحل. (البحرالرائق، كتاب الذبائح، مکتبه زکریا دیوبند ٨/ ٣٠٦، کوئٹه ٨/ ١٦٨)

أو كتابيا ذميا أو حربيا إلا إذا سمع منه عند الذبح ذكر المسيح فتحل ذبيحتهما.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٤٣٠، کراچی ٦/ ٢٩٧)

تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٤٤٩، إمداديه ملتان ٥/ ٢٨٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اہل بدعت کے ذبیحہ کے کھانے سے احتراز کا حکم

سوال (۲۲۸۰): قدیم ۳/۶۰۴ - (۱) غیر مقلدین از ذبیحہ واز دعوت حنفی المذہب نفرت دارند یعنی دعوت قبول نمی کنند وذبیحہ نمی خورند دریں صورت اگر از ذبیحہ ودعوت اوشان مایاں متنفر شویم چہ حرج؟

الجواب: (۲) چوایں تنفر غیر مقلدین از مباح وحلال خلاف مشروع ہست وزجر بر غیر مشروع ہست؛ لہٰذا اگر زجراً نہ کہ اعتقاداً از ایشان تنفر کردہ شود مضائقہ نیست (۳)۔

۱۸ / ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۳۵)

---

(۱) **خلاصہ ترجمہ سوال**: غیر مقلدین حنفی المذہب شخص کی دعوت اور اس کے ذبیحہ سے نفرت کرتے ہیں، یعنی دعوت قبول نہیں کرتے ہیں اور ذبیحہ نہیں کھاتے ہیں، اس صورت میں اگر ہم ان کی دعوت اور ان کے ذبیحہ سے نفرت کریں تو کوئی حرج تو نہیں؟

(۲) **خلاصہ ترجمہ جواب**: چونکہ غیر مقلدین کا مباح اور حلال سے یہ نفرت کرنا خلاف مشروع ہے اور غیر مشروع پر زجر وتوبیخ ہے؛ لہٰذا اگر زجراً نہ کہ اعتقاداً ان سے نفرت کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) **ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراما وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروها ندب والأمر بالمعروف أيضا تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له إذ النهي عن الشيء أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح والكل معروف وشرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة كما علم من الحديث.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۳۲۹)

ولا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: فى الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۳، جديد زكريا ۵/ ۳۹۷)

مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۳۳۹۔

لو دُعِيَ إلى وليمة فيها فسق يمتنع من الإجابة إن كان زجرا لهم. (الملتقط في الفتاوى الحنفية، كتاب الأدب، مكتبه حقانيه ص: ۲۵۷)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۶۴، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بے ہوش کر کے ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

سوال (۲۲۸۱): قدیم ۳/۶۰۵- سوال از انگلستان از اخبار مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۱۷ء خیال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جانور کو ذبح کے وقت بہت ہی کم تکلیف پہنچے اور ذبح کا کوئی ایسا طریق اختیار کیا جائے جس میں یہ امر حاصل ہو جائے اس غرض کے لئے ایک رائل سوسائٹی بنائی گئی ہے، اور ذبح ہونے والے جانوروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے جانور کو بے ہوش کر دیا جائے، اور بے حسی کی حالت میں اس کو ذبح کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اس حالت کے بعد جانور کو اپنے طریق پر ذبیحہ کرے تو کیا ایسا جانور ذبح سمجھا جائے گا، جانور کے بے حس کئے جانے سے جانور مر نہیں جاتا اس کی نبض برابر قائم رہتی ہے، اگر مر جائے تو دل کی حرکت بند ہو جانے سے نبض بند ہو جائے گی، اور خون کا حصہ جسم میں رہ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوتا لہذا اسی حالت بیہوشی میں ذبح کرنے والا شاہ رگ کو کاٹ کر خون خارج کر سکتا ہے، ایسے جانور بھی ذبح ہوئے ہیں جو بذریعہ آلہ کئی منٹ تک بیہوش پڑے رہنے کے بعد ذبح کئے گئے، اور کافی خون نکلا، بہرحال استفتاء کی صورت یہ ہے آیا اگر کوئی جانور ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کر لیا جائے یعنی اس کو درد کا احساس نہ رہے اور اس کے بعد ذبح کیا جائے، ایسی صورت میں کہ اس کے دل کی حرکت بھی قائم رہے اور نبض بھی اس کی چلتی رہے، اور ذبح بھی اسلامی طریق پر کیا جائے تو کیا ایسا جانور ذبیحہ سمجھا جائے گا، ممکن ہے کہ عنقریب یہاں (یعنی انگلستان) کا یہ قانون ہو جائے کہ کوئی جانور ذبح نہ ہو جب تک اس کو آلہ مذکور سے بے ہوش نہ کیا جائے، اس امر کی ابھی پوری اطلاع نہیں کہ وہ آلہ کس قسم کا ہے، اور اس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، آیا اس سے جانور کے کسی حصہ پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی منشی چیز سے اُسے بے ہوش کیا جاتا ہے؟

الجواب: یہاں دو مقام پر کلام ہے، ایک یہ کہ ایسی حالت میں ذبح کرنے سے جانور حلال ہوگا یا نہیں، سو چونکہ یہ فعل کسی شرط حلت کے منافی نہیں اور حیات پورے طور پر باقی ہے اس لئے جواب یہ ہے کہ جانور حلال ہو جاوے گا۔

في الدر المختار: ذبح شاة مريضة فتحركت أو خرج الدم حلت و إلا لا إن لم تدر حياته عند الذبح، وإن علم حياته حلت مطلقاً، وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم، وهذا يتأتى في منخنقة ومتردية ونطيحة، والتي فقر الذئب بطنها فذكاة هذه الأشياء تحلل،

وإن كانت حياتها خفيفة، وعليه الفتوى؛ لقوله تعالىٰ: إلا ما ذكيتم من غير فصل في ردالمحتار: قوله: فتحركت أى بغير نحو مد رجل وفتح عين مما لايدل على الحيوٰة قوله: أوخرج الدم أى كما يخرج من الحي –إلى قوله– عند الإمام وهو ظاهر الرواية قوله: وعليه الفتوىٰ خلافا لهما. ص ۳۰۱ ج۵ (۱)۔

دوسرا کلام یہ ہے کہ خود یہ فعل جائز ہے یا نہیں، سواس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس آلہ سے آیا اس جانور کے کسی حصہ پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی نشہ آور چیز سے اس کو بے ہوش کیا جاتا ہے جیسا کہ سائل نے اس میں تردد ظاہر کیا ہے اور غالب طریق ثانی ہے، سواگر ایسا ہے تو یہ فعل حرام ہے۔

أما الطريق الأول: فلما في الدرالمختار مكروهات الذبح والنخع بلوغ السكين النخاع، وهو عرق أبيض في جوف عظم الرقبة، وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۴۷-۴۴۸، كراچی ۶/ ۳۰۸۔

وأما خروج الدم بعد الذبح فيما لا يحل إلا بالذبح فهل هو من شرائط الحل؟ فلا رواية فيه عن أصحابنا، وذكر في بعض الفتاوى أنه لا بد من أحد شيئين إما التحرك، وإما خروج الدم، فإن لم يوجد لاتحل، كذا في البدائع، وإن ذبح شاة أو بقرة فخرج منها دم ولم تتحرك وخروجه مثل ما يخرج من الحي أكلت عند أبي حنيفة رحؒ وبه نأخذ. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۸۶، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۰)

ولو ذبح شاة فتحركت أو خرج الدم حلت وإلا لا إن لم يدر حياته، وإن علم حل، وإن لم يتحرك ولم يخرج الدم؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحي؛ لأن الميت لا يتحرك ولا يخرج منه الدم فيكون وجودهما أو وجود أحدهما علامة الحياة فيحل وعدمهما علامة الموت فلا يحل إلا إذا علم حياتها عند الذبح فيحل؛ لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان فلا يحكم بزوال الحياة بالشك الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۱-۴۷۲، إمداديه ملتان ۵/ ۲۹۷)

مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۴-۱۶۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الرأس والسلخ قبل أن تبرد، أى تسكن عن الاضطراب. وفي ردالمحتار: وقيل: إن النخع أن يمد رأسه حتى يظهر مذبحه، وقيل: أن يكسر عنقه قبل أن يسكن عن الاضطراب، فإن الكل مكروه لما فيه من تعذيب حيوان بلا فائدة. هداية ج۵ ص: ۲۸۸-۲۸۹ (۱)۔ وأما الطريق الثاني: فلما في الدرالمختار: وحرم الانتفاع بها ولو بسقى دواب. ج۵ ص۴۴۴ (۲)۔

اوراگر یہ دونوں طریقے نہیں بلکہ کسی مباح طریق سے اس جانور کے حاسہ کو معطل کردیا جاتا ہے، تو وہ بھی دووجہ سے ناجائز ہے اول اس وجہ سے کہ قبل بے ہوش ہونے کے اس کے حواس سالم تھے، اور بعد بے ہوش ہونے کے حواس کا بطلان یقینی نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس آلہ سے حرکت باطل ہوجاتی ہو مگر حواس باقی ہوں اور بطلان حرکت بطلان حس کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کہ اس آلہ کا اثر صرف جوارح معطل کردینے میں ایسا ہو جیسے کسی شخص کے ہاتھ زور سے پکڑ کر اس کا گلا گھونٹ دیا جاوے تو اس کو حرکت نہ ہوگی مگر احساس ہوگا، پس پہلے سے ذی حس ہونا یقینی، اور اب زوالِ حس میں شک ہوگیا، اور عقلی وشرعی قاعدہ ہے کہ **"اليقين لايزول بالشک"** (۳)۔ پس بقاء حس کی صورت میں یہ آلہ زیادت تعذیب کا سبب ہوگا، اس لئے ناجائز ہے (۴) اور خود حیوان متکلم نہیں جو اپنا حال بیان کرسکے اور انسان پر امتحان کرنے سے دھوکا

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۷، كراچی ۶/ ۲۹۶۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۸، كراچی ۶/ ۴۴۹۔

(۳) قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۴۳۔

الأشباه والنظائر، قديم ص: ۱۰۰، جديد ۱/ ۱۸۳۔

(۴) **عن شداد بن أوس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب الاحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتهم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته.** (مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵)

وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه. (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۵۴۰) ←

نہ کھایا جاوے۔ کیونکہ انسان اور بہائم کے بہت سے خواص باہم متفاوت ہوتے ہیں، دوسرے اس وجہ سے کہ ایسا کرنے والا اس طریق کوطریق مشروع سے جس میں بے ہوش نہیں کیا جاتا یقیناً زیادہ مستحسن سمجھ کر طریق مشروع کو ناقص و مرجوح سمجھے گا، اور مخترع کو منصوص پر ترجیح دینا قریب بکفر ہے(۱) ان دووجہ سے خود یہ طریق بدعت سیّئہ وتحریف فی الدین ہونے کے سبب خلاف شرع ہے (۲)۔ پس ایسا قانون بنانا خلاف مذہب اسلام ہے، واضعان وحاکمان قوانین کو اطلاع دے کر درخواست کی جاوے کہ اہل اسلام کے لئے ایسا قانون مقرر نہ کریں جیسا کہ معاہدہ ہے۔

۱۷؍ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص۵)

← **وكل ذلک مكروه؛ لأن في جميع ذلک، وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة.** (تبيين الحقائق، الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٦٠، إمداديه ملتان ٥/ ٢٩٢)

وقد قال علماء نا: وكره السلخ قبل أن تبرد وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث. (مرقاة، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ١١٥)

(۱) **ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله.** [سورة القصص، رقم الآية: ٥٠]

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّکَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ. [سورة ص، رقم الآية: ٢٦]

عن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به، قال بعض العارفين: أي حتى يكون هواه الذي من أصل صفاته النفسانية بل المعبود الباطلة المطاع، والمحبوب الاتباع تبعا لما جئت به من السنة الزهراء، والملة النقية البيضاء حتى تصير همومه المختلفة وخواطره المتفرقة التي تنبعث عن هوى النفس، وميل الطبع هما واحدا يتعلق بأمر ربه واتباع شرعه تعظيما له وشفقة على خلقه ...... فلا يميل إلا بحبكم الدين ولا يهوي إلا بأمر الشرع فهو المؤمن الفريد الكامل الوحيد الذى يقبل منه التوحيد، ومن أعرض عنه متبعا لما هواه مبتغيا لمرضاه فهو الكافر الخاسر في دنياه وعقباه، ومن اتبع أصول الشريعة دون فروعها فهو الفاسق، ومن عكس فهو المنافق. (مرقاة، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٢٤٤-٢٤٥)

(۲) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من** ←

ذبح سے پہلے جانور کو بے ہوش کرنے کا حکم

سوال (۲۲۸۲): قدیم ۳/ ۶۰۷- جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان جانوروں کو ذبح کی تکلیف نہ ہونے کی خاطر ایک باریک سوئی کی طرح تیز باریک چیز کو پیشانی کے سامنے کی رگ پر چبھو دیا جاتا ہے، چبھونے کے ساتھ ہی وہ جانور مست ومدہوش ہوتا ہے، پھر اس کو ذبح کریں تو جانور کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور تھوڑی دیر میں خون سارے بدن کا نکل جاتا ہے، آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دو امر قابل تنقیح ہیں، ایک یہ کہ اس سوئی چبھونے سے جانور کو کتنی اذیت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اس سوئی چبھونے سے جانور کے گوشت میں تو کسی قسم کا اثر نہیں پہنچتا۔

جواب تنقیح: جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان جانوروں کی ذبح کی تکلیف محسوس نہ ہونے کی خاطر ایک باریک سوئی کی طرح کی تیز باریک چیز کو پیشانی کے سامنے کی رگ پر چبھو دیا جاتا ہے، اس چبھونے سے جانور کے گوشت میں کسی قسم کا اثر پہنچتا ہی نہیں ہے، اس چبھونے سے جانور کو اذیت نہیں ہوتی، صرف وہ مست ومدہوش ہو جاتا ہے، سانس چلتی رہتی ہے، اور تھوڑی دیر میں سارے بدن کا خون نکل جاتا ہے، آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہ، بینوا توجروا؟

تنقیح: کیا ان روایات کا ماخذ کسی ماہر کا قول ہے۔

جواب تنقیح: خاکسار نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا تجربہ ماہر ڈاکٹروں نے کیا ہے اور ان کا مشاہدہ ہے اور اس کو ہمارے معتبر احباب نے بچشم خود دیکھا ہے۔

الجواب: اگر یہ دونوں دعوے تجربہ سے صحیح بھی مان لئے جائیں تب بھی اس میں کچھ کلام باقی رہ جاتا ہے، بعض تو میرے قدیم فتوے میں مذکور ہے جس کا بالکل اخیر حصہ یعنی اعتقاد ترجیح غیر منقول علی المنقول کا قبح خاص طور پر قابل نظر ہے(۱)۔ (یہ فتویٰ مرقومہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ حوادث الفتاویٰ حصہ پنجم صفحہ ۵ پر مذکور ہے) اور بعض اس موقع پر ذکر کرتا ہوں، وہ یہ کہ شریعت نے جو ذبح کو حلال ہونے کی شرط

← أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأقضية، النسخة الهندية ۲/ ۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

بخاري شريف، كتاب الصلح، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷۔

(۱) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ. [القصص، رقم الآية: ۵۰] ←

ٹھہرائی ہے اس کی علت جیسا کہ نصوص سے واضح ہے یہ ہے کہ خون سائل ذبیحہ کے بدن سے خارج ہوجاوے(۱) اور قواعد سائنس سے اس کا قوی احتمال ہے، کہ جانور کی طبیعت اس کے ہوش کی حالت میں

← وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ. [سورة ص، رقم الآية: ٢٥]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآئَنَا. [البقرة، رقم الآية: ١٧٠]

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به، قال بعض العارفين: أي حتى يكون هواه الذي من أصل صفاته النفسانية بل المعبود الباطلة المطاع، والمحبوب الاتباع تبعا لما جئت به من السنة الزهراء، والملة النقية البيضاء حتى تصير همومه المختلفة وخواطره المتفرقة التي تنبعث عن هوى النفس، وميل الطبع هما واحدا يتعلق بأمر ربه واتباع شرعه تعظيما له وشفقة على خلقه ...... فلا يميل إلا بحبكم الدين ولا يهوي إلا بأمر الشرع فهو المؤمن الفريد الكامل الوحيد الذى يقبل منه التوحيد، ومن أعرض عنه متبعا لما هواه مبتغيا لمرضاه فهو الكافر الخاسر في دنياه وعقباه، ومن اتبع أصول الشريعة دون فروعها فهو الفاسق، ومن عكس فهو المنافق. (مرقاة، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٢٤٤-٣٤٥)

(۱) أما الاختيارية: فركنها الذبح فيما يذبح من الشاة والبقرة ونحوهما، والنحر فيما ينحر وهو الإبل عند القدرة على الذبح، والنحر لا يحل بدون الذبح والنحر؛ لأن الحرمة فى الحيوان المأكول لمكان الدم المسفوح، وأنه لا يزول إلا بالذبح والنحر، ولأن الشرع إنما ورد بإحلال الطيبات قال الله تعالىٰ: يسئلونک ما ذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات" وقال سبحانه وتعالى: "ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث" ولا يطيب إلا بخروج الدم المسفوح، وذلک بالذبح والنحر، ولهذا حرمت الميتة؛ لأن المحرم وهو الدم المسفوح فيها قائم، ولذا لا يطيب مع قيامه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيد، بيان شرط حل الأكل، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥، كراچى ٥/ ٤٠)

الحكمة في اشتراط التذكية أن الحرمة في الحيوان المأكول لمكان الدم المسفوح، ولا يزول إلا بالذبح أو النحر، وأن الشرع إنما ورد بإحلال الطيبات، قال الله تعالىٰ: ←

قوی ہوتی ہے، اور بے ہوشی جس درجہ کی ہوگی، اسی قدر طبیعت اُس کی ضعیف ہوگی ، اور خون کا خارج کرنا یہ فعل طبیعت کا ہے پس جس قدر طبیعت میں قوت ہوگی خون زیادہ خارج ہوگا، اور جس قدر طبیعت میں ضعف ہوگا خون کم خارج ہوگا، پس قصداً طبیعت کو ضعیف کرنا قصداً خون کو کم نکلنے دینے کا اہتمام کرنا ہے جو صریح مزاحمت ہے مقصود شارع کی یہ تو شرعی محذور ہے، اور خون بدن میں کافی موجود ہونے کے بعد جب کم نکلے گا تو وہ گوشت ہی میں متشرب ہوگا جب خنق وغیرہ سے پورا خون متشرب ہونا لحم کے خواص مطلوبہ طبِ نبوی کا مفوّت ہے، تو کچھ متشرب ہونا ان خواص کا منقص ہے یہ طبی محذور ہوگا۔ اور اگر کسی صورت میں تقلیل خروج دم بلا تدبیر اختیاری ہو اس میں مکلّف معذور ہے اس سے حرمت یا کراہت کا حکم نہ کیا جاوے گا (۱) ان مجموعہ وجوہ مذکورہ فتوی سابقہ وفتویٰ ھٰذا کا مقتضا یہ ثابت ہوا کہ یہ فعل جائز نہیں (۲)۔ واللہ اعلم

۱۵/ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ۹/ محرم ۱۹۵۲ھ)

← ''یسئلونک ما ذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات'' ولا يطيب إلا بخروج الدم، وذلک بالذبح أو النحر، ولهذا حرمت الميتة؛ لأن المحرم وهو الدم المسفوح فيها قائم الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۷۷)

(۱) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۶]

(۲) عن شداد بن أوس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتهم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵)

وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه. (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۵۴۰)

وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۲۷، كراچی ۶/ ۲۹۶)

وكل ذلک مكروه؛ لأن في جميع ذلک، وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة. (تبيين الحقائق، الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۴۶۰، إمداديه ملتان ۵/ ۲۹۲) ←

شیعہ کے ذبیحہ کا حکم

سوال (۲۲۸۳): قدیم ۳/ ۶۰۸ - ذبیحہ رافضی کے ہاتھ کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شیعہ کے ذبیحہ کی حلت میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے، راجح اور صحیح یہ ہے کہ حلال ہے(۱)۔ **قال الشامي: وكيف ينبغي القول بعدم حل ذبيحته مع قولنا بحل ذبيحة اليهود و النصارىٰ.** ج ۵ ص ۱۸۹ (۲)۔ واللہ اعلم

۲۵ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۷)

← **وقد قال علماءنا: وكره السلخ قبل أن تبرد، وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث.** (مرقاة، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ١١٥)

(۱) حضرتؒ نے شیعہ کے ذبیحہ کی حلت پر استدلال کے لئے جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ درحقیقت شامی کی وہ عبارت ہے جس کو علامہ شامیؒ نے معتزلہ کے بارے میں نقل فرمایا ہے اور معتزلہ کا ذبیحہ واقعی راجح قول کے اعتبار سے حلال ہے۔ حضرتؒ نے جو عبارت نقل فرمائی اس کی پوری عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

فإذا علمت ذلك ظهر لك أن هذا الفرع إن كان مبنيا على عقائد المعتزلة فهو باطل بلا شبهة، وإن مبنيا على عقائدنا، وصاحب الأشباه قاسه على تفريع المعتزلة، فإنهم فرضوه فينا وهو فرضه في أمثالهم بقرينة قوله لو سنيا فهو مبني على خلاف الراجح، وما كان ينبغي ذكره ولا التعويل عليه، وكيف ينبغي القول بعدم حل ذبيحته مع قولنا بحل ذبيحة اليهودي والنصارىٰ القائلين بالتثليث. (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٣٣، كراچی ٦/ ٢٩٩)

لیکن یہاں مسئلہ معتزلہ سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ شیعوں اور روافضیوں سے متعلق ہے اور جو شیعہ تفضیلی ہیں، ان کا ذبیحہ اور ان سے نکاح سب جائز ہے، یہاں مسئلہ شیعہ غالی سے متعلق ہے؛ کیوں کہ ہندوستان میں جو شیعہ ہیں وہ سب غالی ہیں، ان کو جمہور نے کافر اور خارج از اسلام قرار دیا ہے، وہ کتابی کے حکم میں بھی نہیں ہیں؛ اس لئے ان کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں، اس بارے میں صریح جزئیہ شامی وغیرہ میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليؓ، أو أن جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته ←

''ان اللہ ہوالعلی الکبیر'' پڑھ کر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے

سوال (۲۲۸۴): قدیم ۳/ ۶۰۸- بعدسلام مسنون! التماس ہے کہ اہل قرآن ذبیحہ پر بجائے ''بسم الله، الله أكبر'' کے آیت: ''ان اللّٰه هو العلي الكبير'' پڑھتے ہیں۔اس تکبیر سے ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے یا کچھ شک وشبہ رہ جاتا ہے، اوراس تکبیر قدیمی ''بسم اللہ واللہ اکبر'' سے ذبح ہونے کو حلال نہیں جانتے ،حرام جانتے ہیں اورلفظ ''اللہ اکبر'' کوشرک کہتے ہیں، اگر ''ان اللہ ہوالعلی الکبیر'' سے اول بسم اللہ بھی کہہ کر ذبح کریں تب ذبیحہ کیسا ہے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: صرف ''ان اللہ ہوالعلی الکبیر'' سے بھی اوراس کے قبل بسم اللہ کہنے سے بھی ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے، اگرچہ اللہ اکبرکوشرک سمجھنا جہل عظیم ہے۔

في الدرالمختار: والشرط في التسمية هوالذكر الخالص عن شوب الدعاء وغيره فلا يحل بقوله: اللهم اغفر لي؛ لأنه دعاء وسوال بخلاف الحمد اللّٰه أو سبحان اللّٰه مريدا به التسمية، فإنه يحل اھ. **وفي ردالمحتار: بأي اسم كان مقرونا بصفة كاللّٰه أكبر، أو أجل، أو أعظم أولا كاللّٰه أو الرحمٰن وبالتهليل والتسبيح الخ. ج۵ ص۲۹۳(۱)۔**

۴؍شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۶)

← **القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة، فإنه مبتدع لا كافر.** (شامي، كتاب النكاح، فصل: في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٣٥، كراچی ٣/ ٤٦)

الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما العياذ بالله فهو كافر، وإن كان يفضل عليا كرم الله وجهه على أبي بكرؓ لا يكون كافرا إلا أنه مبتدع. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٢٦٤، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٢٧٧)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٣٧، كراچی ٦/ ٣٠١۔

ومنها التسمية حالة الذكاة عندنا، أي اسم كان، وسواء قرن بالاسم الصفة بأن قال: الله أكبر الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم ونحو ذلك أو لم يقرن بأن قال: الله، أو الرحمن أوالرحيم، أو غير ذلك، وكذا التهليل والتحميد والتسبيح، وسواء كان جاهلا ←

اضحیہ نفل غیر کی جانب سے جائز ہے

سوال (۲۲۸۵): قدیم ۳/ ۶۰۸ - حضرت والا اسلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اللہ تعالیٰ حضور کی ذات بابرکات کو ہم عاجزوں کے سروں پر دائم وقائم رکھے، احقر نے گذشتہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی گائے میں ایک حصہ حضرت کی طرف سے لیا تھا، اس وقت اس کی اطلاع حضور کو نہیں کی تھی، اس کی بابت اس وقت مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اطلاع کرنی چاہئے تھی یا نہیں، اب بہشتی زیور سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے بغیر اس کے امر کے قربانی کردی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی، اور اگر کسی غائب کا حصہ کسی جانور میں بدون اس کے امر کے تجویز کرلیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔ ص۲۰۲ جلد۶ عالمگیری بہشتی زیور حصہ۳ (۱)۔

اس عبارت سے احقر نے یہ سمجھا ہے کہ حضور کی طرف سے جو حصہ لیا تھا احقر کو چاہئے تھا کہ اس کی اطلاع حضور کو دیتا، مگر ناواقفی کی وجہ سے اطلاع نہیں دی، تو وہ قربانی صحیح نہ ہوئی، اور جتنے لوگ اس گائے

← **بالتسمية المعهودة أو عالما، وسواء كانت التسمية بالعربية أو الفارسية أو أي لسان كان.** (هندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٩)

والشرط في التسمية: الذكر الخالص المجرد عن شوب الدعاء وغيره فلو قال: أللهم اغفرلي لا يحل؛ لأنه دعاء وسوال، وبالحمد لله أو سبحان الله يريد به التسمية، يحل؛ لأنه ذكر خالص فيقوم مقام التسمية. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٦)

والشرط هو الذكر الخالص على ما قال ابن مسعودؓ: جردوا التسمية حتى لو قال عند الذبح: اللهم اغفرلي واكتفى به لا يحل؛ لأنه دعاء وسؤال، ولو قال: الحمدلله أو سبحان الله يريد به التسمية حل. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٤، إمداديه ملتان ٥/ ٢٨٩)

والشرط هو الذكر الخالص المجرد على ما قال ابن مسعود رضى الله عنه جردوا التسمية حتى لو قال عند الذبح: أللهم اغفرلي لا يحل؛ لأنه دعاء وسؤال، ولو قال: الحمدلله أو سبحان الله يريد التسمية حل. (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٦)

(۱) بہشتی زیور اختری، حصہ سوم ص: ۴۲، اشاعتی حصہ سوم ص: ۱۶۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں شریک تھے، اُن میں سے کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوئی، رفع خلجان کے لئے حضور اس بات سے آ گاہی بخشیں کہ احقر نے عبارت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، صحیح ہے تو اس وقت حضور کو اطلاع دینے سے قربانی درست ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر درست ہوسکتی ہے تو احقر حضرت سے اطلاعاً عرض کرتا ہے۔

الجواب: بہشتی زیور میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ اضحیہ واجبہ کے متعلق ہے، اضحیہ تطوع کے متعلق نہیں، اوراس کی دلیل عالمگیری کا یہ جزئیہ ہے۔

لو ضحى بدنة عن نفسه وعرسه وأولاده ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية: إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبى حنيفة وأبى يوسف، وإن كانوا كبارًا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبى حنيفة وأبى يوسف، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحما، فصار الكل لحما، وقال أبو القاسم (الصفار): تجوز عن نفسه، كذا في فتاویٰ قاضي خان (ص ۲۰۲، ج٦) (۱)۔

(قلت: وقول أبي القاسم هو الراجح عندنا) وفي ردالمحتار: ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لايجوز إلا بإذنهم، وعن الثاني انه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية قال في الذخيرة: ولعله ذهب إلىٰ أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبويوسف فهو مستحسن اهـ. **(ص۳۰۸ ج۵) (۲)۔**

(قلت: وأما التضحية عن الغير تطوعاً فتجوز بالإذن وبدونه لما صرحوا به من أنه) لو تبرع بها عن الميت له الأكل منها؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس قال ابن عابدين: وقد صرح في فتح القدير في الحج عن الغير بلا أمر: إنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه، وللآخر الثواب فراجعه اهـ۔ **(ص۳۲۸، ج۵) (۳)۔**

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السابع: في التضحية عن الغير، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٨ ـ

(۲) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٥٧، كراچى ٦/ ٣١٥ـ

(۳) شامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٤٨٤، كراچى ٦/ ٣٣٥ـ

خلاصہ یہ ہے کہ اضحیہ واجبہ میں چونکہ دوسرے کے ذمہ سے ادائے واجب کا قصد ہوتا ہے وہ تو بدون اس کی اجازت کے درست نہیں، البتہ اپنے متعلقین کی طرف سے بدون اس کی اجازت کے بھی درست ہے، جب کہ ان کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت ہو اور اگر قربانی کرنے کی عادت نہ ہو تو ان کی طرف سے بھی قربانی صحیح نہ ہوگی (۱)۔ رہا یہ کہ ذابح کی طرف سے ہو جائے گی یا نہیں تو حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگی، اور ابوالقاسم صفارؒ کا قول یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے صحیح ہو جائے گی (۲) ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، کیونکہ حج عن الغیر میں تصریح ہے کہ غیر کی طرف

---

(۱) **في المختار: ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم.** (بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: في التضحية عن الغير، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٠)

إذا ضحى الرجل ببقرة عن نفسه وعن أولاده، فإن كانوا صغارا أجزأهم، وفي الخانية: عند ابي حنيفة وأبي يوسف، وإن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم فكذلك، وإن عدم الأمر لم يجز، وفي الخانية: فى قولهم جميعا، وعن أبي يوسف أنه يجوز عن البنين البالغين وعن العيال بأمرهم وبغير أمرهم استحسانا، وقال الزعفراني: عندنا لايجوز، ولعل أبا يوسف ذهب إلى أن العادة جرت من الأب في كل سنة فصار كالإذن من الأولاد البالغين والعيال للأب استحسانا، فإن كان على هذا الوجه فالذي يستحسن أبويوسف مستحسن. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧٠)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع: التضحية عن الغير، المجلس العلمي ٨/ ٤٧٣، رقم: ١٠٨٣٥-١٠٨٣٦۔

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٦، كوئٹه ٨/ ١٧٨۔

(۲) **وفي قول الحسن بن زياد: إذا ضحى بدنة عن نفسه وعن خمسة من أولاده الصغار، وعن أم ولده بأمرها أو بغير أمرها لا يجوز لا عنه ولا عنهم، وقال أبو القاسم: يجوز عن نفسه.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سے بلا امر کے حج کیا جائے تو وہ اس شخص کی طرف سے یعنی حج کرنے والے کی طرف سے ہو جائے گا، اور غیر کو ثواب ملے گا (۱) اور اگر دوسرے کی طرف سے تبرعاً تطوعاً بلا اذن کے قربانی کی جائے تو وہ مطلقاً درست ہے خواہ اس کی طرف سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو اور اس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ ہو، کیوں کہ تبرعاً عن الغیر قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے دوسرے کو محض ثواب پہنچتا ہے، قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی۔ والحي والميت في ذلک سواء (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: ظفر احمد عفا عنہ بامر سیدہ حکیم الامۃ دام مجدہم۔ ۱۸/ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ (النور ص ۸، ۱۳۵۸ھ)

چرم قربانی کا مدرسہ میں آیا ہوا روپیہ چوری ہو جانا

سوال (۲۲۸۶): قدیم ۳/ ۶۱۰- زید مدرس کے پاس پوست قربانی کے روپے واسطے صرف طلبہ آئے، زید نے اس کو اپنی حویلی میں ایک بکس غیر مقفل میں رکھا اور اپنا روپیہ زید کا علیٰحدہ اسی بکس میں تھا، قفل کی ضرورت بکس میں خیال نہ کی گئی کہ کوئی غیر شخص حویلی میں نہ آتا تھا، فقط زید کی زوجہ و ابن واخ وابن الاخت رہتے تھے، ابن الاخ مبلغ نو (۹) روپے منجملہ چالیس روپے قیمت پوست قربانی کے جو کہ بکس میں علیٰحدہ زید کے ذاتی روپے سے رکھے ہوئے تھے، لیکر وطن کو فرار ہوگیا، اور یہ ابن الاخ بھی منجملہ طلبہ میں سے ایک طالب علم تھا، اور نام اس کا مدرسہ کے رجسٹر میں درج تھا، اور مدرسہ میں پڑھتا تھا، اور خوراک مدرسہ کی جانب سے اس کی مقرر تھی۔ اور اس نے پہلے اس سے ایسا کام نہ کیا تھا، تاکہ اس سے احتیاط کی جاتی، اس صورت میں زید پر پورا کرنا اس امانت کا واجب ہے یا نہیں؟

---

(۱) **سيأتي آخر الباب في مسألة من أهل بحج عن أبويه فعين صح، أي جعل الثواب له، وسنذكر هناك أن الحج يقع عن الفاعل فيسقط به فرضه.** (منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۰۷، كوئٹه ۳/ ۶۰)

(۲) **سئل عمن يضحي عن الميت قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته يريد به أنه يتناول من لحمه كما يتناول من لحم أضحيته، فقيل له: أتصير عن الميت؟ قال: الأجر للميت، والملک للمضحي، وبه قال سلمة وابن مقاتل وأبو مطيع.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع، التضحية عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۴۴، رقم: ۲۷۷۷۱)

المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السابع، المجلس العلمي ۸/ ۴۷۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: وللمودع حفظها بنفسه وعياله، وهم من يسكن معه حقيقة أو حكماً (۱)۔

بنابر روایت مذکورہ زید پر اس روپیہ کا ضمان نہیں، البتہ اس لینے والے پر ضمان واجب ہے (۲) اور زید کے ذمہ واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے اس سے ضمان لینے میں کوشش کرے فقط (۳) اور ایک امر زید

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإيداع، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۴۵٦، كراچی ۵/ ٦٦٤۔

وللمودع أن يحفظها بنفسه وعياله بالكسر جمع عيل كجياد جمع جيد من يعوله إلا أن العبرة للمساكنة معه حقيقة أو حكما لا للنفقة الخ. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٦۸)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وعياله؛ لأنه يحفظها بما يحفظ به ماله، والمراد بالعيال من يسكن معه حقيقة أو حكما لا من يموته. (البحرالرائق، كتاب الوديعة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ٤٦٥، كوئٹه ۷/ ۲۷٤)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله؛ لأن المطلوب منه أن يحفظها مثل ما يحفظ مال نفسه، ومال نفسه يحفظه بمن في عياله من زوجته وولده ووالديه أو غيرهم، والمعتبر فيه المساكنة لا النفقة عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الوديعة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۱۹، إمداديه ملتان ۵/ ۷۷)

(۲) لا خلاف بين الفقهاء في وجوب رد المسروق إن كان قائما إلى من سرق منه، سواء كان السارق موسرا أو معسرا، وسواء أقيم عليه الحد أو لم يقم، وسواء وجد المسروق عنده أو عند غيره، وذلک لما روي من أن الرسول رد على صفوان رداءه، وقطع سارقه ...... ولا خلاف بينهم كذلک في وجوب ضمان المسروق إذا تلف، ولم يقم الحد على السارق لسبب يمنع القطع كأخذ المال من غير حرز أو كان دون النصاب أو قامت شبهة تدرأ الحد أو نحو ذلک، وحينئذ يجب على السارق أن يرد مثل المسروق إن كان مثليا، وقيمته إن كان قيميا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٤/ ۳٤۵-۳٤٦)

المبسوط للسرخسي، كتاب السرقة، دارالكتب العلمية بيروت ۹/ ۱۵٦۔

(۳) تجب الإعانة لتخليص مال الغير من الضياع قليلا كان المال أو كثيرا حتى أنه تقطع الصلاة لذلک. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۱۹٦) ←

کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن جن لوگوں کی رقم ضائع ہوئی ہے ان کو اطلاع کردے۔ کیونکہ ان کے ذمہ یہ رقم واجب التصدق رہ گئی ہے، وہ لوگ مساکین کو ادا کریں، جب کہ چور سے وصول نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ اعلم ۲۳؍ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷۴)

قربانی کے جانور کی عمروں کے متعلق بعض شبہات کا جواب

سوال (۲۲۸۷): قدیم ۳/ ۶۱۱ - قربانی کے جانور کو علی العموم سب لوگ لکھتے چلے آئے ہیں، کہ بکری ایک سالہ اور گائے دو سالہ اور اونٹ پانچ سالہ ہونا چاہئے، اس سے کم عمر والی کی قربانی جائز نہیں، چنانچہ حضور والا نے بہشتی زیور حصہ سوم میں یہی ارقام فرمایا ہے (۲)۔ اور ہدایہ ص ۴۳۳ جلد چہارم میں ہے: **ویجزی من ذلک کله الثنی فصا عدالا الضأن فان الجذع منه یجزي** سے معلوم ہوتا ہے کہ ثنایا ہونا چاہئے۔ **لقوله علیه السلام: ضحوا بالثنایا إلا أن یعسر علی أحدکم فلیذبح الجذع من الضأن، وقال ﷺ: نعمت الأضحیة الجذع من الضأن** (۳)۔ سے معلوم ہوا کہ تنگی کے وقت جذع من الضان جائز ہے، اور جذع کی تفسیر علی الاختلاف چھ یا سات مہینہ ہے

← **قوله: (أو خوف مال) أي خوف ذهابه بسرقة أو غیرها إن استقبل، وسواء کان المال ملکا له أو أمانة قلیلا أو کثیرا، نعم سیأتي في مفسدات الصلاة أنه یجوز قطع الصلاة لضیاع ما قیمته درهم له أو لغیره.** (شامي، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب کرامات الأولیاء ثابتة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۱۵، کراچی ۱/ ۴۳۲)

(۱) **ولا یخرج عن العهدة بل بالأداء للفقراء فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوة.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الزکوة، قبیل باب السائمة، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۷۰)

لا یخرج بالعزل عن العهدة بل لابد من التصدق به حتی لو ضاعت لم تسقط عنه، کذا في الخانیة. (النهر الفائق، کتاب الزکوة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۱۹)

البحرالرائق، کتاب الزکوة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۹، کوئٹه ۲/ ۲۱۰۔

(۲) اختری بہشتی زیور، حصہ سوم ص: ۳۹۔

(۳) هدایة کتاب الأضحیة، مکتبه أشرفیه دیوبند ۴/ ۴۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس پر بھی جب ثنایا میں ملا دیا جائے اور ناظرین کو شبہ ہو جائے تو جائز ہے، اور حدیث دوسری **نعمت الأضحیه الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جذع ہی بہت اچھا ہے اور الثنی کی تفسیر ہدایہ میں کی ہے: **والثنی منها ومن المعز ابن سنة، ومن البقر ابن سنتین، ومن الإبل ابن خمس سنین (۱)۔**

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سالہ اور دو سالہ اور پانچ سالہ ہونا چاہئے جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہر شخص یہی لکھتے ہیں۔ اور مشکوٰۃ میں حدیث ہے: **وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن یعسر علیکم الخ (۲)** سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنہ ہونا چاہئے۔

اور شرح وقایہ جلد اول ص ۲۱۲ مطبع یوسفی لکھنؤ میں ہے: **والمسن الذي تمّ علیه الحولا ن والمسنة أنثاه (۳)۔**

اور حاشیہ عمدۃ الرعایۃ میں مسن کے معنی دانت نکلے ہوئے کے لکھا ہے: **قوله المسن بضم المیم وکسر السین المهملة وتشدید النون مأخوذ من الأسنان، وهو طلوع السن (۴)۔**

ان سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دانت نکلنا ضروری ہے اور ثنایا کے معنی غیاث اللغات میں ہے کہ چار دانت نکلے ہوں، دو اوپر کے دو نیچے کے تو باختیار لغت کے بھی معلوم ہوا کہ دانت نکلنا ضروری ہے، اور ایک حدیث بخاری میں ہے چونکہ بخاری موجود ہے نہیں، اس لئے صرف اشارہ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ غالباً ابو بردہ کو آپ نے فرمایا تھا کہ مسنہ کرلو دوسرے شخص کے لئے نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ مجبوراً آپ نے ابو بردہ کو مسنہ کرنے کی اجازت دی ہے، اس کے ساتھ ہی دوسرے کے لئے منع فرمایا۔ اور مشکوٰۃ والی

---

(۱) هدایة کتاب الأضحیة، مکتبه أشرفیه دیوبند ۴/ ۴۴۹۔

(۲) **عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تذبحوا إلا مسنة إلا أن یعسر علیکم، فتذبحوا جذعة من الضأن.** (مسلم شریف، الأضاحي، باب سن الأضحیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵۵، بیت الأفکار، رقم: ۱۹۶۳)

مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب في الأضحیة، مکتبه أشرفیه دیوبند ۱/ ۱۲۷۔

(۳) شرح الوقایة، کتاب الزکوة، باب زکاة الأموال، مکتبه بلال دیوبند ۱/ ۲۲۱۔

(۴) عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، الزکوة، باب زکاة الأموال، مکتبه بلال دیوبند ۱/ ۲۲۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حدیث میں جو مسنہ آیا ہے وہ عام ہے کہ مسنّہ ہونا چاہئے، اگر مسنہ کے معنی برس کے لئے جاویں تو اونٹ گائے بھی ایک ہی برس کی کافی ہے اور اگر مسنہ کے معنی دانت کے لئے جاویں تو اونٹ گائے بکری کے اپنی پوری عمر پر دانت نکلیں گے، تو اس بنا پر ایک سالہ دو سالہ پنج سالہ کی قید نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے خصیوں کے ایک سال بعد پر مثلاً چودہ پندرہ ماہ پر دانت نکلتے ہیں، اور یہی حال گائے میں بھی ہے، غرض کہ ایک ہی برس پر دانت نکلنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اگر دوسری حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ بکری ایک سالہ ہونا کافی ہے تو وہ حدیث اِرقام فرمایئے، ہدایہ میں نقل نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ مجھ کو صرف دریافت طلب یہ ہے کہ قربانی میں دانت نکلنے کی شرط ہے یا صرف بکری کو ایک سالہ ہونا کافی ہے، اگر شق ثانی ہے تو حدیث مسنہ اور ثنیا اور لغت کے اعتبار سے غلط ہوتا ہے، اور بخاری والی حدیث کا کیا جواب ہے، اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ کا کیا جواب ہے، اور ہدایہ کی عبارت سے کیا ثابت ہوتا ہے، اور اگر شق اول لی جاوے تو اس وقت تمام لوگ یہی عقیدہ رکھتے ہیں، کہ بکری ایک سالہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ امسال بھی بہت سے لوگ قربانی کے لئے خصّی ایک سالہ جس کا دانت نہیں نکلا ہے رکھے ہوئے ہیں لیکن درمیان میں ایک ملاّ نے دانت کی قید لگا کر شبہ میں ڈال دیا۔ اور سب لوگوں کو قربانی کرنے سے روکتے ہیں اس بنا پر ان سب عبارات پر شبہ ہوا، اس لئے جواب ضروری طلب ہے، جس کا خلاصہ مع مخالف کا جواب کافی وشافی تحریر فرمایئے؟

الجواب : حاصل سوال کا باوجود بے ربطی عبارت کے یہ امور ہیں، اول یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ بجز ضان کے کہ اس میں جزع بھی کافی ہے اور انعام اضحیہ میں مسنہ ہونا چاہئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ثنیہ ہونا چاہئے اور یہ تعارض ہے، ثانی یہ کہ مسنہ کی تفسیر میں بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دانت نکلنا ضروری ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاص کافی ہے، اور یہ تعارض ہے، ثالث یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جذع ضان کا علی الاطلاق جائز ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسنہ میسر نہ ہو اس وقت جذع جائز ہے، اور یہ تعارض ہے، رابع یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنہ کا جواز صرف ابو بردہ کے ساتھ خاص تھا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے لئے عام ہے اور یہ تعارض ہے، پس ان چار تعارضات کا شبہ ظاہراً خلاصہ ہے سوال کا اب جواب لکھا جاتا ہے۔

شبہ اول کا جواب یہ ہے کہ شیخ نے حاشیہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے: **ویجوز من جمیع هذه الأقسام الثنی وهو المراد من المسنة** (۱)۔ جب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں تو یہ تعارض نہ رہا۔

شبہ ثانی کا جواب یہ ہے کہ تفسیر معتبر و مدار حکم عمر خاص ہی کے ساتھ ہے، مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی طلوع ہو جاتے ہیں؛ اس لئے اہل لغت طلوع سن سے تفسیر کر دیتے ہیں ورنہ دانت نکلنے پر مدار حکم نہیں ہے، شیخ موصوف ہی نے بعد دعویٰ اتحاد مسنہ وثنیہ کے لکھا ہے:

وهو من الإبل ما استكمل خمس سنين وطعن في السادسة، ومن البقر ما استكمل سنتين، ومن الغنم ضأنا كان أو معزا ما استكمل سنة، هكذا في الهدايه (۲)۔

چنانچہ بعض اوقات خود اہل لغت بھی عمر ہی کے ساتھ تفسیر کر دیتے ہیں، چنانچہ تلخیص النہایہ میں ہے کہ:

والمسن من البقر مادخل في السنة الثالثة اھ۔ ج۲ص۲۰۳ (۳)۔

اور اس سے یہ تو ہم نہ کیا جاوے کہ سن بمعنی عمر لیا گیا ہے، سن تو بمعنی دندان ہے؛ لیکن طلوع دندان چونکہ عادۃً اس عمر میں ہوتا ہے اس لئے عمر کے ساتھ تفسیر کر دی خواہ دانت طلوع ہو یا نہ ہو، اور جب کہ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ اکثر دانتوں کا ہونا یا اتنے دانتوں کا ہونا جس سے گھاس کھا سکے جواز تضحیہ کے لئے کافی ہے، تو کسی خاص دانت کے نکلنے پر کیسے مدار ہوگا؟ **في الدرالمختار: ولا بالهتماء التي لا اسنان لها، ويكفى بقاء الأكثر، وقيل: ماتعتلف به (۴)۔**

---

(۱) حاشية مشكوة، كتاب الصلاة، باب في الأضحية، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۷۔

(۲) حاشية مشكوة، كتاب الصلاة، باب في الأضحية، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۷۔

(۳) النهاية في غريب الحديث والأثر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۷۰۔

(۴) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۶۹، كراچی ۶/ ۳۲۴۔

وأما الهتماء: وهي التي لا أسنان لها، فقد روى عن هشام عن أبي يوسفؒ أنه لايجوز، سواء كانت تعتلف أو لا، فإن بقي بعض أسنانها إن كانت تعتلف بما بقي من الأسنان جاز، وما لا فلا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس: ما يجوز من الضحايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۲۸، رق: ۲۷۷۲۲) ←

شبہ ثالث کا جواب یہ ہے کہ جمع بین الاحادیث کی ضرورت ہے کہ ایک حدیث میں بلاشرط ہے:
نعمت الأضحية الجذع من الضأن. رواه الترمذی عن أبی هريرة مرفوعاً (۱)۔

اور دوسری حدیث میں ہے: **لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعةً من الضأن. رواه مسلم عن جابر مرفوعاً (۲)۔** استثناء جو حدیث ثانی میں واقع ہے بیان افضل پر یعنی افضل مسنّہ ہی ہے ہر جانور میں؛ لیکن اگر افضل نہ مل سکے تو جذع ضأن اس کے قائم مقام ہو جائے گا، اور حدیث اول میں تو نعمت آیا ہے، وہ بیان نفس فضیلت کے لئے ہے، یعنی نفس فضیلت سے وہ بھی کسی حال میں خالی نہیں، چنانچہ ایک حدیث اس میں نص بھی ہے:

عن مجاشع من بني سليم أن رسول الله ﷺ كان يقول: إن الجذع يوفی مما يوفی منه الثنی. رواه أبو داؤد والنسائي وابن ماجه كذا في المشكوٰة (۳)۔

← **وأما الهتماء: وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت، وإلا فلا.**
(هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۲۹۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۳)

البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۳، كوئٹه ۸/ ۱۷۶۔

(۱) ترمذي شريف، كتاب الأضاحي، باب ما جاء في الجذع من الضأن في الأضاحي، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۶، دارالسلام، رقم: ۱۴۹۹۔

(۲) مسلم شريف، الأضاحي، باب سن الأضحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۵، بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۳۔

(۳) أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب مايجوز من السن في الضحايا، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۷، دارالسلام، رقم: ۲۷۹۹۔

ابن ماجة شريف، كتاب الأضاحي، باب ما تجزئ من الأضاحي، النسخة الهندية ص: ۲۲۷، دارالسلام رقم: ۳۱۴۰۔

نسائي شريف، كتاب الضحايا، المسنة والجذعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۰، دارالسلام، رقم: ۴۳۸۹۔

مشكوة شريف، الصلاة، باب في الأضحية، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبہ رابع کا جواب یہ ہے کہ ابو بردہ کی حدیث میں مسنہ نہیں ہے جذع ہے معز کا، اس وقت بخاری تو پاس نہیں مگر لمعات شیخ سے نقل کرتا ہوں۔ **كما جاء في حديث بردة في جذع المعز: اذبحها ولن تجزي عن أحد بعدك** (۱)۔

ان تعارضات اربعہ کا تو جواب ہوگیا، اس کے بعد سائل کے ایک جملہ کا کہ وہ بھی ایک شبہ پر مشتمل ہے، کہ وہ شبہ خامسہ ہے جواب لکھا جاتا ہے۔ قولہ اگر کوئی دوسری حدیث سے صاف طور سے ظاہر ہو کہ بکری ایک سالہ الخ اقول جہاں معانی شرعیہ معانی لغویہ کے علاوہ ہوں، وہاں تو نصِ شارع کی ضرورت ہے، اور جہاں معانی لغویہ کے متعلق حکم ہو وہاں اس کی ضرورت نہیں ورنہ یہ سوال بھی متوجہ ہوگا کہ آیت تحریم نکاح نساء میں جو امہات وبنات واخوات وغیرہا الفاظ آئے ہیں ان کے معنی قرآن و حدیث میں ہونا چاہئے، جب حدیث میں ''**لاتذبحوا إلا مسنّة**'' مصّرح ہے اور مسنہ ثنیہ ایک چیز ہے، اور نیز حسب نقل ہدایہ خود ثنایا ہونا شرط ہے۔ اور ثنیہ کی تفسیر ہر بہیمہ میں جدا جدا ثابت ہے، تو مسنہ کا اسی طرح ثنیہ کا حدیث میں مذکور ہونا بعینہ بکری میں ایک سالہ شرط ہونے کا مذکور ہونا ہے، اب تائید تفسیر فقہاء کے لئے بعض کتب لغت سے ثنیہ معز کی تفسیر نقل کی جاتی ہے۔ مجمع البحار میں ہے: **عند احمد من المعز في الثانية** (۲)۔

نہایہ میں ہے: **وعلى مذهب أحمد بن حنبل مادخل في السنة الثانية** (۳)۔ یہ جواز عن السوال نقل کیا گیا، اب تبرعاً جذع غنم شامل للمعز والضأن کی تفسیر موافق قول فقہاء کے نیز کتب لغت سے نقل کئے دیتا ہوں، کہ اس میں بھی عدم نقل لغوی کا شبہ بعض کو ہوجاتا ہے، مجمع البحار میں ہے:

---

(۱) **عن البراءؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أول ما نبدأ به في يومنا هذا أن نضحي، ثم نرجع فننحر، من فعله فقد أصاب سنتنا، ومن ذبح قبل فإنما هو لحم قدمه لأهله ليس من النسك في شيء، فقام أبوبردة بن نيار، وقد ذبح فقال: إن عندي جذعة، قال: اذبحها ولن تجزئ عن أحد بعدك.** (بخاري شريف، كتاب الأضاحي، باب سنة الأضحية، النسخة الهندية ٢/ ٨٣٢، رقم: ٥٣٣٠، ف: ٥٥٤٥)

(۲) مجمع بحار الأنوار، دارالإيمان المدينة المنورة ١/ ٣٠٨۔

(۳) النهاية في غريب الحديث والأثر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٢٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ومن الضان ماتمت له سنة وقيل اقل منها آه(۱)۔وهذه التفاسير اللغوية كلها من كشاف. اصطلاحات الفنون المختار الصحاح میں تفسیر جذع شاۃ میں ہے:وقيل: ولد النعجة انه يجذع في ستة أشهر اھ(۲)۔

،اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہل لغت نے یہ بھی تفسیریں کی ہیں اور حنفیہ نے ان تفاسیر کو اس لئے اختیار کیا کہ جس جس پر ثنی وجذع کا اطلاق ہوتا ہے اطلاق حدیث سے سب کو حکم شامل ہو جاوے۔

ولم يذهب أحد إلى أقل مما قال به الفقهاء إلا ما في الخزانة في تفسير الثنى من الإبل بما أتى عليه أربع سنين ولعله لم يثبت عندهم.

۹/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۶)

’’جیور کھشا‘‘ نامی رسالہ پر تنقید

سوال (۲۲۸۸): قدیم ۳/ ۶۱۴ - رہنمائے گمراہان، ہادی دین متین حضرت مولانا السلام علیکم آج جناب کو تکلیف دہی کا ایک موقع ہے جس کے بغیر چارہ کار نہ تھا، کیونکہ بغیر جناب کی عقدہ کشائی کے یہ معاملہ طے نہیں ہوتا تھا، براہ کرم میرا استغاثہ سن کر فیصلہ کیجئے، وہو ہذا۔

جناب والا نیاز مند نے عرصہ ہوا کہ ایک کتاب موسوم بہ جیور کھشا لکھی تھی، جس کی ایک کاپی ہمرشتہ ہذا ابلاغ ہے۔اس کے نسبت میرے متعلق مخالف ازراہ کوتاہ اندیشی مجھ پر یہ الزام عائد کرنے کی سعی کر رہے ہیں کہ میں نے یہ کتاب اہل ہنود کی حمایت اور اسلام کی اہانت میں لکھی ہے،اگرچہ جناب کا گرامی وقت اس کے مطالعہ میں ضائع ہوگا، مگر ایک مسلمان کے لئے انصاف کرنے میں سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے، لہٰذا التماس ہے کہ اگر جناب والا تمام وکمال کتاب کو مطالعہ نہ فرما سکیں تو صرف اس قدر حصہ جس کو میں نے سیاہ خط سے محدود کرر کھا ہے، ملاحظہ کریں کہ فرقہ ہنود کے مذہبی عقائد اور رسم ورواج کا کس طرح نمونہ دکھلایا ہے، اور خاص کر مسئلہ اواگون اور گئو ماتا سے ہمدردی کی اصلی حالت کیا ہے، تمام اوراق کے ملاحظہ

---

(۱) مجمع بحار الأنوار، دارالإيمان المدينة المنورة ۱/ ۳۳۴۔

(۲) الجذع من الضأن ما استكمل سنة، وطعن في الثانية، وقيل: ما له ستة أشهر.
(معجم المصطلحات و الألفاظ الفقهية، مكتبه دارالفضيلة ۱/ ۵۲۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سے جناب پر واضح ہوگا کہ مصنف کا اصل مقصد کیا ہے، اور وہ اسلام کی حمایت میں ہے یا اہانت میں، براہ کرم قدیمانہ اپنی رائے کے چند الفاظ بطور تنقید تحریر فرما کر مشکور کیجئے؟

جواب ۔مکرمی سلمہم اللہ تعالیٰ ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں نے رسالہ جیور کھشا اول سے آخر تک بنظر ما بین الاجمالی و تفصیلی دیکھا، ایسے رسالہ کے مصنف سے اگر بالکل تعلق نہ ہوں تو مجملاً بھی اپنا خیال ظاہر نہ کرتا کہ تجربہ سے بالکل مفید نہیں، اور اگر بے تکلفی کے درجہ تک تعلق ہوتا تو مفصلاً خیال ظاہر کرتا کہ توقع مفید تام ہونے کی تھی، اب آپ سے تعلق بھی ہے اور بے تکلفی نہیں، اس لئے تفصیلاً تو ظاہر نہیں کرتا، مگر اجمالاً ظاہر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ سارے رسالہ کا خلاصہ بہائم کی تفصیل انسان پر اور اعتراضات احکام اسلام پر اور پیشوایانِ ہنود کی مدح اور پیشوایان اسلام پر قدح ہے، اس خلاصہ سے ہر شخص کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہوسکتی ہے۔ اور گو ہنود پر بھی تعریض کی گئی ہے لیکن دوسرے کے گھر کی ایک کوٹھری گرا دینے سے اپنے گھر کو پورا ڈھا دینے کا تدارک نہیں ہوسکتا۔

اند کے پیشِ تو گفتم غم دل ترسیدم کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است (*)

(تتمہ خامسہ ص ۵۸۲)

حدیث ”من باع جلد أضحيته فلا أضحية له“ کو بقصد تمول بیچنے پر محمول کرنے کی دلیل

سوال (۲۲۸۹): قدیم ۳/ ۶۱۵- اکثر دستور ہے کہ قربانی کی کھال روپے کے بدلے میں بیچ کر تصدق کر دیتے ہیں یا مدارس اسلامیہ میں بھیج دیتے ہیں اور مہتمم بیچ کر تصدق کر دیتا ہے۔ نیابةً للمضحي اور ہدایہ آخر صفحہ ۴۴۸ میں ہے: **قوله صلى الله عليه وسلم: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له.** محشی لکھتا ہے: **رواه الحاكم في المستدرك في تفسير سورة الحج** ۱۲، اور محشی نے یہ بھی لکھا ہے: **فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق؛ لأن هذا الثمن حصل بفعل مكروه فيكون خبيثا فيجب التصدق.** (۱) ۱۲۔

عبارات مذکورہ سے کراہت بیع نکلتی ہے۔ اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ اگر جلد اضحیہ کو اس نیت سے

(*) **ترجمہ شعر**: تمہارے سامنے میں ذرا سی بات کہی ہے اور کہنے کو تو بہت سی باتیں ہیں، پس مجھے اس بات کا غم ہے اور خوف ہے کہ کہیں تمہارے دل کو ٹھیس نہ پہنچ جائے۔

---

(۱) هداية، مع الحاشية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روپے کے بدلے فروخت کیا جائے کہ روپیہ کو تصدق کردیا جائے، چنانچہ اسی نیت سے فروخت کرتے ہیں، آیا یہ فروخت کرنا بھی مکروہ ہے مطابق حدیث مذکور، یا مکروہ نہیں، اور جلد کا تصدق اور بیچ کر روپیہ کا تصدق دونوں برابر ہیں، اور اطلاق حدیث کی تقیید کی کیا ضرورت ہے، امید کہ جواب شافی جلدی مرحمت ہو؟

الجواب: بہ نیت تصدق ثمن جلد اضحیہ کا بیع کرنا مکروہ نہیں ہے۔ **كما في العالمگيرية: ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق كذا في التبيين. ج٦ص٢٠٢(١)۔**

اور فقہاء میں سے کسی نے اس کی کراہت کا حکم نہیں کیا (٢) اور جو حاشیہ مشعرہ کراہۃ سوال میں نقل کیا ہے وہ اول تو اس کے متعلق ہی نہیں ایک کو دوسرے پر قیاس کرکے اس حاشیہ سے استدلال کیا جاوے گا، اور قیاس کرنے کا ہم کو منصب نہیں، دوسرے صحتِ قیاس کو تسلیم کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ خود اس عبارت

---

(١) هندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٠١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧۔

(٢) **ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها.** (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل السادس: في الانتفاع بالأضحية، المجلس العلمي ٨/ ٤٧٠، رقم: ١٠٨٢٩)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: في الانتفاع بالأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ١٧/ ٤٤٠، رقم: ٢٧٧٥٧۔

وله أن يبيعها بالدراهم ليتصدق بها لا أن ينتفع بالدراهم أو ينفقها على نفسه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل السادس: في الانتفاع، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٩)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصدق على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، فلا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (البحرالرائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٧، كوئٹه ٨/ ١٧٨)

تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں استدلال کا جواب موجود ہے، حیث قال فإذا تمولته الخ پس اس سے کراہت بیع بقصد تمول کے ثابت ہوتی ہے، نہ کہ بیع بقصد التصدق بالثمن کی، باقی رہی یہ بات کہ حدیث کی تقیید کی کیا دلیل ہے، یہ سوال البتہ قابلِ توجہ ہے، سو اول بطور مقدمہ کے یہ سمجھ لینا چاہئے، کہ کسی نص کو کسی خاص محمل پر محمول کرنا جیسا کبھی کسی دلیل جزئی سمعی سے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی ذوق اجتہادی سے ہوتا ہے، جو مستفاد و متأید ہوتا ہے قواعد کلیہ شرعیہ سے، مثال اس کی حدیث صحیح ہے: لا يبولن أحدكم في الماء الراكد (۱)۔ مدلول لفظی حدیث کا یہ ہے کہ بول في الماء الراكد منہی عنہ ہو، اور إلقاء البول في الماء یا تغوط فی الماء منہی عنہ نہ ہو، چنانچہ بعض اہل ظاہر اس طرف گئے بھی ہیں لیکن مجتہدین نے باجمعہم اس کو معلل بالتنظیف سمجھ کر سب صورتوں کو عام کہا ہے (۲) اور ظاہر ہے کہ اس تعمیم کی کوئی دلیل جزئی نہیں، بجز ذوق

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ثم يغتسل منه. (أبو داؤد شريف، كتاب الطهارة، باب البول في الماء الراكد، النسخة الهندية ۱/ ۱۰، دارالسلام، رقم: ۶۹)

(۲) ذهب الحنفية والمالكية إلى كراهة قضاء الحاجة في الماء بولا أو غائطا، وذهب الحنفية إلى أن الكراهة تحريمية إن كان الماء راكدا لحديث جابرؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يبال في الماء الراكد، ولحديث أبي هريرةؓ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجرى ثم يغتسل فيه، وتكون الكراهة تنزيهية إن كان الماء جاريا؛ لحديث: نهى الرسول صلى الله عليه وسلم أن يبال في الماء الجاري، قال ابن عابدين: والمعنى فيه أنه يقذره، وربما أدى إلى تنجيسه، وأما الراكد القليل فيحرم البول فيه؛ لأنه ينجسه، ويتلف ماليته، ويغر غيره باستعماله، والتغوط في الماء أقبح من البول، وكذا إذا بال في إناء ثم صبه في الماء، أو بال بقرب النهر فجرى إليه فكله قبيح مذموم منهي عنه ...... وقال الشافعية والحنابلة: يكره البول في الماء الراكد قليلا كان أو كثيرا للحديث، وأما الجاري فقال جماعة من الشافعية: إن كان قليلا كره، وإن كان كثيرا لم يكره، قال النووي: وفيه نظر، وينبغي أن يحرم البول في القليل مطلقا؛ لأنه ينجسه ويتلفه على نفسه وغيره، وأما الجاري فلا يحرم ولكن الأولى اجتنابه ...... وفرق الحنابلة بين التبول في الماء والتغوط فيه، فرأوا كراهة الأولى وتحريم الثاني، ففي كشاف القناع: يكره بوله في ماء راكد أو قليل جاز ←

اجتہادی کے اور یہی معنی ہیں قول امام ترمذی کے ”**الفقهاء هم أعلم بمعاني الحديث**“ (۱) اور اس کو تمام علماء وائمہ نے معتبر اور معمول بہ رکھا ہے، جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اب سمجھئے کہ حدیث: ”**من باع الخ**“ (۲) کا ظاہر گو مطلق ہے مگر فقہاء نے اسی ذوق اجتہادی سے اس کو معلل سمجھا قصد تمول کے ساتھ وحیث **لاعلة فلا معلول** (۳)۔ پس کسی کو فقہاء سے اس میں مزاحمت نہیں پہنچتی اور جن قواعد سے یہ ذوق متأید ہوتا ہے یہ ہیں کہ کسی چیز کی بیع جو منہی عنہ ہوتی ہے، استقراء وتتبع سے اس کے تین سبب ہوتے ہیں، یا تو وہ شے محل بیع کا نہ ہو، جیسے بیع باطل، اور یا باوجود محل بیع ہونے کے کوئی مفسد صلبِ عقد میں داخل

← **ويحرم تغوطه في ماء قليل أو كثير، راكد أو جار؛ لأنه يقذره ويمنع الناس الانتفاع به.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ١٤)

شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، القول مرجح على الفعل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٥٥، كراچی ١/ ٣٤٢۔

(۱) ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل الميت، النسخة الهندية ١/ ١٩٣۔

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له.** (المستدرك للحاكم، كتاب التفسير، مكتبه نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة ٤/ ١٣٠٣، رقم: ٣٤٦٨)

(۳) **الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما.** (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١١٧، كراچی ٣/ ٣٩)

ويوضحه أنه بعد سد الرمق غير مضطر فزال الحكم بزوال علته؛ لأن القاعدة المقررة أن الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٩/ ٣٨٦)

من المسلّم لدى الفقهاء أن الحكم يدور مع العلة وجودا وعدما، فإن وجدت العلة ثبت الحكم، وإن انعدمت العلة انتفى الحكم. (المصباح في رسم المفتي، المبحث الأول بتغير العلة، مكتبه اتحاد ديوبند ص: ٤٩٥)

الحكم يدور مع العلة ولا يدور مع الحكمة. (حاشية الجلبي على تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل: في الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٩، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہو گیا ہو، جیسے بیع فاسد بالشرط الفاسد اور یا کوئی وجہ کراہت باوجود صلبِ عقد میں داخل نہ ہونے کے خارج سے مقارن ہوگئی ہو، جیسے بیع وقت اذان الجمعہ (۱)۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس بیع سے جو نہی فرمائی ہے ان اسباب ثلثہ میں سے یہاں کون سا سبب پایا جاتا ہے؟ اول تو یقیناً منتفی ہے کیوں کہ کسی شے کے محل بیع نہ ہونے کا سبب اس شے کا محل تملیک نہ ہونا ہے اس لئے جو محل بیع نہ ہوگی محل ہبہ بھی نہ ہوگی اور جلد اضحیہ محل ہبہ ہے تو محل بیع بھی ہے اور ثانی کا انتفاء مشاہد ہے، کیونکہ کلام اس صورت میں ہے جب کوئی شرط فاسد نہ ہو، پس ثالث متعین ہوگا، پس اب کوئی وجہ کراہت کی معلوم کرنا چاہئے، سو حدیث: ''**لاتعط الجزار منها شيئاً**'' (۲) سے تصرف بقصد تمول کا منہی عنہ ہونا صاف معلوم ہوتا ہے، پس یہ مرجح ہے، مانحن فیہ میں بھی اس کے مدار ہونے کا، پس حدیث من باع الخ کو اسی پر محمول کرلیا، اور چونکہ اشیاء مستہلکہ بھی دراہم کے مثل ہیں تو **قف الانتفاع على الاستهلاك** میں، اس میں بھی اس حکم کو متعدی کردیا، یا یہ کہ اس کو بھی لفظ بیع کے عموم میں داخل کرلیا، بخلاف بدل باقی کے، کہ اس میں عدم استہلاک فارق ہے، اور اس سے استبدال بقصد تمول نہیں ہے، بلکہ وصف بقاء میں وہ مثل عین جلد کے ہے، اس لئے اس سے استبدال کرنے کو، مثل بقاء عین جلد کے قرار دے کر جائز قرار دیا گیا، مگر جب اس کو بیچا جاوے گا پھر اس کے ثمن کا تصدق بھی واجب ہوگا، فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے (۳) البتہ جو اس نہی کو خلاف قیاس کہتے ہیں، ان پر یہ تقریر حجت نہ ہوگی۔ ان کو اس بیع کے باطل کہنے کی گنجائش ہے، مثل وقف کے۔ واللہ اعلم

۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۴)

---

(۱) هذا هو الحكم الأصلي للبيع، ولكن قد تعتريه أحكام أخرى، فيكون محظورا إذا اشتمل على ما هو ممنوع بالنص لأمر بالصيغة أو العاقدين أو المعقود عليه، وكما لا يحرم الإقدام على مثل هذا البيع، فإنه لا يقع صحيحا بل يكون فاسدا أو باطلا على الخلاف المعروف بين الجمهور والحنفية ...... وقد يكون الحكم الكراهة وهو ما فيه نهي غير جازم، ولا يجب فسخه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۸)

(۲) عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا. (مسلم شريف، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها، النسخة الهندية ۱/ ۴۲۳، بيت الأفكار رقم: ۱۳۱۷)

(۳) أو يشتري به أي بالجلد ما ينتفع به مع بقاءه كغربال ونحوه لا ما يستهلك ←

اس شخص کا محرف دین ہونا جو احادیث ضعیفہ سے استدلال کر کے گائے کا گوشت کھانے سے منع کرے

سوال (۲۲۹۰): قدیم ۳/ ۶۱۷ - (۱) دریں جائے شخصے برطرف ہندوان گرویدہ یک کتاب بنام قول رسول عرف گئو رکھیا تصنیف کردہ است ودران نوشتہ است کہ بقول پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوردن گوشت مادۂ گاؤ منع وناروا ست ودر حجت ایں حدیث آوردہ است **علیکم بألبان البقر**

← **كخل وشبهه، فإن بدل اللحم أو الجلد به يتصدق به لانتقال القربة إلى البدل.** (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤ / ١٧٤)

ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع به في البيت بعينه مع بقاءه استحسانا، وذلك مثل ما ذكرنا؛ لأن للبدل حكم المبدل إلى قوله- ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأنه القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

أو يبدله بما ينتفع به باقيا كما مر لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم، فإن بيع الجلد أو اللحم به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨)

(۱) خلاصہ ترجمہ سوال: ہمارے یہاں ایک شخص ہے جو ہندوؤں کا گرویدہ ہے، ایک کتاب بنام ”قول رسول عرف گئو رکھیا“ تصنیف کی ہے۔ اور اس میں لکھا ہے کہ بقول حضور علیہ الصلاۃ والسلام مادہ گائے کا گوشت کھانا ناجائز اور ممنوع ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے: ”**علیکم بألبان البقر وسمنانها، وإياكم ولحومها، فإن ألبانها وسمنانها دواء، ولحومها داء**“ اور جامع صغیر، مستدرک حاکم، کنز العمال، کنوز الحقائق اور حیوۃ الحیوان وغیرہ کی بھی احادیث بیان کی ہیں، جن کے الفاظ کم وبیش اسی طرح ہیں اور اس کتاب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث قولی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث فعلی ہے اور قولی حدیث فعلی حدیث سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اور دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ حدیث فعلی حدیث قولی کی وجہ سے منسوخ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ (۱) جس حدیث میں ”**إياكم ولحومها داء**“ جیسے الفاظ آئے ہیں وہ الفاظ حلت ذبح واکل کے لئے ناسخ ہیں یا نہیں؟ (۲) اور وہ احادیث جن میں ذبح واکل کا حکم ہے وہ بھی قولی ہیں یا نہیں؟ (۳) اور وہ حدیث جس میں ”**إياكم ولحومها داء**“ کا لفظ ہے وہ قرآن کے حکم کے موافق ہے یا نہیں؟ (۴) اور اس کتاب کا نام نہاد مصنف گائے کا گوشت کھانے سے منع کرتا ہے اور اس کے کھانے کو ناجائز سمجھتا ہے، اس کے سلسلہ میں شریعت کیا حکم ہے؟

وسمنانها، وإياكم ولحومها، فإن ألبانها وسمنانها دواء، ولحومها داء (۱)۔ ودیگر احادیث از جامع صغیر وعدی ومستدرک وکنز العمال وکنوز الحقائق وحیوٰۃ الحیوان وغیرہ نیز آوردہ است کہ الفاظ آن ہمان طورست کہ نوشتہ شدو درآن کتاب نوشتہ است کہ ایں حدیث قولی ست وحدیث جابر فعلی ست وقولی حدیث از فعلی اقوی است ودیگر نوشتہ است کہ حدیث فعلی بحدیث قولی منسوخ است اکنون عرض است کہ آن حدیث کہ دران این لفظ است کہ ''**إياكم ولحومها داء**'' ناسخ است مرحدیث ذبح واکل رایانہ؟ وآن احادیث کہ دراں حکم ذبح واکل ست ہم قولی اندیانہ وآن حدیث کہ دران لفظ ''**إياكم ولحومها داء**'' ست موافق حکم قرآن ست یانہ؟ وبرسازندہ آن کتاب از خوردن گوشت گاؤ منع کردہ است وخوردن گوشت گاؤ رانار وامی گوید شرعاً چہ حکم است۔

الجواب: (۲) ایں کس محرف دین است ونسخ فرع تعارض است (۳) وتعارض در حکمین شرعیین می باشد احادیث ایاکم الخ اولاً محتاج تصحیح وتحسین سنداست ثانیاً آں حکم شرعی نیست حکم طبی است پس جمیع اشکالات مرتفع شد خصوص بعد ارشاد حق تعالیٰ: ''**كلوا مما رزقكم الله -إلى قوله- ومن البقر اثنين**'' (۴) کہ اقویٰ از حدیث قولی ست۔ ۲۸/ جمادی الثانیہ ۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۷۷)

---

(۱) **عن عبدالله بن مسعودؓ عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: عليكم بألبان البقر وسمنانها، وإياكم ولحومها، فإن ألبانها وسمنانها دواء وشفاء، ولحومها داء.** (المستدرك للحاكم، كتاب الطب، مكتبه نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة ۸/ ۲۹۲۵، رقم: ۸۲۳۲)

(۲) **خلاصہ ترجمہ جواب:** یہ شخص محرف دین ہے اور نسخ تعارض کی فرع ہے، اور دوحکم شرعی کے درمیان تعارض تو ہوتا ہے؛ البتہ احادیث ''**إياكم الخ**'' اولاً تو سند کے اعتبار سے تصحیح وتحسین کی محتاج ہیں، ثانیاً یہ حکم شرعی نہیں حکم طبی ہے؛ لہٰذا تمام اشکالات دور ہوگئے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''**كلوا مما رزقكم الله -إلى قوله- ومن البقر اثنين الآية**'' کے بعد جو کہ حدیث قولی سے بھی زیادہ قوی ہے۔

(۳) **وفي الاصطلاح: النسخ هو ورود دليل شرعي متراخيا عن دليل شرعي مقتضيا خلاف حكمه، فهو تبديل بالنظر إلى علمنا، وبيان لمدة الحكم بالنظر إلى علم الله تعالىٰ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰ / ۲۵۶)

(۴) **وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِيْنٌ ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ -إلى قوله- وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ.** [سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۴۲-۱۴۴] شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال حرام سے خریدے گئے آلات سے کئے گئے شکار کا کھانا جائز ہے

سوال (۲۲۹۱): قدیم ۳/ ۶۱۸- ناجائز مال کے ہتھیار یا گولی سے شکار مارا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۱) لیکن گولی میں شرط یہ بھی ہے کہ اُس کو چھری سے ذبح کیا ہو(۲)۔

۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ

---

(۱) اس لئے کہ ناجائز مال سے خریدا ہوا ہتھیار یا گولی صرف شکار کو قابو میں کرنے کا ذریعہ ہے، اس میں اس کے اجزاء داخل نہیں ہوتے، نہ اس کا اثر اس میں منتقل ہوتا ہے۔

مستفاد: فلذا كان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائية فقد اختلف فيها على ما مر ومنشأ الخلاف مشاركتها للمائية في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن كان الأصح طهارتها لما مر من الدليل، ولشدة لطافتها واضمحلالها فليتأمل، فإنه بديع، وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف لكن المذكور في فتاوى قاضي خان، والخلاصة وغيرهما أن ذلک قياس والاستحسان أن لا يتنجس الثوب به، قال قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه الخ. (حلبي كبيري، الطهارة، فصل: في الآسار، الشرط الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۹۳)

إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماءه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتى الإمام أبوبكر محمد بن الفضل، وهو اختيار أستاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۴۴، رقم: ۱۱۴۶)

(۲) **عن عدي بن حاتم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أرسلت كلبک وسميت، فخالط كلابا أخرى فأخذته جميعا فلا تأكل، فإنک لا تدري أيهما أخذه، وإذا رميت فسميت فخزقت فكل، فإن لم يتخزق فلا تأكل، ولا تأكل من المعراض إلا ما ذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت.** (مسند أحمد بن حنبل بيروت ۴/ ۳۸۰، رقم: ۱۹۶۱۱) ←

....

← **عن ابن جريج قال: قال عطاء: إن رميت صيدا ببندقة وأدركت ذكاته فكله وإلا فلا تأكله.** (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك، باب الحجر والبندقة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٦٤، رقم: ٨٥٥٨)

عن عبيد الله بن عمر عن القاسم وسالم: أنهما كانا يكرهان البندقة إلا ما أدركت ذكاته. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد، باب البندقة والحجر يرمي به فيقتل ما قالوا في ذلك؟ مؤسسة علوم القرآن ١٠ / ٤٠٨ رقم: ٢٠٠٨٨)

وأخرج أيضا عن مجاهد قال: ما أصبت بالبندقة أو بالحجر فلا تأكل إلا أن تذكي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/ ٤٠٨ رقم: ٢٠٠٩٠-٢٠٠٩١)

وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص ما لم يدرك حيا، فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم ما مر عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رضّ وقذّ، وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولا يدري مات بالجرح أو الثقل كان حراما الخ. (تكمله فتح الملهم، كتاب الصيد و الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣ / ٤٩١)

ولا يؤكل ما أصابه البندقة فمات بها؛ لأنها تدق وتكسر ولا تجرح فصار كالمعراض. (هداية، كتاب الصيد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤ / ٥١١،)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٦٠، كراچی ٦/ ٤٧١ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

❁❁❁

فصل في الصّيد و العقيقة

کھر دار خرگوش کا حکم

سوال (۲۲۹۲): قدیم ۳/ ۶۱۸ - ہمارے اس دیار میں مشہور ہے کہ خرگوش وہی حلال ہے جس کے کُھر ہوں، اور یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایسے کھر دار خرگوش واقعی ہیں بھی گو ہمارے اس اطراف میں آج تک نظر میں کسی کے نہیں آیا، یہاں جو خرگوش پائے جاتے ہیں، اُن کے نیچے مثل بلّی کے پنجوں کے ہیں، دانت مثل چوہے کے دانتوں کے ہیں، ایسے خرگوش حلال ہیں یا کیا بالتفصیل بیان فرما کر ممنون فرماویں؟

الجواب: باوجود ’’حیوۃ الحیوان‘‘ وغیرہا میں تتبع کرنے کے اس تقسیم کرنے کا حکم مختلف نظر سے نہیں گذرا، اور یہ تقسیم ایسی ہوسکتی ہے جیسے مچھلی کی قسمیں مختلف ہیں، مگر ہر مچھلی حلال ہے اسی طرح اگر اس کی بھی مختلف قسمیں ہو تب بھی ہر قسم حلال ہوسکتی ہے (۱)۔

۳/ محرم ۱۳۵۰ھ (النور ص ۸ شعبان ۱۳۵۰ھ)

---

(۱) **عن هشام بن زيد قال: سمعت أنسا يقول: أنفجنا أرنبا بمر الظهران فسعى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خلفها فأدركتها فأخذتها، فأتيت بها أبا طلحة فذبحها بمروة فبعث معي بفخذها أو بوركها إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأكله، قال: قلت أكله؟ قال: قبله.** (ترمذي شريف، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في أكل الأرنب، النسخة الهندية ۲/ ۱، دارالسلام، رقم: ۱۷۸۹)

عن محمد بن صفوان أنه صاد أرنبين فلم يجد حديدة يذبحهما فذبحهما بمروة، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمره بأكلها. (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۴۷۱، رقم: ۱۵۹۶۵)

ابن ماجة شريف، كتاب الصيد، باب الأرنب، النسخة الهندية ص: ۲۳۳، دارالسلام رقم: ۳۲۴۴۔

في الحديثين دليل على حل الأرنب من غير كراهة. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب حل الأرنب، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۱۳، كراچی ۱۷/ ۱۹۳) ←

کتے کے ذریعہ کئے گئے شکار کی حلت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۲۹۳): قدیم ۳/ ۶۱۸- کتّے کا لب نجس ہے پھر کتّے کا پکڑا ہوا شکار جس کی نجاست بذریعہ دندان دورانِ خون کے ساتھ تمام گوشت میں سرایت کر جاتی ہے، کیونکر پاک ہوا، علاوہ ازیں یہ زہریلا جانور ہے جس کا زہر بوسیلہ دورانِ دم تمام گوشت میں پہنچ جاتا ہوگا تو اس کا پکڑا ہوا شکار کیونکر حلال ہوگا، حالانکہ زہر حرام ہے؟

الجواب: اگر شبہ کرنے والا مسلمان نہیں تب تو اس وجہ سے جواب لا حاصل ہے کہ کفار سے اصول میں گفتگو ہے، فروع میں کیوں تطویل کلام کی جاوے اور اگر وہ مسلمان ہے تو اس کو اتنا جواب کافی ہے کہ دلیل شرعی سے جو امر ثابت ہو ہم کو اس کی لِم کی تفتیش اور طبعیات ظنیہ بلکہ وہمیہ کے معارضات کا جواب وتطبیق ہم پر ضروری نہیں (۱) یہ جواب تو سائل صاحب کے لئے ہے باقی میں آپ کا انتظار رفع

← **ولا بأس بأكل الأرنب؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم أكل منه حين أهدي إليه مشويا وأمر أصحابه رضي الله عنهم بالأكل منه؛ ولأنه ليس من السباع ولا من أكلة الجيف فأشبه الظبي.** (هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤١)

وحل العقيق وغراب الزرع والأرنب؛ لأنه عليه السلام أمر أصحابه أن يأكلوه حين أهدي إليه مشويا. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٢)

وحل غراب الزرع الذي يأكل الحب والأرنب والعقيق. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٦، كراچى ٦/ ٣٠٧)

(۱) **يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ.** [سورة المائدة، رقم الآية: ٤]

عن عدي بن حاتم قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم، قلت: إنا قوم نصيد بهذه الكلاب، فقال: إذا أرسلت كلابك المعلمة وذكرت اسم الله عليها، فكل مما أمسكن عليك، وإن قتلن إلا أن يأكل الكلب، فإن أكل فلا تأكل، فإني أخاف أن يكون إنما أمسك على نفسه، وإن خالطها كلاب من غيرها فلا تأكل. (مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، النسخة الهندية ٢/ ١٤٥، بيت الأفكار رقم: ١٩٢٩) ←

کرنے کے لئے ایک جواب لکھتا ہوں، وہ یہ کہ اس تعلیل میں تامل ہے، کیونکہ یہی دلیل سانپ بچھو کے اور بورانی کتے وغیرہ کے کاٹنے میں بھی جاری ہے حالانکہ مدعیٰ مختلف ہے نیز اس دلیل سے لازم ہے کہ اس وقت تمام افعال طبّیہ معطل ہوجائیں اور تمام جسم کا انتظام درہم برہم مجرد عض کلب موت طاری ہوجاوے حالانکہ یہ خلاف مشاہد ہے۔

(نوٹ) یہ عبارت یعنی لفظ ''اس تعلیل میں،، سے آخر جواب تک تصحیح الاغلاط سے لکھی گئی ہے۔

(امداد، ج ۱، ص ۳)

بندوق کے شکار کا شرعی حکم

سوال (۲۲۹۴): قدیم ۳/ ۶۱۹- بندوق سے شکار کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے، لیکن بدون ذبح کے شکار حلال نہ ہوگا۔ **لأنه يقتل بالثقل لا بالحد** (۱)۔

یکم محرم یوم الثلثاء ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابع ص ۵۹)

← بخاري شريف، كتاب الذبائح والصيد، باب ما جاء في التصيد، النسخة الهندية ۲/ ۸۲٤، رقم: ۵۲۷۳، ف: ۵٤۸۷۔

ابن ماجة شريف، أبواب الصيد، باب صيد الكلب، النسخة الهندية، ص: ۲۳۱، دارالسلام، رقم: ۳۲۰۸۔

نسائي شريف، كتاب الصيد والذبائح، صيد الكلب المعلم، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۱، دار السلام، رقم: ٤۲۷۰۔

(۱) بندوق سے شکار کردہ جانور اگر زندہ مل جائے تو اس کا ذبح کرنا لازم ہے اور ذبح کے بعد حلال ہوگا۔ اور اگر بندوق سے بسم اللہ پڑھ کر شکار کیا جائے اور ذبح سے قبل مرجائے تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا وہ موقوذہ کے حکم میں ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ وہ دھاردار آلہ کی طرح زخم کرکے خون نہیں نکالتا؛ بلکہ گولی چلائی ہوئی پار کرجاتی ہے اور عام طور پر گولی کی جگہ سے خون بھی بہتا ہوا نہیں نکلتا، روایات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) **عن عدي بن حاتم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أرسلت كلبك وسميت، فخالط كلابا أخرى فأخذته جميعا فلا تأكل، فإنك لا تدري أيهما أخذه، وإذا رميت فسميت فخزقت فكل، فإن لم يتخزق فلا تأكل، ولا تأكل من المعراض إلا ما ذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت.** (مسند أحمد بن حنبل بيروت ٤/ ۳۸۰، رقم: ۱۹٦۱۱) ←

ایضاً

سوال (۲۲۹۵): قدیم ۳/ ۶۱۹ - معمولی مروجہ بندوق یعنی چھرّہ وگولی سے شکار

(۲) عن زيد بن أسلم عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقول في المقتولة بالبندقة: تلک الموقوذة الحديث. (السنن الكبرى، كتاب الصيد و الذبائح، مكتبه دارالفكر ١٤/ ١٤٥، رقم: ١٩٤٦٩)

بخاري شريف، كتاب الذبائح والصيد تحت الترجمة، باب ٢، ١/ ٨٢٣، تغليق التعليق ٤/ ٥٠٠ـ

(۳) عن نافع ابن عمر أنه كان لا يأكل ما أصابت البندقة والحجر والمعراض. الحديث (مصنف ابن أبي شيبة، تحقيق شيخ عوامه، موسسة علوم القرآن، كتاب الصيد ١٠/ ٤٠٧، رقم: ٢٠٠٨٥، ٢٠٠٨٧)

(۴) عن ابن جريج قال: قال عطاء: إن رميت صيدا ببندقة وأدركت ذكاته فكله وإلا فلا تأكله. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك، باب الحجر والبندقة، مكتبه عباس باز ٤/ ٣٦٤، رقم: ٨٥٥٨)

(۵) عن عبيد الله بن عمر عن القاسم وسالم: أنهما كانا يكرهان البندقة إلا ما أدركت ذكاته. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد، باب البندقة والحجر يرمي به فيقتل ما قالوا في ذلك؟ مؤسسة علوم القرآن ١٠/ ٤٠٨ رقم: ٢٠٠٨٨)

(۶) عن مجاهد قال: ما أصبت بالبندقة أو بالحجر فلا تأكل إلا أن تذكي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/ ٤٠٨ رقم: ٢٠٠٩١)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: **ولا يحل صيد البندقة والحجر والمعراض والعصا وما أشبه ذلک، وإن جرح الخ.** (تاتارخانية، كتاب الصيد ١٨/ ٤٧٥، رقم: ٢٩٦٤١)

هكذا في الخانية على الهندية، كتاب الصيد والذبائح ٣/ ٣٦٠ـ

ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر میں ہے: **ويحرم ما قتله المعراض بعرضه أو البندقة ولم يجرحه الخ** (ملتقى الأبحر، كتاب الصيد، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٦٣)

البحرالرائق میں ہے: **وما قتله المعراض بعرضه أو البندقة حرم (كنز الدقائق) وتحته في البحر: ولأن الجرح لابد منه لما بينا من قيل والبندقة لا تجرح الخ.** (البحرالرائق، كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٢٢، مكتبه كوئٹه ٨/ ٢٢٩)

شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کرتے ہیں، تسمیہ پڑھ کر شکار کرے، اور ذبح کی مہلت نہ ملے، تو ذبیحہ جائز ہے یا نہیں، یا شق ہونے والی گولی سے شکار مع تسمیہ کے کئے جانے سے شکار بغیر ذبح کئے ہوئے جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس گولی کے ٹکڑے دھار دار ہوتے ہیں وہ جا کر لگتے ہیں، مگر اندر گولی جا کر پھٹتی ہے، کیونکہ جب کسی چیز سے مس ہوتی ہے تب پھٹتی ہے، بینوا توجروا؟

الجواب: لیکن فعل اس گولی کا پھٹنے پر موقوف نہیں، اگر نہ بھی پھٹتی تب بھی قاتل ہوتی، اس لئے اس دھار کی طرف زہوق روح کو منسوب نہ کریں گے، لہٰذا اس کا شکار بدون ذبح حلال نہ ہوگا (۱)۔

۲ رشوال ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۳۰)

---

(۱) عن عدي بن حاتم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أرسلت كلبك وسميت، فخالط كلابا أخرى فأخذته جميعا فلا تأكل، فإنك لا تدري أيهما أخذه، وإذا رميت فسميت فخزقت فكل، فإن لم يتخزق فلا تأكل، ولا تأكل من المعراض إلا ما ذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت. (مسند أحمد بن حنبل بيروت ٤/ ٣٨٠، رقم: ١٩٦١١)

عن ابن جريج قال: قال عطاء: إن رميت صيدا ببندقة وأدركت ذكاته فكله وإلا فلا تأكله. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك، باب الحجر والبندقة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٦٤، رقم: ٨٥٥٨)

وأخرج ابن أبي شيبة عن عبيد الله بن عمر عن القاسم وسالم: أنهما كانا يكرهان البندقة إلا ما أدركت ذكاته.

وأخرج أيضا عن إبراهيم قال: لا تأكل ما أصبت بالبندقة إلا أن تذكي.

وأخرج أيضا عن مجاهد قال: ما أصبت بالبندقة أو بالحجر فلا تأكل إلا أن تذكي.
(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/ ٤٠٨ رقم: ٢٠٠٨٨، ٢٠٠٩٠، ٢٠٠٩١)

وقال ابن عمر رضي الله عنهما في المقتولة بالبندقة: تلك الموقوذة. (بخاري شريف، كتاب الذبائح والصيد، باب صيد المعراض، النسخة الهندية ٢/ ٨٢٣)

السنن الكبرى، كتاب الصيد و الذبائح، مكتبه دارالفكر ١٤/ ١٤٥، رقم: ١٩٤٦٩۔

وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص ما لم يدرك حيا، فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم ما مر عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص ←

عقیقہ کی کھال سے فائدہ اٹھانے کا حکم

سوال (۲۲۹۶): قدیم ۳/ ۶۱۹ - عقیقہ کی کھال سے بھی مثل قربانی کے عقیقہ کرنے والا خود منتفع ہوسکتا ہے، کہ کوئی چیز بنوا کر اپنے کام میں لاوے یا نہیں، اور بعد فروخت کرنے کے قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ شرائط واجبہ فی الاضحیہ عقیقہ میں محض مستحب ہیں، اس لئے تصدق بالقیمت بھی مستحب ہوگا (۱) اور انتفاع بالجلد کے جواز میں کوئی شبہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۱۱۲)

← **رض وقذ، وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشک ولا يدري مات بالجرح أو الثقل كان حراما الخ.** (تکمله فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ٤۹۱)

ولا يؤكل ما أصابه البندقة فمات بها؛ لأنها تدق وتكسر ولا تجرح فصار كالمعراض. (هداية، كتاب الصيد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٥۱۱،)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ٦۰، كراچی ٦/ ٤۷۱۔

(۱) ''امداد المفتیین'' ص: ۹۶۸۔ اور ''عزیز الفتاوی'' ص: ۷۱۰ میں عقیقیہ کی کھال فروخت ہونے کے بعد قربانی کی کھال کی طرح اس کا تصدق واجب لکھا ہے اور انہیں دونوں کتابوں کے حوالہ سے ''فتاوی قاسمیہ'' ۲۲/ ۵۱۸ میں واجب التصدق لکھا ہے، مگر حضرتؒ نے مستحب تحریر فرمایا ہے اور حنفیہ کی کسی کتاب میں اس کا کوئی جزئیہ دستیاب نہ ہوسکا؛ البتہ مشہور حنبلی فقیہ علامہ موفق الدین بن قدامہ کی کتاب المغنی میں حضرت کی تائید میں ایک عبارت مل گئی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

والعقيقة شرعت عند سرور حادث وتجدد نعمة فأشبهت الذبيحة في الوليمة، ولأن الذبيحة ههنا لم تخرج عن ملكه فكان له أن يفعل بها ما شاء من بيع وغيره، والصدقة بثمن ما بيع منها بمنزلة الصدقة به في فضلها وثوابها، وحصول النفع به فكان له ذلک. (المغني لابن قدامة، آخر كتاب الأضاحي، فصل قال أحمد: يباع الجلد والرأس والسقط ويتصدق به، دارالكتب ۱۳/ ٤۰۱، رقم المسألة: ۱۷۷۳، دارالفكر بيروت ۹/ ۳٦٦، رقم المسألة: ۷۹۰۳)

(۲) **يصنع بالعقيقة ما يصنع بالأضحية.** (إعلاء السنن، الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱٤۰) ←

ایضاً

سوال (۲۲۹۷): قدیم ۳/ ۶۱۹ - عقیقہ کی کھال کی قیمت کا مصرف کیا ہے اور وہ کھال یا پوست قربانی بعینہٖ غنی یا بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں؟

الجواب: بعینہٖ غنی و بنی ہاشم کو دینا درست ہے(۱)۔ ۱۴؍ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۸)

← **وبالجملة فهي (العقيقة) كالأضحية في أكثر الأحكام عندهم (الفقهاء).** (إعلاء السنن، الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٣٠)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال ونحوها؛ لأن الانتفاع به غير محرم. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو؛ لأن الانتفاع به ليس بحرام. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨ـ

(۱) فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ عقیقہ کے جانور کی کھال کا حکم وہی ہے جو قربانی کی کھال کا ہے اور اس بات کی تصریح بھی کی ہے کہ گوشت اور کھال دونوں کا ایک حکم ہے۔ اور گوشت غنی وفقیر، بنی ہاشم وغیرہ سب کو دینا درست ہے؛ لہٰذا کھال بھی غنی وفقیر اور بنی ہاشم وغیرہ سب کو دینا درست ہوگا۔

يصنع بالعقيقة ما يصنع بالأضحية. وعن عطاء قال: يأكل أهل العقيقة ويهدونها أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلک زعموا، وإن شاء تصدق. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٤٠)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٠)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: في بيان محل إقامة والواجب الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٠٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦)

ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ماشاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي، ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية، كوئٹه ٤/ ١٦٦) ←

عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنے کا حکم

سوال (۲۲۹۸): قدیم ۳/ ۶۲۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عقیقہ میں ہڈی توڑنا درست ہے یا نہیں، اور اوجھڑی کس کو دی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہڈی توڑنا جانور عقیقہ کی درست ہے۔ **وفي رد المحتار: وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيا أو طبخت بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا** اھ. ج۵ص۲۱۳(۱)۔

اوجھڑی کا کوئی مصرف نہیں جس کو چاہے دے جیسا قربانی میں اختیار ہے فی اشعۃ اللمعات وہر چہ دراضحیہ معتبرست از شرائط واحکام درعقیقہ نیز معتبرست۔ ج۳ص۳۹۵(۲)۔ واللہ اعلم (امداد ج۲ص۱۱۸)

← **وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير، مسلم أو كافر.** (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب بيع جلد الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٨٤، كراچی ١٧/ ٢٥٨)

وقيد بالزكوة لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٧، كوئٹه ٢/ ٢٤٥)

(١) شامي، كتاب الأضحية، قبيل كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٨٥، كراچی ٦/ ٣٣٦۔

وفيه أيضا: يستحب أن تفصل أعضاء ها ولا يكسر شيء من عظامها، فإن كسر فهو خلاف الأولى. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٣٤، كراچی ١٧/ ١٢١)

ولا يكسر عظمها وإن كسر لم يكره. (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح، مصري ٢/ ٢٣٣)

استحب أن لا يكسر عظامها تفاؤلا بسلامة أعضاء المولود وصحتها وقوتها. (تحفة المودود بأحكام المولود، الباب السادس في العقيقة وأحكامها، الفصل الثالث عشر، دارالكتب العلمية ص: ٦٢)

(٢) أشعة اللمعات في شرح المشكوة، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، مكتبه نوريه رضويه پاكستان ٣/ ٤٨٠۔ ←

گائے کے عقیقہ کا حکم

سوال (۲۲۹۹): قدیم ۳/ ۶۲۰ - گذارش ہے کہ جناب شاہ صاحب ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ عقیقہ گائے کا بھی درست ہے یہ بات اور کبھی کسی عالم نے نہیں کہی، اب عرض کرتا ہوں، اگر لڑکا پیدا ہووے تو دو بکری ذبح نہ کرے ایک گائے ذبح کرے تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں، تحریر فرما کر تسلی فرماویں، اور یہ بھی عرض کرنا ہے کہ عقیقہ میں بکری ذبح اور گائے ذبح میں سے کون افضل ہے؟

الجواب: (۱) گائے کا عقیقہ آثار میں تو منقول دیکھا نہیں گیا، البتہ فقہاء نے گائے میں عقیقہ کا حصہ لینے کو لکھا ہے تو اس کے جواز کا قائل ہونا بھی ضروری ہے، کہ گائے کا حصہ بدل ہے شاۃ کا لیکن پوری گائے سے عقیقہ کرنا اس سے فقہاء نے بھی تعرض نہیں کیا، مگر قواعد سے ایسا ہے جیسی سات بکریوں سے عقیقہ کرنا جو ظاہراً سنت سے تجاوز ہے جیسے ظہر کی پانچ رکعت پڑھنا، بہتر یہ ہے کہ اور کسی عالم سے بھی تحقیق کرلیا جاوے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۵)

ایضاً

سوال (۲۳۰۰): قدیم ۳/ ۶۲۰ - (حضور کے فتاوی امداد الفتاویٰ ص ۲۳۵ حصہ خامسہ عقیقہ میں گائے ذبح کرنے کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے اس کی بابت گذارش ہے کہ معجم طبرانی صغیر ص ۴۵ میں حدیث ذیل مذکور ہے۔

حدثنا إبراهيم بن أحمد بن مروان الواسطي، ثنا عبد الملك بن معروف الخياط الواسطي، ثنا مسعدة بن اليسع عن حريث بن السائب عن الحسن عن أنس بن مالك

← **يصنع بالعقيقة ما يصنع بالأضحية. وعن عطاء قال: يأكل أهل العقيقة ويهدونها.** (إعلاء السنن، الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱۴۰، کراچی ۱۷/ ۱۲۷)

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس جواب سے رجوع فرمالیا ہے، جیسا کہ آگے سوال نمبر: ۲۳۰۰ و ۲۳۰۱ کے ذیل میں آرہا ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم (۱)۔

حدیث کے بعض رواۃ مجروح ہیں، لیکن طبرانی اس کی تخریج میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ ابو الشیخ نے بھی اس کو روایت کیا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی اسناد کے رجال کون لوگ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ہے۔ (**كما يظهر من مقدمة الفتح**) اس کے علاوہ ابن حجر نے جمہور کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ ذبح بقر عقیقہ میں جائز ہے (۲)۔ فتح الباری مصری باب العقیقہ ج: ۹۔

الجواب: میں نے اپنے جواب کی عبارت دیکھی اس میں حکم عدم جواز جزماً کے عنوان سے نہیں ہے، بلکہ سنت کے تجاوز ہونے کے عنوان سے ہے، جو جواز مع الکراہت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، اور تشبیہ خمس رکعات کے ساتھ نفس تجاوز میں ہے، نہ کہ عدم جواز میں، پھر اس میں بھی ظاہراً کی قید ہے، پھر اس کے قواعد ظنیہ پر اور عدم نقل پر مبنی ہونے کی تصریح ہے، نیز دوسرے علماء سے مراجعت کے مشورہ کی بھی تصریح ہے، ان تصریحات کے بعد عبارت مذکورہ سوال کا ان تصریحات کے خلاف کے لئے موہم ہونا ظاہر ہے، سوال کی عبارت یوں مناسب تھی کہ جواب میں تردد فی الکراہتہ کی بناء عدم روایت نقل معلوم ہوتی ہے، ایک نقل نظر سے گذری ہے، اگر یہ رفع تردد کے لئے کافی ہو غور کر لیا جاوے، اب سوال کو اسی طرح فرض کر کے جواب دیتا ہوں، کہ واقعی تردد مذکور کی بناء عدم روایت نقل ہے اور اسی ضرورت سے قواعد سے استنباط کیا گیا، اب اس نقل کے بعد تردد سے پوری گائے یا اونٹ کے ذبح کے جواز بلا کراہت کے جزم کی طرف رجوع کرتا ہوں، جیسا ظاہر روایت مذکوہ سوال سے متبادر ہے (۱) گو یہ احتمال اب بھی باقی ہے کہ من

---

(۱) مجمع الزوائد، كتاب الصيد، باب العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٨۔

(۲) **والجمهور على إجزاء الإبل والبقر أيضا، وفيه حديث عند الطبراني وأبي الشيخ عن أنس رفعه، يعق عنه من الإبل والبقر والغنم.** (فتح الباري، كتاب العتقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٩/ ٧٤٠، دار الريان للتراث ٩/ ٥٠٧، تحت رقم الحديث: ٥٤٧٢)

(۳) **عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم.** (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٢٨) ←

تبعیضیہ ہو اور غنم سے تعلق من کا تغلیباً ہو اور مکمل غنم کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہو، مگر چونکہ کوئی قول اس کے مساعد منقول نہیں ہے اس لئے یہ احتمال مضر نہیں۔ واللہ اعلم

۴؍ربیع الاول ۱۳۴۹ھ (النور ص ۵ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ)

عقیقہ میں گائے اور اونٹ ذبح کرنے کی دلیل

سوال (۲۳۰۱): قدیم ۳/۶۲۱ - تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ ص ۲۳۵۔ گائے کا عقیقہ آثار میں تو منقول دیکھا نہیں گیا الخ۔ مولوی حمید اللہ غیر مقلد اپنے رسالہ ''خطبات التوحید'' کے صفحہ ۱۳۶ میں یوں لکھ رہے ہیں: ''اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث میں مرفوعاً یوں بھی ہے کہ عقیقہ میں اونٹ یا گائے وغیرہ بھی ذبح کرنا درست ہے''۔ نیل الاوطار جلد ۴ ص ۳۷۴۔ میرے پاس نیل الاوطار نہیں ہے اور نہ کہیں سے مل سکی۔

الجواب: نیل الاوطار کتاب العقیقہ کے فائدہ مذکورہ اخیر میں اس باب میں ایک اختلاف نقل کر کے کہا ہے: **والجمهور على إجزاء البقر والغنم، ويدل عليه ماعند الطبراني وأبى الشيخ من حديث أنس مرفوعاً بلفظ: يعق عنه من الإبل والبقر والغنم** اھ(۱)۔

اس کے بعد اس میں اختلاف نقل کیا ہے، کہ گائے، اونٹ کامل شرط ہے، قالہ احمد یا اشتراک سبعہ یا عشرہ کا بھی جائز ہے، لیکن حدیث کی سند کی تحقیق نہیں کی گئی، مگر بعض مجتہدین کی تلقی بالقبول ثبوت حدیث کا کافی قرینہ ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔ پس میرا قول کہ آثار میں منقول نہیں دیکھا گیا، مرجوع عنہ ہے۔

۱۸؍رمضان ۵۵ھ (النور ص ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ)

← **والجمهور على إجزاء الإبل والبقر، ويدل عليه ما عند الطبراني وأبي الشيخ من حديث أنس مرفوعا بلفظ: يعق عنه من الإبل والبقر والغنم، ونص أحمد على أنها تشترط بدنة أو بقرة كاملة، وذكر الرافعي: أنه يجوز اشتراك سبعة في الإبل والبقر كما في الأضحية.** (نيل الأوطار، كتاب العقيقة، وسنة الولادة، دارالحديث القاهرة ٥/ ١٤٥، بيت الأفكار الدولية ص: ٩٧١)

(۱) نيل الأوطار، كتاب العقيقة وسنة الولادة، دارالحديث قاهره ٥/ ١٤٥، بيت الأفكار الدولية ص: ٩٧١-

(۲) **عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له** ←

مالک ہونے کے بعد مچھلی لینے دینے کا حکم

سوال (۲۳۰۲): قدیم ۳/ ۶۲۲ - تالاب کا پانی چند شخصوں نے مول لیا، اس میں مچھلی نکلی سبھوں نے تقسیم کرلیا، اگر کوئی شخص اپنے حصہ میں سے کسی کو مچھلی بھیج دے، تو اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: جائز ہے کیوں کہ قبضہ کرنے سے مِلک ہوگئی (۱)۔

← **غلام فليعق عنه من الإبل والبقر والغنم. رواه الطبراني في الصغير.** (مجمع الزوائد، كتاب الصيد، باب العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٨)

والجمهور على إجزاء الإبل والبقر أيضا، وفيه حديث عند الطبراني وأبي الشيخ عن أنس رفعه يعق عنه من الإبل والبقر والغنم، ونص أحمد على اشتراط كاملة، وذكر الرافعي: بحثا أنها تتأدى بالسبع كما فى الأضحية. (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصغير في العقيقة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٩/ ٧٤٠، دار الريان للتراث ٩/ ٥٠٧، تحت رقم الحديث: ٥٤٧٢)

إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٢٨-١٢٩۔

(۱) **وفسد بيع سمک لم يصد لو بالعرض إلا باطل لعدم الملک (درمختار) وفي الشامية: قوله (فسد بيع سمک الخ) ظاهره أن الفاسد بيع السمک وأنه يملک بالقبض.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٨، كراچی ٥/ ٦٠)

ولا يجوز بيع السمک قبل أن يصطاد؛ لأنه باع ما لا يملكه، ولا في حظيرة إذا كان لا يؤخذ إلا بصيد؛ لأنه غير مقدور التسليم. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٥١)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٨٠۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، مكتبه رشيديه دهلي ١/ ٧) ←

البتہ پکڑنے سے دوسروں کو روکنا جائز نہ تھا(۱)۔ ۵ ارذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد، جلد۲، صفحہ ۱۸۵)

عقیقہ میں مقررہ تعداد سے زائد جانور کرنے کا حکم

سوال (۲۳۰۳): قدیم ۳/ ۶۲۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں ایک یا دوگائے یا زیادہ ذبح کرنا کیسا ہے؟

الجواب: کہیں جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا لیکن قواعد سے یہ زیادت غیر مشروع معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ زیادت منصوص تو ہے نہیں اور قیاس سے دو وجہ سے جائز نہیں کہہ سکتے ایک تو اس لئے کہ ہم لوگ قیاس کے اہل نہیں، دوسرے اس لئے کہ اراقت دم قربت غیر معقولہ ہے اور غیر معقول محل قیاس نہیں (۲)۔

۲۱ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۱۹)

← **يتصرف المالك في ملكه كيف شاء.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

(۱) **المال المباح هو كل ما خلقه الله لينتفع به الناس على وجه معتاد، وليس في حيازة أحد مع إمكان حيازته، ولكل إنسان حق تملكه، سواء أكان حيوانا أم نباتا أم جمادا، والدليل على ذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم: من سبق إلى ما لم يسبقه إليه مسلم فهو له.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١/ ١٣١)

المباح: هو المال الذي لم يدخل في ملك شخص معين ولم يوجد مانع شرعي من تملكه، كالماء في منبعه، والكلأ والحطب والشجر في البراري، وصيد البر والبحر الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثاني: النظريات الفقهية، الفصل الثالث: المطلب الخامس، هدى انٹر نيشنل ديوبند ١٠/ ٧٥)

(۲) حضرتؒ نے فرمایا کہ اراقت دم قربت غیر معقولہ ہے اور قربت غیر معقولہ محل قیاس نہیں؛ اس لئے عدم جواز کی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے؛ لیکن ''اعلاء السنن'' کی بعض عبارات سے جواز کی بات مستفاد ہوتی ہے؛ اس لئے کہ عقیقہ اکثر احکام میں قربانی کی طرح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل والبقر والغنم. رواه الطبراني في الصغير. (مجمع الزوائد، كتاب الصيد، باب العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٨) ←

....

← **وفي قوله: ''من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم“ دليل على جواز العقيقة ببقرة كاملة، أو ببدنة كذلک، ونص أحمد على اشتراط كاملة كما في فتح الباري (۹/ ۵۱۲) وذكر الرافعيّ بحثا أنها تتأدى بالسبع كما في الأضحية، وسياتي، وبالجملة فهي كالأضحية في أكثر الأحكام عندهم، فيجوز الزيادة على الشاتين في الذكر وعلى شاة في الأنثى، ويستحب أن يجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، فخصوص عدد الأنثيين والواحد ليس بمراد.** (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱۳۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

❍❖❍

۳۵/ کتَابُ الحظر وَالإبَاحَة

۱/باب: جائز وناجائز،مکروہ ومستحب کاموں کا بیان نماز،تسبیح،ذکرودعاوغیرہ کے احکام

اصل خط مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی

شب برأت کے اعمال واحکام

سوال (۲۳۰۴): قدیم ۴/۱۸- ہمارے قصبہ میں قدیم سے عوام کو یہ بتلایا گیا ہے کہ سوئم، چہلم،ششماہی، برسی، جمعرات،عیدین،شبِ براءت میں ایصال ثواب کی تخصیص بدعات سے ہے،آپ نے اثنائے خطبہ میں ایسی تقریر فرمائی جس سے عوام میں یہ مشہور ہوگیا کہ ایصال ثواب شبِ براءت میں مستحب ہے، چنانچہ بہت لوگوں نے اس قسم کا چرچا کیا کہ مولانا نے آتش بازی کو منع فرمایا، ایصال ثواب کو منع نہیں فرمایا۔ ہمارے ملک میں یہ ایصال بطور رسم جاری ہے، آپ نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استدلال فرمایا تھا۔

عن عائشةؓ قالت: فقدت رسول الله ﷺ ليلة فخرجت فإذا هو بالبقيع، فقال: أكنت تخافين أن يحيف الله عليک و رسوله؟ قلت: يا رسول الله! ظننت أنک أتيت بعض نساءک، فقال: إن الله تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. رواه الترمذي، وقال: سمعت محمداً يعني البخاري يضعف هٰذا الحديث. انتهٰى (۱)۔

---

(۱) ترمذي شريف، كتاب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۷۳۹۔

ابن ماجة شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ص: ۹۹، دارالسلام رقم: ۱۳۸۹۔

اس حدیث میں دعائے اموات کی تخصیص نہیں؛ کیونکہ لفظ حدیث یہ ہے کہ: **خرجت اتبع إثره فإذا هو ساجد با لبقيع، فأطال السجود حتى ظننت أنه قبض فلما سلم التفت إليّ الخ (۱)**۔

اس روایت سے نماز پڑھنا بقیع میں ثابت ہوا؛ بلکہ احادیث سے دعائے عام امت مستفاد ہوتی ہے؛ کیونکہ فرمایا: **إن الله ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيعفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب.** یعنی اس وقت نکلنے اور صلوٰۃ ودعاء کی یہ وجہ ہوئی کہ اس رات میں نزول رحمت ومغفرت ہے، پس اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے دعا کرنے آیا ہوں۔ **خروج إلى البقيع** سے دعائے اموات بالتخصیص ثابت نہیں ہوسکتی؛ اس لئے کہ **خروج إلى البقيع** آپ کی عادت مستمرہ تھی، خاص اسی رات میں واقع نہیں ہوا۔ (صحیح مسلم میں ہے):

عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله ﷺ كلما كان ليلتها من رسول الله ﷺ يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين (۲)۔

ملاّ علیؒ فرماتے ہیں: **أي كان من عادته أنه إذا بات عندها أن يخرج (۳)**۔ پھر دعا کی حقیقت اور ہے اور ایصالِ ثواب کی اور، ایصال ثواب اپنے عمل کا ثواب میت کو پہنچانا ہے، اور دعائے میت خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہے۔ دعا کے ثبوت سے استحباب ایصال ثواب ثابت نہیں ہوسکتا، اگر یہی استلزام ہے تو حدیث ابوداؤد میں وارد ہے کہ آپ نے بعد دفن جنازہ فرمایا: **استغفروا لأخيكم واسئلوا له التثبيت فإنه الآن يسأل (۴)**۔ تو قبر پر کھانا کھلانا مستحب ہوجاوے؛ حالانکہ بالاتفاق بدعت ہے،

---

(۱) مرقاۃ، كتاب الصوم، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۱۹۰۔

(۲) مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبول والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۳، بيت الأفكار رقم: ۹۷٤۔

(۳) مرقاة، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ۱۱۵۔

(۴) **عن عثمان بن عفان قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل.** (أبو داؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، النسخة الهندية ۲/ ٤۵۹، دارالسلام رقم: ۳۲۲۱)

مع ہذا استحباب از جملۂ ماموراتِ شرعیہ ہے اس کے اثبات کے لئے کم از کم حدیث حسن کی ضرورت ہے اور حدیث ترمذی جس کو مستدل بنایا ہے ضعیف ہے۔ امام بخاری سے اس کی تضعیف سنن ترمذی میں منقول ہے، اگر بایں ہمہ تسلیم بھی کرلیا جاوے تب بھی یہ استدلال واجب الترک ہے؛ کیونکہ جمعرات وشب برأت وغیرہ میں ایصالِ ثواب ہمارے ملک کی رسوم سے ہے، اور فقہاء نے اپنے زمانہ کی مرسومہ ایصالات کو منع فرمایا ہے۔ بزازیہ میں ہے: **یکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث و بعد الأسبوع انتھیٰ** (۱). صاحب بزازیہ کے زمانہ کی رسم وعادت یہی تھی کہ پہلے دن اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کے میّت کے لئے ایصال ثواب کرتے تھے؛ اس لئے انہوں نے ان ایام کی تخصیص کرکے ایصال ثواب کو ممنوع بتلایا ہے۔ اور شارح منہاج نے بھی ایام مخصوصہ کی ضیافت کو مکروہ لکھا ہے اور نیز فقہاء کے کلیہ کے خلاف ہے کہ: **المطلق یجري علیٰ إطلاقه** (۲)۔ اور تقیید ایام مخصوصہ سے ابطال اطلاق لازم آتا ہے۔ صاحب براہین قاطعہ لکھتے ہے: **الغرض استدلال مانع بدعت کا تو اس روایت منہاج سے یہ تھا کہ ایام** مخصوصہ کی ضیافت کو بدعت ممنوعہ لکھا ہے، سواگر یہ طعام بوجہ رسم کے ہے تو ایک وجہ بدعت کی رسم ہوئی، اور یہ چہلم ہمارے ملک میں رسم میں ہوتا ہے، ثواب مقصود نہیں۔

---

(۱) بزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلاة، قبیل الفصل السادس والعشرون في حکم المسجد، قدیم زکریا دیوبند ٤/ ٨١، جدید زکریا دیوبند ١/ ٥٤۔

شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت، مکتبه زکریا دیوبند ٣/ ١٤٨، کراچی ٢/ ٢٤٠۔

حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دارالکتاب دیوبند ص: ٦١٧۔

(۲) قواعد الفقه، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ١٢٤، رقم القاعدة: ٣٣١۔

الأصل في اللفظ المطلق أن یجري علی إطلاقه، ولا یصح تقییده إلا بدلیل.

(الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٥ / ٣٧)

الدرالمختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل: في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٥٥٣، کراچی ٦/ ٣٨٥۔

اور دوسری وجہ اس میں تعیین وقت کی ہے کہ اس کو شارع نے منع کیا ہے تو دو وجہ سے بدعت ہوگئی انتہٰی (۱)۔حاصل یہ ہے کہ تعیین وقت ممنوع ہے۔شارح منہاج کی عبارت یہ ہے:

الاجتماع على المقبرة في اليوم الثالث، وتقسيم الورد والعود وإطعام الطعام في الأيام المخصوصة كالثالث، والخامس، والتاسع، والعاشر، والعشرين، والأربعين والشهر السادس، والسنة بدعة ممنوعة (۲)۔

الجواب: عن المكتوب المذكور. قال في إصلاح الرسوم: شب برأت میں حدیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا، اس سے آگے سب ایجاد ہے، جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہوگئے ہیں۔ **وقال في موضع آخر منه:** اس زمانہ میں (یعنی زمانۂ نصف شعبان میں) تین امر ثابت ہوئے ہیں، ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے۔

اول: پندرھویں شب کو گورستان میں جا کر اموات کے لئے دعا و استغفار کرنا اور کچھ صدقہ وخیرات دے کر بھی اگر مردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جاوے تو وہی دعا و استغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے، کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے، مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر کچھ میسر ہو خفیۃً کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے اھ (۳)۔

في المنار: وإرسال من دون هؤلاء كذٰلك عند الكرخي خلافا لابن أبان في الحاشية؛ لأن العلة التي توجب قبول مراسيل القرون الثلٰثة وهي العدالة والضبط تشتمل سائر القرون (۴)۔

---

(۱) براهين قاطعة، ص: ۱۲٦۔

(۲) سيف السنة، ص: ١٤، بحواله براهين قاطعة، ص: ۱۲۵۔

(۳) اصلاح الرسوم، تیسرا باب: شب براءت کا حلوہ، مکتبہ امدادیہ دیوبند ص: ۷۵-۷٦۔

(۴) شرح المنار مع نور الأنوار، بيان أقسام السنة، بحث إسناد الرواية، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ۱۸۵۔

اب بعد نقل عبارت بالا معروض ہے کہ میرا مسلک اس مسئلہ میں وہی ہے جو ''اصلاح الرسوم'' کی عبارت بالا سے ظاہر ہے۔ زبانی بھی یہی بیان کرتا ہوں، پس اس روز کے بیان میں ممکن ہے کہ جلدی میں کچھ اجمال یا ابہام رہ گیا ہو، یا محض سامعین کی غلط فہمی ہو یا اپنی بدعات کی تائید کا خواہ مخواہ سہارا ڈھونڈھا ہو؛ البتہ حدیث ترمذی سے ضرور میں مدت سے یہ سمجھے ہوئے ہوں، جو کہ اصلاح الرسوم کی اخیر عبارت میں مذکور ہے اور چونکہ اصلاح الرسوم حرفاً حرفاً حضرت مولانا گنگوہی کو سنائی گئی ہے، اس استدلال پر انکار نہ فرمانے سے مجھ کو بھی کبھی شبہ نہیں ہوا۔ اور اب بھی یہ خیال ہے کہ گو استغفار جمیع مؤمنین کے لئے تھا؛ لیکن بقیع میں جانا ضرور قرینہ اس کا ہے کہ اموات خصوصیت کے ساتھ اس میں مقصود ہیں؛ کیونکہ ظاہراً بقیع جانے میں اور کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح گو یہ خروج مستمر تھا؛ لیکن آپ کا اس روز کے خروج کو اس علّت سے معلل فرمانا: إن اللہ ینزل لیلة النصف من شعبان ظاہراً اس پر دال ہے کہ اس روز کے خروج میں اس لیل کا بھی دخل ہے، پس اگر کوئی اتباعاً لهذا الحديث اس روز گورستان میں قصداً جاوے اور جمیع مؤمنین کے ساتھ بالخصوص اموات کے لئے بھی استغفار کرے تو ظاہراً موجب اجر ہوگا، اتنا تو حدیث کا مدلول معلوم ہوتا ہے، باقی دوسرے طرق سے اموات کو ایصال ثواب کرنا اس میں میری اصلی رائے یہ ہے کہ صرف دعا پر اکتفاء کرنا أقرب إلی اتباع المنقول ہے؛ لیکن ان طرق کے فاعلین پر جبکہ اس میں دوسری تخصیصات وتقییدات نہ ہوں، نہ التزام واصرار ہو، نکیر کو دل نہیں چاہتا؛ بلکہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، چنانچہ عبارت مذکورہ اصلاح الرسوم میں یہ جملہ کچھ صدقہ الی قولہ سے اصل نکل سکتی ہے، اور یہ جملہ ''مگر اس میں کسی بات کی پابندی نہ ہو'' الی قولہ تجاوز نہ کرے، صاف اس پر دال ہے کہ اس کا ترک افضل ہے؛ لیکن فعل میں ایک گونہ گنجائش ہے، باقی تضعیف بخاری کی تو اوّلاً ان پر حجت نہیں، جو انقطاع صادر عن الثبت کو مضر نہیں کہتے، جیسے منارمع حاشیہ کی عبارت بالا میں بعض احناف کا قول مذکور ہے۔

ثانیاً: نفسِ حکم کلیات سے ثابت ہے، صرف ایک فضیلت خصوصیت کی وہ اس حدیث سے ثابت کی جاتی ہے، تو اس کیلئے ضعف کا تحمّل بھی کیا جا سکتا ہے، خصوصاً جبکہ ترک النکیر علی الفاعل کے لئے ہو، مع اعتقاد رجحان علی الترک علی الفعل یہ ہے کہ جو اس باب میں میرے علم میں ہے؛ لیکن مجھ کو اس پر اصرار نہیں، اگر علمائے وقت دو چار بھی اس کو خطا فرمادیں۔ میں تقلیداً بھی قبول کرنے کو اور بعد قبول اعلان رجوع کو اور مولانا قدس سرہ کے عدم انکار کو عدم التفات پر محمول کرنے کو آمادہ ہوں۔

امید کرتا ہوں کہ اس تحریر میں سے جتنا جزو عوام کی اصلاح کیلئے کافی معلوم ہو کسی ذریعہ سے جمعہ وغیرہ میں میری طرف منسوب کر کے اعلان فرما دیا جاوے، اور اگر استقلالاً رد کی ضرورت ہو واللہ مجھ کو وہ بھی گوارا ہے۔ ۱۸ر شعبان ۱۳۳۳ھ

اس کے بعد ذیل کا خط آیا

از صدیق احمد عفی عنہ: بسامی خدمت جناب مولوی صاحب مصدر الطاف وکرم دامت برکاتکم بعد سلام مسنون! التماس ہے گرامی نامہ شرف وصول لایا، چونکہ ابھی تک انکشاف تام نہیں ہوا دوبارہ عرض کرنے کی ضرورت ہوئی؛ لہٰذا حسب ذیل التماس ہے:

(قولہ اس زمانہ میں تین امر ثابت ہیں الخ: ثبوت امور ثلاثہ صحتِ حدیث پر موقوف ہیں، اور حدیث ضعیف ہے۔ اوّلاً: اس میں انقطاع ظاہری ہے، اس کا جواب آپ لکھ رہے ہیں۔ دوسرے انقطاع باطنی ہے، وہ یہ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ حسب تحریر تقریب کثیر الخطاء مدلس ہے(۱)۔ اس نے اس حدیث میں عنعنہ کیا ہے، تو مرسل غیر ضابط ہوئی۔ منار میں ہے:

وإنما جعل الخبر حجة بشرائط في الراوي: وهي أربعة: العقل، والضبط، والعدالة، والإسلام (۲)۔ اور حسب تحریر منذری: **أن الحجاج لم يحتج به الشيخان في صحيحيهما، قال ابن حبان: تركه ابن المبارك، ويحيى بن القطان، وابن مهدي، و يحيى بن معين، واحمد بن حنبل والله اعلم. ورواه الدار قطني ثم البيهقي وضعفاه، قال الدارقطني: الحجاج بن ارطاة لا يحتج به، وقال البيهقي: رفعه الحجاج بن ارطاة وهو ضعيف نصب الرايه** (۳)۔

---

(۱) **حجاج بن أرطاة بن ثور بن هبيرة النخعي، أبو أرطاة الكوفي القاضي أحد الفقهاء، صدوق كثير الخطأ والتدليس من السابعة، مات سنة خمس وأربعين.** (تقريب التهذيب لابن حجر، دارالعاصمة الرياض، ص: ۲۲۲)

(۲) شرح المنار مع نور الأنوار، بيان شرائط الراوي، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ۱۸۱۔

(۳) نصب الراية، باب فوات الحج، أحاديث في أن العمرة تطوع، دار نشر الكتب الإسلامية، لاهور ۳/ ۱۵۰۔

یہ مرسل غیر عدل بن گیا، تو بایں ہمہ ان امور کو ثابت اعتقاد نہ کرنا چاہئے۔ **عبارة السيوطي في شرح التقريب: الثالث: أن لا يعتقد عندالعمل ثبوته بل يعتقد الاحتياط. انتهىٰ (۱)۔**

(قولہ: ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے) جبکہ حدیث ضعیف میں وارد ہے تو اس پر عمل کو مسنون اعتقاد کرنا نادرست ہے۔ درمختار میں ہے: **وأن لايعتقد سنية ذلک الحديث أي سنية العمل به (۲)**۔ تو اس بنا پر اصلاح الرسوم واجب الاصلاح ہے۔ (قولہ: اور کچھ صدقہ خیرات دے کر بھی اگر مُردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جاوے تو وہی دعا واستغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے، کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے) پہلے اصل کو ثابت کرنا چاہئے، پھر فرع میں حکم لگانا مناسب ہے، خود اصل ہی غیر ثابت ہے، یعنی شب برأت کے دعا واستغفار کو ثابت کرنا چاہئے، کسی چیز کی اصل نکلنے سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا، جب تک دیگر محذورات سے خالی نہ ہو؛ حالانکہ شب برأت کا ایصال ہمارے ملک میں بطور رسم جاری ہے، اس کے تارک پر ملامت کی جاتی ہے، اور ضروری اور مؤکد بھی سمجھا جاتا ہے، اور ایصال ثواب مطلق وارد ہوا ہے، اس کی بھی تعیین لازم آتی ہے۔ اور ہمارے ملک کی یہ بھی رسم ہے کہ گورستان میں غلہ اور نقد مردوں کے ساتھ لے جاتے ہیں، وہ بھی ضروری سمجھتے ہیں، تو چونکہ دعا واستغفار صلوٰۃ جنازہ میں ثابت ہے، حسب زعم سامی وہاں ایصال بھی ثابت ہے، تو اس کی بھی اصل نکل آئی کہ اس وقت مردہ کے لئے دعا واستغفار کی جاتی ہے؛ لیکن اصل مفید نہیں کہ رسم کا گناہ عارض ہے، اس ایصال کو واجب اور ضروری سمجھنے کا محذور موجود ہے اور تعیین مطلق مزید برآں ہے براہین قاطعہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ فقط اصل نکل آنا تو جواز کیلئے کافی نہیں، اس کے سب عوارض بھی رفع ہونے ضروری ہیں کہ تشبہ اور تعیین مطلق نہ ہو، اور اس کو موکد وواجب جاننا نہ ہو، اور فخر وریا نہ ہو، ورنہ اگر یہی مؤلف کا علم وفہم ہے تو دھوتی کفار کی اصل تہمد ہے، اور من کل الوجوہ مشابہت بھی نہیں، حسب زعم مؤلف کے پس سنّت ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ایک طفل کے چہرہ پر سیاہ ٹیکہ نظر بد کے واسطے لگوایا تھا، تو تلک کی

---

(۱) شامي، كتاب الطهارة، مطلب في بيان ارتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۲۵۳، کراچی ۱ / ۱۲۸۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الطهارة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۲۵۳، کراچی ۱۲۸۔

اصل نکل آئی تو یہ بھی جاری کرے، اور سوت کا بنا کرتا ثابت ہے تو زنار سوت کی اصل بھی نکل آئی، پھول سونگھنے درست ہیں تو پھولوں کے سہرے کی اصل نکل آئی انتہی (۱)۔

جنس واحد کے نیچے انواع مختلفہ ہوتے ہیں، ایک نوع کے ثبوت سے دوسری نوع کا ثبوت نہیں ہوسکتا ہے آھ (قوله: **إن الله ينزل ليلة النصف من شعبان** اس علت سے معلّل فرمانا ظاہراً اس پر دال ہے کہ اس روز کے خروج میں اس لیل کا بھی دخل ہے) اس روز کے خروج کو معلّل نہیں فرمایا بلکہ نفس خروج کو اس لئے کہ یہ علت ہر روز موجود تھی؛ اس لئے ہر روز خروج الی البقیع ہوا کرتا تھا۔

عن أبي هريرة مرفوعاً ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الأخر يقول من يدعوني. متفق عليه (۲)۔

اسی واسطے بروایت عائشہؓ ثابت ہے۔ **كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم (الحديث). وفي آخره: اللهم اغفر لأهل البقيع الغرقد** (۳)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور خاصہ شب برأت کا نہیں؛ بلکہ ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور اس رات میں حسب عادت مستمرہ خروج ہوا تھا۔ اور حدیث ترمذی میں وقوع اس کا حسب اتفاق ہوا تھا، جب کہ صدقہ وخیرات شب برأت کا عمل درآمد قرون ثلاثہ میں نہیں ہوا، تو یہ

---

(۱) براهين قاطعة، ص: ۱۲۳-۱۲۴۔

(۲) بخاري شريف، أبواب التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۳، رقم: ۱۱۳٤، ف: ۱۱٤۵۔

مسلم شريف، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۸، بيت الأفكار رقم: ۷۵۸۔

(۳) **عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد.** (مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۳، بيت الأفكار رقم: ۹۷٤)

دوسرا انقطاع باطنی حدیث ترمذی کا جو آپ کا مستدل ہے سمجھا جاتا ہے اور جب کہ ایصال شب برأت میں از جملہ رسوم ہے اور مشتمل ہے تعیین مطلق کو تو انکار کرنا اس کے فاعلین پر ضروری ہے، ترک نکیر کی ہرگز گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ یہ ترک نکیر از جملہ مداہنت فی الدین ہے۔

طریقہ محمدیہ ﷺ میں ہے: **ثم اعلم أن فعل البدعة أشد ضرراً من ترك السنة بدليل أن الفقهاء قالوا: إذا تردد في شيء بين كونه سنة أو بدعة فتركه لازم، وأما ترك الواجب هل هو أشد من فعل البدعة أو على العكس، ففيه اشتباه حيث صرحوا فيمن تردد في شيء بين كونه بدعةً وواجباً أنه يفعله، وفي الخلاصة: مسئلة تدل على خلافه انتهىٰ والسلام مع الكرام (۱)۔**

الجواب عن المكتوب المذكور: از اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مخدومنا مولانا صدیق احمد دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مفاوضہ عالیہ ۲۸ر شعبان کو ملا، چونکہ مجھ کو بھی اب تک کامل یقین نہیں ہوا؛ اس لئے پھر کچھ معروض ہے (قولہم: اس میں انقطاع ظاہری ہے۔الخ) اقول: اس کے جواب کو جناب سامی نے تسلیم فرمایا (قولہم: انقطاع باطنی الی قولہم واجب الاصلاح ہے) اقول: اس حجاج کے باب میں تہذیب التہذیب میں یہ اقوال بھی ہیں:

قال ابن عيينة: سمعت ابن أبي نجيح يقول: ماجاء نا منكم مثله يعني الحجاج بن أرطاة، وفيه قال الثوري: عليكم به، وفيه قال العجلي -إلىٰ قوله- إلا أنه صاحب إرسال وكان يرسل عن يحيى بن أبي كثير ومكحول ولم يسمع منهما، وإنما يعيب الناس منه التدليس، وفيه وقال أبو طالب عن أحمد كان من الحفاظ، قيل: فلم ليس هو عند الناس بذاك؟ قال: لأن في حديثه زيادة علىٰ حديث الناس ليس يكاد له حديث إلا فيه زيادة، وفيه قلت: أخرجه ابن حبان في الثقات، وفيه قال البزار كان حافظًا مدلساً،

---

(۱) الطريقة المحمدية، الباب في الاعتصام بالكتاب الكريم الآيات، الفصل الثاني في البدع، شرف الدين الكتبي وأولاده، الهند ص: ۱۰۔

وکان معجبا بنفسه، وکان شعبة یثنی علیه، وفیه قرأت بخط الذهبي هذا القول (أي القول بترکه) فیه مجازفة وأکثر ما نقم علیه التدلیس . اھ (۱)۔

پس یہ مختلف فیہ ہوا تو حدیث کا ضعف بھی مختلف فیہ ہوا، اور مختلف فیہ میں تضیق نہیں کیا جاسکتا، اور تدلیس حافظ کی موجب جرح نہیں۔(قولهم: اصل کو ثابت کرنا چاہیے)أقول: قد ثبت بما قررّت (قولهم: جب تک دیگر محذورات سے خالی نہ ہوالخ)اقول: مسلّم ہے،اور یہ شرط یہاں بھی ہے، چنانچہ اصلاح الرسوم کی عبارتیں جو خط سابق میں منقول ہیں اس اشتراط میں صریح ہیں (قولهم: بطور رسم جاری ہے)اقول: اس کا علاج عدم تقید بطعام دون طعام اور اخفاء اور ترک احیاناً ہے۔ وکلہ مذکور فی اصلاح الرسوم (قولهم: ایصال ثواب مطلق وارد ہوا ہے الخ)زمانہ کی تعیین میں تو ابھی کلام ہی ہے۔ دوسری تعینات غیر ثابتہ کو میں بھی بدعت کہتا ہوں کما صرحت به في الإصلاح (قولهم: اصل مفید نہیں کہ رسم کا گناہ عارض ہے الخ)اقول: مسلّم ہے اور محل مبحوث فیہ میں بھی یہ شرط ہے، کہ بطور رسم نہ ہو. کما ذکرتُ سابقاً وبهذا خرج الجواب عن الاستدلال بعبارة البراهين. کیونکہ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ باوجود محذورات کے صرف اصل نکلنا کافی ہے کما ذکرت (قولہم: بلکہ نفس خروج کوالخ)اقول: اگر اتنا ہی مقصود ہوتا تو لیلة النصف من شعبان نہ فرماتے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس لیل کو بھی اس خروج خاص میں دخل ہے، گو مطلق خروج میں مطلق نزول کو دخل ہے(قولهم: جب کہ صدقہ إلیٰ قولهم قرون ثلثه میں نہیں ہوا)اقول: دعا تو خود حدیث میں مصرح بہ ہے، اور جب نقل کر کے اس پر نکیر نہیں کیا گیا، اس کا جواز عمل تو اس طرح ہوگیا باقی صدقہ، یہ بیشک منقول نہیں دیکھا گیا، اور اسی واسطے میرے نزدیک بھی ترک اس کا افضل ہے؛ لیکن اس کی ایک نظیر کا فقہاء نے اعتبار کیا ہے، اس لئے عدم نکیر کی ضرور گنجائش سمجھتا ہوں، اور وہ نظیر حدیث توسعہ یوم عاشورہ سے (۲) فقہاء کا یہ فتویٰ ہے جو کہ درمختار میں ہے۔

---

(۱) تهذیب التهذیب، المکتبة التجاریة مصطفی أحمد الباز ۲/ ۱۷۳-۱۷۴۔

(۲) عن عبدالله عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: من وسع علی عیاله یوم عاشوراء لم یزل في سعة سائر سنته. (المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۱۰/ ۷۷، رقم: ۱۰۰۰۷)

المعجم الأوسط للطبراني، دارالکتب العلمیة بیروت ۶/ ۴۳۲، رقم: ۹۳۰۲۔

شعب الإیمان للبیهقي، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳۶۵، رقم: ۳۷۹۲۔

وفي يوم عاشوراء يكره كحلهم، ولا بأس بالمعتاد خلطا ويؤجر.

اور''رد المحتار''میں لکھا ہے: قوله: ولا بأس الخ. نقل في القنية عن الوبري أنه لم يرد فيه أثر قوي ولا بأس به، وربما يثاب قال الشارح: والذى في حفظي أنه يثاب بالتوسعة على عياله المندوب إليها في الحديث بقوله: من وسع علىٰ عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته فأخذ الناس منه إن وسعوا باستعمال أنواع من الحبوب وهو مما يصدق عليه التوسعة، ثم قال بعد السطر، والحاصل: أنه وردت التوسعة فيه بأسانيد ضعيفة، وصحح بعضها يرتقى بها الحديث إلى الحسن وتعقب ابن الجوزي في عده من الموضوعات، ثم فيه والتوسعة على من وسع مجربة نقل ذٰلک المناوي عن جابرؓ وابن عيينة اھ كتاب الحظر والإباحة(۱)۔

اور یہ فرع اس کی ہر طرح نظیر ہے کہ دونوں کی حدیث متکلم فیہ ہے، حتیٰ کہ ابن الجوزی حدیث توسع کو موضوعات میں لے آئے، دونوں کا متکلم فیہ ہونا مختلف فیہ ہے، پس جس طرح ایک میں تحمّل کرلیا گیا کہ باوجود بعض کے کلام کے اس میں یثاب کہہ رہے ہیں، دوسرے میں بھی کرلیا جاوے گا، دونوں میں نفس مدلول حدیث پر نکیر منفی ہے، دونوں میں ایک ایک امر زائد کا استنباط ہوا ہے، عاشوراء میں خلطِ انواع حبوب کا لیلۃ البراءت میں نفع مالی کا، پس جب ایک کو گوارا کیا گیا ہے، دوسرا بھی اس کا مستحق ہے؛ بلکہ باوجود تناظر کے میں ایصال ثواب مالی کو لیلۃ البراءت میں خلاف اولیٰ سمجھتا ہوں، جیسا کہ معتاد خلطاً کو بھی قواعد سے ایسا ہی سمجھتا ہوں اگرچہ فقہاء نے تنصیص نہیں کی، باقی منع معارض سے مجھ کو بھی انکار نہیں، مگر کلام اس میں ہے جب وہ عوارض نہ ہوں، اس میں البتہ سکوت کی گنجائش سمجھ رہا ہوں۔ هذا ما حضرني الآن ولعل الله يحدث بعد ذلک أمرا. بعد اس تحریر کے حضرات علماء محققین کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھ کو اس پر اصرار نہیں ہے، اپنی رائے اور معلومات کو ظاہر کردیا اور جانبین کی تحریرات کو پیش کردیا۔

اب امید کرتا ہوں کہ قواعد شرعیہ سے جو امر صحیح معلوم ہو اس کی تعیین فرمادی جاوے، اگر میری رائے غلط ہوئی میں اپنے رجوع کا اعلان کردوں گا۔ اور بعد فیصلہ فرمادینے علماء کے ان سے دوبارہ مقاولت

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع قبيل كتاب إحياء الموات، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٦١٦، كراچی ٦/ ٤٢٩-٤٣٠۔

ومکاتبت نہ کی جاوے گی، اس کو فیصلہ اخیر سمجھ کر تسلیم کر لیا جاوے گا۔ اگر تحقیقاً بھی سمجھ میں نہ آوے گا تقلیداً قبول کرلوں گا، پس بلا تکلف اور بلا رعایت احقر کے اپنی رائے مبارک کا اظہار فرما دیا جاوے۔ گو ادلّہ بھی تحریر فرمائی نہ جاویں۔ والسلام۔ اشرف علی۔ ۲۹ر شعبان ۱۳۳۳ھ

اس کے بعد میری درخواست پر دیوبند سے یہ فیصلہ آیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفاظ حدیث اور تحقیق شراح سے اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات میں بقیع کو تشریف لیجانا اور دعا فرمانا بعض خصوصیات کی وجہ سے تھا، جن میں سے اموات مسلمین کو بھی عموم رحمت ودعائے مغفرت میں شامل فرمانا تھا، اور اگرچہ یہ خروج اور دعا عادت مستمرّہ ہو تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعا دلیل استحباب دعا للأموات في ليلة البرأت ہے؛ کیونکہ جیسا اس شب میں نزول رحمت خصوصیت کے ساتھ ہے جیسا کہ وارد ہوا۔ ينزل فيها لغروب الشمس. الحديث (۱)۔

اسی طرح آپ کا خروج بھی دیگر لیالی کے خروج سے ممتاز وخاص تھا، بہر حال اس قدر حدیث سے ضرور ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بقیع میں تشریف لیجانے اور دعا میں مشغول ہونے کی یہ وجہ فرمائی: إن الله تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان. الحديث (۲)۔

---

(۱) عن علي بن أبي طالبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر. (ابن ماجة شريف، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ص: ۹۹، دارالسلام رقم: ۱۳۸۸)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة، فخرجت فإذا هو بالبقيع، فقال: أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟ قلت: يا رسول الله! ظننت أنك أتيت بعض نساءك، فقال: إن الله تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (ترمذي شريف، كتاب الصوم، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، دارالسلام رقم: ۷۳۹) ←

پس اس رات میں خروج إلی المقبرۃ و دعاء للأموات بھی حدیث کا مدلول ہوا؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کا التزام اور اس پر اصرار ٹھیک نہیں (۱)۔ اور جو خرابیاں اس پر متفرع ہیں وہ ظاہر ہیں، پس ان عوارض کے سبب سے منع کرنا ہی احوط ہے۔ اور صدقہ وخیرات کے لئے یہ رات چونکہ ایک وقت متبرک ومقبول ہے؛ اس لئے کچھ مضائقہ اس میں نہ تھا، مگر عوام کے زعم تعیین وتخصیص کی وجہ سے اس خصوصیت کو اٹھایا جاوے گا۔ اور منع کیا جاوے گا۔

حاصل یہ ہے کہ حکم صدقہ وخیرات کا مطلقاً ہے، جمیع اوقات اس کے لئے محل ہیں، خصوصاً اوقات وازمنۂ متبرکہ مقبولہ میں زیادہ تر امید قبولیت ہے؛ لیکن دوسرے وجوہ سے اس خصوصیت کو منع کیا جاوے گا، دعائے اموات جو اس رات میں ثابت ہے، اس پر قیاس کر کے خصوصیت صدقہ وخیرات ثابت کرنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو کچھ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرمایا ہے اس کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

فقال: إن اللّٰه تعالیٰ ینزل أي من الصفات الجلالية إلی النعوت الجمالية زيادة ظهور في هٰذا التجلي إذ قد ورد في الحديث القدسي: سبقت رحمتي على غضبي، وفي رواية: غلبت ليلة النصف من شعبان، وهي ليلة البراءة، ولعل وجه تخصيصها لأنها ليلة مباركة فيها يفرق كل أمر حكيم ويدبر كل خطب عظيم مما يقع في السنة

← ابن ماجة شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية، ص: ۹۹، دارالسلام رقم: ۱۳۸۹۔

(۱) من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة ومنكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۳)

وقد مر أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۲٦۵)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها.
(مجموعة رسائل اللكنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۳/ ۳٤)

كلها من الإحياء والإماتة وغيرهما حتى يكتب الحجاج وغيرهم. إلى السماء الدنيا أي قاصداً إلى السماء القريبة من أهل الدنيا المتلوثين بالمعصية المحتاجين إلى إنزال الرحمة عليهم وأذيال المغفرة، وظاهر الحديث أن هٰذا النزول المكنى به عن التجلي الأعظم، ونزول الرحمة الكبرى، والمغفرة العامة للعالمين لاسيّما أهل البقيع يعم هذه الليلة فتمتاز بذلک على سائر الليالي إذ النزول الوارد فيها خاص بثلث الليل فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب، أي قبيلة بني كلب وخصهم؛ لأنهم أكثر غنما من سائر العرب، نقل الأبهري عن الأزهار أن المراد بغفران أكثر عدد الذنوب المغفورة لا عدد أصحابها، وهٰكذا رواه البيهقي، أما الحديث الاٰتي فيغفر لجميع خلقه، فالمراد أصحابها، والحاصل أن هذا الوقت زمان التجليات الرحمانية والتنزلات الصمدانية والتقربات السبحانية الشاملة للعام والخاص، وإن كان الحظ الأوفى لأرباب الاختصاص، فالمناسب الاستيقاظ من نوم الغفلة والتعرض لنفحات الرحمة، وأنا رئيس المستغفرين وأنيس المسترحمين، وشفيع المذنبين بل ورحمة للعٰلمين خصوصا أموات المسلمين من الأنصار والمهاجرين، فلا يليق بي إلا أن أكون ممتثلاً بين يدى ربي ادعوا بالمغفرة لأمتي، واطلب زيادة الرحمة لذاتي، فإنه ليس لأحد أن يستغنى عن نعمته أو يستنكف عن عبادته والتعرض لخزائن رحمته، وقد أراد اللّٰه لک الخير بالقيام، وترک المنام، ومتابعة سيد الأنام، وحصول المغفرة ببركته عليه الصلوٰة والسلام. انتهىٰ مرقاة. شرح مشكوٰة (۱)۔ فقط

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

احقر اشرف علی عرض رساں ہے کہ اس کے ساتھ ایک پرچہ بھی تھا، اس میں لکھا تھا کہ بندہ نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے بڑے مولانا (یعنی حضرت محمود حسن صاحب) سلمہ کو سُنا لیا ہے اھ۔ اور خلاصہ اس فیصلہ دیوبند کا یہ ہے کہ احقر کے دعوے کے دوجزو تھے: ایک یہ کہ حدیث عائشہؓ دال ہے من وجہ تخصیص لیلة

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۱۹۰۔

البراء ۃ بالدعاء للأموات پر۔ دوسرا یہ کہ اس دعا پر دوسرے طرق ایصال ثواب کو قیاس کیا جاسکتا ہے، اس فیصلہ میں جزو اول کو ثابت رکھا ہے، مگر عوارض کے سبب خروج إلی المقبرۃ کے منع کو احوط کہا ہے۔ اور بعض علماء متأخرین کی تصریح بھی اس کی مؤیّد ہے، جیسا کہ دیوبند کے ایک کارڈ مرقومہ ۱۳؍رمضان المبارک میں حضرت مجیب ممدوح نے یہ عبارت لکھی ہے: یہ خیال رہا کہ فقہاء نے بھی لیلۃ البراءت میں کہیں زیارت قبور کا استحباب لکھا ہے یا نہیں؟ تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی، اور جو کہیں دیکھا گیا تصریح نہ ملی؛ البتہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے رسالہ ''نورالایمان'' میں ایک غیر معروف کتاب ''غرائب'' کے حوالہ سے اس شب میں استحباب زیارت قبور نقل فرمایا ہے، اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اھ۔ اور دوسرے جزو کی نفی کی ہے، پس میں اپنے دعوے کے جزو ثانی سے رجوع کرتا ہوں، اور جزو اول کے ثبوت کے بعد بھی خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط سمجھتا ہوں۔ اور حضرات علماء کے لئے دعا کرتا ہوں جنھوں نے میری رہبری فرمائی۔ ناظرین اصلاح الرسوم بالخصوص اس پر مطلع ہو جاویں، اور اگر اصلاح الرسوم کہیں طبع کی جاوے تو اس مقام پر میرا یہ رجوع بطور حاشیہ کے لکھ دیا جاوے فقط ۱۳۳۳ھ

جناب من! زیارتِ قبور شب برأت کے استحباب میں ہنوز اطمینان نہیں ہوا؛ اس لئے مکرر عرض کرتا ہوں: مفتی صاحب کی تقریر میں یہ شبہ ہے۔ قولہم: بہر حال اس قدر حدیث سے ضرور ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بقیع میں تشریف لیجانے اور دعا میں مشغول ہونے کی یہ وجہ فرمائی: إن اللّٰہ ینزل لیلة النصف من شعبان (۱)۔ پس اس رات میں خروج إلی المقبرۃ و دعاء للأموات حدیث کا مدلول ہوا۔ انتہیٰ۔ اگر نزول مذکور علت خروج إلی المقبرۃ ہے تو حدیث ینزل ربنا تبارک

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة، فخرجت فإذا هو بالبقيع، فقال: أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟ قلت: يا رسول اللّٰه! ظننت أنك أتيت بعض نساءك، فقال: إن اللّٰه تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (ترمذي شريف، كتاب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، دارالسلام رقم: ۷۳۹)

ابن ماجة شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية، ص: ۹۹، دارالسلام رقم: ۱۳۸۹۔

وتعالیٰ کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر، متفق علیه (۱) میں علت خروج ہر شب منصوص ہے، اور حدیث مسلم میں موافق علت مذکورہ عمل درآمد موجود ہے۔

عن عائشة کلما کان لیلتها من رسول الله ﷺ یخرج من آخر اللیل إلی البقیع فیقول: السلام علیکم، وفي آخره: اللّٰهم اغفر لأهل البقیع الغرقد (۲)۔ بلکہ بعض لیالی میں آپ مامور بامر اللہ ہوئے ہیں، کہ بقیع میں جا کر دعا فرماویں۔ کماسیجئ؛ اس لئے ہر شب کا خروج حسب روایت صحیحہ مدلول احادیث بخاری ومسلم ہوگیا، تو استحباب زیارتِ ہر شب ثابت ہوگیا۔ اور حدیث ترمذی والی شب از جملہ لیالی عائشہؓ ہے، تو جیسا دیگر لیالی عائشہؓ میں خروج إلی المقبرة مدلول ومستحب ہے۔ ویسا ہی حدیث ترمذی میں مدلول ہے، تو حدیث ترمذی نے دربارۂ زیارت قبور کوئی امر جدید ثابت نہیں کیا، تو شب براءت کی زیارت علی التعیین والتخصیص ثابت نہ ہوگی، تو خواص شبِ برأت میں زیارت کو شمار کرنا درست نہ ہوگا۔ اور حق یہ ہوگا کہ نزول مذکور خروج إلی المقبرة کی علّت نہیں؛ بلکہ اوقات قرب الٰہی کا اعلام ہے، تاکہ طاعت وعبادت میں مشغول ہوں۔

قال القاري: والحاصل أن هٰذا الوقت زمان التجلیات الرحمانیه، فالمناسب الاستیقاظ من نوم الغفلة، والتعرض لنفحات الرحمة (۳)۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث علی میں صرف صیام وقیام کو نزول مذکور سے معلل فرمایا ہے اور خروج إلی البقیع سے اصلاً تعرض نہیں کیا۔

---

(۱) عن أبي هریرة رضي الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول: من یدعوني فاستجیب له، من یسألني فأعطیه، من یستغفرني فأغفر له. (بخاري شریف، أبواب التهجد، باب الدعاء، والصلاة من آخر اللیل، النسخة الهندیة ۱/ ۱۵۳، رقم: ۱۱۳٤، ف: ۱۱٤۵)

مسلم شریف کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب الترغیب في الدعاء والذکر في آخر اللیل الخ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۸، بیت الأفکار رقم: ۷۵۸۔

(۲) مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱۳، بیت الأفکار رقم: ۹۷٤۔

(۳) مرقاة، کتاب الصلاة، باب قیام شهر رمضان، الفصل الثاني، مکتبه إمدادیه ملتان ۳/ ۱۹۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

إذا كانت ليلة النصف من شعبا ن فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن اللّٰه تعالیٰ ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر؟ فأغفرله ألا مسترزق؟ فأرزقه، ألا مبتلى؟ فأعافيه ألا كذا حتى يطلع الفجر (۱)۔

شاید مفتی صاحب نے اس لئے نزولِ مذکور کوعلت خروج الی البقیع فرمایا کہ حدیث عائشہؓ میں جواب میں واقع ہوا ہے۔ جناب من! **خروج إلى البقيع** کی علت بتلانا محض فعل عبث بن جائیگا؛ اس لئے کہ بقیع میں جانا ہر روز معلوم ومشاہد تھا، اس کی وجہ بتلانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قبل از وقت معہود جانے سے شبہ ہوا تھا؛ اس لئے کہ **يخرج من آخر الليل** خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں، قبل از وقت معہود جانے کا عذر فرمانا کہ **إن اللّٰه ينزل ليلةالنصف** شب برأت میں لیلۃ کو ظرف نزول بنایا ہے اور دیگر لیالی میں **حين يبقى ثلث الليل الآخر** تا کہ افادہ استیعابِ نزول سے حدیث عائشہ میں پیش از وقت معہود جانے کا جواب ہو جاوے۔ یعنی اس شب میں تجلّی خاص اول شب سے ہوتی ہے؛ اس لئے قبل از وقت معہود طاعت وعبادت میں مشغول ہوا تھا۔ **قال القاري: ظاهر الحديث أن هذا النزول يعم هذه الليلة (۲)۔**

پس معلوم ہوا کہ شب برأت کا نزول اول شب سے ہوتا ہے اور دیگر لیالی میں آخر شب میں' یہ امر البتہ خصوصیات شب برأت سے ہے۔

قولهم: تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعا، دلیل استحباب **دعاء للأموات في ليلة البرأت** ہے انتہیٰ۔ اول معروض ہو چکا کہ نزاع خصوصیت شب برأت کی زیارت میں ہے اور بلا تعیین وتقیید خود

---

(۱) عن علي بن أبي طالبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر. (ابن ماجة شريف، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ص: ۹۹، دارالسلام رقم: ۱۳۸۸)

(۲) مرقاة، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۱۹۰۔

ثابت ومسلّم ہے۔ مفتی صاحب نے کلام طویل ملاعلی قاریؒ کو مستدل بنا کر استحباب زیارت علی التعیین حدیث ترمذی سے ثابت فرمایا ہے؛ لیکن کلام ملاعلی قاری اس استدلال کے منافی ہے؛ کیونکہ ملاعلی قاریؒ نے ترمذی کے قول: سمعت البخاري يضعف هٰذا الحديث کے بعد ارشاد فرمایا ہے: **لكن يعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء (۱)**۔ یعنی اگرچہ یہ مسلّم کی حدیث ترمذی ضعیف ہے؛ لیکن نماز و دعا و استغفار اس شب میں بلا اعتقاد استحباب وسنت کچھ مضائقہ نہیں کہ فضائل میں کچھ گنجائش ہے؛ البتہ احکام کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہوسکتا ہے بقول شخصے اوخویشتن گم است کدا رہبری کند؟ اس کے لئے کم از کم حسن ولولغیرہ کی ضرورت ہے، بایں ہمہ مفتی صاحب نے استحباب زیارت کو کہ از جملہ احکام شرعیہ ہے، حدیث ضعیف سے ثابت کر دیا، نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں علی قاری کا مسلک کس مصلحت کے لئے ترک فرمایا ہے۔ (مولانا اشرف علی صاحب سلمہٗ کے کلام کا شبہہ)

قولهم: پس یہ حجاج مختلف فیہ ہوا، تو حدیث کا ضعف بھی مختلف فیہ ہوا، اور مختلف فیہ میں تصیق نہیں کیا جاسکتا۔ انتہیٰ اقول: تحریر میں ہے۔

إذا تعارض الجرح فالمعروف مذهبان تقديم الجرح مطلقا، وهو المختار، والتفصيل بين تساوي المعدلين والجارحين فكذلك والتفاوت فيترجح الأكثر (۲)۔

اورحسب رائے ابن الہمامؒ مجتہد تو راوی مختلف فیہ من جرح وتعدیل کو ترجیح دے سکتا ہے؛ لیکن غیر مجتہد کو اکثر کے قول پر عمل کرنا چاہئے۔

فدار الأمر في الرواية على اجتهاد العلماء فيهم، وكذا في الشروط حتى أن من اعتبر شرطا والغاه آخر يكون مارواه الآخر مما ليس فيه ذلك الشرط عنده مكافئا لمعارضة المشتمل على ذلك الشرط، وكذا فيمن ضعف راويا ووثقه الآخر نعم

---

(۱) مرقاة، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۱۹۰۔

(۲) التحرير لابن الهمام مع التقرير والتحبير، المقالة الثانية: في أحوال الموضوع، الباب الثالث: السنة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۵۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تسکن نفس غير المجتهد، ومن لم يخبر أمر الراوي بنفسه إلى ما اجتمع عليه الأكثر. فتح القدير (۱)۔ حجاج بن ارطاۃ کو اکثر نے ضعیف بتلایا ہے۔

قال الشوكاني: وتصحيح الترمذي أي لحديث جابر فيه نظر؛ لأن الأكثر علىٰ تضعيف الحجاج واتفقوا على أنه مدلس قال النووي: ينبغي أن لايغتر بالترمذي في تصحيحه فقد اتفق الحفاظ على تضعيفه (۲)۔

پس حجاج حسب تحقیق نووی باتفاق حفاظ ضعیف ہوا، اور اس کی مرسل مرسل ضعیف باتفاق حفاظ ہوگئی اور حجاج کی تضعیف بنابر فسق نہیں؛ بلکہ قلتِ ضبط اور کثرت خطا پر مبنی ہے، آپ کی عبارت جو توثیق حجاج میں مرقوم فرمائی ہے اس کی شاہد ہے۔

قال أبو طالب عن أحمد: كان من الحفاظ، قيل: فلم ليس هو عند الناس بذاک؟ قال: لأن في حديثه زيادة على حديث الناس ليس يكاد له حديث إلا فيه زيادة (۳)۔

یعنی کبھی تو حجاج حفاظ سے شمار کیا جاتا تھا؛ لیکن سوء حفظ وعدم ضبط سے اب حفاظ کی نظر سے گر گیا ابن الہمام کی تقریر سے اس کا ضعف بنا بر سوء حفظ وقلت ضبط ثابت ہوتا ہے، فرماتے ہیں: **لاينزل حديثه عن الحسن مالم يخالف أو يتفرد (۴)**۔ یعنی اس کی حدیث دو شرطوں سے حسن ہوجاتی ہے: ایک یہ کہ دیگر روات سے مخالفت نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی روایت میں متفرد نہ ہو، اور حدیث عائشہؓ میں اس کا تفرد ثابت ہے، جیسا کہ ترمذی نے کہا: **لانعرفه إلا من هذا الوجه من حديث الحجاج (۵)**۔

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل، قبيل فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٦٢، كوئٹه ۱/ ۳۸۹۔

(۲) نيل الأوطار، كتاب المناسك، باب وجوب الحج والعمرة وثوابهما، دارالحديث القاهرة ٤/ ٦٤٨، بيت الأفكار الدولية، ص: ۸٥۲۔

(۳) تهذيب التهذيب، المكتبة التجارية، مصطفى أحمد الباز ۲/ ۱۷۳۔

(۴) فتح القدير، كتاب الحج، باب القرآن، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥۳۷، كوئٹه ۲/ ٤۱۲۔

(۵) ترمذي شريف، الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ۱/ ۱٥٦۔

یعنی یہ حدیث کسی دوسرے طریق سے وارد نہیں ہوئی ، اور ظاہر حال ترمذی کا بھی اس کے باب میں یہی معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ حدیث جابرؓ کو جو طریق حجاج سے اپنی سنن میں لائے اس کو بقول اکثر حسن فرمایا ہے، اور بقولے حسن صحیح ، حالانکہ اس حدیث میں بھی حجاج نے عنعنہ کیا ہے ؛ لیکن حدیث جابرؓ طرق متعددہ سے ثابت ہے، چنانچہ ابن الہمام اور امام شوکانی نے ان طرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے:

و بهذا تعرف أن الحديث من قسم الحسن لغيره وهو محتجّ به عند الجمهور (١)۔

اور ابن الہمام کہتے ہیں: **لأن تعدده قرينة علىٰ ثبوته في نفس الأمر (٢)**۔ تو اس حدیث میں نہ مخالفت ہے اور نہ تفرد اس لئے ابن الہمام اس کو حسن بتلاتے ہیں، اور ترمذی نے بھی اس کی تحسین اور بقولے تصحیح کی ہے، اور حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا متنازع فیہ میں جب کہ احد الشرطین اعنی تفرد موجود ہے، تو بجائے تحسین ترمذی نے یہ فرمایا: **سمعت البخاري يضعف هذا الحديث (٣)**۔ اس کے کثیر الخطا ہونے کا ایک شاہد یہ بھی ہے کہ یہی قصہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں شب برأت اور اس کے نزول کا ذکر تک نہیں، حجاج نے خطاً زائد کر دیا ہے۔

ألا أحدثكم عني وعن رسول الله ﷺ؟ قلنا : بلىٰ، قال: قالت لما كانت ليلتي التي كان النبي ﷺ فيها عندي انقلب فوضع رداءه، وخلع نعليه فوضعهما عند رجليه وبسط طرف إزاره على فراشه فاضطجع فلم يلبث الاريثما ظن أن قد رقدت فأخذ رداءه رويدا، وانتعل رويدا، وفتح الباب رويدا، فخرج ثم أجافه رويدا، فجعلت درعي في رأسي واختمرت وتقنعت إزاري، ثم انطلقت على إثره حتى جاء البقيع فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلٰث مرات، ثم انحرف فانحرفت، فاسرع فاسرعت، فهرول

---

(١) نيل الأوطار، كتاب المناسك، باب وجوب الحج والعمرة وثوابهما، دارالحديث القاهرة ٤/ ٦٤٩، بيت الأفكار الدولية، ص: ٨٥٢۔

(٢) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل، قبيل فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٦٣، كوئٹه ١/ ٣٨٩۔

(٣) ترمذي شريف، كتاب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ١/ ١٥٦۔

فهرولت، فاحضر فاحضرت، فسبقته فدخلت، فليس إلا أن اضطجعت، فدخل فقال: مالک یا عائش! حشيا رابية! قلت: لا شيء، قال: لتخبريني أو ليخبرني اللطيف الخبير، قالت: قلتُ يارسول الله! بأبي أنت وأمي فأخبرته، قال: فانت السواد الذي رأيت أمامي؟ قلت: نعم، فلهدني في صدري لهدة أو جعتني، ثم قال: اظننت أن يحيف اللّٰه عليک ورسوله، وفي آخره قال: فإن جبرئيل أتاني فقال: إن ربک يأمرک أن تأتي أهل البقيع فتستغفر لهم (۱)۔

تو معلوم ہوا کہ حجاج نے لیلۃ البراءت اور نزول الٰہی کا ذکر خطا سے زیادہ کردیا ہے، صاحب تقریب کا اس کو کثیر الخطا فرمانا کس قدر انسب معلوم ہوتا ہے، تو مرسل غیر ضابط ہونا حدیث کا ثابت ہے۔ **قولهم: وفي يوم عاشوراء يكره كحلهم، ولابأس بالمعتاد خلطاً ويؤجر (۲)۔** یہ فرع حدیث شب براءت کی ہر طرح نظیر ہے کہ دونوں کی حدیث متکلم فیہ ہے، حتیٰ کہ ابن الجوزی موضوعات میں لائے ہیں، دونوں کا متکلم فیہ ہونا مختلف فیہ ہے، جس طرح ایک میں تحمل کیا گیا کہ باوجود بعض کے کلام کے اس میں یثاب کہہ رہے ہیں۔ دوسرے میں بھی کرلیا جاوے گا۔ انتہیٰ۔

مولانا! حدیث توسعہ عاشوراء میں تحمل مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا؛ بلکہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ حدیث توسعہ طرق متعددہ سے وارد ہے، جن میں سے بعض کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ اور ابن الہمامؒ کی بات یاد فرمایئے کہ **لأن تعدده قرينة على ثبوته في نفس الأمر (۳)۔** لہٰذا یہ حدیث حسن لغیرہ بن گئی۔ اور حسن سے استحباب ثابت ہوجاتا ہے، پھر یثاب کا محل بن جانا تعجب کی بات نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: **أنه وردت التوسعة فيه بأسانيد ضعيفة وصحح بعضها يرتقى بها الحديث إلى الحسن (۴)۔**

---

(۱) مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۳، بيت الأفكار، رقم: ۹۷۴۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۶، كراچی ۶/ ۴۲۹۔

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل، قبيل فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۶۳، كوئٹه ۱/ ۳۸۹۔

(۴) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۶، كراچی ۶/ ۴۳۰۔

اور آپ کی حدیث ترمذی کا کوئی دوسرا طریق نہیں؛ کیونکہ ترمذی کہتے ہیں: **لانعرفه إلا من هذا الوجه من حديث الحجاج** (۱)۔ اگر حدیث عائشہ کا حسن اگر چہ تعدد طرق سے ہی ہو ثابت فرما دیں تو ہم بلا عذر استحباب قبور کو بتخصیص شب برأت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ والسلام

محمد صدیق احمد، کاندھلہ۔ ۲۵/شوال ۱۳۳۳ھ

جواب جو اس کا یہاں سے گیا

مولانا المکرّم دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! چونکہ اس باب میں تحقیق حضرات دیو بند کی تقلید کا التزام کر چکا ہوں، جب تک اس تحقیق کا خطأ صریح ہونا دل کو نہ لگ جائے اس وقت تک اس کے قبول سے بھی اور باوجود گنجائش کلام کے اس میں کلام سے بھی معذور ہوں؛ البتہ تحریر سامی کو اس غرض سے شائع کردوں گا، کہ ناظرین کو تحقیق کا موقع ملے، اور اگر کسی وقت میرے بھی جی کو لگ گیا تو اس التزام کو ترک کردوں گا۔ والسلام مع الاکرام۔ خاکسار اشرف علی ۲۷/شوال ۱۳۳۳ھ

توضیح قولی فی الجواب المذکور آنفاً گنجائش کلام الخ

مثل الكلام على قولهم. اگر نزول مذکور علت خروج عن المقبرة ہے الخ۔

من أن تخصيص ليالي القدر باهتمام العبادة لاينكر مع كون الليلة وقت العبادة، فلو قيل بمثل هٰذا التخصيص في هذا الخروج في هٰذه الليلة فما المحذور على قولهم مرسل باتفاق حفاظ ہوگئی الخ **من أنه كيف يصح دعوى الاتفاق مع قول بعض الأئمة المنقول من تهذيب التهذيب سابقا، ومع قول الجوهر النقي فإن الحجاج روى له ابن حبان في صحيحه ومسلم مقرونا لغيره، وقال الثوري: مارأيت أحفظ منه، وعن حماد بن زيد كان الحجاج عندنا أمهر لحديثه من الثوري، وقال أبوبكر الخطيب الحجاج أحد العلماء بالحديث والحفاظ له، ص ۱۰۴.**

---

(۱) ترمذي شريف، كتاب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶۔

وعلى قولهم: کبھی تو حجاج الخ من أنا لا نسلم تفسير كان بهذا، بل الظاهر أن المعنى أنه كان عندي كذا لكن بعض الناس تكلموا فيه للزيادة، وظاهر أن زيادة الحافظ مقبولة.

وعلىٰ قولهم: تفرد ثابت ہے۔ من أنه على تقدير ثبوته غير مضر عند من اثبت حفظه، وليس قول الفتح حجة عليه، وإنما قلت على تقدير ثبو ته؛ لأن صاحب كنزالعمال أورده عن شعب الإيمان للبيهقي عن عائشةؓ ج ٦ ص ٢٦٧ عدد: ٤٨٠٩. وهو وأن ضعفه أيضا لكن إن لم يكن فيه الحجاج فلم يبق التفرد فما لم يطلع على سنده لايصح الجزم بالحكم بالتفرد، فلولم يثبت التفرد حصل طرق متعددة أيضاً. وعلى قولهم: کثیر الخطا ہونے کا ایک شاہد الخ من أنه لادليل فيه على خطأه فإنه لا استبعاد في كون الأمر الإلٰهي بالخروج مسبباً عن النزول في هذه الليلة بل في نفس حديث مسلم هذا قرينة على ثبوت حديث الحجاج لو تأمل، فإنه لو لم يكن لتخصيص هذه الليلة وجه فكيف أمر صلى الله عليه وسلم بالخروج في هذه الليلة لماكان من عادته كل يوم فيقرب احتمال كون هذه الليلة ليلة النزول، ولو لم ندع هذه الدلالة فإنا لانترک دعوى عدم الدلالة على ضده فلا يثبت الخطأ البتة.

وعلىٰ قولهم: اس لئے کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کوالی قولہم بقولے الصحیح کی ہے۔ من أنه ليس بحجة مالم يصحح نقله وإلا فإن صاحب الفتح قال في حديث الدفن بالليل الذي رواه الترمذي، وفيه الحجاج مانصه، وقال الترمذي: حديث حسن مع أن فيه الحجاج بن أرطاة ومنهال بن خليفة، وقد اختلفوا فيهما، وذلک يحط الحديث عن درجة الصحيح لا الحسن، وسنذكره في أمرالحجاج بن أرطاة في باب القران إنشاء اللّٰه تعالىٰ ج٢ ص ٩٩ (١)۔ وابن الهمام، وإن شرط في كون حديثه حسناً مالم يخالف أو

---

(١) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٤٦، کوئٹہ ٢/ ٩٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ينفرد لكن الترمذي حسن حديثه بدون هذا لشرط، وأما تضعيفه لحديث عائشة،

فيحتمل أن يكون لعدم السماع كما هو مذهب المحدثين لا لكون الحجاج ساقطاحديثه عن الحسن لئلا يتعارض قولاه.

وعلى قولهم: ترمذی نے یہ فرمایا: سمعت البخاري يضعف الخ من أن الترمذي لم يقل هكذا بل قال: سمعت محمدا يقول: يضعف هٰذا الحديث بصيغة مالم يسم فاعله، كما صرح به السراج الشارح في ترجمته فيحتمل أنه لم يكن رأى البخاري الذي يجزم به بل أحاله على غيره بحيث يحتمل التضعيف، ثم فسروجه التضعيف بعدم سماع الحجاج من يحيى وعدم سماع يحيى من عروة ص۹۷. وقد علمت من مذهب الحنفية من عدم كون عدم سماع الثقة مضرا.

وعلى قولهم: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ کا حسن الخ من ثبوت ضعفه أولا ثم عدم الاتفاق على اشتراط حسن الحديث للاستحباب، فإن صاحب فتح القدير صرح بأن الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع ج۲، ص۹۵ مصرية (۱)۔ والله اعلم

تائید فیصلہ علماء دیوبند بروایت فقہیہ

وأفضل أيام الزيارة أربعة: يوم الإثنين، والخميس، والجمعة، والسبت، والزيارة يوم الجمعة بعد الصلٰوة حسن، ويوم السبت إلى طلوع الشمس، ويوم الخميس في أول النهار، وقيل: في آخر النهار، وكذا في الليالي المتبركة لاسيماً ليلة البراءة، وكذالک في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة، والعيدين، وعاشوراء، وسائر المواسم، كذا في الغرائب ص ۲۳۳ ج ۶ (۲)۔

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل في حمل الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۹، کوئٹہ ۲/ ۹۵۔

(۲) هندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر: في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۰، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۰۵۔

اس روایت سے استحسان زیارت قبور کا خاص شب براءت میں بھی ثابت ہوگیا، اور یہی فرمایا تھا مفتی

صاحب دیو بند نے، باقی ان کا یہ فرمانا کہ فقہاء کے کلام میں تصریح نہیں ملی الخ۔ اس کی وجہ خود ساتھ ہی لکھ دی ہے کہ تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی اھ۔ پس اس روایت کے بعد اب دلیل میں کلام کی حاجت نہ رہی۔ **لأن الفقهاء قد اغنونا عنه.** اور گو یہ روایت غرائب سے ہے جس کو مفتی صاحب نے غیر معروف فرمایا ہے، مگر جب عالمگیریہ میں اس سے نقل کیا گیا جس میں جم غفیر علماء کا شریک تھا، اس لئے اس کے معتبر ہونے میں کوئی وسوسہ نہیں ہوسکتا۔ فقط (ترجیح ثالث ص ۲۰۲)

بچوں سے ''بسم اللہ'' پڑھوانا

سوال (۲۳۰۵): قدیم ۴/ ۳۵- اکثر لوگ مکتب میں کلمۂ توحید وآیت بنی اسرائیل کے علاوہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم با لالتزام پڑھاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ آیا صرف کلمۂ توحید وآیت بنی اسرائیل کا پڑھنا ہی سنت ہے یا اول میں بسم اللہ سالم پڑھانا بھی؟

الجواب: بالخصوص تو نظر سے نہیں گذرا، باقی اطلاق آیت: **إقرأ باسم ربک** (۱)۔ اور حدیث: **کل أمرٍ ذي بال الخ** (۲)۔ سے بسم اللہ کامل پڑھنے کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔

۱۴/ شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۲)

جمائی کے وقت استغفار پڑھنا

سوال (۲۳۰۶): قدیم ۴/ ۳۵- بوقت جمائی استغفر اللہ پڑھنا کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ جواب با دلیل وباصواب مرحمت فرماویں۔

---

(۱) سورة العلق، رقم الآية: ۱۔

(۲) **كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. رواه عبدالقادر الرهاوي في الأربعين عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه.** (حاشية مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۷۱)

ابتدأ الكتاب بالبسملة أولا، ثم ثنى بالحمدلة اقتداء بالكتاب العزيز المستفتح هكذا وعملا بقوله عليه الصلاة والسلام: كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بذكر الله وبسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. رواه الحافظ عبدالقادر الرهاوي في أربعينه. (البناية، خطبة الشارح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۰۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: حدیث میں یہ تو آیا ہے: **فأما التثاؤب فإنما هو من الشيطان، فإذا تثاء ب**

أحدكم فليردّه مااستطاع. رواه البخاري (۱)۔ لیکن استغفار پڑھنا کہیں نہیں دیکھا اور اس کے من الشیطان ہونے سے اس پر استدلال صحیح نہیں؛ بلکہ نقل کی حاجت ہے، جیسا کہ عطاس میں باوجود اس کے کہ حدیث میں وارد ہے: **إن اللّٰه يحب العطاس. رواه البخاري** (۲)۔ پھر بھی حضرت ابن عمرؓ سے اس شخص پر انکار منقول ہے، جس نے عطاس کے بعد **الحمد لِلّٰه والسَّلام علىٰ رسول اللّٰه** کہا تھا، اس کو آپ نے فرمایا: **أنا أقول الحمد لله والسَّلام علىٰ رسول اللّٰه، وليس هكذا علمّنا رسول اللّٰه** ﷺ، **علمنا أن نقول: الحمد لِلّٰه إلىٰ آخره. رواه الترمذي** (۳)۔ حالانکہ عطاس سے صلوٰۃ وسلام کو یہ مناسبت ہوسکتی کہ وہ نعمت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ فی النعم ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳؍رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

---

(۱) **عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يحب العطاس، ويكره التثاؤب، فإذا عطس أحدكم وحمد الله كان حقا على كل مسلم سمعه أن يقول له: يرحمك الله، وأما التثاؤب فإنما هو من الشيطان، فإذا تثاءب أحدكم فليردّه ما استطاع، فإنّ أحدكم إذا تثاءب ضحك منه الشيطان.** (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب إذا تثاءب فليضع يده على فيه، النسخة الهندية ۲/ ۹۱۹، رقم: ۵۹۸۵، ف: ۶۲۲۶)

ترمذي شرى، أبواب الأدب، باب ماجاء إن اللّٰه يحب العطاس ويكره التثاؤب، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۳، دارالسلام رقم: ۲۷۴۷۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في التثاؤب، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۶، دارالسلام رقم: ۵۰۲۸۔

(۲) بخاري شريف، كتاب الأدب، باب ما يستحب من العطاس وما يكره من التثاؤب، النسخة الهندية ۲/ ۹۱۹، رقم: ۵۹۸۲، ف: ۶۲۲۳۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يحب العطاس، ويكره التثاؤب، فإذا تثاءب أحدكم فليردّ ما استطاع، ولا يقل: ها ه هاه، فإنّما ذلكم من الشيطان يضحك منه. (أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في التثاؤب، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۶، دارالسلام رقم: ۵۰۲۸)

(۳) **عن نافع أن رجلا عطس إلى جنب ابن عمر رضى الله عنه فقال:** ←

بحق فلاں کہہ کر دعا مانگنا

سوال (۲۳۰۷): قدیم ۴/۳۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ دعا مانگنے میں بحق یعنی بحق نبی آخر الزمان وغیرہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کے جواز میں بعض حضرات نے استدلال بیان فرمایا ہے کہ خدایا بحق بنی فاطمہ اور اس کے عدم جواز میں مختصر خزانہ میں لکھا ہے: **ويكره أن يقول: أعطني بحق فلان، وكذا بحق محمد صلى الله عليه وسلم؛ لأنه لا حق لأحد على الله** (۱)۔

الجواب: بحق کہنا باعتبار معنی حقیقی کے ناجائز ہے (۲)۔ اور باعتبار معنی مجازی یعنی توسل کے جائز ہے (۳)۔ اب دلائل میں تعارض نہیں رہا۔ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳۱)

← **الحمدلله والسلام على رسول الله، فقال ابن عمرؓ: وأنا أقول الحمد لله والسّلام علىٰ رسول الله، وليس هكذا علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، علمنا أن نقول: الحمد لِله على كل حال.** (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ما يقول العاطس إذا عطس، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۳، دارالسلام رقم: ۲۷۳۸)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) **ويكره أن يقول في دعاءه: بحق فلان، وكذا بحق أنبيائك وأولياءك، أو بحق رسلك أو بحق البيت أو المشعر الحرام؛ لأنه لا حق للمخلوق على الله تعالى، كذا في التبيين.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۱۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۶۷)

ويكره أيضا أن يقول الرجل في دعائه: اللهم أسئلك بحق أنبيائك ورسلك؛ لأنه لا حق للمخلوق على الله، وفي الكافي: ويكره أن يقول الرجل في دعائه: بحق فلان وبحق بيت الحرام والمشعر الحرام الخ. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع، مسائل الدعاء، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۵۲، رقم: ۲۸۰۰۹)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۷۰، إمداديه ملتان ۶/ ۳۱۔ هداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۷۳۔

(۳) **عن عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله** ←

قرآن مجید، قبلہ اور دیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام

قرآن مجید کی کتابت خون یا کسی دوسری نجاست سے

سوال (۲۳۰۸): قدیم ۴/۳۶- لکھنا قرآن شریف کا ساتھ پیشاب کے؟

← **عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لک، قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويدعوه بهذا الدعاء: اللهم إني أسئلک وأتوجّه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة، إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه لتقضي لي فشفعه في.** (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب في دعاء الضيف، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۸، دارالسلام، رقم: ۳۵۷۸)

عن عثمان بن حنيف رضى الله عنه أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا نبي الله! ادع الله أن يعافيني، فقال: إن شئت أخرت ذلک فهو أفضل لآخرتک، وإن شئت دعوت لک، قال: لا، بل ادع الله لي، فأمره أن يتوضأ وأن يصلي ركعتين، وأن يدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسئلک وأتوجه إليک بنبيک محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بک إلى ربي في حاجتي هذه فتقضي وتشفعني فيه، وتشفعه في، قال: فكان يقول هذا مرارا، ثم قال بعد: أحسب أن فيها أن تشفعني فيه، قال: ففعل الرجل فبرأ. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۱۳۹، رقم: ۱۷۳۷۳)

وبعد هذا كله أنا لا أرى بأسا فى التوسل إلى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله عليه وسلم عند الله تعالى حيا وميتا، ويراد من الجاه معنى يرجع إلى صفة من صفاته تعالى، مثل أن يراد به المحبّة التامة المستدعية عدم رده، وقبول شفاعته، فيكون معنى قول القائل: إلهي أتوسل بجاه نبيک صلى الله عليه وسلم أن تقضي لي حاجتي، إلهي اجعل محبتک له وسيلة في قضاء حاجتي –إلى قوله– التوسل بجاه غير النبي صلى الله عليه وسلم لا بأس به أيضا إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاها عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه وولايته. (روح المعاني، تحت تفسير رقم الآية: ۳۵، من سورة المائدة، مكتبه زكريا ديوبند ج ٤، جزء ٦، ص: ۱۸۷-۱۸۸) ←

الجواب : معاذ اللہ قرآن مجید کا نجاست سے لکھنا اگر بدون اکراہ واضطرار کے قصد واختیار سے ہوتو کفر ہے۔ **كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا في قاذورة، فإنه يكفر، وإن كان مصدقا؛ لأن ذلک في حكم التكذيب كما أفاده في شرح العقائد** اھ. ردالمحتار جلد ۳ ص ۲۸۴ (۱)۔

اور اگر کوئی اکراہ کرے کہ اگر تو نجاست سے نہ لکھے گا تو تجھ کو قتل کر ڈالوں یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ ڈالوں گا۔ اور وہ اکراہ کرنے والا قادر بھی ہو، اس وقت اس کا ارتکاب جائز ہے؛ لیکن مرتکب نہ ہونا اور صبر

← **قال السبكي: يستحسن التوسّل بالنبي إلى ربه ولم ينكر أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۹، كراچی ۶/ ۳۹۷)

قد يقال: إنه لا حق لهم وجوبا على الله، لكن الله سبحانه جعل لهم حقا من فضله أو يراد بالحق الحرمة، فيكون في باب الوسيلة، وقد قال تعالى: وابتغوا إليه الوسيلة، وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في الحصن. (طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في البيع، کوئٹه ٤/ ۱۹۹)

ومن آداب الدعاء تقديم الثناء على الله تعالىٰ والتوسل بنبي صلى الله عليه وسلم ليستجاب. (حجة الله البالغة، مطبوعه مصر ۲/ ٦)

(۱) شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٥٦، كراچی ٤/ ٢٢٢۔

ولو ألقى مصحفا فى قاذورة متعمدا قاصدا الإهانة فقد ارتد عند الجميع، قال الشافعية: وكذا لو مسه بالقاذورة ولو كانت طاهرة كالبصاق والمخاط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۲۱)

كل قول أو فعل أو اعتقاد ينافي ما هو معلوم من الدين بالضرورة كان خروجا عن دين الإسلام، وذلک كمن أنكر فرضية الصلاة أو الصيام أو الحج، أو قال: إن المسيح صلب أو هو ابن الله أو اعتقد أن الله يشبه الحوادث أو سجد لصنم، أو أهان مصحفا بالقاءه في قاذورة عمدا أو سبّ دين الإسلام الخ. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم نكاح المرتد عن دينه من الزوجين، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۲۸)

کرنا بہتر ہے، کہ اگر مارا گیا شہید ہوگا۔ اور اگر وہ شخص قادر نہ ہو یا سوائے قتل وقطع کے کسی اور امر سے ڈراتا ہو اس وقت ارتکاب جائز نہیں۔

وإن أكره على الكفر بقطع أو قتل رخص له أن يظهر ما أمر به، ويؤجر لو صبر ولم يرخص بغيرهما. درمختار، جلد ۵ ص ۸۴ (۱)۔

اور اگر ضرورت دوا کی ہو، یعنی کسی مرض مہلک میں گرفتار ہوا اور کسی عامل کامل مسلمان نیک بخت تجربہ کار نے کہا کہ اس امر سے تجھ کو شفا ہو جائے گی، اور کوئی دوا یا تدبیر بجز اس کے باقی نہ رہے، اس کا نام حالتِ اضطرار ہے۔ اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف فرع ہے اختلاف تداوی بالمحرم کی، پس ایسی حالت میں جس نے اس کو جائز رکھا، اس کو بھی جائز رکھا جس نے اس کو حرام کہا اس کو بھی حرام کہا۔ اور اختیار میں اختلاف ہے، بعض نے جواز کو اختیار کیا بعض نے منع کو۔

اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإكراه، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۱۸۵، كراچی ۶/ ۱۳۴۔

وإن أكره على الكفر أو سبّ النبي صلى الله عليه وسلم بقتل أو قطع عضو رخص له إظهاره، أي إظهار الكفر أو غيره وقلبه مطمئن بالإيمان ويؤجر بالصبر على التلف، ولا رخصة بغيرهما. (مجمع الأنهر، كتاب الإكراه، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٣)

وعلى الكفر وإتلاف مال المسلم بقتل وقطع لا بغيرهما يرخص (كنز) وفي التبيين الحقائق، أي لو أكره على كلمة الكفر أو إتلاف مال إنسان بشيء يخاف على نفسه أو على أعضاءه كالقتل وقطع الأطراف يرخص له إجراء كلمة الكفر على لسانه وقلبه مطمئن بالإيمان لقوله تعالى: إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان. (النحل: ١٠٦) ...... ويثاب بالصبر أي يكون مأجورا إن صبر ولم يظهر الكفر حتى قتل؛ لأن خبيبا صبر على ذلک حتى صلب وسماه النبي صلى الله عليه سيّد الشهداء. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٤١-٢٤٢، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٦)

البحرالرائق، كتاب الإكراه، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۳۳-۱۳۴، كوئٹه ۸/ ۷۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نقل المصنف ثمة، وهنا عن الحاوي، وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر، كما رخّص الخمر للعطشان وعليه الفتوىٰ. درمختار. وفي الخانية: في معنى قوله عليه السلام : إن اللّٰه لم يجعل شفاء كم فيما حرّم عليكم كما رواه البخاري أن ما فيه شفاء لا بأس به، كما يحل الخمر للعطشان في الضرورة، وكذا اختاره صاحب النهاية في التجنيس، فقال: لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وأنفه جاز للاستشفاء وبالبول أيضاً إن علم فيه شفاء لا بأس به، لكن لم ينقل ردالمحتار وفيه بعد أسطر ونص ما في الحاوي القدسي إذا سال الدم من أنف إنسان، ولا ينقطع حتىٰ يخشى عليه الموت، وقد علم أنه لو كتب فاتحة الكتاب أو الإخلاص بذلک الدم على جبهته ينقطع، فلا يرخص له ما فيه، وقيل: يرخص كما رخص في الخمر للعطشان، وأكل الميتة في المخمصة وعليه الفتوىٰ. ردالمحتار، جلد ۱ ص ۱۴۰ (۱)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، قبيل فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵-۳۶۶، كراچی ۱/ ۲۱۰۔

وقد وقع الاختلاف بين مشايخنا في التداوي بالمحرم ففي النهاية عن الذخيرة الاستشفاء بالحرام يجوز إذا علم أن فيه شفاء، ولم يعلم داواء آخر، وفي فتاوى قاضي خان معزيا إلى نصر بن سلام: معنى قوله عليه السلام: إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرّم عليكم" إنما قال ذلک في الأشياء التي لا يكون فيها شفاء، فأما إذا كان فيها شفاء فلا بأس به، ألا ترى أن العطشان يحل له شرب الخمر للضرورة اه. وكذا اختار صاحب الهداية في التجنيس، فقال: إذا سال الدم من أنف إنسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وأنفه يجوز ذلک للاستشفاء والمعالجة، ولو كتب بالبول إن علم أن فيه شفاء لا بأس بذلک، لكن لم ينقل، وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء، ألا ترى أن العطشان يجوز له شرب الخمر والجائع يحل له أكل الميتة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۰۴-۲۰۵، كوئٹه ۱/ ۱۱۶)

تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۹۷، إمداديه ملتان ۱/ ۲۸۔

یہ عبارت مشعر اختلاف کی ہے۔ اور اگر نوبت ہلاک نہیں پہنچی یا دوسری دوا یا تدبیر عمل وغیرہ مباحات میں سے ممکن النفع ہے یا کوئی کافر یا مسلمان فاسق یا نا تجربہ کار اس کو نافع کہے، اس وقت کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

لما مر من الحاوي ولا ينقطع حتى يخشى عليه الموت (۱)۔ وكما ذكر في الدرالمختار: أو باخبار طبيب حاذق مسلم مستور، وأفاد في النهر تبعاً للبحر جواز التطيب بالكافر فيما ليس فيه إبطال عبادة، قلت: وفيه كلام. جلد ۲ ص ۱۱۶ (۲)۔

اور درصورت پائے جانے کل شرائط مذکور کے ہر چند کہ اس فعل کے جواز وعدم جواز میں کلام واختلاف ہو لیکن جواز ترک متفق علیہ ہے، یعنی اگر نہ کیا تو کسی کے نزدیک گنہگار نہ ہوگا کیونکہ دوا کرنا واجب نہیں۔ اگر دوائے مباح بھی نہ کرے تب بھی جائز ہے۔ **فالحرام بالأولىٰ .**

قوله: دل عليه أقول: فيه نظر؛ لأن إساغة اللقمة بالخمر وشربه لإزالة العطش إحياء لنفسه متحقق النفع، فلذا يأثم بترك الأكل مع القدرة عليه حتى يموت بخلاف التداوي، ولو بغير محرم، فإنه لو تركهُ حتى مات لا يأثم، كما نصوا عليه؛ لأنه مظنون كما قدمناه تأمل. ردالمحتار، جلد ۵ ص ۲۴۹ (۳)۔

---

(۱) شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، قبيل فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۶، كراچی ۱/ ۲۱۰۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۰۴، كراچی ۲/ ۴۲۲۔

أما إذا كان الاحتقان لضرورة ومتعينا فقد أجاز الحنفية والشافعية الاحتقاق بالمحرم إذا كانت الضرورة يخشى معها على نفسه، وأخبره طبيب مسلم حاذق أن شفاء ه يتعين بالتداوي بالمحرم على أن يستعمل قدر حاجته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۸۸)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۔

(۳) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۸، كراچی ۶/ ۳۸۹۔

پس جس حالت میں کہ ترک میں کسی کے نزدیک گناہ نہیں اور فعل میں بعض کے نزدیک گناہ ہے، بہرحال ترک احوط ہوا۔ لقول اللہ تعالیٰ:

فبشّر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه (۱)۔ ولقوله عليه السلام: دع ما يريبك (۲)۔ ولقول الفقهاء رحمهم الله: ما (*) اجتمع الحلال والحرام إلا غلب الحرام (۳)۔ وقد أمرنا رسول الله ﷺ في مثل هذا إذا تعارضت الدلائل وتشتتت الأقاويل استفت قلبك (۴)۔ ولو أفتاك المفتون فلما رجعنا إلى قلبنا أفتانا بالمنع أي المنع لاسيما، والمقام مقام الهيبة والتعظيم، وقد قال الله تعالىٰ في حق هٰذا الكلام

(*) ليس المراد أنه داخل في الاجتماع، بل المراد أن الاحتياط هو مبنى هذه القاعدة، فثبت مقصودية الاحتياط. ۱۲ منه

---

(۱) سورة الزمر، رقم الآية: ۱۸۔

(۲) **عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي رضي الله عنهما ماحفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت منه "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك"**. (نسائي شريف، كتاب الأشربة، الحث على ترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/ ۲۸۵، دارالسلام، رقم: ۵۷۱۴)

(۳) الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الثانية، قديم ص: ۱۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۱۔

ما اجتمع محرم ومبيح إلا غلب المحرم. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱٤)

(۴) **أخرج أحمد في مسنده حديثا طويلا –وفيه– فقال: يا واصبة! أخبرك أو تسئلني؟ قلت: لا بل أخبرني، فقال: جئت تسألني عن البر والإثم؟ فقال: نعم، فجمع أنامله فجعل ينكت بهن في صدري ويقول: يا واصبة! استفت قلبك واستفت نفسك ثلاث مرات البر ما اطمأنّت إليه النفس والإثم ما حاك في النفس، وتردد في الصدر، وإن أفتاك الناس وافتوك**. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۲۲۸، رقم: ۱۸۱۶۹)

مسند الدرامي، كتاب البيوع، باب دع ما يريبك إلى ما لا يريبك، دارالمغني رياض ۳/ ۱٦٤۹، رقم: ۲۵۷۵۔

رفيع المقام: فلا أقسم بمواقع النجوم وإنه لقسم لو تعلمون عظيم انه لقرآن كريم في كتاب مكنون لايمسه إلا مطهّرون ط (۱)۔ وقال تعالیٰ: كلا انها تذكرة فمن شاء ذكره في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدى سفرة كرام بررة ط (۲)۔ وقال تعالیٰ: ومن يعظم شعائر اللّٰه فانها من تقوى القلوب ط (۳)۔ ولاريب أنه من أعظم الشعائر فتعظيمه عين تعظيم المتكلم به سبحانه وتعالیٰ شانه، وقد نهانا الشرع عن قراء ته وكتابته ومسه وأنا جنب، وعن الأخيرين وأنا محدثون، وأمرنا بتعظيمه وتضخيمه وتحسينه وتزيينه، فالأدب الأدب تنج عن الكرب، ولنعم ماقيل بالفارسية (۴):

چیست قرآن اے کلامِ حق شناس ☆ رونمائے رب ناس آمدبہ ناس
حرف حرفش راست دربر معنیے ☆ معنیے در معنیے در معنیے
لعبتِ بازیچہ اش فہمیدۂ ☆ باخذف گنجینۂ سنجیدۂ
ایں نہ ایمان است نہ دین است اے اضل ☆ اقتدائے کفر ومصحف دربغل
ازسرِ درسِ ملاہی بازآ ☆ دردبستانِ الٰہی باز آ
بس کن اے نادان بس کن ایں خروش ☆ آنچہ میگوئی بگو باعقل وہوش

واللہ اعلم ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۱۲۹ جلد ۲)

---

(۱) سورة الواقعة، رقم الآية: ۷۵ تا ۷۹۔

(۲) سورة عبس، رقم الآية: ۱۱ تا ۱۶۔

(۳) سورة الحج، رقم الآية: ۳۲۔

(۴) **خلاصہ ترجمہ اشعار**:

اے کلامِ حق کو جاننے والے قرآن کیا ہے؟ رب العالمین نے لوگوں کے لئے اس کو وجود بخشا ہے۔
اس کا ایک ایک حرف اپنے معنی میں سچا ہے اس کے ایک ایک معنی میں سو سو معنی ہیں
کیا تو نے اس کو بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے؟ کیا ٹھیکروں کے ساتھ خزانہ کو تول رہا ہے؟
اے گمراہ یہ نہ ہی ایمان ہے نہ دین ہے تو بغل میں قرآن رکھ کر کفر کی اقتداء کر رہا ہے
باغ خداوندی (قرآن) میں بے کار اور لغو سبق پڑھنے پڑھانے سے باز آ
اے نادان بس کر اور اس شور مچانے کو بند کر اور جو بھی کہہ عقل وہوش کے ساتھ کہہ

ننگے سر قرآن مجید کی تلاوت

سوال (۲۳۰۹): قدیم ۴/ ۳۹- بلاٹوپی ننگے سر قرآن مجید پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں (۱)۔ ۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۱۰)

بغیر متن کے ترجمہ قرآن کی اشاعت کا حکم

سوال (۲۳۱۰): قدیم ۴/ ۳۹- مولانا صاحب سندھی نے ترجمہ کلام اللہ سندھی زبان میں کیا ہے، یعنی اس طرح کہ کلام اللہ کی عربی عبارت ہیچ نہیں ہے، فقط سارے کلام اللہ کو سندھی میں کر دیا ہے اور آیت آیت پر ہندسہ لگا دیا ہے اوپر سیپارہ کا نام اور سورت کا نام لکھ دیا ہے، مشہور سندھی کلام اللہ ہوا ہے، پس یہ ترجمہ عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ اور تدریس میں ہم ناواقفوں کو خرید کرنا اور پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ عنہم کا فقط نام لکھ دیا ہے اور کلام بے تعظیمی جیسا کیا ہے، اور بہت سے ناواقف خریدنے لگے ہیں۔

---

(۱) ''محیط برہانی'' اور ''ہندیہ'' وغیرہ میں ہے کہ تلاوت کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ حسب حیثیت عمدہ لباس پہن کر، عمامہ باندھ کر تلاوت کرے، اس سے معلوم ہوا کہ برہنہ سر تلاوت کرنا خلاف افضل ہے، مکروہ نہیں۔

من أراد أن يقرأ القرآن ينبغي أن يكون على أحسن أحواله يلبس أحسن ثيابه، ويتعمم ويستقبل القبلة تعظيما للقرآن. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع: مسائل الدعاء، المجلس العلمي ٧/ ٥١٤، رقم: ٩٤٥٤)

رجل أراد أن يقرأ القرآن فينبغي أن يكون على أحسن أحواله يلبس صالح ثيابه، ويتعمم ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقه واجب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣١٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٦٥)

رجل أراد أن يقرأ القرآن ينبغي أن يكون على أحسن أحواله يلبس صالح ثيابه، ويتعمم ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقه واجب. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في التسبيح والتسليم الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٢٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: تصریح حکم کی تو نظر سے نہیں گذری، قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ فی نفسہٖ تو جائز ہو مگر آئندہ اس میں جن مفاسد کا احتمال ہے ان کے اعتبار سے قابل احتیاط ہے(۱)۔

۶؍ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

بغیر متن کے ترجمہ قرآن مجید کی اشاعت ناجائز ہے

سوال (۲۳۱۱): قدیم ۴/۳۹- ایک مولوی صاحب نے ایک کتاب دکھلائی جس میں محض ترجمہ تھا، کلام مجید یعنی عربی عبارت کہیں بھی نہ تھی؛ بلکہ انجیل کے ترجمہ وغیرہ کے مانند ایک گورکھپور کے وکیل نے مختلف تراجم قرآن سے اخذ کر کے لکھا ہے، اس پر مولوی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں جناب والا کو لکھوں کہ اس مترجم پر جناب والا تکفیر کا فتویٰ لگا دیں، میں نے عرض کیا کہ تکفیر کا فتویٰ لگانا تو کسی مسلمان پر تاوقتیکہ کوئی امر صریح مکفّر نہ پایا جاوے مناسب نہیں، ہاں اس امر مذموم سے روکنا ضرور ہے، سو جناب والا سے گذارش ہے کہ اس امر کے متعلق کچھ ارشاد اور تحریر فرماویں۔

الجواب: نصوص صحیحہ صریحہ سے تشبّہ باہل الباطل خصوص غیر مسلم پھر خصوص اہل کتاب کی مذمّت اور اس کا محلِ وعید ہونا ثابت ہے۔ **من تشبّہ بقوم فھو منھم** (۲)۔ میں وعید کا شدید ہونا ظاہر ہے کہ

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کا زیر نظر فتوی ۱۳۳۰ھ کا ہے، جس میں حضرت نے بغیر متن کے خالص ترجمہ کلام پاک کی اشاعت کی گنجائش دی ہے اور اس سے اجتناب کو قابل احتیاط قرار دیا ہے، اس کے بعد حضرت والا نے ۱۳۳۲ھ میں اشاعت ترجمہ کلام پاک سے متعلق ایک مفصل و مدلل فتوی جاری کیا ہے، جس میں حضرت نے بغیر متن کے خالص ترجمہ کلام پاک کی اشاعت کو ناجائز وممنوع قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کا زیر نظر فتوی مرجوع عنہ ہے اور حضرتؒ کا مرجوع الیہ فتوی سوال نمبر: ۲۳۱۱ کے ذیل میں منقول ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) **عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دار السلام رقم: ۴۰۳۱)

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۳۶۹، رقم: ۲۹۶۶۔

کفار کے ساتھ تشبّہ کرنے کو کفّار میں سے شمار ہونے کا موجب فرمایا گیا۔ دوسری حدیث: لتر کبنّ سنن من کان قبلکم (الحدیث(۱) میں اس مماثلت کو موقع تشنیع میں ارشاد فرمایا گیا، اور یہ بالکل یقینی ہے کہ اس وقت کتاب الٰہی کا ترجمہ غیر حامل المتن جداگانہ شائع کرنا اہلِ کتاب کے ساتھ تشبّہ ہے، ایسے امر میں جو عرفاً وعادةً ان کے خصائص میں سے ہے۔ سواول تو ان کے ساتھ تشبّہ ہی مذموم ہے، پھر خصوص جب وہ تشبّہ أمر متعلق بالدّین میں ہو کہ تشبه في الأمر الدنیاوي سے تشبه في الأمر الدیني اشد ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے گوشت شتر چھوڑنے پر آیت یٰآیُّھَا الذین اٰمنوا ادخلوا في السلّم کافةً ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن نازل ہونا(۲)۔

---

(۱) عن أبی واقد اللیثي أن رسول الله صلى الله علیه وسلم لما خرج إلى حنین مر بشجرة للمشرکین یقال لها ذات أنواط یعلقون علیها أسلحتهم، فقالوا یا رسول الله! اجعل لنا ذات أنواط کما لهم ذات أنواط، فقال النبي صلى الله علیه وسلم: سبحان الله! هذا کما قال قوم موسى: اجعل لنا إلها کما لهم آلهة، والذي نفسي بیده لترکبن سنّة من کان قبلکم. (ترمذي شریف، کتاب الفتن، باب ماجاء لترکبنّ سنن من کان قبلکم، النسخة الهندیة ۲/ ۴۱، دارالسلام رقم: ۲۱۸۰)

عن سهل بن سعد الأنصاري رضى الله عنه عن النبي صلى الله علیه وسلم قال: والذي نفسي بیده لترکبن سنن من کان قبلکم مثلا بمثل. (مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۳۴۰، رقم: ۲۳۲۶۶)

(۲) أخرج ابن جریر عن عکرمة قال: قال عبدالله بن سلام وثعلبة وابن یامین وأسد وأسید ابني کعب وسعید بن عمرو بن قیس بن زید کلهم مؤمني الیهود: یا رسول الله! یوم السبت یوم کنا نعظمه فدعنا فلنسبت فیه، وإن التوراة کتاب الله فدعنا فلنقم بها باللیل، وکذا قال البغوي، وقال: کانوا یکرهون لحوم الإبل وألبانها بعد ما أسلموا فنزلت: یایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة. (تفسیر مظهري تحت رقم الآیة: ۲۰۸، من سورة البقرة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۷۷)

أخرج غیر واحد عن ابن عباسؓ أنها نزلت في عبدالله بن سلام وأصحابه، وذلک أنهم حین آمنوا بالنبي صلى الله علیه وسلم وآمنوا بشرائعه وشرائع موسى علیه السلام فعظموا السبت وکرهوا لحمان الإبل وألبانها بعد ما أسلموا فأنکر ذلک علیهم المسلمون، فقالوا: إنا نقوي على هذا ...... وقالوا للنبي صلى الله علیه وسلم: إن التوراة کتاب الله تعالیٰ فدعنا فلنعمل بها، فأنزل الله تعالى هذه الآیة. (روح المعاني، سورة البقرة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۴۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبتل اور ترہب کا انکار فرمانا (۱) اس کی کافی دلیل ہے۔ مشکوۃ کتاب النکاح وکتاب الاعتصام **لاتشدّدوا علی أنفسكم** (الحدیث)(۲) اور اس میں بھی خاص کر جب کہ ان کو دیکھ کر ان کی تقلید کی جاوے کہ اتفاقی تشبہ سے یہ اور بھی زیادہ مذموم ہے اور اس وقت اکثر لوگ ایسے کام انہی لوگوں سے اخذ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الانواط کی درخواست پر کیسا زجر فرمایا تھا، یہ تشبّہ مذکور خصوص قیدین مذکورین کے ساتھ تو اس میں مفسدہ حالیہ ہے، اور یہ بھی اس کے منع کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ اس میں اور مفاسد مآلیہ شدیدہ بھی متحقق ہیں، مثلاً خدانخواستہ اگر یہ طریق مروّج ہوگیا تو مثل تورات وانجیل احتمال قوی اصل قرآن مجید کے ضائع ہوجانے کا ہے اور حفاظت اصل قرآن مجید کی فرض اور اس کا اخلال حرام ہے، اور ترجمہ وتفسیر کا اصل سے مجرد نہ ہونا مقدمہ اور سبب ہے حفاظت کا۔ اور اصل سے مجرد ہونا مقدمہ اور سبب ہے اخلال کا اور فرض کا مقدمہ فرض اور حرام کا مقدمہ حرام ہے، اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ احتمال بعید ہے محققان دین ومبصرانِ اسلام سے ایسے احتمالات کا اعتبار ثابت ہے، پھر خواہ بعید ہو یا قریب ہم پر بھی واجب ہے کہ اس کا لحاظ کریں، حضرات شیخینؓ نے بعض قراء کی شہادت کے وقت

---

(۱) عن أنس أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر، فقال بعضهم: لا أتزوّج النساء، وقال بعضهم: لا آكل اللحم، وقال بعضهم: لا أنام على فراش، فحمد الله وأثنى عليه فقال: ما بال أقوام قالوا كذا وكذا، لكني أصلي وأنام، وأصوم، وأفطر، وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني.
(مسلم شريف، النكاح، باب استحباب النكاح ممن تاقت نفسه إليه الخ، النسخة الهندية ١/ ٤٤٨، بيت الأفكار رقم: ١٤٠١)

بخاري شريف، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، النسخة الهندية ٢/ ٧٥٧، رقم: ٤٨٧٢، ف: ٥٠٦٣۔

(۲) عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: لا تشددوا على أنفسكم فيشدد الله عليكم، فإن قوما شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم فتلك بقاياهم في الصوامع والديار رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم. رواه أبو داؤد. (أبو داؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الحسد، النسخة الهندية ٢/ ٦٧٢، دارالسلام رقم: ٤٩٠٤)

بعد سرسری مناظرہ کے محض ضیاع قرآن کے احتمال کا اعتبار کر کے قرآن مجید کے جمع کا اہتمام ضروری قرار دیا تھا (۱) حالانکہ قرآن مجید اس وقت بھی متواتر تھا، اور اس کے ناقل اس کثرت سے موجود تھے کہ اس کے تواتر کا انقطاع احتمال بعید تھا؛ لیکن پھر بھی اس کا لحاظ کیا گیا، پس جیسا اس وقت عدم کتابت میں احتمال ضیاع کا تھا، اسی طرح صرف ترجمہ کی کتابت میں اس کا احتمال ہے اور اس احتمال کے وقوع کا وہی نتیجہ ہوگا جیسا حدیث میں ہے: **امتهوكون أنتم كما تهوكت اليهود والنصارىٰ** (مشکوۃ ص ۲۲ (۲)۔

---

(۱) **عن عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: أرسل إلي أبوبكر مقتل أهل اليمامة، فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبوبكر رضي الله عنه إن عمر أتاني، فقال: إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن، وإني أخشى أن يستحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن، وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر: كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال عمر: هذا والله خير، فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك، ورأيت في ذلك الذى رأى عمر، قال زيد: قال أبوبكر: إنك رجل شاب عاقل لانتهمك وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه، فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن، قلت: كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: هو والله خير، فلم يزل أبو بكر يراجعني حتى شرع الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر، فتتبعت القرآن أجمعه من العسف واللخاف، وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبي خزيمة الأنصاري لم أجد مع أحد غيره "لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم" حتى خاتمة البراء ة، فكانت الصحف عند أبي بكر حتى توفاه الله ثم عند عمر حياته، ثم حفصة بنت عمر رضي الله عنها.** (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ۲ / ۷۴۵، رقم: ۴۷۹۵، ف: ۴۹۸۶)

(۲) **عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم حين أتاه عمر فقال: إنا نسمع أحاديث من يهود تعجبنا افترى أن نكتب بعضها، فقال: امتهوكون أنتم كما تهوكت اليهود والنصارى لقد جئتكم بها بيضاء نقية، ولو كان موسى حيا ما وسعه إلا اتباعي. رواه أحمد والبيهقي في شعب الإيمان.** (مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۳۰، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳۸۷، رقم: ۱۵۲۲۳)

اور مثلاً یہ مفسدہ ہوگا کہ حسب تصریح فقہاء اس ترجمہ کو بلا وضو مس کرنا جائز نہ ہوگا۔

كما في العالمگيرية: لو كان القرآن مكتوباً بالفارسية يكره لهم مسه عند أبي حنيفةؒ، وكذا عندهماؒ على الصحيح، هكذا في الخلاصة (ج ۱ ص ۲۴ (۱)۔ **وفيه أيضاً: إذا قرأ آية السجدة بالفارسية فعليه وعلىٰ من سمعها السجدة فهم السامع أو لا إذا أخبر السامع أنه قرأ آية السجدة** (ص ۸۵ ج ۱ (۲)۔ **وهٰذه الجزئية الثانية تويد الأولىٰ حيث وجب سجدة التلاوة بقرأة القرآن بالفارسية فعلم منه أن الترجمة بالفارسية لاتخرج القرآن عن كونه قرآنا حكمًا فلا يجوز مسه للمحدث.**

اور یقینی بات ہے کہ عامۂ ناس اس ترجمہ کو ایک کتاب خالی از قرآن سمجھ کر ہرگز اس کے مس کے لئے وضو کا انتظام نہ کریں گے، تو ایسا ترجمہ شائع کرنا سبب ہوگا ایک غیر مشروع کا، اور سبب غیر مشروع کا غیر مشروع ہے، اور مثلاً اس کا احترام بھی زیادہ نہ کریں گے، اور غیر قابل انتفاع ہوجانے کے وقت مثل دیگر معمولی کتب کے اوراق کے اس کے اوراق کا استعمال بھی کریں گے، تو اس سے یہ بھی ایک محذور لازم آوے گا اور محذور کا سبب لامحالہ محذور ومحظور ہے۔ اور مثلاً آج تک امت میں کسی نے ایسا نہیں کیا، اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس پر انکار کیا گیا، چنانچہ میں نے محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم مالک مطبع نظامی سے سنا ہے کہ کسی نے لکھنؤ میں ایسا ہی ایک پارہ چھاپا تھا، مگر علماء نے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دی تو اس شخص نے اس کے اوراق کو قرآن مجید کی دفتیوں میں چسپاں کرا کر پوشیدہ کردیا، اور چنانچہ اس وقت بھی ایسے ترجمے غیر حامل متن پر علماء کو انکار ہے، چنانچہ اس جواب لکھنے کے قبل ایک مجمع علماء سے میں نے ذکر کیا تو ایک نے بھی اس میں نرمی نہیں فرمائی؛ بلکہ سب نے شدید انکار کیا باوجودیکہ دوسری زبان والے مسلمانوں کو اس قسم کی حاجت بھی واقع ہوئی، جس حاجت کی بناء پر اب ایسا کیا گیا ہے، تو باوجود اس کے

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع الخ، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۳۹، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۹۳۔

يكره عند أبي حنيفة لغير المتطهّر مس المصحف ولو مكتوبا بالفارسية، وكذا عند الصاحبين على الصحيح. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۰)

(۲) هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر: في سجود التلاوة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۳۳، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۳۔

تمام امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع کی، اس امر کے مذموم ومنکرا تفاقاً واحیاناً واقع ہونے پر، علماء امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع کی اس امر کے مذموم ومنکر ہونے پر جس میں یہ احادیث وارد ہیں۔

إن اللّٰه لا يجمع أمتي على الضلالة، ويد الله على الجماعة، ومن شذ شذّ في النار واتبعوا السواد الأعظم (مشکوٰۃ) (۱)۔

اور مثلاً اب تو قرآن مجید سے کچھ علاقہ بھی ہے، اگر ترجمہ سے بھی مدد لیتے ہیں تو اصل بھی ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس بہانہ سے کچھ پڑھ بھی لیتے ہیں۔ اور پھر تو قرآن سے بالکل ہی بے تعلق اور اجنبی ہوجاویں گے اور بے ساختہ یہ آیت ان پر صادق آنے لگے گی۔

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْن (۲)۔

اور مثلاً اگر ترجموں میں کچھ اختلاف ہے تو اصل بھی سامنے ہے، اس کو سب نسخوں میں متحد پاتے ہیں، تو اختلاف کا خیال اصل تک نہیں پہنچتا، اور جب ترجمے ہی ترجمے رہ جاویں گے اور اصل نظروں سے غائب ہوگی تو اس وقت یہ اختلاف کلام اللہ کی طرف منسوب ہوگا، بعد چندے یہ گمان ہونے لگے گا کہ اصل حکم ہی مختلف ہے، یہ تو اعتقاد پر اس کا اثر ہوگا، اور عمل پر یہ اثر ہوگا کہ ترجموں کو لے لے کر آپس میں لڑیں گے، اور مراجعت الی الاصل کی توفیق ہوگی نہیں جو مدار ہوسکتا ہے فیصلہ کا۔ پس اُس آیت کا مضمون ظاہر ہوجاوے گا۔

---

(۱) **عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله لا يجمع أمتي أو قال: أمة محمد على ضلالة، ويد الله على الجماعة، ومن شذّ شذّ في النار. رواه الترمذي. وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اتبعوا السواد الأعظم؛ فإنه من شذ شذ فى النار. رواه ابن ماجة من حديث أنس.** (مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۳۰)

ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب في لزوم الجماعة، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دارالسلام رقم: ۲۱۶۷۔

ابن ماجة شريف، أبواب الفتن، باب السواد الأعظم، النسخة الهندية ص: ۲۸۳، دارالسلام رقم: ۳۹۵۰۔

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ۱۰۱۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۱)۔

اور مثلاً اب تو ترجمہ کو مستقل کتاب نہیں سمجھتے، قرآن کا تابع سمجھتے ہیں۔ اگر کہیں مطلب نہیں سمجھتے ہیں یا غلط سمجھتے ہیں یا فصاحت و بلاغت سے گرا ہوا پاتے ہیں، تو فہم کا یا مترجم کا قصور سمجھتے ہیں، اور مترجم کو مالک دین کا نہیں جانتے۔ نیز کسی مترجم کو ہمّت تحریف معنوی کی بھی نہیں ہوسکتی کہ اصل سامنے ہونے سے ہر طالب علم اس پر گرفت کرسکے گا۔ اور ایسا ترجمہ اگر ہوا تو اس کو مستقل کتاب سمجھیں گے، کسی کا تابع نہ سمجھیں گے اور تمام آثار مذکورہ کی اضداد واقع ہوں گی، خصوص مترجمین ہی کا مطبوع مستقل ہوجانا یہ سب سے بڑھ کر آفت ہوگی۔ اور اہل زیغ کو بہت آسانی سے موقع غلط ترجمہ اور تفسیر کا ملے گا؛ کیونکہ ہر دیکھنے والا حافظ نہیں، اور مراجعت اصل کی طرف ہر وقت آسان نہیں ہوتی۔

کما قال تعالیٰ: اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ (۲)۔

اور پھر اسی طرح کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں، جن کو انشاء اللہ تعالیٰ علماء ظاہر کریں گے، اسی لئے جا بجا لفظ مثلاً لایا گیا ہے، اس وقت دس ہی وجوہ پر جس کو عشرۃ کاملہ کہا جاسکتا ہے اکتفا کیا جاسکتا ہے، مگر کاملہ کا ختم ہونا لازم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۳)۔ اور فقہاء نے اسی قاعدہ پر یہاں تک تفریع فرمائی ہے کہ جس شخص کو بھیک مانگنا حرام ہے اس کو بھیک دینا بھی حرام ہے؛ کیونکہ اگر دینے والے دیں نہیں تو مانگنے والا مانگنا چھوڑ دے (۴)۔

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۱۳۔

(۲) سورة التوبة، رقم الآية: ۳۱۔

(۳) سورة المائدة، رقم الآية: ۲۔

(۴) **ولا يحل أن يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۵-۳۰۶، كراچی ۲/ ۳۵۵)

وإذا حرم السؤال عليه إذا ملك قوت يومه فهل يحرم الإعطاء له إذا علم حاله؟ قال الشيخ أكمل الدين في شرح المشارق: وأما الدفع إلى مثل ذلك السائل عالما بحاله، فحكمه في القياس أن يأثم بذلك؛ لأنه إعانة على الحرام. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۷، كوئٹه ۲/ ۲۵۰) ←

اسی طرح اس ترجمہ کے متعلق یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ایسے ترجمے کو اگر کوئی شخص نہ بقیمت لے اور نہ بلا قیمت تو پھر ایسے تراجم کا سلسلہ بند ہو جاوے اور لینے کی صورت میں سلسلہ جاری رہے گا۔ پس ایسے ترجمہ کا خریدنا یا ہدیہ میں قبول کرنا اعانت ہوگی ایک امر ناجائز کی اس لئے یہ بھی ناجائز ہے(۱)۔

۲۷/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱-۲ص ۱۵۶)

ہندی زبان میں ترجمہ کلام پاک کے لئے خاص مشورہ

سوال (۲۳۱۲): قدیم ۴/۴۲ - آج کل فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں اس امر کو بڑی سختی کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ہمارے پاک مذہب اسلام کے متعلق ہندی زبان میں جو ہمارے کروڑوں برادران کی نوشت وخواند اور مذہبی معلومات کی زبان ہے، بہت کم لٹریچر موجود ہے، علی الخصوص یہ امر کہ اس وقت تک مسلمانوں کی طرف سے قرآن مجید کا کوئی مکمل ہندی ترجمہ شائع نہیں کیا گیا ہے، جو ایک بڑی غفلت اور تبلیغی کمی تھی، اب خاکسار نے انجمن تبلیغ اسلام نگرام کے حسب ہدایت ہندی زبان میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مرتب کرنے کے بعد خدا کا نام لے کر کلام پاک کے ہندی ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے، الحمد للہ کہ جناب بابو حاجی عبدالعزیز خاں صاحب تعلق دار ہاریمو سلطان پور اودھ نے اپنی حمیّت اسلامی اور عالی ہمتی سے ترجمہ کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمہّ لے لیا ہے۔ **جزاہ اللّٰہ عنا وعن سائر المسلمین.**

اب جناب والا سے درخواست ہے کہ اس اہم اور ضروری خدمت کے متعلق اپنے مفید مشوروں سے خاکسار کو مطلع فرمائیں گے، اور مذہبی حیثیت سے اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن

← **بقي هل يأثم معطي من له القوت مع العلم بحاله؟ قال الأكمل في شرح المشارق: في القياس نعم للإعانة على المحرم.** (النهر الفائق، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٦٩)

الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الرابعة عشر: ما حرم أخذه حرم إعطاءه، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٩٢۔

(۱) **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [المائدة، رقم الآية:٢]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کلام پاک عربی خط میں رکھا جائے یا ہندی رسم الخط میں لکھا جائے؛ اس لئے کہ اس ترجمہ کے ذریعہ سے صرف ناگری جاننے والے مسلمانوں کو ارتداد کے زہر سے بچانا مقصود ہے، اور غیر مسلم ناگری خواں کو راہِ ہدایت دکھانا مقصود ہے، جیسا کہ آج کل راجپوتانہ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ جناب والا جواب باصواب سے جلد سرفرازی بخشیں گے۔

الجواب: بہت ہی نیک کام ہے حق تعالیٰ مدد فرماوے اور مکمل فرماوے، بنا بر اجازت ذیل کے مشورے پیش کرتا ہوں۔

نمبر (۱): اگر ترجمہ اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ بطور خود مطالعہ کیا کریں گے تو اس طور سے مطالعہ کرنے میں تجربہ سے سخت غلط فہمیوں کا احتمال ہے، اور اگر اس غرض سے ہے کہ کسی عالم سے پڑھ لیا کریں تو بہت مفید ہے۔

نمبر (۲): مترجم اگر جامع اور متدین عالم ہیں تو مستقل ترجمہ کا مضائقہ نہیں، ورنہ تراجم مقبولہ میں سے کسی بزرگ کے ترجمہ کی صرف زبان بدلنا کافی ہے۔ مستقل ترجمہ مناسب نہیں۔

نمبر (۳): متن میں قرآن مجید عربی ہی خط میں رکھنا چاہئے۔ ہندی رسم الخط میں کوئی ضرورت نہیں، بے پڑھائے تو ہندی میں ہونے سے بھی کوئی نہیں پڑھ سکے گا، اور پڑھانے سے عربی حروف کا یاد کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں۔ اور جو اصل مقصود ترجمہ کے متعلق ہے، یعنی ارتداد سے بچانا اور اسلام کی طرف لانا، اس میں عربی و ناگری رسم الخط داخل نہ ہونے میں برابر ہے، علاوہ اس کے ہندی یا ناگری میں بعض حروف عربیہ کی شکل ہی نہیں، جیسے ق، ض، ط، ظ، ز، مثلاً پس جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جاوے گا تو ظاہر ہے کہ اصلی حروف پڑھے بھی نہ جاویں گے، تو اس میں عمداً تحریف کا جائز رکھنا ہے۔ وھو حرام (۱) **هذا ما حضر الآن، ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.**

۳؍رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۱)

---

(۱) **اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۷۵]

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۱۳]

وقال الإمام المحبوبيؒ: أما لو اعتاد قراءة القرآن أو كتابة المصحف بالفارسية ←

قرآن کو ناگری خط میں لکھنے کا حکم

سوال (۲۳۱۳): قدیم ۴/۴۴ - تمہید سوال وجواب آئندہ: ایک سوال مع ایک نمونہ مطبوعہ ترجمہ وتفسیر کے آیا، جس کا ذکر تحریر ذیل کے خطبہ میں ہے، یہاں سے دو جواب ایک مجمل ایک مفصل

← **يمنع منه أشد المنع حتى أن واحدا من أهل الأهواء في زمان الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضلؒ كتب فتوى وبعثها إليه أن الصبيان في زماننا يشق عليهم التعلم باللغة العربية هل يجوز لنا أن نعلمهم بالفارسية، فقال للمستفتي: ارجع حتى نتأمل، ثم استخبر من حاله، فإذا هو كان معروفا بفساد مذهبه، فأعطى لواحد من خدامه سكينا، فقال: اقتله بهذا، ومن أخذك به فقل: إن فلانا أمرني به ففعل فجاء الشرطي إليه، وقال: إن الأمير يدعوك، فذهب الشيخ إليه فقص القصة، وقال: إن هذا كان يريد أن يبطل كتاب الله تعالى فخلع له الأمير وجازاه بالخير ...... وكان الشيخ أبوبكر محمد بن الفضل يقول: الخلاف فيما إذا جرى على لسانه من غير قصد أما من تعمد ذلك يكون زنديقا أو مجنونا، فالمجنون يداوى والزنديق يقتل.** (كفاية مع الفتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٩١، كوئٹه ١/ ٣٤٨-٣٤٩)

ولأجل الأمن من أي تحريف أو تغيير فى كلام الله تعالىٰ التزم جمهور علماء الأمة رسم خط المصحف العثماني دون تغيير فيه، مهما تغير اصطلاح الكتابة في العصور اللاحقة، قال الزركشي: ولم يكن ذلك منهم كيف اتفق بل على أمر عندهم قد تحقق، وقال أبو البقاء في كتاب اللباب: ذهب جماعة من أهل اللغة إلى كتابة الكلمة على لفظها إلا في خط المصحف، فإنهم اتبعوا فى ذلك ما وجدوه في مصحف الإمام، وقال أشهب: سئل مالكؒ: هل تكتب المصحف على ما أخذه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى. رواه الداني، ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة، وقال الإمام أحمد: تحرم مخالفة خط مصحف عثمان -أي رسمه- في ياء أو واو أو ألف أو غير ذلك، وقال أبو عبيد: اتباع حروف المصحف عندنا كالسنة القائمة التي لا يجوز لأحد أن يتعداها.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/ ٢٠١) ←

لکھے گئے جوذیل میں منقول ہیں۔ چونکہ اس کے قبل بھی دوسرے اہل علم کی بعض تحریرات نافعہ امداد الفتاویٰ کا جزو بنائی جا چکی ہیں، اسی طریق پر اب بھی ایسا ہی کیا گیا؟

سوال: حضرت والا بعد سلام مسنون آنکہ یہ نمونہ ارسالِ خدمت ہے۔ امید کہ جلد از جلد جناب والا دفتر ہذا کو اپنی زرّین رائے سے اطلاع بخشیں گے؛ کیونکہ آگے کام بڑھانے کے لئے صحیفہ کا انتظار ہے۔

جواب مجمل از مولوی ظفر احمد صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ

الجواب: (ا): ناگری ہو یا انگریزی ہر دو خط جس میں رسمِ خط مصحفِ عثمانی کی رعایت نہ ہو سکے، اس میں قرآن کا لکھنا کسی طرح جائز نہیں؛ کیونکہ کتابتِ مصحف میں رعایت رسم خط عثمانی واجب ہے، رہے وہ خط جن میں رعایت رسم خط مذکور ہو سکتی ہے، جیسے فارسی یا اردو نستعلیق وامثالہ ان میں قرآن کا لکھنا مختلف فیہ بین القولین ہے، مگر اقرب اور راجح یہ ہے کہ ایسے خطوط میں بھی پورا مصحف لکھنا جائز ہے، ایک دو آیت اتفاقیہ لکھنے کا مضائقہ نہیں۔ الغرض الفاظ قرآنی کو صرف عربی خط ہی میں لکھنا چاہئے، ترجمہ وتفسیر کسی دوسری زبان میں اور دوسرے خط میں لکھنے کا مضائقہ نہیں۔

قال في الاتقان: وقال أشهب: سئل مالک هل یکتب المصحف علی ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا إلا علیٰ الکتبة الأولیٰ. رواه الداني في المقنع، ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة، وقال في موضع آخر: سئل مالک عن الحروف في القرآن

← **قال البیهقيؒ: من کتب مصحفا فینبغي له أن یحافظ علی الهجاء التي کتبوا بها تلک المصاحف ولا یخالفهم فیها ولا یغیر مما کتبوه شیئا فإنهم کانوا أکثر علما وأصدق قلبا ولسانا، وأعظم أمانة منا، فلا ینبغي لنا أن نظن بأنفسنا استدراکا علیهم ولا سقطا لهم.** (شعب الإیمان للبیهقي، باب في تعظیم القرآن، فصل في إفراد المصحف للقرآن، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۴۸)

وفي الکافي: إن اعتاد القراءة بالفارسیة أو أراد أن یکتب مصحفا بها یمنع. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۹۱، کوئٹه ۱/ ۲۴۸)

شامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۸۷، کراچی ۱/ ۴۸۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مثل الواو والألف أترى أن يغير من المصحف إذا وجد فيه كذلک قال: لا، قال أبو عمر: يعني الواو والألف المزيدتين في الرسم المعدومتين في اللفظ نحو أولوا وقال الإمام أحمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو أو ياء أو ألف أو غير ذٰلک اه (ص ۱۷۲ ج۲ (۱)۔ قلت: ولا يمكن رعاية ذلک في خط الهنود، ولا في خط الإنجليزي فغاية مايمكن فيهما أن يكتب الحروف المتلفظ بها فقط، ولا يمكن رعاية الزوائد أصلا، وأيضاً فبعض مايتلفظ من الحروف في العربي لا توجد في هذين اللسانين أصلا مثل الضاد والقاف ونحوهما فيعبر عنها بحروف مشترک بينها وبين غيرها، ولا يخفى مافيه من لزوم التحريف في القرآن، وقال في الإتقان أيضاً: وهل تجوز كتابته بقلم غير العربي قال الزركشي: لم أرفيه كلاما لأحد من العلماء، قال: ويحتمل الجواز؛ لأنه قد يحسنه من يقرأه بالعربية، والأقرب المنع كما تحرم قراءته بغير لسان العرب، ولقولهم: القلم أحد اللسانين والعرب لاتعرف قلما غير العربي، وقد قال تعالىٰ: بلسان عربي مبين آه (ص ۱۷۶، ج۲ (۲) والله أعلم ۱۲/رجب ۱۳۴۲ھ

جواب مفصّل

بسم الله الرحمٰن الرحيم. نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

الجواب: انسداد فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں ناظم صاحب انجمن تبلیغ الاسلام قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ نے قرآن شریف کا ترجمہ بزبان ناگری شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کرکے اس کے متعلق حضرت اقدس حکیم الامت جناب مولانا تھانوی ادام اللہ فیوضہم سے مشورہ طلب کیا تھا اور خصوصیت کے ساتھ اس امر کے متعلق سوال کیا تھا، کہ مذہبی حیثیت سے ترجمہ کے ساتھ متن کلام پاک عربی لفظ میں لکھا جائے یا ہندی خط میں لکھا جائے۔ چنانچہ ۳/رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ کو اس کا جواب بالفاظ ذیل دیا جاچکا ہے۔

---

(۱) الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون: في مرسوم الخط ۲/ ۱۹۶۔

(۲) الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون: في مرسوم الخط ۲/ ۲۰۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بہت ہی نیک کام ہے، حق تعالیٰ مدد فرمائے اور مکمل فرمائے، بنا بر اجازت ذیل کے مشورے پیش کرتا ہوں:

نمبر (۱): اگر ترجمہ اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ بطور خود مطالعہ کیا کریں تو اس طور سے مطالعہ کرنے میں تجربے سے سخت غلط فہمیوں کا احتمال ہے۔ اور اگر اس غرض سے ہے کہ کسی عالم سے پڑھ لیا کریں تو بہت مفید ہے۔

نمبر (۲): مترجم اگر جامع اور متدین ہیں تو مستقل ترجمہ کا مضائقہ نہیں ورنہ تراجم مقبولہ میں سے کسی بزرگ کے ترجمہ کی صرف زبان بدلنا کافی ہے، مستقل ترجمہ مناسب نہیں۔

نمبر (۳): متن میں قرآن مجید عربی خط ہی میں رکھنا چاہئے، ہندی رسم الخط میں کوئی ضرورت نہیں ہے، بے پڑھائے تو ہندی میں ہونے سے بھی کوئی نہیں پڑھ سکے گا اور پڑھانے سے عربی حروف کا یاد کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں، اور جو اصل مقصود ترجمہ کے متعلق ہے، یعنی ارتداد سے بچانا اور اسلام کی طرف لانا، اس میں عربی وناگری رسم الخط داخل نہ ہونے میں برابر ہیں، علاوہ اس کے ہندی یا ناگری میں بعض حروف عربیہ کی شکل ہی نہیں جیسے ق، ض، ظ، ز، مثلاً پس جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اصلی حروف پڑھے بھی نہ جائیں گے تو اس میں عمداً تحریف کا جائز رکھنا ہے۔ وهو حرام (۱)۔ هذا ما حضر الآن، ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرا۔ (ملاحظہ ہو تتمہ خامسہ ص ۲۴۱)

---

(۱) أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. [سورة البقرة، رقم الآية: ۷۵]

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۱۳]

ولأجل الأمن من أي تحريف أو تغيير في كلام الله تعالىٰ التزم جمهور علماء الأمة رسم خط المصحف العثماني دون تغيير فيه، مهما تغير اصطلاح الكتابة في العصور اللاحقة، قال الزركشي: ولم يكن ذلك منهم كيف اتفق بل على أمر عندهم قد تحقق، وقال أبو البقاء في كتاب اللباب: ذهب جماعة من أهل اللغة إلى كتابة الكلمة على لفظها إلا في خط المصحف، فإنهم اتبعوا في ذلك ما وجدوه في مصحف الإمام، وقال أشهب: سئل مالكؒ: هل تكتب المصحف على ما أخذه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة ←

اب اسی انجمن نے مجوزہ ترجمہ وتفسیر کا نمونہ بخط اردو ہمدم برقی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر اظہار رائے کے لئے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا ہے، جس پر عالمانہ حیثیت سے مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون نے بحوالہ تفسیر اتقان مؤلفہ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ایک مفصل فتویٰ حوالۂ قلم فرمایا ہے، جو نمونہ آمدہ کے ساتھ شامل ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ وتفسیر کسی دوسری زبان اور دوسرے خط میں لکھنے کا مضائقہ نہیں، مگر متن قرآن شریف کا ایسے خط میں لکھنا جس میں خط مصحف عثمانی کی رعایت نہ ہو سکے ممنوع ہے۔ اگرچہ اس مفصل ومدلل فتوے کے بعد کسی اور تحریر کے لکھے جانے کی ضرورت نہ تھی، لیکن راقم الحروف نے جو بوجہ ملازمت ریاست الور، ہندی رسم الخط اور ناگری بھاشا سے واقفیت رکھتا ہے، اور آج کل بحصول رخصت تھانہ بھون آیا ہوا ہے، جب اس نمونہ ترجمہ وتفسیر کو دیکھا تو اس میں بعض امور ایسے نظر آئے جن کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوا؛ اس لئے حسب ذیل عرض کیا جاتا ہے۔

← **الأولى. رواه الداني، ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة، وقال الإمام أحمد: تحرم مخالفة خط مصحف عثمان –أي رسمه– في ياء أو واو أو ألف أو غير ذلك، وقال أبو عبيد: اتباع حروف المصحف عندنا كالسنة القائمة التي لا تجوز لأحد أن يتعداها.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۲۰۱)

قال البيهقيؒ: من كتب مصحفا فينبغي له أن يحافظ على الهجاء التي كتبوا بها تلك المصاحف ولا يخالفهم فيها ولا يغير مما كتبوه شيئا فإنهم كانوا أكثر علما وأصدق قلبا ولسانا، وأعظم أمانة منا، فلا ينبغي لنا أن نظن بأنفسنا استدراكا عليهم ولا سقطا لهم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل في إفراد المصحف للقرآن، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۴۸)

وفي الكافي: إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۹۱، كوئٹه ۱/ ۲۴۸)

شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸۷، كراچى ۱/ ۴۸۶۔

كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۹۱، كوئٹه ۱/ ۳۴۸-۳۴۹۔

(۱) انجمن موصوف نے ترجمہ وتفسیر کے لئے طرز ذیل اختیار فرمایا ہے۔ پہلے اصل قرآن شریف کو بخطِ عربی لکھا گیا ہے۔

(۲) پھراسی کے بالمقابل اصل قرآن شریف کو بخط ناگری لکھا گیا ہے۔

(۳) بعدہ ان دونوں کے نیچے قرآن مجید کا ترجمہ بزبان وخط ناگری لکھا گیا ہے۔

(۴) پھراس کی تفسیر بخط ناگری ترجمے کے نیچے کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳ نمونہ ترجمہ وتفسیر)

ان میں نمبر (۱): بالکل درست ہے۔ اصل قرآن شریف کا عربی خط ہی میں لکھا جانا ضروریات سے ہے۔ مگر نمبر (۲): یعنی اصل قرآن شریف کو بخط ناگری لکھنا لزوم تحریف کی وجہ سے ناجائز ہے، جس کی ایک وجہ تو حضرت اقدس کے جواب مندرجہ بالا کے نمبر (۳) میں یہ درج ہوچکی ہے کہ بعض حروف عربیہ مثلاً ق، ض، ظ، ز وغیرہ کی شکل ہندی یا ناگری خط میں ہے ہی نہیں اور جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جائے گا تو اصلی حروف پڑھے بھی نہ جائیں گے۔ اور دوسری وجہ جو نمونہ مرسلہ کے ملاحظہ سے ہر شخص کے سمجھ میں آسکتی ہے، یہ ہے کہ مثلاً صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں سے لفظ اللہ کا الف اور الفاظ الرحمٰن الرحیم میں سے حروف الف ولام جو عربی خط کے موافق لکھے جانے چاہئیں تھے، کم ہوجائیں گے۔ اور جب صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں سے صرف پانچ حرفوں کی کمی لازم آتی ہے تو سارے کلام مجید میں سے کتنے حرفوں کی کمی لازم آئے گی، قابلِ غور ہے اور یہ خط مصحفِ عثمانی کی صریح مخالفت ہے۔ جس کو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے حضرت امام مالکؒ وامام احمدؒ نے ممنوع وحرام قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان مؤلفہ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ صفحہ ۲-۱۷۶-۱۷۷۔ (۱)۔

---

(۱) وقال أشهب: سئل مالکؒ: هل تكتب المصحف على ما أخذه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى. رواه الداني في المقنع، ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة، وقال في موضع آخر: سئل مالک عن الحروف في القرآن مثل الواو والألف، أترى أن يغير من المصحف إذا وجد فيه كذلک قال: لا، قال أبو عمر يعني الواو والألف المزيدتين في الرسم المعدومتين في اللفظ نحو أولوا، وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو أو ياء أو ألف أو غير ذلک ا. (الإتقان في علوم القرآن للعلامة السيوطي، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط ۲/ ۱۹۶) ←

اورفتویٰ مولانا ظفر احمد صاحب جس کا اوپر ذکر ہے) بہرحال اصل قرآن شریف کا صرف عربی خط ہی میں لکھا جانا ضروری ہے، ناگری خط میں اس کے لکھے جانے کی نہ شرعاً اجازت ہوسکتی ہے اور نہ بظاہر اس کی ضرورت ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل قرآن شریف کے ناگری حروف لکھے جانے کا نتیجہ یہ نظر آئے گا کہ جو مسلمان صرف ہندی حروف جانتے ہیں اور وہ تھوڑی سی کوشش سے قاعدہ بغدادی پڑھا دینے کے بعد عربی خط میں لکھے ہوئے قرآن مجید کے پڑھنے پر قادر ہوسکتے ہیں اس طرز جدید کے اجراء کی بدولت اسلامی رسم الخط سے بالکل ہی بے پروا اور محروم ہوجائیں گے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمانوں کو اسلامی رسم الخط کے سیکھنے کی رغبت دلائی جائے۔

لہٰذا نمبر (۲) طرز مجوزہ یعنی اصل قرآن شریف کا ناگری خط میں لکھا جانا صرف مذہبی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ قومی اور سیاسی لحاظ سے بھی قابل ترک ہے۔

اب رہا مضامین وہدایات قرآن شریف سے ایسے مسلمانوں کو جو صرف ہندی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں، باخبر کرکے فتنۂ ارتداد سے بچانا یا غیر مسلم برادرانِ وطن کو اپنی طرف بلانا، اس کا انحصار اصل قرآن شریف کے ناگری حروف لکھے جانے پر نہیں ہے؛ بلکہ یہ مقصد ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت سے حاصل ہوسکتا ہے اور اس کے لئے صرف ناگری خط ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی تمام زبانوں اور خطوں میں لکھے جانے اور شائع کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ضرورت ہے، بشرطیکہ ساتھ کے ساتھ اصل قرآن شریف بھی عربی خط میں لکھا جائے (۱)۔

← **وهل تجوز كتابته بقلم غير العربي؟ قال الزركشي: لم أر فيه كلاما لأحد من العلماء، قال: ويحتمل الجواز؛ لأنه قد يحسنه من يقرأه بالعربية والأقرب المنع كما تحرم قراءته بغير لسان العرب، ولقولهم: القلم أحد اللسانين، والعرب لا تعرف قلما غير العربي، وقد قال تعالىٰ: بلسان عربي مبين.** (الإتقان في علوم القرآن للعلامة السيوطي، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط ۲/ ۲۰۱)

(۱) ذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي في شرح الجامع الصغير: وإن كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته تحته روي عن الشيخ الفقيه أبي جعفر: أنه لا بأس به في ديارنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني: في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۵، رقم: ۱۷۹۲) ←

اور اس صورت میں مجوّزہ طرز ترجمہ وتفسیر کے نمبر(۱) کی طرح نمبر (۳-۴) بھی موزوں ومناسب ہیں، گویا طرز مذکور یہ ہونا چاہئے کہ اول قرآن شریف کی آیتیں عربی خط میں لکھ کر ان کے مقابلہ میں ترجمہ بخط ناگری ہونا چاہئے اور اس کے نیچے تفسیر بخط ناگری درج کی جائے جیسا کہ نمونہ مطبوعہ میں بخط اردو کیا گیا ہے اور الفاظ قرآن کو ناگری حروف میں لکھنے کا خیال بالکل ترک کردیا جائے جو غیر ضروری ہونے کے علاوہ شرعاً ممنوع اور مصالح وقتی کے خلاف ہے۔

اس موقع پر یہ امر بھی ظاہر کردینا ضروریات سے ہے کہ اس زمانہ میں مخالفین اسلام اردو وہندی کے سوال پر بہت زور دے رہے ہیں اور مسلسل کوششوں کے ذریعہ ہندو ریاستوں میں سے اردو رسم الخط کا رواج بند کراکر اس کی جگہ ناگری بھاشا جاری کرار ہیں، جس میں سنسکرت زبان کے غیر مانوس الفاظ کی بھرمار کرکے مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کی جارہی ہیں، اور یہی کوشش ان کی علاقہ جات برٹش گورنمنٹ میں بھی جاری ہے، ایسی صورت میں بلحاظ حفظ ماتقدم علمائے دین کی جانب سے کوئی بات ایسی نہیں ہونی چاہئے جو عام مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہو؛ چونکہ ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں اردو یا ہندوستانی زبان نہ سمجھی جاسکتی ہو، ایسی حالت میں تراجم وتفاسیر مقبولہ میں سے کسی بزرگ کی تالیف لے کر اس میں عربی وفارسی کے مشکل الفاظ نکال کر ان کی جگہ عام فہم الفاظ بدل دینا ہی کافی اور قرین مصلحت ہوسکتا ہے، ایسا ترجمہ ناگری حروف میں شائع کرنے سے بمقابلہ اس ترجمہ کے جس میں سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ بھرے ہوئے ہوں زیادہ مفید ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ سنسکرت آمیز بھاشا کو صرف مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ عام طور سے شہری ہندو بھی نہیں سمجھ سکتے، دیہاتی لوگ تو اس کو کیا سمجھیں گے؛ لہٰذا ترجمہ وتفسیر میں اردو یا ہندوستانی عام فہم زبان اختیار کی جائے۔ اور اس کو ناگری حرفوں میں لکھ کر شائع کیا جائے، تاکہ مفید عام ہونے کے ساتھ مصالح قومی کے لحاظ سے بھی مناسب اور موزوں ثابت ہو۔ جیسا کہ مسٹر محمد علی صاحب صدر آل انڈیا کانگریس نے بموقع اجلاس اسپیشل کانگریس منعقدہ دہلی، اردو میں تقریر کی۔ اور بعض بنگالی

← المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، المجلس العلمي ٢/ ٥٢، رقم: ١٢١٨۔

فإن كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته جاز. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٨٧، كراچی ١/ ٤٨٦)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٩١، كوئٹه ١/ ٢٤٨۔

لوگوں کے اس کہنے پر کہ تقریر انگریزی میں ہونی چاہئے تھی، جواب دیا کہ یہ زبان ہندوستان کی عام زبان ہے۔آپ صاحبان کو اسی ہندوستانی زبان کو ترقی دینا چاہیئے۔

پس جب کہ ایک عام فہم زبان موجود ہے اور اس میں اسلام کے اصطلاحی الفاظ بھی آسانی کے ساتھ استعمال کئے جاسکتے ہیں تو اس کو چھوڑ کر ایک غیر مانوس زبان اختیار کرنا جس کے لئے جدید اصطلاحی الفاظ وضع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی غیر مفید ہونے کے علاوہ دقّت طلب بھی ہے۔مثلاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کے ساتھ بلکہ اس مبارک نام کی جگہ نمونۂ تفسیر میں لفظ سوامی استعمال کیا گیا ہے لغت کے اعتبار سے لفظ سوامی کا مفہوم خواہ کچھ ہی ہو مگر عرف عام میں بھی یہ لفظ لالہ منشی رام عرف شردھانند بلکہ تمام آریہ اپدیشکوں کے نام کے ساتھ مستعمل ہے، کیا اس سے ان لوگوں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مساوات ہونے کا ایہام پیدا ہو کر جاہلوں کے لئے گمراہی کا سبب پیدا نہیں ہوگا؟

اس کے علاوہ کسی تالیف کے لئے کوئی غیر مانوس زبان اختیار کرنے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ زبانِ مذکور پر پورا عبور نہ ہونے کی وجہ سے اکثر الفاظ غلط خلاف محاورہ اور غیر فصیح درج ہو جاتے ہیں، اور یہ نقص اس زبان کے جاننے والوں کے سامنے تالیف مذکور کو قبولیت کا درجہ حاصل کرنے سے مانع ہوتا ہے، اور جو مقصد اس تالیف سے ہوتا ہے فوت ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر فہرست الفاظ کو لیجئے اس میں بعض الفاظ ہندی تصحیح طلب ہیں، مثلاً:

(الف): لفظ ''آ گیا'' الف ممدودہ کے ساتھ ہونا چاہئے، وہ الف مقصورہ کے ذیل میں درج ہوا ہے۔

(ب): لفظ ''اکثر'' کو ''اچھر'' لکھا ہے۔

(ج): لفظ دستو کو یشت لکھا ہے، اسی طرح وایو، وڈیا وغیرہ الفاظ کو جو ناگری بھاشا میں واؤ سے لکھے جاتے ہیں، بَ سے حوالۂ قلم فرمایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح ترجمہ وتفسیر کے نمونہ میں امور ذیل پر غور مکرر کی ضرورت ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمہ میں بمقابلہ تراجم مقبولہ الفاظ ''بہت'' اور ''نہایت'' کی کمی رہ گئی ہے۔

(۲) سورۂ فاتحہ کے ترجمہ میں ''مالکِ یومِ الدّین'' کا ترجمہ ''جس کے بس میں چکوتی کا دن ہے'' کیا گیا ہے، جو تراجم مقبولہ کے موافق نہیں ہے، الفاظ خداوند روزِ جزا کی مناسبت کا لحاظ رکھنا چاہئے تھا۔

(۳) ٹیکا یعنی تفسیر الفاظِ ذیل سے شروع کی گئی ہے۔

قرآن شریف (جس کو مسلمان آکاش بانی مانتے ہیں) اس طرز تحریر سے بادی النظر میں یہ شبہ ہوسکتا

ہے کہ خدانخواستہ صاحب تفسیر مسلمانوں سے الگ کوئی غیر شخص ہیں، اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

(۴) **کل أمر ذي بال (الحديث)**(۱) کا ترجمہ بھی قابل درستی ہے، الفاظ ذی بال کا مفہوم بالکل ادانہیں ہوا۔ اور "**لم یبدأ ببسم اللّٰہ**" کا ترجمہ بھی درستی کا محتاج ہے۔ اسی طرح لفظ ابتر کا ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔

(۵) آیت وافی ہدایہ: **یـأیهـا النبی قل لأزواجک. الآیۃ** (۲) کے ترجمہ میں لفظ نبی کا ترجمہ "سست بسیٹھ" کیا گیا ہے، ہندی بھاشا میں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ نصاب خسرو یعنی خالق باری میں یہ لفظ ضرور درج ہے۔ مگر جنہوں نے وہ کتاب نہیں پڑھی، وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے؛ لہٰذا لفظ "نبی" جو اسلام کا اصطلاحی لفظ ہے، ترجمہ میں بدستور رہنا چاہیے۔

(۶) اُسی آیت شریفہ میں لفظ ادنی کا مفہوم ترجمہ میں نہیں آیا۔ اور لفظ آشا زائد بڑھا دیا گیا ہے۔

بہرحال یہ سب باتیں ایک غیر مانوس زبان اختیار کرنے کا نتیجہ ہے، مناسب یہی ہے کہ تراجم مقبولہ میں سے کسی ایک بزرگ کا ترجمہ پیشِ نظر رکھ کر اس میں سے عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ نکال کر ان کی جگہ عام فہم الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں، اور اسلامی اصطلاحی الفاظ بدستور قائم رکھ کر بجائے اردو حرف کے ناگری حروف میں ترجمہ شائع کیا جائے اور اسی طرح مناظران اسلام کی تفسیروں اور کتابوں سے مدد لے کر عام فہم زبان میں ایسی تفسیر لکھی جائے جس میں مخالفین اسلام کے ان تمام اعتراضوں کے جواب موقع بموقع درج کر لئے جائیں جو کلام الٰہی پر اب تک کئے گئے ہیں۔ اس قسم کا ترجمہ اور ایسی تفسیر عام فہم اردو یا ہندوستانی زبان میں بخط ناگری شائع ہونے سے اخبار دیانند پرکاش دہلی اور دیگر آریہ اخباروں اور اُپدیشکوں کی کارروائیوں کا سدّ باب بھی انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح ہوجائے گا اور قومی مصالح کو بھی ضرر نہیں پہونچے گا؛ لیکن سنسکرت آمیز بھاشا میں ترجمہ وتفسیر کا شائع کرنا اور اسلامی اصطلاحی الفاظ کا بدلنا ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ **وما علینا إلا البلاغ.**

محررہ ۶؍شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ۔ مقام تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

خادم الطلبہ محمد عبدالواحد، سررشتہ دار کونسل ریاست الور۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۸۰)

---

(۱) **کل أمر ذي بال لا یبدأ فیه ببسم اللّٰه الرحمن الرحیم فهو أقطع. رواه عبدالقادر الرهاوي في الأربعین عن أبي هریرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه.** (حاشیة مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۷۱)

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۲۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ترجمۂ قرآن مجید نظم میں کرنے کا حکم

سوال (۲۳۱۴): قدیم ۴/ ۵۱ - بعد الحمد والصلوٰۃ۔ احقر کو آخر ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں مظفر نگر جانے کا اتفاق ہوا، تو وہاں ایک صاحب (معزز عہدے پر ہیں) نے مجھ کو اول کے چار سیپارے قرآن مجید کے جن میں تحت اللفظ اردو ترجمہ منظوم لاہور کا چھپا ہوا ہے، دکھلا کر اس کے متعلق میری رائے دریافت فرمائی، سفر میں دیکھنے کا وقت نہ ملا، وطن واپس آ کر کہیں کہیں سے دیکھا۔ اب اپنی رائے عرض کرتا ہوں: یہاں دو مقام پر کلام ہے: ایک یہ کہ وہ خود ترجمہ کیسا ہے؟ دوسرے نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے؟ سو امر اول کی کیفیت اجمالاً تو اس سے ظاہر ہے کہ مترجم نے خطبہ میں یہ شعر لکھا ہے:

اور وہ ڈپٹی نذیر احمد کا بھی ☆ ترجمہ پیشِ نظر تھا خوب ہی

نیز آل عمرآن کے آخر میں ''رَابِطُوْا'' کے ترجمہ میں جہاں کئی قول نقل کئے ہیں وہاں یہ شعر بھی ہے:

اور ہیں یوں لکھتے نذیر احمد اسے ☆ کہ رہو تیار دشمن کے لئے

اس سے صاف واضح ہے کہ مترجم صاحب ڈپٹی صاحب کے معتقد ہیں اور ڈپٹی صاحب کے ترجمہ وعقیدہ وتحقیق کی کیفیت بندہ کے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ سے ظاہر ہے۔ پس جس طرح وہ معتبر نہیں، اسی طرح ان کے معتقد کے ترجمہ کا بھی اعتبار نہیں رہا، کہ غیر معتبر کو معتبر سمجھنا خود دلیل ہے غیر معتبر ہونے کی اور تفصیلاً مقامات متفرقہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے، چنانچہ اس وقت ایک مقام پر جو نمونہ کے لئے کافی ہے میری نظر میں ''سیقول'' کے تین پاؤ پر دو آیتیں ہیں: اول:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فأمسكوهن. الآية (۱)۔

دوسری اسی کے قریب: **واذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن. الآية** (۲)۔

اول آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

اور جب تم دوسری دیدو طلاق ☆ عورتوں کو اپنی بہر افتراق

اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

اور جب تم تیسری دیدو طلاق ☆ عورتوں کو بہرِ کامل افتراق

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۱۔

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۲۔

اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ آیت اولیٰ میں دوسری کی قید اور آیت ثانیہ میں تیسری کی قید زیادت علی القرآن ہے، جس کی کوئی دلیل نہ قرآن میں ہے سیاقاً اور نہ سباقاً، نہ قواعد شرعیہ میں ہے۔ آیتِ اولیٰ کے قبل یہ ہے: **فإن طلقها فلاتحلّ له الخ** (۱)۔ یہاں تیسری طلاق مراد ہے اور اس کے بعد کوئی ذکر پہلی طلاق کا نہیں جس کے قرینہ سے آیتِ اولیٰ میں دوسری طلاق مراد لی جائے اور پھر اس کے قرینہ سے آیت ثانیہ میں تیسری طلاق مراد لی جاوے، پھر جو حکم ان دونوں آیتوں میں مذکور ہیں، یعنی **فامسکوهن** آیت اولیٰ میں اور **لاتعضلوهن** آیت ثانیہ میں وہ مخصوص نہیں دوسری اور تیسری کے ساتھ، یعنی لف ونشر مرتب کے طور پر بلکہ حکم اوّل مثل دوسری طلاق کے پہلی طلاق میں بھی ہے، اسی طرح حکم دوم مثل تیسری طلاق کے پہلی اور دوسری میں بھی ہے، جبکہ ازواج سے مراد نئے ازواج لئے جائیں۔ اور اگر ازواج سابقین مراد ہوں جیسا کہ بہت مفسرین اسی طرف گئے ہیں، اور اسبابِ نزول بھی اس کے موافق ہیں (۲)

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۰۔

(۲) **وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن –أي لاتمنعوهن– أن ينكحن أزواجهن: المخاطب به الأولياء نزلت الآية في جملاء بنت يسار أخت معقل بن يسار طلقها بداح بن عاصم بن عدي بن عجلان. روي البخاري وأبو داؤد والترمذي وغيرهم عن معقل بن يسار قال: زوجت اختا لي من رجل فطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها فقلت له: زوجتک وفرشتک وأكرمتک فطلقها، ثم جئت تخطبها لا والله! تعود إليه أبدا، وكان الرجل لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله: "فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن" فقلت: الآن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه.** (تفسير مظهري، تحت تفسير رقم الآية: ۲۳۲، من سورة البقرة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۹-۳۵۰)

عن الحسن: " فلا تعضلوهن" قال: حدثني معقل بن يسار: أنها نزلت فيه، قالت: زوجت أختا لي من رجل فطلقها، حتى إذا انقضت عدتها، جاء يخطبها فقلت له: زوجتک وفرشتک وأكرمتک فطلقها، ثم جئت تخطبها، لا والله لا تعود إليه أبدا، وكان الرجل لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية: "فلا تعضلوهن" فقلت: الآن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه. (بخاري شريف، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي، النسخة الهندية ۲/ ۷۷۰، رقم: ۴۹۳۷، ف: ۵۱۳۰)

أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب في العضل، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۴، دارالسلام رقم: ۲۰۸۷۔

تو پھر تو تیسری طلاق سے اس کی تفسیر کرنا محض باطل ہے؛ کیونکہ تیسری میں یہ حکم ہے ہی نہیں۔ اسی وقت اتفاق سے ایک اور مقام پر نظر پڑ گئی، اس رکوع سابق کے بعد متصل رکوع میں یہ ارشاد ہے: مالم تمسوھن أو تفرضوا لھن فریضةً (۱)۔ اس میں تفرضوا کا عطف تمسّوھنّ پر ہونے سے تقدیر عبارت کی یہ ہے: اولم تفرضوا لھن اور بالاجماع نفی دونوں کی مراد ہے۔ اور یہی ایک صورت ہے، جس میں بجائے مہر کے یہ حکم ہے۔ متعوھن اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

کہ نہ مَس تم نے کیا کچھ جنہیں ☆ یا ہو ٹھہرایا جنہیں کچھ مہر میں

تو اس ترجمہ میں کتنی بڑی غلطی ہے کہ مراد تو یہ ہے کہ نہ ٹھہرایا ہو اور ترجمہ یہ کیا ہے کہ ٹھہرایا ہو بالکل ہی تحریف ہے۔ اور علاوہ قواعد عربیہ و اجماع کے بعد والی آیت خود اس ترجمہ کی تغلیط کرتی ہے وہ یہ ہے۔ وقد فرضتم لھن فریضة (۲)۔ چنانچہ اس کا ترجمہ خود بھی یہ کیا ہے:

اور حقیقت میں ہو تم ٹھہرا چکے الخ

اور ظاہر ہے کہ یہ صورت مقابل ہے پہلی صورت کے اور ترجمہ مذکورہ سابق پر دونوں صورتیں ایک ہو جاویں گی تو حکم بھی ایک ہونا چاہئے؛ حالانکہ نصاً مختلف ہے۔ اور بھی کئی مقام اس وقت نظر میں ہیں، مگر تطویل ہوتی ہے۔ جب دو رکوع میں یہ حالت ہے تو قرآن بھر میں کیا ہوگا، اور غلط ترجمہ رکھنے اور پڑھنے کے مفاسد میں کہ احکام غلط سمجھے گا ظاہر ہے، اور یہی ایک امر کافی ہے۔ ایسے ترجمہ کی خریداری اور تجارت کے ناجائز ہونے کے لئے، پھر علاوہ غلطی ترجمہ کے زبان بھی بہت جگہ غلط ہے، جس کا اثر پھر ترجمہ اور مضمون پر پڑتا ہے، چنانچہ ”تفرضوا“ کا ترجمہ جو اوپر نقل کیا ہے:

یا ہو ٹھہرایا جنہیں کچھ مہر میں

صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہر میں ان عورتوں کو ٹھہرایا ہے جیسے کوئی غلام لونڈی جو کہ مال ہے مہر میں ٹھہرالیں؛ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے مہر نہ ٹھہرایا ہو۔ اور فصاحت و شعریت کا تو تمام ترجمہ میں نام و نشان نہیں۔

یہ تو مختصر کلام تھا، مقامِ اول کے متعلق، یعنی یہ امر کہ خود یہ ترجمہ کیسا ہے۔ اب رہا دوسرا مقام یعنی یہ کہ

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۶۔

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۷۔

نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے؟ سو اس میں ایک بڑا مفسدہ تو یہ ہے کہ ترجمہ بعینہٖ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ضرورتِ شعر و وزن سے ضرور اس میں کمی بیشی اور اگر کمی نہ ہو تو بیشی تو ضرور ہوگی، پھر جب وہ تحت اللفظ لکھا ہوا ہے، تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ یہ سب ترجمہ ہے؛ حالانکہ اس میں ترجمہ پر زائد الفاظ بھی بہت سے ہیں۔ چنانچہ ترجمہ متکلم فیہا میں اس سے کوئی شعر بھی خالی نہیں إلا نادراً، **والنادر کالمعدوم** (۱)۔ اور اس کے متعلق پارۂ الٓم کے آخر میں ضروری التماس کے عنوان میں مترجم نے جو عذر کیا ہے ''بظاہر جو کچھ الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لئے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کے لئے ہیں اور وہ بھی خاص الفاظ قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ ہی کے معنی ہیں یا مقدرات محذوفہ کا اظہار ہے، نہ کہ کوئی زائد عبارات وغیرہ'' یہ کہیں کہیں تو واقع ہے؛ لیکن بکثرت اس کے خلاف واقع ہے، مثلاً یہ آیت ہے: **واذ قال موسٰی لقومه یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا أنفسکم ذٰلکم خیرلکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التوّاب الرحیم** (۲)۔ اس کا جو ترجمہ کیا ہے جس کو میں نے طول کے سبب نقل نہیں کیا، اس میں الفاظ ذیل کس تنوین یا الف لام وغیرہ کلمات قرآنیہ کا ترجمہ ہے یا کس مقدر کا اظہار ہے؟ ۱خود، ۲برملا، ۳اپنے شرک سے، ۴**باتخاذکم العجل** کے اس ترجمہ کے اکثر الفاظ:

چونکہ لے بیٹھے پرستش تم سبھی ☆ وہ جو اک بچھڑے کے بت کی آپ ہی

۵جو لازم ہے تمہیں، ۶جناب پاک، ۷بحکم ایزدی، ۸جو، ۹ارشاد سے، ۱۰کریم۔

اور اگر کوئی یہ عذر کرے کہ ایسے زیادات کو خطوط وحدانیہ میں لکھ دیا گیا ہے، پھر وہ ایہام غیر ترجمہ کے ترجمہ سمجھنے کا نہیں ہوتا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ ان دس نمبروں میں سے صرف ۷ تو خطوط وحدانیہ میں ہے، باقی ایک بھی نہیں۔ اور اگر کوئی شبہ کرے کہ اس کا انتظام تو ہوسکتا ہے جہاں اصل ترجمہ میں کوئی تغیر نہ ہو صرف زیادات ترجمہ میں آجاویں، اس طرح سے کہ اگر زیادات نکال دی جاویں تو ترجمہ سالم رہ جاوے۔ اس ترجمہ کے زیادات میں ہر جگہ یہ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ ۴ میں جس کا جی چاہے کر کے دیکھ لے، کہ ترجمہ

---

(۱) تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۸، إمداديه ملتان ۱/ ۱۲۔

أو كان المسبب بحال يكون عدمه مع وجود السبب في غاية الندرة، فألحقوا النادر بالعدم إذ لا عبرة بالنادر. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۷۶)

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ۵۴۔

محفوظ نہیں رہا۔ اور ایہام کی قید سے اس صورت سے احتراز ہوگیا جہاں ایہام نہ ہو۔ جیسے بعض جگہ حاصل مضمون کو نظم کردیا جاتا ہے، مگر وہ بشکل ترجمہ نہیں ہوتا، اور وہ بھی اتفاق سے کسی موقع کا نہ کہ قصداً و استقلالاً تمام قرآن کا۔ نیز ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ اگر کلمات قرآنیہ کو مقابل الفاظ ترجمہ کے لکھا جاوے جیسا اس ترجمۂ منظومہ میں کیا گیا ہے، تب تو فصل بين المصرعين کے سبب کلمات قرآنیہ میں بھی فصل کیا جاوے گا۔ چنانچہ اس میں ایسا ہی ہے۔ اور اس میں قرآن مجید کو ترجمہ کے تابع بنانے کے علاوہ جو کہ قلب موضوع ہے، تقطیع میں کلمات القرآن في الكتابة لازم آتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عادۃً تلاوت تابع کتابت ہوتی ہے، تو ان کلمات کے درمیان تلاوت میں بھی کسی قدر مظنون ہے اور فصل بے موقع اکثر جگہ مفسد معنی ہوتا ہے، جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر فصل نہ کیا جاوے تو باوجود امکان مقابلہ کے عدم مقابلہ الفاظ و ترجمہ سے ایک لفظ کی نسبت دوسرے لفظ کے ترجمہ ہونے کا شبہ ہوگا۔ اور دونوں محذور واجب التحرز ہیں۔ اور یہ وہ مفاسد ہیں کہ اگر نظم میں کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی ان مفاسد کے ہوتے ہوئے اس مصلحت کا اعتبار نہ کیا جاتا، جیسا قاعدۂ شرعیہ ہے کہ جس عمل غیر ضروری میں گو وہ درجہ استحباب تک بھی کیوں نہ ہو، مفاسد ہوتے ہیں اس کو وجوباً ترک کردیا جاتا ہے اور اس کے محاسن کا لحاظ نہیں کیا جاتا (۱)۔ بہت سے فروغ فقہیہ اسی اصل پر متفرع ہیں۔ کما لایخفی. اور اب تو اس میں کوئی مصلحت بھی نہیں، اور بعض مصالح جو دیباچہ والتماس میں لکھے ہیں مثلاً یہ کہ ”مسلمان لوگ اس کو بوجہ موزوں و منظوم ہونے کے نہایت ذوق و شوق سے مطالعہ کریں گے۔ اور خاص کر اپنے بچوں اور بچیوں کو آئندہ بجائے مختلف غزلیات و اشعار

---

(۱) من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة ومنكر. (مرقاة، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٣٥٣)

وقد مر أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٢٦٥)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها.

(مجموعة رسائل اللكنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، مكتبه إدارة القرآن كراچی ٣/ ٣٤)

پریشان کے یاد کرایا کریں گے“۔ تو خود اس مصلحت میں مفاسد کا اقرار ہے کہ انجام اس کا یہ ہوگا کہ غزلوں کی جگہ اس کو گایا کریں گے‘ کیونکہ بدون تغنی والحان کے ذوق وشوق نہ ہوگا۔ جو بناء ہے مطالعہ کی، خصوص پیشہ ور واعظین جن کو ہمیشہ مجلس گرم کرنے کی فکر رہتی ہے،اور بوجہ تعدیہ اثر ان واعظین کے عوام الناس میں یہ طرز تغنی کا باعتقاد استحسان شائع ہوجائے گا۔ اور گانے کا حکم ظاہر ہے، خصوص ترجمہ کو اس کا آلہ بنانے کا، نیز نظم میں ہیبت اور عظمت نہیں ہوتی۔

وهو السر في قوله تعالىٰ: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ (١)۔ وفي ترك السلف الخطبة بالنظم لكونهما ذكراً، أما القرآن قال الله تعالىٰ: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآن (٢)۔ وأماالخطبة فقال الله تعالىٰ: فَاسْعَوْ اِلىٰ ذِكْرِاللّٰهِ (٣)۔ هٰذا ما ألقى الله تعالىٰ في روحي في هٰذا الوقت ولله الحمد.

باقی یاد کی مصلحت سو اگر قواعد عربیہ کا علم ہوتب تو اس کے یاد کی ضرورت نہیں، اور اگر علم نہ ہوتو یاد سے کچھ فائدہ نہیں، اول تو مطلب ہی نہ سمجھیں گے، پھر یہ کیسے یا د رہے گا کہ یہ شعر فلاں جملہ کا ترجمہ ہے، پھر یاد اور عدم یاد دونوں برابر ہوئے۔ پھر اگر ایسی ہی مصلحتیں معتبر ہوں تو کل کو یہ دیکھ کر کہ قرآن کی طرف لوگوں کی رغبت نہیں رہی کوئی شخص قرآن مجید کو نظم کردے گا اور زیادات شعریہ کو خطوط وحدانیہ میں محاط کردے گا۔ کیا یہ جائز ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود ایسے دواعی کے امّت میں سے کسی نے باوجود علم وقدرت سخن کے ایسا نہیں کیا اور یہ اجماع ہے ترک پر جس کی مخالفت ناجائز ہے۔

قرب ۱۳۳۶ھ (حوادث خامس ص ۱۲)

ردّی کاغذ سے انتفاع کا حکم

سوال (۲۳۱۵): قدیم ۴/ ۵۵- کاغذ کی وہ ردی کہ جس میں خدا اور رسول کے اسماء مبارک وغیرہ ونیز ہر قسم کی تحریر ہووے اور اس کو پھاڑ پھاڑ کر اور پانی میں گلا کر اس میں کھلی یا آٹا وغیرہ ملا کر طسلہ یا ڈلیاں وغیرہ تیار کریں، جیسا کہ مروج ہے‘ یہ امر جائز ہے کہ نہیں؟

---

(١) سورة يٰس، رقم الآية: ٦٩۔

(٢) سورة يٰس، رقم الآية: ٦٩۔

(٣) سورة الجمعة، رقم الآية: ٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) مذکورہ بالا ردی اگر جلا کر اس میں کپڑا رنگ کر استعمال کیا جائے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: ولايجوز لف شيء في كاغذ فيه فقه، وفي كتب الطب يجوز ولو كان فيه اسم اللّٰه أو الرسول فيجوز محوه ليلف فيه شيء. وفي ردالمحتار: قال: وهل إذا طمس الحروف بنحو حبر يعد محواً يحرر، وفيه: وأما لعقه بلسانه وابتلاعه فالظاهر جوازه (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن کاغذات میں دینی احکام لکھے ہوں ان کو ایسے استعمال میں لانا جائز نہیں اور جن کاغذات میں اور مضامین ہوں ان کو ایسے استعمال میں لانا جائز ہے، مگر اس میں بھی یہ ضرور ہے کہ جہاں جہاں اللہ و رسول کا نام لکھا ہو اس کو محو کر دے، یعنی یا تو اس پر سیاہی پھیر دے یا اس کو زبان سے چاٹ کر لعاب نگل جائے (۲)۔ یہ دونوں سوالوں کا جواب ہے۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۸۱ ج ۲)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۲، كراچی ۱/ ۱۷۸۔

(۲) **ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه، وفي الكلام: الأولى أن لا يفعل، وفي كتب الطب: يجوز، ولو كان فيه اسم الله تعالى أو اسم النبي صلى الله عليه وسلم، ويجوز محوه ليلف فيه شيء كذا في القنية، ولو محا لوحا كتب فيه القرآن واستعمله في أمر الدنيا يجوز، وقد ورد النهي عن محو اسم الله تعالىٰ بالبزاق، كذا في الغرائب، ومحو بعض الكتابة بالريق يجوز، كذا في القنية.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۲۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۷۳)

ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه، وفي الكلام: الأولى أن لا يفعل، وفي كتب الطب: يجوز، ولو كان فيه اسم الله تعالى أو اسم النبي صلى الله عليه وسلم، فيجوز محوه ليلف فيه شيء، ومحو بعض الكتابة بالريق يجوز الخ. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۱، كوئٹه ۱/ ۲۰۲)

حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس، دارالكتاب ديوبند ص: ۱۴۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآنی آیات لکھے ہوئے اخبارات کو جلانے کا حکم

سوال (۲۳۱۶): قدیم ۴/۵۵- اکثر اشتہارات قرآن مجید کے ایسے شائع ہوتے ہیں کہ ایک طرف اشتہار ہوتا ہے اور ایک جانب قرآن مجید اور تمام گلی کوچوں میں نہایت بے تعظیمی سے پڑے رہتے ہیں، جن کے پاس پہنچتا ہے وہ بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ اِلاّ مَن شاء اللّٰہ. ایسے اشتہارات یا اوراق پردف وغیرہ کے قسم سے (جو اکثر دہلی کے پارسلوں میں قرآن وحدیث میں آتے ہیں) جلائے جاویں تو جائز ہے یا نہیں؟ جلانے سے ان کی راکھ اور راکھ سے جو چولہے میں ہے مخلوط ہو جائے گی، پھر وہ واجب التعظیم رہے گی یا نہیں؟ قرآن شریف یا پارۂ عم وغیرہ جو لڑکوں کے پڑھنے میں شکست وبیکار ہو جاتے ہیں، ان کا دفن کرنا ممکن ہے، مگر اُن روایات کا ہر وقت دفن کرنا غیر ممکن ہے، بالخصوص ایسے شہروں میں جہاں قبرستان دو میل کے فاصلہ پر ہو، اس باب میں جیسے رائے عالی ہو مطلع فرما کر سرفراز فرمائیے۔

الجواب: اس احراق میں اختلاف ہے؛ اس لئے فعل میں بھی گنجائش ہے اور ترک احوط ہے اور تقدیر ترک پر یہ صورت سہل ہے کہ ان روایات کو جمع کرتے رہیں۔ جب معتد بہ ذخیرہ ہو جاوے دفن کرا دیں (۱)۔ اور احراق کی صورت میں اس کی خاکستر بنا بر قاعدۂ قلبِ ماہیت کے واجب الاحترام تو نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کو جداگانہ کسی ظرف میں جلا کر اس خاکستر کو پانی میں گھول کر دریا میں بہا دیا جاوے تو اور بھی زیادہ اقرب الی الادب ہے۔ ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۶۳)

---

(۱) وفي رواية بكير بن الأشجّ فأمر بجمع المصاحف فأحرقها، ثم بث في الأجناد التي كتبت، ومن طريق مصعب بن سعد قال: أدركت الناس متوافرين حين أحرق عثمان المصاحف، فأعجبهم ذلك أوقال: لم ينكر ذلك منهم أحد، وقال ابن بطال في هذا الحديث: جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله عز وجل بالنار، وإن ذلك إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام، وقيل: هذا كان في ذلك الوقت، وأما الآن فالغسل أولى إذا دعت الحاجة إلى إزالته، وقال أصحابنا الحنفية: أن المصحف إذا بلي بحيث لا ينتفع به يدفن في مكان طاهر بعيد عن وطء الناس. (عمدة القاري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، دار إحياء التراث العربي ۲۰/ ۱۸، مكتبه زكريا ديوبند ۱۳/ ۵۳۶) ←

قرآن مجید کے لئے ریشمی غلاف جائز ہے

سوال (۲۳۱۷): قدیم ۴/ ۵۶- قرآن شریف کی چولی یا جزدان خالص ریشم کے کپڑے کا بنا کر اس میں عورتوں اور مردوں کو تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے۔ **في ردالمحتار: حيث عد الاستعمالات المباحة مانصه، وكذا الكتابة في ورق الحرير، وكيس المصحف والدراهم وما يغطى به الأواني وماتلف فيه الثياب وهو المسمى بقچه ونحو ذٰلک مما فيه انتفاع بدون لبس أو ما يشبه اللبس.** ج۵ص ۳۴۷ (۱)۔ ۲۷/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۳)

← **واختلف العلماء في ورق المصحف البالي إذا لم يبق فيه نفع أن الأولى هو الغسل أو الإحراق، فقيل الثاني؛ لأنه يدفع سائر صور الامتهان بخلاف الغسل، فإنه تداس غسالته، وقيل: الغسل وتصب الغسالة في محل طاهر؛ لأن الحرق فيه نوع إهانة قال ابن حجر: وفعل عثمان يرجح الإحراق وحرقه بقصد صيانته بالكلية لا امتهان فيه بوجه.** (مرقاة، كتاب فضائل القرآن، ماذا يفعل بأوراق المصحف البالية، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ٢٩)

فتح الباري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، دارالفكر بيروت ٩/ ٢١، مكتبه أشرفيه ديوبند ٩/ ٢٥۔

إذا تخرق القرآن العزيز وبليت الأوراق يدفن في اللحد أو يحرق ويلقى رماده في البحر كما ثبت أن ذا النون أحرق الصحائف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا والشق لغيرنا، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢)

وإذا صار المصحف بحيث لا يمكن أن يقرأ فيه يجعل في خرقة طاهرة، ويدفن في أرض طاهرة. (حلبي كبيري، تتمات فيما يكره من القرآن، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٩٨)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٢٠، كراچی ١/ ١٧٧۔

(۱) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥١٠، كراچی ٦/ ٣٥٤۔ ←

موئے مبارک کی تعظیم وتکریم موجب ثواب ہے

سوال (۲۳۱۸): قدیم ۴/ ۵۶- دکھن وغیرہ میں کئی جگہ موئے مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے، اور لوگ اس کو ہر سال میں نکالتے ہیں اور اونچی جگہ رکھتے ہیں اور اس کو پانی میں غوطہ دے کر پانی پیتے ہیں، اور بہت تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور ہم لوگ اس کو اب تک موئے مبارک سمجھتے رہے۔ اب بعض لوگ اس میں کچھ شرطیں لگانے لگے کہ موئے مبارک کے لئے ضرور ہے کہ دھوپ میں رکھنے سے سایہ نہ پڑے اور جس گھر میں موجود ہو اس پر ابر کا سایہ رہے، اور اس کے گھر والوں کو کچھ تکلیف نہ پہونچے۔ پس اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کو موئے مبارک سمجھیں یا نہیں؟ اور موئے مبارک کے لئے شرائط مذکورہ کا ہونا ضرور ہے یا نہیں؟ اور اس کی کتنی تعظیم چاہیے؟ فقط

الجواب: اگر اس کے موئے مبارک ہونے کی کچھ سند نہیں تو اس کی تعظیم وتکریم لا حاصل۔ اور اگر کوئی سند ہے تو اس کی تعظیم کرنے میں اجر وثواب ہے، بشرطیکہ حد شرع سے نہ بڑھ جاوے اور پانی میں غوطہ دے کر اس کا پینا بھی باعثِ خیر وبرکت وشفاء امراض ظاہری وباطنی ہے۔

عن عثمان بن عبداللہ بن موهب قال: أرسلني أهلي إلى أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم بقدح من ماء، وقبض إسرائيل ثلث أصابع من قصعة فيه شعر من شعر النبي ﷺ، وكان إذا أصاب الإنسان عين أو شيء بعث إليها مخضبه فاطلعت في الجلجل فرأيت شعرات حمرات. ١٢ بخاري جلد ٢ صفحه ٨٧٥ (١)۔

اور موئے مبارک کے لئے ضرور نہیں کہ اس کا سایہ نہ پڑے، اور جس گھر میں ہو اس پر ابر کا سایہ رہے،

← **وكذا تحل الكتابة في ورق الحرير، وأن يتخذ منه كيس المصحف، وكذا يحل اتخاذ الستر التي توضع على الأبواب والنوافذ من الحرير على المشهور الخ.** (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة، مبحث ما يحل لبسه أو استعماله وما لا يحل، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣)

(١) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب ما يذكر في الشيب، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٧، ف: ٥٨٩٦۔

اور کبھی اس گھر والوں پر کوئی تکلیف نہ آئے۔ یہ باتیں خود جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضرور نہ تھیں، آپ کا سایہ بھی تھا(۱) آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی، اگر کبھی بطور معجزہ آپ کا سایہ نہ پڑا اور ابر سایہ فگن ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں؛ لیکن استمرار ثابت نہیں اور آپ بیمار بھی ہوتے تھے(۲)۔ تو جب کُل کے لئے یہ امر ضروری نہیں تو جز کے واسطے کیا ضرور؟ واللہ اعلم۔

۲۵ / ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ (امداد ص ۱۹۱ ج ۲)

---

(۱) **عن عائشة أن بعيرا لصفية اعتل وعند زينب فضل من الإبل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لزينب: إن بعير صفية قد اعتل، فلو أنك أعطيتيها بعيرا، قالت: أنا أعطي تلك اليهودية، فتركها، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم شهرين أو ثلاثا، حتى رفعت سريرها وظننت أنه لا يرضى عنها، قالت: فإذا أنا بظله يوما بنصف النهار، فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فأعادت سريرها.** (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٦١، رقم: ٢٦٧٨٠، ٦/ ١٣٢، رقم: ٢٥٥١٦)

عن أنس بن مالك قال: صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الصبح، قال: فبينما هو في الصلاة مد يده، ثم أخرها فلما فرغ من الصلاة، قلنا: يا رسول الله! صنعت في صلاتك هذه ما لم تصنع في صلاة قبلها؟ قال: إني رأيت الجنة قد عرضت علي ورأيت فيها دالية قطوفها دانية، حبها كالدباء، فأردت أن أتناول منها، فأوحي إليها أن استأخري فاستأخرت، ثم عرضت علي النار، بيني وبينكم حتى رأيت ظلي وظلكم، فأومأت إليكم أن استأخروا، فأوحي إلي أن أقرهم، فإنك أسلمت وأسلموا، وهاجرت وهاجروا، وجاهدت وجاهدوا، فلم أر لي عليكم فضلا إلا بالنبوة. (صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب الرخصة في تناول المصلي الشيء عند الحادثة تحدث، المكتب الإسلامي ١/ ٤٤٨، رقم: ٨٩٢)

(۲) **عن الزهري، قال عروة: قالت عائشة رضي الله عنها: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في مرضه الذي مات فيه: يا عائشة! ما أزال أجد ألم الطعام الذي أكلت بخيبر، فهذا أوان وجدت انقطاع أبهري من ذلك السم.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٧، رقم: ٤٢٥٠، ف: ٤٤٢٨) ←

قرآن شریف کی جلد پر سونے کے نقش ونگار کا حکم

سوال (۲۳۱۹): قدیم ۴/ ۵۷- سونے کے ورق سے قرآن مجید کی جلد پر پھول وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور وہ بہت عرصہ تک قائم رہتا ہے؟

الجواب : في الدرالمختار: وحلّ الشرب من إناء مفضض أي مزوق بالفضة والركوب على سرج مفضض، والجلوس علىٰ كرسي مفضض، ولكن بشرط أن يتقى أي يجتنب موضع الفضة بفم، قيل: ويد وجلوس سرج ونحوه، وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة الخ. وفي ردالمحتار: وفسره (أي المفضض) بالمرصع بها (ط) ويقال لكل منقش مزين مزوق قاموس وفيه مفضض، وفي حكمه المذهب ص ٣٣٦ ج٥ (١)۔وفي الدر المختار: أما المطلي فلا بأس به بالإجماع بلافرق بين لجام وركاب وغيرهما؛ لأن الطلاء مستهلک لايخلص فلا عبرة للونه عينی وغيره ص٣٣٧ ج٥ (٢)۔ وفي الدرالمختار: يحرم لبس الحرير –إلى قوله– إلا قدر أربع أصابع كأعلام الثوب، ثم –إلىٰ قوله– وكذا المنسوج بذهب يحل إذا كان هذا المقدار أربع أصابع وإلا لا. ص ٣٤٤ ج٥. وفي ردالمحتار: هل المراد قدر الأربع

← عن عائشة قالت: كنت أسمع أنه لن يموت نبي حتى يخير بين الدنيا والآخرة، قالت: فسمعت النبي صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي مات فيه وأخذته بحّة يقول: مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، وحسن أولئک رفيقا. (مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل عائشة رضى الله عنها، النسخة الهندية ٢/ ٢٨٦، بيت الأفكار رقم: ٢٤٤٤)

(١) الدرالمختار، مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٥-٤٩٦، كراچی ٦/ ٣٤٣-٣٤٤۔

(٢) الدرالمختار، مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٧، كراچی ٦/ ٣٤٤۔

أصابع طولا وعرضًا، أو المراد عرضها فقط؟ وإن زاد طوله على طولها المتبادر من كلامهم الثاني. صفحه وجلد مذكور (۱)۔

روایت اولیٰ سے مضبب کا جواز بقید اتقاء موضع استعمال، اور روایت ثانیہ سے مطلقاً کا جواز بلا اس قید کے اور بلا قید مقدار اور روایت ثالثہ سے علَم کا جواز بلا قید اتقاء موضع ، مگر بقید مقدار معلوم ہوا۔ پھر مسئول عنہ ظاہراً نہ اول کے ساتھ ملحق ہے؛ کیونکہ انفصال کے بعد اس کا کام نہیں رہتا اور نہ ثانی کے ساتھ؛ کیونکہ انفصال ممکن ہے۔ پس ثالث کے ساتھ ملحق معلوم ہوتا ہے، پس اگر کوئی پھول یا بیل عرض میں چار انگشت سے زائد نہ ہو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ ۱۷/ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث ۳ ص ۱۳۳)

مجلس میں استقبال قبلہ کا حکم

سوال (۲۳۲۰): قدیم ۴/ ۵۸- بعض آدمی جو پورب کی طرف رخ کر کے نہیں بیٹھتے اگر کوئی ایسا کرے کچھ ثواب ہوگا یا نہیں؟ سوال کرنے سے وہ شخص جواب دیتا ہے کہ استدبار قبلہ لازم آوے گا' اس واسطے میں اس سے پرہیز کرتا ہوں؟

الجواب: في المقاصد الحسنة: حديث أكرم المجالس ما استقبل به القبلة مع ما أورد طرقا ضعيفة قال لحديث ابن عباسؓ مرفوعاً بلفظ إن لكل شيء شرفا، وأن أشرف المجالس ما استقبل به القبلة أورده الحاكم في صحيحه حديث أبى هريرةؓ رفعه إن لكل شيء سيداً، وإن سيد المجالس قبالة القبلة، وسنده حسن، ثم قال: قد ترجم البخاري في الأدب المفرد استقبال القبلة، وأورد من حديث سفيان بن منقذ عن أبيه قال كان أكثر جلوس عبدالله بن عمرؓ وهو مستقبل القبلة. اه مختصراً ص ۳۷ (۲)۔

---

(۱) الدر المختار، مع الشامي، كتاب الحظر الإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۶-۵۰۷، كراچی ۶/ ۳۵۱-۳۵۲۔

(۲) المقاصد الحسنة للسخاوي، الباب الأول: حرف الهمزة، دار الكتاب العربي ص: ۱۴۱-۱۴۲، رقم الحديث: ۱۵۱۔

ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا ندب ثابت ہوتا ہے؛ بلکہ اگر بعض طرق اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جاوے تب بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہے(۱)۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۶)

---

(۱) أخرج المنذري عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء سيدا، وإن سيد المجالس قبالة القبلة.

وأخرج أيضا عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكرم المجالس ما استقبل به القبلة.

وأخرج أيضا عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء شرفا، وإن أشرف المجالس ما استقبل به القبلة. (الترغيب والترهيب، كتاب الأدب، باب الترغيب في الجلوس مستقبل القبلة، دارالكتب بالعلمية بيروت ٤/ ٢٩، دارالكتاب العربي ص: ٥٣٠، رقم: ٤٥٢١-٤٥٢٢-٤٥٢٣)

المعجم الأوسط، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٠، رقم: ٢٣٥٤، ٦/ ١٦١، رقم: ٨٣٦١۔

قرر الفقهاء أن جهة القبلة هي أشرف الجهات، ولذا يستحب المحافظة عليها حين الجلوس لقوله صلى الله عليه وسلم: إن سيد المجالس ما استقبل القبلة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ٧٥-٧٦)

والعلماء يتساهلون في ذكر الحديث الضعيف، والعمل به في فضائل الأعمال. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في التمسح بمنديل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٥٧، كراچى ١/ ١٣١)

قال العلماء: يجوز العمل بالحديث الضعيف الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٢/ ١٦٠)

يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد الضعيفة، ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف، والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالي والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلک كالقصص، وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرها مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام. (تدريب الراوي، النوع الثاني والعشرون: المقلوب، شروط الأخذ بضعيف الأسناد، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة ٢ / ٤٨٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن مجید سے فال لینے کا حکم

سوال (۲۳۲۱): قدیم ۴/۵۸- کچھ دنوں سے میں حیران و پریشان ہوں، انواع واقسام کے خواب دیکھتا ہوں، انتہا یہ ہے کہ تمام خیالات اور خوابوں کی نسبت قرآن سے فال لیتا ہوں، اول گیارہ دفعہ درود شریف پڑھ کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کو بخشتا ہوں، ازاں بعد فاتحہ ۷ بار پڑھ کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کو اور بعد میں آیۃ الکرسی تین مرتبہ پڑھ کر جملہ مسلمانوں کی روح کو بخشتا ہوں، بعد میں اگر صبح کا وقت ہو تو شروع سے، دوپہر کا ہو تو درمیان سے اور دن ڈھلے کے بعد آخری حصہ قرآن کو کھول کر پہلی سطر قرآن مجید سے جو نکل آوے، شگون نیک وبد حاصل کرتا ہوں۔ واجباً عرض ہے کہ آج تک میں نے جس قدر فال دیکھے ہیں، وہ بالکل ہی صحیح پائے ہیں اور صحیح بھی ایسے کہ بیان صداقت سے زبان قاصر اور قلم عاجز ہے۔ آپ تحریر فرماویں کہ یہ طریقہ بُرا تو نہیں ہے۔ بروئے شرع شریف مجھ پر کوئی حرف تو نہیں؟

الجواب: محققین نے اس کو ناجائز لکھا ہے۔ خصوص جبکہ اس کا یقین کیا جاوے تو سب کے نزدیک ناجائز ہے(۱)۔ ۸/شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۹)

---

(۱) **وفي منسک ابن العجمي: ولا يأخذ الفأل من المصحف، فإن العلماء اختلفوا في ذلک، فکرهه بعضهم، وأجازه بعضهم، ونص أبو بکر الطرطوشي من متأخري المالکية على تحريمه.** (کتاب أدعية الحج والعمرة الملحق بإرشاد الساري مع مناسك ملا علي قاري، قبيل فصل في الوداع، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية کراچی ص: ۵۴۳، دارالکتب العلمية بيروت ص: ۵۹۲)

ومن جملة علم الحروف فأل المصحف حيث يفتحونه وينظرون في أول الصفحة أي حرف وافقه، وکذا في سابع الورقة السابعة، فإن جاء حرف من الحروف المرکبة من تخلا کم حکموا بأنه غير مستحسن، وفي سائر الحروف بخلاف ذلک، وقد صرح ابن العجمي في منسکه، وقال: لا يأخذ الفأل من المصحف، فإن العلماء اختلفوا في ذلک، فکرهه بعضهم، وأجازه بعضهم، ونص المالکية على تحريمه الخ. (شرح الفقه الأکبر، تصديق الکاهن بما يخبر من الغيب کفر، مکتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۸۲-۱۸۳) ←

قرآن میں مور کا پر رکھنا

سوال (۲۳۲۲): قدیم ۴/۵۹- پرِ طاؤس کا مصحف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: چونکہ کوئی امر مانع نہیں؛ لہٰذا جائز ہے(۱)۔ ۱۴ رشوال ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۶)

ایسے مجمع میں تلاوت قرآن جو سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں

سوال (۲۳۲۳): قدیم ۴/۵۹- (۲)خواندن قرآن مجید بآواز بلندتر وکسانیکہ باطراف خوانندہ نشستہ اند وبجہت امور دینی یا دنیوی گوش بسماعت ندارن، درست یا نہ؟

← **أما أخذ الفأل من المصحف كأن يفتحه فيتفاء ل ببعض الآيات في أول الصفحة أو يتفاء ل بضرب الرمل فيتفاء ل ببعض رموزه فحرام.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣ / ٧٨)

ويكره أخذ الفأل منه، وقال جمع من المالكية بتحريمه. (الفتاوى الحديثية، مطلب: في أنه يكره أخذ الفأل من المصحف قديم ص: ٣٠٧)

(۱) مور ایک حلال پرندہ ہے، اس کے پیر اور پنجوں کے علاوہ اس کا پورا جسم انتہائی خوبصورت ہے، اور اس کا پر بھی بہت خوبصورت ہے اور حلال جانور کا پر پاک اور طاہر بھی ہوتا ہے؛ اس لئے خوبصورتی کی وجہ سے مور کے پر کو قرآن میں رکھنا قرآن کے لئے زینت کی چیز ہے؛ لہٰذا اس کے قرآن مقدس میں رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ويحل من الطير أكل العصافير بأنواعها: والسمان، والقنبر، والزرزور، والقطا، والكروان، والبلبل، والببغاء، والنعامة، والطاؤوس الخ. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة، مبحث ما يمنع أكله وما يباح أو ما يحل وما لا يحل، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢)

ولا بأس بأكل الطاؤوس، وعن الشعبي يكره أشد الكراهة، وبالأول يفتى كذا في الفتاوى الحمادية. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني: ما يؤكل من الحيوان وما لا يؤكل، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٤)

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: قرآن مجید خوب بلند آواز سے پڑھنا جب کہ پڑھنے والے کے آس پاس کچھ حضرات بیٹھے ہوئے ہوں اور دینی یا دنیوی امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں درست ہے یا نہیں؟ نیز پہلی صورت میں عبارات فقہاء کی تاویل کیا ہوگی؟ عالمگیریہ میں ہے: ''**ولا يقرأ جهراً الخ**'' اور دوسری جگہ ہے: ''**رجل يكتب الفقه الخ**'' اسی طرح شامی میں بھی ہے۔

أیضًا : برتقدیر اول تاویل عبارات فقہاء چیست، در عالمگیری: **لایقرأ جهراً عند المشتغلین بالأعمال. انتهٰی** (۱)۔ ونیز دراں: **رجل یکتب الفقه و بجنبه رجل یقرأ القرآن لا یمکنه استماع القرآن کان الإثم علی القاري الخ** (۲)۔ **وهکذا في الشامي** (۳)۔

الجواب: (۴) ﴿۱﴾ مختلف فیہ است (۵)۔

﴿۲﴾ ایں مبنی یک قول است۔ ۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۲)

---

(۱) هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع: في الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن الخ، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۳۱۶، جدید زکریا دیوبند ۵/ ۳۶۵۔

(۲) هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع الخ، قدیم زکریا دیوبند ۵ / ۳۱۸، جدید زکریا دیوبند ۵ / ۳۶۷۔

(۳) شامي، کتاب الصلاة، قبیل باب الإمامة، فروع في القراءة خارج الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۶۸، کراچی ۱/ ۵۴۶۔

(۴) خلاصہ ترجمہ جواب: (۱) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (۲) یہ ایک قول کے اعتبار سے ہے۔

(۵) **وظاهر اللفظ یقتضي وجوبهما حیث یقرأ القرآن مطلقا وعامة العلماء علی استحبابهما خارج الصلاة.** (بیضاوي شریف، تحت تفسیر رقم الآیة: ۲۰۴، من سورة الأعراف، المکتبة السعدیة بدیوبند ۲/ ۱۸۰)

اختلف العلماء في وجوب الاستماع والإنصات علی من هو خارج الصلاة یبلغه صوت من یقرأ القرآن في الصلاة أو خارجها، قال البیضاوي: عامة العلماء علی استحبابها خارج الصلاة، وقال ابن الهمام: وفی کلام أصحابنا ما یدل علی وجوب الاستماع في الجهر بالقراءة مطلقا، قال في الخلاصة: رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرأ القرآن فلا یمکنه استماع القرآن، فالإثم علی القارئ، وعلی هذا لو قرأ علی السطح في اللیل جهرا والناس نیام یأثم، وهذا صریح في إطلاق الوجوب؛ ولأن العبرة لعموم اللفظ دون خصوص السبب الخ. (تفسیر مظهري، تحت تفسیر رقم الآیة: ۲۰۴، من سورة الأعراف، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۴۸۰)

هاتان آیتان، فالآیة الأولی استدل بها بعض علماء الحنفیة في أن ترک القراءة للمؤتم فرض، وذلک؛ لأن الله تعالی أمر باستماع القرآن والإنصات عند قراءة القرآن ←

استماع قرآن کے لئے ذکر وظیفہ کوترک کرے یانہیں؟

سوال (۲۳۲۴): قدیم ۴/ ۵۹- (۱) دربعضے اوقات ماخادمان درذکراسم ذات یادوازدہ تسبیح درمسجد مشغول شویم ودیگرے قرآن مجید بآواز بلند تلاوت می کنند آیا ذکر موصوف خفیہ می کنیم یا بدستور عمل؟

الجواب: (۲) بدستور خوانند بناءً علےالقول الثانی (۳)۔ تاریخ مذکورہ بالا۔ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۲)

← مطلقا، سواء كان في الصلاة أو في غيرها، ولكن لما كان عامة العلماء غير قائلين بوجوب الاستماع خارج الصلاة بل باستحبابه، وكان الآية ردا على رجل من الأنصار يقرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة على ما في الحسيني، وكان جمهور الصحابة على أن الآية في استماع المؤتم خاصة، وقيل في الخطبة: الأصح أنه فيهما جميعا على ما في المدارك ثبت أن القرآن واجب الاستماع في الصلاة الخ (تفسيرات أحمدية للعلامة ملا جيون جونفوري، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۲۷۹-۲۸۰)

وظاهر الآية وجوب الاستماع والإنصات وقت قراءة القرآن في الصلاة وغيرها، وقيل: معناه إذا تلا عليكم الرسول القرآن عند نزوله فاستعموا له، وجمهور الصحابة رضي الله عنهم على أنه في استماع المؤتم، وقيل: في استماع الخطبة، وقيل: فيهما وهو الأصح. (تفسير مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن، دارالمعرفة بيروت ۲/ ۱۶۳)

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** بعض اوقات ہم مسجد کے اندر اسم ذات یا بارہ تسبیح کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور دوسرے حضرات بآواز بلند کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، تو کیا ہم ذکر مذکور خفیہ کریں یا بدستور عمل کرتے رہیں؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** دوسرے قول کے مطابق بدستور پڑھتے رہیں۔

(۳) وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرأ القرآن مطلقا وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلاة. (بيضاوي شريف، تحت تفسير رقم الآية: ۲۰۴، من سورة الأعراف، المكتبة السعدية بديوبند ۲/ ۱۸۰)

هاتان آيتان، فالآية الأولى استدل بها بعض علماء الحنفية في أن ترك القراءة للمؤتم فرض، وذلك؛ لأن الله تعالى أمر باستماع القرآن والإنصات عند قراءة القرآن ←

خارج نماز تلاوت کلام اللہ کا سننا واجب نہیں

سوال (۲۳۲۵): قدیم ۴/۵۹- بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ استماع قرآن نماز میں واجب ہے اور خارج نماز کے واجب نہیں۔ اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھے اور سامع نہ سُنے بوجہ کسی شغل کے خواہ دینی ہو یا دینوی تو قاری کو گناہ ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت عام ہے صلوٰۃ اور خارج صلوٰۃ کو اور امام صاحب کا کلیہ المطلق يجري على إطلاقه بھی اس کا مؤید معلوم ہوتا ہے۔ آج کل علماء کس پر فتویٰ دیتے ہیں؟

← مطلقا، سواء كان في الصلاة أو في غيرها، ولكن لما كان عامة العلماء غير قائلين بوجوب الاستماع خارج الصلاة بل باستحبابه، وكان الآية ردا على رجل من الأنصار يقرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة على ما في الحسيني، وكان جمهور الصحابة على أن الآية في استماع المؤتم خاصة، وقيل في الخطبة: الأصح أنه فيهما جميعا على ما في المدارك ثبت أن القرآن واجب الاستماع في الصلاة الخ. (التفسيرات الأحمدية للعلامة ملا جيون جونفوري، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۲۷۹-۲۸۰)

اختلف العلماء في وجوب الاستماع والإنصات على من هو خارج الصلاة يبلغه صوت من يقرأ القرآن في الصلاة أو خارجها، قال البيضاوي: عامة العلماء على استحبابها خارج الصلاة، وقال ابن الهمام: وفي كلام أصحابنا ما يدل على وجوب الاستماع في الجهر بالقراءة مطلقا، قال في الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن، فالإثم على القارئ، وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهرا والناس نيام يأثم، وهذا صريح في إطلاق الوجوب؛ ولأن العبرة لعموم اللفظ دون خصوص السبب الخ. (تفسير مظهري، تحت تفسير رقم الآية: ۲۰۴، من سورة الأعراف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۸۰)

أخرج ابن أبي شيبة وابن أبي حاتم وأبو الشيخ وابن مردوية عن عبدالله بن مغفل أنه سئل أكل من سمع القرآن وجب عليه الاستماع والإنصات؟ قال: لا ، قال: إنما نزلت هذه الآية: "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" في قراءة الإمام، إذا قرأ الإمام فاستمع له وأنصت. (الدرالمنثور، سورة الأعراف رقم الآية: ۲۰۴، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۸۵)

الجواب: سماع قرآن میں دونوں قول ہیں (۱) میں آسانی کے لئے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج صلوٰۃ مستحب ہے۔

۱۲ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۳)

---

(۱) وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرأ القرآن مطلقا وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلاة. (بيضاوي شريف، تحت تفسير رقم الآية: ۲۰۴، من سورة الأعراف، المكتبة السعدية بديوبند ۱/ ۱۸۰)

هاتان آيتان، فالآية الأولى استدل بها بعض علماء الحنفية في أن ترك القراءة للمؤتم فرض، وذلك لأن الله تعالى أمر باستماع القرآن والإنصات عند قراءة القرآن مطلقا، سواء كان في الصلاة أو في غيرها، ولكن لما كان عامة العلماء غير قائلين بوجوب الاستماع خارج الصلاة بل باستحبابه، وكان الآية ردا على رجل من الأنصار يقرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة على ما في الحسيني، وكان جمهور الصحابة على أن الآية في استماع المؤتم خاصة، وقيل في الخطبة: الأصح أنه فيهما جميعا على ما في المدارك ثبت أن القرآن واجب الاستماع في الصلاة الخ. (التفسيرات الأحمدية للعلامة ملاجيون جونفوري، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۲۷۹-۲۸۰)

اختلف العلماء في وجوب الاستماع والإنصات على من هو خارج الصلاة يبلغه صوت من يقرأ القرآن في الصلاة أو خارجها، قال البيضاوي: عامة العلماء على استحبابها خارج الصلاة، وقال ابن الهمام: وفى كلام أصحابنا ما يدل على وجوب الاستماع في الجهر بالقراءة مطلقا. (تفسير مظهري، آيت: ۲۰۴، من سورة الأعراف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۸۰)

وقال سفيان الثوري عن أبي هاشم إسماعيل بن كثير عن مجاهد في قوله: "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا" قال في الصلاة، وكذا رواه غير واحد عن مجاهد، وقال عبدالرزاق عن الثوري عن ليث عن مجاهد قال: لا بأس إذا قرأ الرجل في غير الصلاة أن يتكلم الخ. (تفسير ابن كثير، سورة الأعراف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۶۱-۲۶۲)

أحكام القرآن للجصاص، سورة الأعراف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن مجید اور اس کے ترجمہ کو دو کالم میں لکھنا مناسب نہیں

سوال (۲۳۲۶): قدیم ۴/ ۶۰ - قرآن شریف جس کے ایک ہی صفحہ میں کلام پاک عربی تحریر میں ہو اور اس کے مقابل ترجمہ انگریزی اردو یا صرف انگریزی ترجمہ۔ اور انگریزی میں تفسیر ہو رکھنا اور پڑھنا اور چھاپنا درست ہے یا نہیں؟

یہاں سے یہ جواب گیا

عبارت سوال سے صورت اس کی ذہن میں نہیں آئی، اس کا ایک صفحہ نقل کرا کے بھیجئے؟ پھر سائل نے نمونہ بھیجا، جس کا نقشہ یہ ہے:

قرآن شریف	ترجمۂ انگریزی
تفسیر انگریزی	

یہاں سے یہ جواب لکھا گیا

الجواب: اس طرز میں تشبہ ہے غیر اہل اسلام کے ساتھ کیونکہ یہ انہی کا ایجاد اور انہی میں شائع ہے، اور اہل اسلام میں اس کا ایسا شیوع نہیں ہوا کہ غیر اہلِ اسلام کے ساتھ اس میں معنی اختصاص کے نہ رہے ہوں اس لئے منع کیا جاوے گا (۱)۔ دوسرے اس ہیئت میں صورت معارضہ وتقابل وموازنہ کی سی ہے۔ چنانچہ جن مضامین میں تقابل وتوازن دکھلایا جاتا ہے وہ اسی ہیئت میں لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ امر مشاہد ہے اور معارضہ قرآن کا جیسا مذموم ہے اس کی صورت موہومہ بھی مذموم ہے، باقی ان اجزاء کا جمع کرنا اس ہیئت سے بھی ہوسکتا ہے۔

---

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دار السلام رقم: ۴۰۳۱)

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۳۶۹، رقم: ۲۹۶۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن شریف:
ترجمہ:
تفسیر:

واللہ اعلم ۲۵ ؍رجب ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۸)

قرآن مجید یا روٹی کی بے ادبی ہو جانے پر اس کو بوسہ دینا

سوال (۲۳۲۷): قدیم ۴/۶۰- ﴿۱﴾ جب کہ قرآن شریف کسی وجہ سے اونچی جگہ سے گر جاوے تو اس کے گر جانے سے کچھ دینا ہوتا ہے؟

﴿۲﴾ اکثر گھروں میں عورتوں کو دیکھا ہے کہ قرآن شریف کے ہم وزن انداز سے اناج دیدیا کرتی ہیں۔

﴿۳﴾ دوسرے اگر تکیہ وغیرہ کے اوپر سے کھسک کر چار پائی وغیرہ پر آجاتا ہے تو اسے ماتھے سے لگا کر پُچکارتے ہیں۔

﴿۴﴾ اسی طرح اگر روٹی وغیرہ گر جاتی ہے تب بھی کرتے ہیں، اس کے واسطے جو حکم ہو ارشاد فرماویں؟

الجواب: ﴿۱﴾ ضروری نہیں۔ ﴿۲﴾ شریعت سے ضروری نہیں، نفس پر جرمانہ ہے اور جائز ہے۔ ﴿۳﴾ ضروری نہیں؛ لیکن ادب واحترام کا طریق ہے اور جائز ہے۔ ﴿۴﴾ وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے(۱)۔

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۳۸)

---

(۱) یہ سب امور از قبیل ادب واحترام ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔

عن ابن أبي مليكة أن عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول: كتاب ربي كتاب ربي. (مسند الدارمي، كتاب فضائل القرآن، قبيل باب القرآن كلام الله، دار المغني الرياض ٤ / ٢١٠٩، رقم: ٣٣٩٣)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٣٧١، رقم: ١٠١٨-

المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، قديم ٣/ ٢٤٣، مكتبه نزار مصطفى الباز ٥/ ١٨٩١، رقم: ٥٠٦٢- ←

بوسیدہ اور ناقابل تلاوت قرآن مجید کو کیا کیا جائے؟

سوال (۲۳۲۸): قدیم ۴/ ۶۱ - ہمارے محلّہ میں کچھ لڑکے لڑکیاں قرآن مجید پڑھتے ہیں، جب ان کے قرآن کہنہ اور آگے پیچھے سے تلف ہو کر ناقابل تلاوت ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں مسجد میں رکھ جاتے ہیں، تاکہ گھروں میں ان کی بے ادبی نہ ہو، مدّت کے بعد جب ایسے مصاحف زیادہ تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو امام مسجد پاک پارچہ میں باندھ کر قبرستان کے اندر کسی محفوظ جگہ میں دفن کرا دیتا ہے، چونکہ وہ مصاحف قابل تلاوت نہیں ہوتے۔ اور نہ مسجد میں رکھنے والوں کا ان کو وقف کرنا مقصود ہوتا ہے؛ بلکہ عرفاً اور عادۃً ان کے مسجد میں رکھنے سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ وہ گھروں کی بے ادبی سے محفوظ رہیں، اور امام مسجد جس طرح مناسب سمجھیں ان کو ٹھکانے لگا دے؛ لہٰذا امام ایک طریق سے ان کو اپنے کام میں لے آتا ہے، وہ طریق یہ ہے کہ جب وہ اپنے وعظ وغیرہ کے لئے مسودہ لکھتا ہے، جن میں قرآن مجید کی بعض آیات ورکوعات درج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو ان کو خود لکھنے کے بجائے انہی اوراقِ مصاحف سے قینچی کے ساتھ کتر کتر کر مناسب مقامات پر چسپاں کر لیتا ہے، جس سے تین فائدے ہیں، ایک تو وقت بچتا ہے، دوسرے وہ کلمات وآیات خوشخط لکھی ہوتی ہیں۔ تیسرے اُن پر نشان اوقاف اور مدّ وتشدید وغیرہ پوری صحت کے ساتھ لکھی ہوتی ہیں۔ اُن کو خود لکھنے میں یہ فوائد متوقع نہیں۔ اور ان اوراق کی باقی کترنوں کو

← **روي عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول: عهد ربي ومنشور ربي عز وجل، وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف، ويمسحه على وجهه، وأما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة، وقيل: حسنة الخ.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في البيع، مكتبه زكريا ديو بند ۹/ ۵۵۲، كراچی ۶/ ۳۸۴)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل باب ما يفسد الصلاة، دار الكتاب ديو بند ص: ۳۲۰۔

ذكر الحنفية وهو المشهور عند الحنابلة جواز تقبيل المصحف تكريما له، وهو المذهب عند الحنابلة، وروي عن أحمد استحبابه لما روي عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله، ويقول: عهد ربي ومنشور ربي عز وجل، وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۱۳۳)

نہایت احتیاط سے ایک صندوقچہ میں جمع کرتا رہتا ہے، اور پھر کسی وقت بدستور دفن کرا دیتا ہے، باجودیکہ صورت مسئولہ میں وقف کا کوئی نمایاں قرینہ نہیں، اور نہ استعمالِ اوراق کے مذکورہ صورت میں کوئی بدنیتی مضمر ہے۔ تاہم دو طرح کے خلجان ہمیشہ رہتے ہیں، ایک تو یہ کہ مبادا اس عمل سے تصرف فی الوقف کے گناہ کا ارتکاب ہورہا ہو، دوسرے یہ کہ مبادا اس طرح کلام پاک کی بے ادبی ہوتی ہو۔ براہِ کرم اس مشکل میں رہنمائی فرمائیں، تاکہ اگر یہ کام ناجائز ہے تو اس سے توبہ کی جائے، اگر جائز ہے تو خلجان رفع ہوجائے۔

فقط تحریر ۲۰ / ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

الجواب: میرے نزدیک تو یہ عمل ضرور خلاف ادب ہے۔ کلیات شرعیہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے؛ کیونکہ اس میں چند محذورات ہیں۔ ایک خود اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی تمزیق اور وہ بھی احترام کے لئے نہیں جیسا دفن احترام کے لئے ہوتا ہے؛ بلکہ اپنی مصلحت خفت مونت کتابت کے لئے جو فی نفسہ قربت بھی نہیں ورنہ کتابتِ قرآن پر اجرت لینا جائز نہ ہوتا، تو اس میں تقدیم ہوئی اپنی مصلحتِ مباحہ کی قرآن مجید کی مصلحت واجبہ پر (۱)۔ دوسرے اس طرح چسپاں کرنے سے چونکہ اس کا منتفع بہ ہونا باقی ہے؛ لہٰذا وہ متقوّم اور مال ہے اور بدستور سابق مالک اصلی کی مِلک میں داخل، اور جب ملک ہے تو اس کے سب لوازم بھی مرتب ہوں گے، منجملہ ان کے مالک کی مَوت کے بعد وارثوں کی ملک میں داخل ہونا ہے، کیا یہ شخص اس پر قادر ہے کہ ہر بطن میں شرکاء سے اجازت لیا کرے، پھر کیا یہ ممکن ہے کہ اس شخص کے بعد اس کے ورثہ اس کا التزام رکھیں۔ اور کیا ایسے مفسدہ کا سبب بننا ناجائز نہ ہوگا۔ منجملہ اُن لوازم کے ہر بطن میں سب شرکاء سے بشرائط اذن لینا ہے، اس کا بھی اور اس کے ورثہ کا بھی (۲)۔ اشرف علی

۲۸ / ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور شعبان ۱۳۵۲ھ ص ۳۲)

---

(۱) **لأن تعظيم القرآن والفقه واجب الخ.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع: في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣١٦، جديد زكريا ٥/ ٣٦٥)

لأن تعظيم القرآن والفقه واجب. (خانية على هامش الهندية، الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٢٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٩)

(۲) اس لئے کہ مالک کی اجازت اور اذن کے بغیر اس کی ملک میں تصرف کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ ←

قرآن مجید کی آیت کو مانوگرام میں لکھنا مکروہ ہے

سوال (۲۳۲۹): قدیم ۴/ ۶۲ - ایک شخص مانوگرام بنانا چاہتا ہے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے:

DAILY NEWS PAPER
HYDER ABAD

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مہر کے چوتھے درجہ میں ایک آیت قرآنیہ لکھی ہوئی ہے، اس کے اوپر کے تین درجوں میں انگریزی میں اخبار روزانہ صحیفہ حیدرآباد دکن درج ہے، اس میں کوئی امر آیتِ قرآنیہ کی توہین کا تو نہیں ہے، اگر ہے تو کس آیت یا کس حدیث کی بناء پر ہے۔ اگر انگریزی کے عوض چینی یا جاپانی یا اطالوی زبان میں خاص ان کے حروف میں کوئی عبارت لکھ کر نیچے آیتِ قرآنیہ لکھی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟ دوسرا امر یہ ہے کہ اس مانوگرام کو اخبار کے بیرونی طبق اور دوسرے خط وکتابت کے لفافہ جات پر چھپوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ طبق اور لفافہ جات مثل ملفوفہ کے حفاظت سے نہیں رکھے جاتے ہیں؛ بلکہ ان کو چاک کر کے ردّی میں پھینکا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر لفافہ جات طبق وغیرہ پر اسے چھپوایا جاوے تو کیا کوئی حرج شرعی لازم آتا ہے، اگر آتا ہے تو کس آیت یا حدیث کی بناء پر؟

← **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۲۰۔

الجواب : في الدرالمختار: بساطاً أو غيره كتب عليه الملك لله يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة –إلى قوله– قلت: وظاهره انتفاء الكراهة بمجرد تعظيمه وحفظه علق أو لا، زين به أو لا، وهل مايكتب على المراوح وجدر الجوامع، كذا يحرر في ردالمحتار: قوله: قلت وظاهره الخ، كذا يوجد في بعض النسخ، أي ظاهر قوله: لا تعليقه للزينة، قوله: يحرر: أقول في فتح القدير: وتكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش. اھ ج ۱ ص ۱۸۴(۱)۔

اس روایت میں دلالت ہے اس مانوگرام کی کراہت پر اور ظاہر ہے کہ آیت لکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، جس کو مبیح محظور کہا جائے (۲)۔ قریب ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۷)

قرآن شریف کو بقصد برکت شیشہ میں رکھنا جائز ہے، بقصد زینت جائز نہیں

سوال (۲۳۳۰): قدیم ۴/۶۳- قرآن شریف کی کسی سورۃ کو مثل تصویر کے شیشہ میں بند کر کے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: برکت کے لئے کچھ حرج نہیں (۳) اور زینت کے لئے خلاف ادب ہے۔

۵/صفر المظفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص۱۰۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۲، کراچی ۱/ ۱۷۸-۱۷۹۔

(۲) **يكره كتابة قرآن أو اسم الله تعالى على ما يفرش لما فيه من ترك التعظيم، وكذا على درهم ومحراب وجدار لما يخاف من سقوط الكتابة.** (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، الطهارة، باب الحيض، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۱٤۸)

تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الأول:الطهارة، الفصل السابع: الحيض والنفاس، المبحث الثالث، مكتبه هدى انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۱۳۷)

فتح القدير، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۳، کوئٹہ ۱/ ۱۵۰۔

(۳) **رجل أمسک المصحف في بيته ولا يقرأ، قالوا: إن نوى به الخير والبركة** ←

....

← **لا يأثم ويرجى له الثواب.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، الأمور بمقاصدها، قديم ص: ٥٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٠٥)

رجل أمسک المصحف في بيته ولا يقرأ، قالوا: إن نوى به الخير والبركة لا يأثم بل يرجى له الثواب، كذا في فتاوى قاضي خان. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٧٣)

خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، باب ما يكره من الثياب والحلي الخ، فصل في التسبيح والتسليم الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٢٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۞۞۞

۲/باب: تعلیم وتعلم اور کتب ومدارس وغیرہ کے احکام

دوسرے ائمہ کے مذہب کی تحقیق بدون ان کی تقلید کے نہیں ہوسکتی

سوال (۲۳۳۱): قدیم ۴/۶۳ - ائمہ اربعہ شریعت میں سے آپ کے نزدیک باعتبار قوّت دلیل کے کس کا مذہب قوی ہے اور باعتبار احتیاط کے کس کا اور باعتبار سہولت کے کس کا؟

الجواب: یہ سوال جب کیا جاسکتا ہے جب دوسرے مذہب کی تقلید تام ممکن ہو اور ہندوستان میں یہ ممکن نہیں (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۰)

عوام مسلمانوں کو انجیل کی تعلیم درست نہیں

سوال (۲۳۳۲): قدیم ۴/۶۳ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کہ مدارس دختران از جانب مشن عیسائیان برائے انجیل خوانی اس دیار میں مقرر ہیں اور اس میں لڑکیاں اہل اسلام کی بھی تعلیم پاتی ہیں اور انجیل پڑھتی ہیں، اور معلم انجیل بھی ان مدارس کے اکثر اہل

---

(۱) ہندوستان میں صوبہ کیرالہ کو چھوڑ کر پورے برصغیر میں مسلک حنفی کے مسلمان بستے ہیں؛ اس لئے حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ دوسرے مذہب کی تقلید تام تقریباً ناممکن سی ہے؛ اس لئے سائل کے سوال میں جو باتیں مطلوب ہیں ان کا جواب ہندوستان میں لاحاصل ہے؛ چونکہ ہند ممالک و بنگلہ دیش وافغانستان وغیرہ میں سب حنفی ہیں؛ اس لئے یہاں مسلک حنفی پر قائم رہ کر اپنے دین اور عبادت کی حفاظت سہل بھی ہے۔ اور مذہب حنفی قوت دلیل کے اعتبار سے قوی بھی ہے، اس میں احتیاط بھی ہے؛ لہٰذا کسی حنفی کے لئے انفرادی طور پر مذہب غیر کو اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔

إن المفتي المجتهد ليس له العدول عما اتفق عليه أبو حنيفة و أصحابه فليس له الإفتاء به، وإن كان مجتهدا متقنا -إلى قوله- لأن السائل إنما جاء يستفتيه عن مذهب الإمام الذي قلده ذلک المفتي فعليه أن يفتي بالمذهب الذي جاء المستفتي يستفتيه عنه. (شرح عقود رسم المفتي، بيان عدم جواز العمل بالضعيف إلا في صور، دارالكتاب ديوبند ص: ۱۶۶-۱۶۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اسلام ہوتے ہیں، اور دیگر مذہب کے لوگ بھی نوکر ہوتے ہیں۔ پس یہ تعلیم جو دختران نابالغہ کو ابتداءً ہوگی تو زیادہ مؤثر ہوگی، اس صورت میں کہ وہ تعلیم نقش کالحجر رہے گی۔ پس اہلِ اسلام کو انجیل پڑھوانا ایسی لڑکیوں نابالغہ کو بموجب شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بعض معلّم جو اہل اسلام سے ہوتے ہیں لڑکیوں کو خفیہ طور پر قرآن شریف پڑھاتے ہیں، مگر انجیل پڑھانے کے واسطے نوکر ہوتے ہیں، یہ تعلیم قرآنی بطور خود جن کے نوکر ہوتے ہیں ان سے خفیہ کرتے ہیں؛ لہٰذا ایسا معلّم خواہ قرآن مجید پڑھائے یا انجیل قابل امامت ہے یا نہیں؟ اور یہ پیشہ بموجب شرع شریف کیسا ہے؟

الجواب: نہ تو ایسی لڑکیوں کو جو اپنے دین سے محض ناواقف ہیں انجیل جس میں اکثر تحریفات وتکذیباتِ احکام الٰہی ہیں پڑھنا جائز ہے۔

قال الله تعالیٰ: ویتعلّمون مایضرّهم ولا ینفعهم الآیة (۱)۔

وعن أبی هریرةؓ قال: کان أهل الکتاب یقرؤن التوراة بالعبرانیة ویفسرونها بالعربیة لأهل الإسلام، فقال رسول الله ﷺ: لاتصدقوا أهل الکتاب ولاتکذبوهم، وقولوا: اٰمنّا بالله وما أنزل إلینا. رواه البخاري (۲)۔

وعن جابر عن النبي ﷺ حین أتاه عمر فقال: إنا نسمع أحادیث من یهود تعجبنا أفتری أن نکتب بعضها، فقال: أَمُتَهَوِّکُوْنَ أنتم کما تهوکت الیهود والنصاریٰ لقد جئتکم بها بیضاء نقیة، ولو کان موسی حیا ما وسعه إلا اتباعی. رواه أحمد والبیهقي في شعب الإیمان (۳)۔

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآیة: ۱۰۲۔

(۲) بخاري شریف، کتاب التوحید، باب ما یجوز من تفسیر التوراة وغیرها من کتب الله بالعربیة وغیرها، النسخة الهندیة ۲/ ۱۱۲۵، رقم: ۷۲۴۱، ف: ۷۵۴۲۔

(۳) مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳۸۷، رقم: ۱۵۲۲۳۔

شعب الإیمان للبیهقي، باب في الإیمان بالقرآن و سائر الکتب المنزلة، ذکر حدیث جمع القرآن، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۰۰، رقم: ۱۷۶۔

وعن جابر أن عمر بن الخطابؓ أتى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم بنسخة من التوراة، فقال: يا رسول اللّٰه! هٰذه نسخة من التوراة فسكت فجعل يقرأ ووجه رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يتغير، فقال أبوبكر ثكلت الثواكل ما ترى ما بوجه رسول اللّٰه، فنظر عمر إلى وجه رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم، فقال: أعوذ باللّٰه من غضب اللّٰه وغضب رسوله، رضينا باللّٰه ربًّا، وبالإسلام ديناً، وبمحمّد نبيًّا، فقال رسول اللّٰه ﷺ: والّذي نفس محمّد بيده لو بدأ لكم موسٰى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل، ولوكان حيا وأدرك نبوتي لاتبعني. رواه الدارمي (۱)۔

اور نہ اس کی تعلیم کے لئے نوکری کرنا جائز؛ کیونکہ اضلال خلق پر اجرت لینا حرام ہے(۲)۔

ونزل في مثل هٰؤلاء قوله تعالىٰ: فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ. الآية (۳)۔

اور یہ فساق ہیں، فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ والفاسق لأنه لا يهتم لأمر دينه. هدايه (۴)۔

---

(۱) مسند الدارمي، مقدمة المؤلف، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وقول غيره عند غيره، دارالمغني الرياض ۱/ ۴۰۳، رقم: ۴۴۹۔

(۲) وتحرم الأجرة على محظور مشروط أو مضمر الخ. (البحرالزخار المعروف بمسند البزار، كتاب الإجارة، فصل في أحكام الأجرة، مطبوعه لبنان بيروت ۵/ ۸۲)

ومتفق عليه أن كل أجرة تكون على فعل المعصية تكون حراما. (بذل المجهود، كتاب الإجارة، باب في كسب الحجام، مكتبه يحيوى سهانپور ۴/ ۲۶۵)

ولا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر لا يحل له، ويجب عليه رده على صاحبه. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳)

(۳) سورة البقرة، رقم الآية: ۷۹۔

(۴) هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲۲۔ ←

اور قرآن مجید پڑھانا ان کا کچھ کام نہ آئے گا، جب تک اس عمل سے تائب نہ ہونگے۔

ہم خداخواہی وہم دنیائے دوں — ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

ایں چہ ایمان ست دین ست اے اضل — اقتدائے کفر ومصحف دربغل

ازسرِ درس مُلاہی باز آ — دردبستانِ الٰہی باز آ

(امداد ص ۱۳۰ ج ۲)

مدارس اسلامیہ کے متعارف جلسوں کے احکام

سوال (۲۳۳۳): قدیم ۴/۶۵- ایک مہتمم مدرسہ نے جلسہ انعام طلبہ میں شرکت کی درخواست کی تھی۔اس پر یہ تحریر فرمایا:

مخدومی مکرمی دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے قبل کے عریضہ میں حاضری جلسہ سے جو مانع طبعی تھا اس کی اطلاع کی تھی، جس کا مشاہدہ مکرمی مولوی صاحب نے بچشم خود فرمایا ہے، اور ممکن ہے کہ وقت جلسہ تک یہ مانع مرتفع ہوجائے۔اب بعض موانع شرعیہ کو محض استشارۃً پیش کرنا چاہتا ہوں:

ہر چند کہ علماء کی خدمت میں ایسی جرأت کرنا خالی ازسوئے ادب نہیں، مگر ایک طرف خیر خواہی کا جزو دین و مامور بہ ہونا پیش نظر، دوسری طرف آپ کی عنایات والطاف پر اعتماد، پھر اس کے ساتھ ہی اپنی رائے کی غلطی کے نکل جانے کی امید۔ان سب امور نے اجازت دی کہ بے تکلف اپنے خیالات کو ظاہر کردوں، اگر واقعی میری رائے غلط ہے تو میں دل سے خواہاں ہوں کہ اس کی اصلاح فرمادی جائے۔

← **وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعا فلا يعظم بتقديمه للإمامة.** (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند ص: ۳۰۱)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۸، كراچی ۱/ ۵۵۹)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۸۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حاصل ان موانع شرعیہ کا یہ ہے کہ جہاں تک غور کر کے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے بڑی غرض ان جلسوں کے انعقاد کی دو امر معلوم ہوتے ہیں:

(۱) فراہمی چندہ۔

(۲) اور اپنی کارگذاری کی شہرت۔ یا یوں کہئے کہ مدرسہ کی وقعت ورفعت جس کا حاصل حُبِّ مال اور حّبِّ جاہ نکلتا ہے، جس سے نصوص کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے، ہر چند کہ مال وجاہ اگر دین کے لئے مقصود ہوں تو مذموم نہیں، مگر کلام اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر یہ امور دین کے لئے مقصود ہیں یا دنیا کے لئے، سو گو نفس تاویل کر کے دین ہی کے لئے بتلاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لئے ایک خاص معیار بنایا ہے جس سے صحت یا فساد قصد معلوم ہو جاتا ہے، سو ان مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے علامت طلب دنیا کی معلوم ہوتی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب وطرق میں بھی کوئی امر خلاف رضائے حق تعالیٰ اختیار کیا جاتا۔ اور جب ایسے امور اختیار کئے جاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے۔ اور ان امور میں سے بعضے بطور نمونہ درج ہیں:

(۱) چندہ کے حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی؛ کیونکہ حکم شرعی ہے۔ **لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفسه** (۱)۔ چندہ میں سوچ سوچ کر وہ طریق اختیار کئے جاتے ہیں، جس سے مخاطب کے قلب پر اثر پڑے، گو وہ اثر دباؤ یا شرم ولحاظ سے کیوں نہ ہو ایسے لوگوں کو واسطہ بنایا جاتا ہے، مجمع میں ان کے رُوبرو فہرست بھی پیش کی جاتی ہے، شرکت جلسہ میں اصرار کیا جاتا ہے، اور یقیناً معلوم ہے کہ بڑے آدمیوں کو خالی ہاتھ آنے میں سُبکی وکم وقعتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بقایا کو مشتہر کرتے ہیں، جس سے ان کو اپنی بدنامی کا خوف ہوتا ہے۔

(۲) حکم شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور اکثر ایسے مواقع پر دینے والوں کے دل میں ریا ہوتی ہے اور ریا کا سبب بن جانا بھی معصیت ہے۔

(۳) اکثر اوقات علماء کا امراء کے دروازوں پر جانا اور اُن سے تملّق کی باتیں کرنا۔

---

(۱) **عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠۔

(۴) جن اموال کو حلال نہیں کہتے اگر وہ بھی حاصل ہوں ہرگز انکار نہیں کیا جاتا ممکن ہے یا واقع ہے کہ کسی غالب سود یا رشوت والے نے کچھ دیا ہو اور اس کو جلوت میں یا خلوت میں واپس کر دیا ہو۔

(۵) اپنے مدرسہ کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے، تصریحاً یا ایہاماً جس کا حاصل کذب وخداع ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ حق بھی ہو تو ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ گو دل میں اس کو حق سمجھتے ہیں جس کا حاصل بطر حق ہے۔

(۷) اگر اور کوئی مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے اور گو اس کی حالت واقع میں اچھی ہو مگر ہمیشہ وہ مثل خار نظر آتا ہے، اور دل سے اس کے انہدام وانعدام کے متمنی رہتے ہیں، ورنہ خوش ہونے کی بات تھی کہ دین کا کام کئی جگہ ہو رہا ہے؛ لیکن محض اس وجہ سے کہ اس کی شہرت نہ ہو جائے اس میں چندہ کی بیشی اور اس میں کمی نہ ہو جائے، ناگواری ہوتی ہے۔

(۸) کارروائی میں کارگذاری کا اظہار، اپنی مدح، اپنے مدرسہ کی ترجیح، اپنے کام کی خوبی وکثرت دکھلانا اور اس کی وجہ سے تعلیم کی کمّیت کا کیفیت سے زیادہ اہتمام کرنا، اور کتابیں بلا استعداد گھسیٹنا کہ کارروائی دکھلا سکیں خواہ طالب علموں کو آئے یا نہ آئے ان علامات میں سے اول چار حُبِّ مال لغیر الدین کی علامتیں ہیں اور مؤخر کی چار حُبّ جاہ لغیر الدین کی علامات ہیں۔ اور فساد منشاء کی وجہ سے آثار بھی ایسے ہی مرتب ہوتے ہیں۔

(۹) اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے، جن لوگوں کو بُلانے کی کوئی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء وخدّام کے کرایہ میں بہت سے روپے جاتے ہیں، بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی مدرسہ سے اہتمام ہوتا ہے جس میں تکلفّات ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر اضیاف بھی کھاتے ہیں اور غالبًا بلکہ یقیناً روپے والوں سے اذن نہیں لیا جاتا، اور دلالتِ اذن کا بھی دعویٰ مشکل ہے؛ کیونکہ اہل عطاء خود ایسے مصارف کی مذمت کرتے ہیں۔

(۱۰) بعض جگہ مسجد میں ایسے جلسے ہوتے ہیں' اور مسجد کے ساتھ بیٹھک کا سا برتاؤ ہوتا ہے شور وشغب، دنیا کے باتیں' اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات جو مشاہدہ سے متعلق ہیں، جب مسجد میں وہ امور مباحہ بھی ناجائز ہیں جن کے لئے مسجد موضوع نہیں، تا بہ منکرات چہ رسد۔

(۱۱) ایسی کارروائیوں سے بجائے وقعت وعزّت مقصودہ کے اہلِ علم کی ذلّت وحقارت اہل دنیا کی

نظر میں ہوتی ہے؛ کیونکہ اصل عزّت استغناء ہے۔ اور اس تحقیر کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے لئے علم دین کو پسند نہیں کرتے کہ یہی انجام ان کا ہوگا۔ گویا یہ حالت مناعیت للخیر کا ایک شعبہ ہے۔

(۱۲) تکثیر سوادِ طلبہ ومحصلین کے دکھلانے کو نا اہلوں کو اہل دکھلایا جاتا ہے۔ **وقس علیٰ هٰذا.** اگر یہ خیالات قابلِ اصلاح ہوں تو اصلاح فرمادیجئے، ورنہ میں عمل اور قبول کرنے پر جبر نہیں کرتا، مگر اقل درجہ میں میری غیر حاضری کے لئے ان کو وجہ وجیہ قرار دیا جائے اور معاف فرمایا جائے۔ فقط والسّلام

جواب از مہتمم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت اقدس کا والا نامہ پہنچا، مضمون سے آگاہی ہو کر بہت بڑا اطمینان ہوا، اور خوشی ہوئی، اللہ کا شکر ہے کہ مدرسہ ہذا کی بنیاد ابتداء سے کچھ ایسی پڑی ہے کہ جو امور آپ تحریر فرماتے ہیں، ان سے نفرت ہے۔ بناوٹ کو یہاں کوئی پسند نہیں کرتا، محض توکّل کے اوپر بنیاد ہے، چندہ والوں کی خدمت میں زیادہ اصرار کر کے جبر نہیں کیا جاتا جس کی طبیعت چاہے شریک ہو، جس کا جی چاہے نہ شریک ہو، جو کام خدا واسطے ونظر ہو اس میں ان امور کا خیال ہرگز نہیں ہوتا، خداوند کریم جو چاہے سو کرے، اہل دنیا کی خوشامد کرنی فضول ہے، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ ہذا میں وہی لوگ چند شرکاءِ چندہ ہیں جو اخلاص سے دیتے ہیں، اور بار باران سے تقاضے کی نوبت نہیں آتی، نہ بندہ کی اس قسم کی عادت ہے، یہ فعل میرے نزدیک معیوب ہے، مدرسہ میں جلسہ کرنے سے صرف غرض میری اتنی ہی ہوتی ہے کہ جو لوگ شریک چندہ ہیں ان کو واقعی کیفیت بلا زیادتی اور کمی کے سُنائی جائے اور انعام تقسیم کر کے جو طلبہ قابل ہیں ان کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور نیز چند علماء جمع ہو کر وعظ ونصیحت کریں، تاکہ لوگوں کو ہدایت ہو، اور مخلوق کو فائدہ پہونچے، خاص جلسہ کے واسطے اور علماء کی آمد ورفت کے کرایہ میں صرف کرنے کے واسطے اور جو لوگ شریک جلسہ ہیں جن کو مدرسہ کی طرف سے دعوت ہوتی ہے، اسی غرض سے اسی نام سے اجازت لے کر آج تک کارروائی ہو رہی ہے، مدرسہ کے چندہ میں اور اس چندہ میں کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات خداوند کریم نے میرے قلب میں اول ہی پیدا کر دی تھی۔ جلسہ میں شریک ہونے کے واسطے کسی کی خوشامد اور رئیس کے پاس ہرگز کوئی نہیں جاتا؛ بلکہ خاص طور پر غرباء کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہے کہ امراء لوگ جلسہ میں شریک شرم کی وجہ سے نہیں ہوتے، اس وجہ سے ان کو بلایا بھی نہیں جاتا اور نہ سعی کی جاتی ہے، خود دعوت دیتے ہوئے نفرت معلوم ہوتی ہے،

اگر کوئی مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے تو اس کی تخریب کے در پے ہونا یہ محض نادانی اور بے وقوفی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کسی مدرسہ میں تقابل نہیں، کسی کی مخالفت سے غرض نہیں؛ بلکہ اور مدارس جو ہیں ان کی ترقی کے خواہاں ہیں، ان کے خلاف کرنا خدا اور رسولؐ کا چور ہونا ہے اور دین کا بدخواہ، چونکہ دستار بندی ایک شیوہ اور فخر ہو گیا ہے، اور اس کو اچھا سمجھ کر اختیار مدارس نے کیا ہے، اس وجہ سے اس امر کو بندہ نے اچھا نہیں سمجھا، اور مدرسہ ہذا میں اس کا سلسلہ موقوف رکھا۔

اس مختصر عرضداشت سے جناب والا معلوم کر سکتے ہیں کہ میری غرض جلسہ کرنے سے کیا ہے، آیا حُبّ دنیا یا اور کوئی علاوہ اس کے، اور جو کوئی امر خلاف مرضی اللہ اور شرع ہو بلا تامّل نصیحت فرمائیں، بخدا میں اس میں آپ کا نہایت شکرگذار ہوں گا اور آپ کو محسن تصور کروں گا، چونکہ مدرسہ ہذا میں جلسہ کے واسطے اور کوئی جگہ نہیں ہے، اس واسطے صحن مسجد اختیار کیا ہے، مگر حتی الامکان امور منہیہ کی رعایت اپنی طرف سے کی جاتی ہے، اور لوگوں کو تاکید بہت کی جاتی ہے۔ یہ بات صرف مجبوری کی وجہ سے ہے، جلسہ کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ چندہ جمع ہو اور رفعت منظور ہو۔ رہا امر خواندگی، سو خدا کے فضل سے یہ بات نہیں بلکہ مدرسوں کو حتی الوسع تاکید ہے کہ طالب علموں کو خوب اطمینان سے پڑھائیں گے، اگرچہ کتابیں سال میں کم ہوں اور نیز طلبہ کی کمیت جس قدر ہوتی ہے اسی قدر ظاہر کی جاتی ہے۔

امید کہ جواب باصواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب الجواب از حضرت مولانا مدظلہم العالی

مخدومی دامت فیوضہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! الطاف نامہ نے مسرور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مقاصد حسنہ اور اخلاص نیت میں زیادہ برکت فرماویں۔ اور آپ کے مدرسہ کو اور اسی طرح جمیع مدارس اسلامیہ دینیہ کے فیوض و برکات سے ہم محتاجوں کو مستفید فرماویں، آپ کی تحریر سے اطمینان ہو گیا کہ ماشاء اللہ آپ کو ایسے امور پر نظر اور اس کا اہتمام ہے، مگر سب کا حال صرف اس قدر ہے کہ جلسہ میں کوئی امر قبیح بالذات نہیں ہوتا؛ لیکن یہ خلجان باقی ہے اور باقی رہنے والا معلوم ہوتا ہے کہ وجوب ترک کے لئے صرف قبیح بالذات شرط نہیں؛ بلکہ قبیح بالغیر کافی ہے۔ سو یہ امر تو مسلّم ہو چکا ہے کہ بہت سے بلکہ کل جلسے مفاسد معروضہ سابقہ سے خالی نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی ظاہر کہ اس کا انسداد حتی الامکان ضروری ہے اور ان کی ترویج مباشرۃً یا تسبباً منہی عنہ، ایسی حالت میں اگر کوئی مہتمم مدرسہ نہایت احتیاط کے ساتھ جلسہ کرے تو مباشر مفاسد تو نہ

ہوگا، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے غیر احتیاطی جلسوں کی ترویج کا سبب تو بنے گا، فقہاء نے بہت مواقع میں بعض مباحات کو محض سدّاً للذرائع و حسماً لمادّۃ الفساد تاکید سے روکا ہے، چنانچہ علماء محققین اس زمانہ میں رسوم مروجہ مولود و فاتحہ و اعراس کو گو بانی اعتقاداً و عملاً محتاط ہی کیوں نہ ہو، اسی بناء پر روکتے ہیں کہ دوسرے بے احتیاطوں کے لئے سند ہوگی۔ اور بے احتیاطوں کے لئے سبب ترویج کا ہوگا۔ اس حکم میں مجالس مدعیہ و مجالسِ مدرسیہ متماثل و متساوی ہیں، چنانچہ مشاہدہ کے بعد تامل کرنا کافی ہے۔ اور جو مصلحتیں ان جلسوں میں ارشاد ہوئی ہیں ان کے مصلحت ہونے میں کلام نہیں، مگر مصالح اور مفاسد میں جب تعارض ہوتا ہے، مفاسد کے اثر کو ترجیح ہوتی ہے، جبکہ مصالح حد ضرورت شرعی تک نہ پہونچے ہوں، اور ما نحن فیہ میں ظاہر ہے کہ ضرورت (*) شرعی نہیں ہے؛ بلکہ مصلحت بھی اسی صورت میں منحصر نہیں ہے، معینین کو بذریعہ روئداد تحریری حالت مدرسہ کی معلوم ہوسکتی ہے اور طلبہ کا ویسے بھی انعام پا کر دل خوش ہوسکتا ہے، اور وعظ و ہدایت اول تو ایسے مواقع پر شرکاء کا جلسہ کو صاف صاف کرنا مشکل ہے، ان کے تکدّر کا خیال ہوتا ہے، پھر اس مقصود کا اہتمام مستقل طور پر بھی ہوسکتا ہے؛ اس لئے اب تک بھی حاضری سے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام (امداد ص ۱۴۱ ج ۲)

خلاف شرع لکھنے والے اخبارات و رسائل خریدنے و دیکھنے کا حکم

سوال (۲۳۳۴): قدیم ۴/ ۷۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذیل کے اقتباسات بقید تاریخ ایک غیر مسلم اخبار سے منقول ہیں۔ جو اخبار مسلمانوں کو اس قسم کی ترغیب دے کیا عام مسلمان والیان ریاست کو اس اخبار کا پڑھنا، خریدنا، اس میں اشتہار دینا یا کسی اور طریقہ سے اسے بالواسطہ یا بلا واسطہ مالی امداد دینا جائز ہے؟

(۱) ۳۱ر اگست ۲۹ء کمیٹی عمر رضامندی کی رپورٹ شادی صغرسنی کے خاتمہ کی ضرورت پنڈتوں اور مولویوں کو دفن کردو (خلاصہ خود سرخی سے ظاہر ہے)

(۲) ۹ر نومبر ۲۹ء مذہب کے نام پر نابالغ لڑکیوں کی شادی۔ (اس میں مذہبی طبقہ کو احکام کا گھڑنے والا بتایا ہے)

(*) پس مواقع ضرورت بشرط رعایت احتیاط مستثنیٰ ہوں گے اور گو یہ قلیل ہو مگر معدوم نہیں۔ ۱۲ منہ

(۳) ۲۲ رستمبر ۲۸ءافغانستان سے ملاؤں کا اخراج۔ (اس میں اس اخراج پر مدح کی ہے)

(۴) ۱۶ رنومبر و ۲۷ اپریل ۲۹ءمولوی اور پنڈت خطرہ میں۔ (اس میں مذہبی طبقہ کو فضا کا خراب کرنے والا بتلایا ہے)

(۵) ۱۳ ر اکتوبر ۳۱ءنیاز فتح پوری اور موجودہ اسلام۔ (اس میں اس شخص کو مصلح قرار دیا ہے اور افساد دین کو اصلاح بتلایا ہے)

(۶) ۱۴ ر اپریل ۲۸ءٹرکی کا خدا کو جواب۔ (اس میں بد مذہبی پر ٹرکی موجودہ کی مدح کی ہے)

(۷) ۷ر اپریل ۲۸ءملکۂ افغانستان اور پردہ۔ (اس میں اس ملکہ کی بے پردگی کی مدح اور اس کو ناگوار سمجھنے والوں کی مذمّت کی ہے)

(۸) ۲۸ رجنوری ۲۸ءافغانستان سے ملّا ازم کا خاتمہ۔ (اس میں قانون شریعت کے ترک پر مدح کی گئی ہے)

(۹) ۷ر جولائی ۲۸ءملک افغانستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی ناک۔ (مثل ۷)

(۱۰) ۱۴ رمئی ۲۷ءہندو مسلم سکھ فسادات شدھی و تبلیغ کے نتائج۔ (اس میں تبلیغ کے مِٹانے کی رائے دی گئی ہے)

(۱۱) ۲۷ر دِسمبر ۲۴ءاسیران کٹار پور کو رہا کیا جائے۔ (اس میں مفسدانِ کٹار پور کی سفارش کی ہے، کہ انہوں نے جو کچھ کیا مذہبی جنون میں کیا؛ لہٰذا مسلمان ان کی رہائی کی خود کوشش کریں)

(۱۲) ۵ر جون ۳۳ءغیر مما لک کو روپیہ مذہب کے نام۔ (اس میں مسلمانان ہند کو دوسرے مما لک کے مسلمانوں کی امداد مالی سے منع کیا ہے)

(۱۳) ۳۰ رجنوری ۳۳ءریاستوں کے مظالم کا علاج، الور کشمیر کا جواب، بھوپال اور حیدر آباد میں دو ہندوؤں میں زندگی کی ضرورت۔ (اس میں ہندوؤں کو ترغیب دی ہے کہ اسلامی ریاستوں میں فساد کیا جاوے)

(۱۴) بلا تاریخ (اس اخبار نے حال میں حضرت آدم علیہ السلام کا برہنہ فوٹو شائع کیا)۔

(۱۵) ۷ر مارچ ۳۱ءنیم برہنہ باغی فقیر (اس میں گاندھی کو پیغمبر اعظم اور مرتبہ میں دوسرے پیغمبروں کے برابر بتلایا ہے)

(۱۶) ۲۱ ر مارچ ۳۱ءپیغمبر اسلام اور گاندھی۔ (مثل ۱۵) اس نمبر میں اس اخبار کا نام بھی لکھا ہے

’’ریاست‘‘ اور یہ مضمون بھی لکھا ہے کہ اس اخبار پر منکر خدا اور مُدَاوم علے السجدہ کو برابر حق ہے‘‘۔

(۱۷) ۳؍ دسمبر ۲۷ء تبلیغ کانفرنس کانزلہ ریاستوں پر (مثل ۱۰)

الجواب: جس فعل سے (جس میں کسی اخبار کا خریدنا، پڑھنا، اس میں اشتہار دینا یا کسی اور طریقہ سے اسے بواسطہ یا بلاواسطہ مالی امداد دینا بھی داخل ہے) کسی معصیت کی اعانت ہوتی ہو، اور اس فعل میں کوئی غرض صحیح بھی نہ ہو (جیسے ابطالِ باطل کے لئے خریدنا، یا اپنی حاجت کا سامان خریدنا) وہ فعل بھی معصیت ہوگا، اگرچہ اعانت کا قصد بھی نہ ہو۔ **كما صرّح الفقهاء في إعطاء السائل الذي يحرم عليه السوال (۱) وكاستخدام الخصى (۲) ونظائر هما الكثيرة.**

---

(۱) وإذا حرم السؤال عليه إذا ملك قوت يومه فهل يحرم الإعطاء له إذا علم حاله؟ قال الشيخ أكمل الدين في شرح المشارق: وأما الدفع إلى مثل ذلك السائل عالما بحاله، فحكمه في القياس أن يأثم بذلك؛ لأنه إعانة على الحرام الخ. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۷، كوئٹه ۲/ ۲۵۰)

بقي هل يأثم معطي من له القوت مع العلم بحاله؟ قال الأكمل الدين في شرح المشارق: في القياس نعم للإعانة على المحرم. (النهرالفائق، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۶۹)

ولا يحل أن يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۵-۳۰۶، كراچی ۲/ ۳۵۵)

الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الرابعة عشر: ما حرم أخذه حرم إعطاءه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۲۔

(۲) واستخدام الخصي (كنز) وفي التبيين: أي يكره استخدام الخصي؛ لأن فيه تحريض الناس على الخصاء وهو مثلة، وقد صح أنه عليه الصلاة والسلام نهى عنها فتحرم. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۶۹، إمداديه ملتان ۶/ ۳۱)

ويكره استخدام الخصيان؛ لأن الرغبة في استخدامهم حث الناس على هذا الصنيع وهو مثلة محرمة. (هداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۷۴) ←

پس باستثناء حالت مستثنیه دیگر حالات میں ایسے اخبار کا خریدنا وغیرہ سب ناجائز ہے(۱)۔ وهذا کلّه ظاهر. ۲۴؍رجب ۵۲ھ (النور، رمضان المبارک ۵۳ھ ص۱۰)

ایضاً

السوال (۲۳۳۵): قدیم ۴/ ۱۷- اگر کوئی اخبار شرعی شروط وحدود واحکام کی پوری رعایت کرتا ہو جن کا ذکر رسالہ اخبار بینی میں مکمل طور سے موجود ہے۔ تو یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسے اخبار کا مطالعہ کرنا جائز ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا جواز سے آگے اس کی امداد وتوسیع اشاعت مستحسن ہوگی؟

الجواب: یہ بات ظاہر ہے کہ حالات غائبہ کے معلوم ہونے کی بعض دفعہ شرعاً ضرورت ہوتی ہے؛ کیونکہ ان کے معلوم ہونے سے انسان بہت سی طاعات بجالاسکتا ہے، مثلاً مسلمانوں کی اعانت، مظلوموں کی نصرت خواہ ذات سے ہو یا مال سے یا مشورہ سے، اور ایسا اخبار اس علم کا واسطہ ہوگا۔ اور بواسطۂ علم کے ایسی طاعات کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور جو مفاسد عام اخبارات میں پائے جاتے ہیں، اُن سے وہ خالی ہے، جیسا سوال میں مذکور ہے، تو ایسے اخبار کی امداد کا مستحسن ہونا یقینی ہے اور اس کی اعانت کو عدم اعانت پر شرعاً ترجیح ہوگی (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مورخہ ۶؍صفرالمظفر ۱۳۵۸ھ (النور، شوال ۵۸ھ ص۸)

سنسکرت سیکھنا

سوال (۲۳۳۶): قدیم ۴/ ۷۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ آج کل آریہ مذہب والوں کا زور شور ہے اور قرآن پاک اور حدیث شریف پر طرح طرح کے

← وكره استخدام الخصي؛ لأن فيه تحريض الناس على الخصاء.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥٦٤، كراچی ٦/ ٣٩٣)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٢٢ ـ

(۱) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة، رقم الآية:۲]

(۲) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى. [المائدة، رقم الآية:۲]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اعتراض بے جا کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو بہکاتے ہیں، اور علمائے ربّانی اگرچہ جوابات تحقیقی ان کو دیتے ہیں؛ لیکن اس زمانہ میں جواب الزامی زیادہ نافع اور مسکت خصم اور اہل زمانہ کے نزدیک باوقعت ہوتا ہے۔ اور جواب الزامی تاوقتیکہ ان کے مذہب سے پوری واقفیت نہ ہو ممکن نہیں، اور ان کے مذہب کی کتب ویدوغیرہ زبان سنسکرت میں ہیں؛ اس لئے اگر بدیں ضرورت زبان سنسکرت کسی ایسے شخص سے جو دیندار اور معتمد و معتبر ہوں اور پڑھنے والے بھی علوم دین سے واقف ہوں سیکھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب : اس کی تعلیم وتعلّم کا فی نفسہٖ جائز ہونا تو بوجہ عدم مانع جواز کے ظاہر ہے (۱)۔ اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ وموقوف علیہ ہو وہ بھی مستحسن یا واجب ہوتا ہے (۲)۔ اور مصلحتِ مذکورہ سوال کے استحسان یا ضرورت میں کوئی کلام وخفا نہیں؛ لہٰذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت

---

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں کی زبان سیکھنے کی ترغیب دی ہے؛ لہٰذا سنسکرت اور انگریزی اور سریانی وغیرہ زبانیں سیکھنا بھی مستحسن ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن خارجة بن زيد بن ثابت عن أبيه زيد بن ثابت قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتعلم له كلمات من كتاب يهود وقال: إني والله ما آمن يهود على كتابي قال: فما مر بي نصف شهر حتى تعلمته له، قال: فلما تعلمته كان إذا كتب إلى يهود كتبت إليهم، وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم. (ترمذي شريف، أبواب الاستئذان و الأدب، باب في تعليم السريانية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۷۱۵)

(۲) **فوجب غسل المرفقين؛ لأن مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب.** (البناية، كتاب الطهارات، مكتبه أشرفيه ديو بند ۱/ ۱٦٤)

وأيضا فإنه يتوصل به لإقامة الواجب على وجهه وما لا يقام الواجب إلا به فهو واجب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٢٥)

لأن مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۷۳)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديو بند ۱/ ۱۱۳-۱۱٤، كوئٹه ۱/ ٦۱۔

میں بلاشبہ مستحسن یا ضروری ہے علی الکفایہ، اسی بناء پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا، اور علم کلام بطرز معقول مدون فرمایا۔

یؤیدہٗ مارواہ مسلم عن حذیفةؓ قال: کان الناس یسألون رسول اللہ ﷺ عن الخیر وکنت أسئلہ عن الشر مخافة أن یدرکني. الحدیث (۱)۔ قلت: وإدراک الشر للمسلمین کإدراکہ لنفسہ.

البتہ بعض روایات ایسے امور میں بعض ایسے عوارض خارجیہ کی وجہ سے جو کہ معلّم یا صحبت ناجنس یا فسادنیت وسوءاستعمال یا احتمال افتتان یا اشتغال بمالایعنی کی جہت سے ہوں، قبح لغیرہ محتمل ہوسکتا ہے۔ قیود مصرّحہ سوال سے ان سب کا احتمال مرتفع ہے؛ لہٰذا کوئی مفسدہ بھی مصالح مذکورہ کے معارض نہیں۔ پس جواز واستحسانِ ضرورت بحالہ باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵/صفر ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۷۰)

یونیورسٹی میں چندہ دینے کا حکم

سوال (۲۳۳۷): قدیم ۴/ ۳-۷ یونیورسٹی علی گڑھ میں کسی کا چندہ دینا کیسا ہے اگر کسی صورت میں بھی ناجائز ہوگا تو میں حتی الوسع اس قصبہ میں اس میں چندہ نہ دینے کی کوشش بذریعہ وعظ کے کروں گا؟

الجواب: یونیورسٹی میں درست نہیں (۲)۔ مگر میری رائے میں آپ اس زحمت میں نہ پڑیئے۔
۷/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۹)

تحقیق وحکم مسمریزم

سوال (۲۳۳۸): قدیم ۴/ ۳-۷ مسمریزم ایک علم ہے، جس میں طبیعت کی اور نظر کی

---

(۱) مسلم شریف، کتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۸۴۷۔

بخاري شریف، کتاب الفتن، باب کیف الأمر إذا لم تکن جماعة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۴۹، رقم: ۶۷۰۵، ف: ۷۰۸۴۔

(۲) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة، رقم الآیة:۲]

یکسوئی کی مہارت چند روز حاصل کی جاتی ہے، پھر اس سے مراحل تصوّف مثلاً وحدۃ الوجود، کشف القبور، سلب الامراض وغیرہ بلاکسی ذکر کے طے کرتے ہیں، اوران کے علاوہ اور باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں، مثلاً کسی کو بزورنظر بے ہوش کرنا، اوراس سے پوشیدہ اسرار پوچھنا، غیر مواضع کا جونظر سے غائب ہیں، حال بتانا وغیرہ جیسا کہ حکماء اشراقیین کیا کرتے تھے، اس کا حاصل کرنا درست ہے، کوئی خلافِ شرع امر تونہیں ہے؟

الجواب : تصوّف نہ یکسوئی کا نام ہے، نہ مکاشفات کا، نہ تصرفات کا، نہ واردات کا؛ بلکہ اس کی حقیقت ہے اصلاح ظاہر وباطن، پس مقاصد اس کے اعمال قالبیہ وقلبیہ ہیں، اور غایت اس کی قرب ورضائے حق ہے، اور یکسوئی اس کا مقدمہ ہے (۱) جب کہ مقصود مذکوراس پر مرتب ہو، اور واردات مثل وحدۃ الوجود وغیرہ اس کے عوارض وآثار غیر لازمہ سے ہیں اور مکاشفات کونیہ مثل کشف القبور وغیرہ، اور تصرفات مثل سلب الامراض وغیرہ کو اس سے کوئی مس نہیں ریاضت پر اس کا ترتب ہوسکتا ہے، چنانچہ کفار بھی اس میں شریک ہیں (۲)۔

---

(۱) وبالجملة فالتصوف عبارة عن عمارة الظاهر والباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، وأما عمارة الباطن فبذكر الله، وترك الركون إلى ما سواه، وتحليته بالأخلاق الحميدة، وتطهيره عن أنجاس الأخلاق الذميمة، وكان يتيسر ذلک للسلف بمجرد الصحبة كما كان يتيسر لهم علوم الكتاب والسنة بذلک أيضا من غير احتياج إلى الكتب والعلوم المدونة فيها، ثم لما تغيرت الأحوال مست الحاجة إلى كتابة العلوم وتدوينها وإملاء ها، وإقامة المدارس لتدريسها وتعليمها، وكذلک الصوفية لما رأوا تغير أحوال القوم مهدوا لعمارة الظاهر والباطن مجاهدات وخلوات، وأقاموا لها الخوانق والزوايا والرباطات، ولا يخفى أن ذلک كله من المقدمات وحالها كحال مقدمات العلوم بأسرها الخ. (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف والإحسان، باب الزهد والورع، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۸/ ۴۴۹-۴۵۰)

ثم اعلم أن غاية التصوف حصول القرب والرضا من الله في الآخرة، وحصول بشاشة الإيمان ومخالطتها بالقلب في الدنيا وهي المعروفة عندهم بالنسبة مع الله، وهي غنيمة كبرى. (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف، باب الذكر والدعاء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۸/ ۴۶۶)

(۲) وفي ذلک يقول ابن تيمية: إن خوارق العادات لا تدل على عصمة ←

اور مسمر یزم میں کل تین چیزیں ہیں: بعض مخفیات کی خبر دینا، کچھ تصرفات کرنا اور اس کی مہارت کے لئے یکسوئی کی مشق کرنا۔ سو اول تو اس میں مخفیات کی خبر دینا اکثر تابع خیال عامل کے ہوتا ہے، چنانچہ اگر ایک واقعۂ غائبہ کو دو عاملوں کے سامنے جُدا جُدا مختلف طور پر بیان کرکے ہر ایک کو یقین دلا یا جائے، اور پھر کوئی شخص جدا جدا مجلسوں میں اس واقعہ کی نسبت عاملوں سے دریافت کرے تو وہ دونوں اپنے قواعد وطریق استعمال کرنے کے بعد الگ الگ جواب دیں گے۔ جب چاہے اس کا امتحان کرلیا جائے۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ احیاناً انکشاف واقعی بھی ہوجاتا ہے، تو کشف کا تصوف سے تعلق نہ ہونا اوپر معلوم ہوچکا ہے۔ اسی طرح تصرفات کا اس سے تعلق نہ ہونا، اب رہی یکسوئی سو وہ مقدمۂ تصوف جب ہی ہے جب تصوف اس پر مرتب ہوا۔ اور جب مسمر یزم میں یہ نہیں تو وہ مقدمہ تصوف بھی نہ ہوا۔ پس محقق ہوگیا کہ تصوف سے اس کو اصلاً تعلق نہیں۔ اب رہا اس سے قطع نظر کرکے اس کا جواز یا ناجواز تو چونکہ مشاہدہ سے اس پر مفاسد کثیرہ کا ترتب معلوم ہوا ہے، جیسے انبیاء واولیاء کے کمالات کو اسی قبیل سے سمجھنا، چنانچہ ایسا ہی تو ہم اس سوال کا منشاء بھی ہوا ہے، یا اُن کے ساتھ دعویٰ وزعم، مساوات ومماثلت کا کرنا۔ اور عامل میں عجب پیدا ہوجانا، بعض امور جن کا تجسّس حرام ہے، ان پر مطلع ہونے کی کوشش کرنا۔ ان انکشافات پر جو کہ شرعی حجّت نہیں ہیں، بلا دلیل شرعی بینہ واقرار ومشاہدہ کے یقین کرلینا، اس بنا پر کسی پر چوری وغیرہ کے سوءظن کو پختہ کرلینا، بعض اغراض غیر مباحہ میں تصرف سے کام لینا، یا خود اگر مفاسد سے بچ سکے مگر دوسرے عوام کے لئے اس عامل کا موجب افتتان واضلال ہوجانا و غیر ذٰلک من المفاسد العدیدة الشدیدة. اس لئے یہ فن گو بالذات وبعینہٖ مقتضی قبح کو نہ ہو، مگر بوجہ عوارض ومفاسد مذکورہ کے کہ عادةً اس کے لوازم میں سے ہیں قبیح

← صاحبها، ولا على وجوب اتباعه في كل ما يقول: لأن بعضها منها قد يصدر عن الكفار والسحرة بمواخاتهم للشيطان كما ثبت في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدجال أنه يقول للسماء: أمطري فتمطر، وللأرض: أنبتي فتنبت، وأنه يقتل واحدا ثم يحييه، وأنه يخرج خلفه كنوز الذهب والفضة، ولهذا اتفق أئمة الدين على أن الرجل لو طار في الهواء ومشى على الماء لم تثبت له ولاية، بل ولا إسلام، حتى ينظر وقوفه عند الأمر والنهي الذي بعث الله به رسوله صلى الله عليه وسلم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ١٨٣)

لغیرہ کی قسم میں داخل ہو کر منہی عنہ اور حرام ہے۔ چنانچہ ماہر اصول فقہ پر یہ قاعدہ مخفی نہیں (۱)۔ فقط۔

۷/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۷۹)

ایضاً

سوال (۲۳۳۹): قدیم ۴/۴۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وناصران شرع متین اس مسئلہ میں: کہ علوم روحانی مثلاً مسمریزم، علم تصوّر، علم مقناطیسی وغیرہ کی بابت شرع شریف میں کیا حکم ہے، جائز ہیں یا کہ ناجائز۔ اگر جائز ہیں تو جزوی یا کلّی۔ دلائل بحوالہ حدیث شریف یا آیت مع خلاصہ تفسیر وتشریح کے تحریر فرماویں؟

الجواب: یہ عمل روحانی نہیں ہیں، نہ عملاً نہ اثراً؛ بلکہ دونوں طرح سے اعمال نفسانی ہیں اور چونکہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ فعل مباح بھی اگر متضمن مفاسد کو ہو تو وہ غیر مباح ہو جاتا ہے اور یہ اعمال متضمن مفاسد کثیرہ اعتقادیہ وعملیہ کو ہیں، جیسا تجربہ کار پر مخفی نہیں؛ اس لئے بناء برقاعدۂ مذکورہ ان سے ممانعت کی جاوے گی (۲)۔ اگر مفاسد کی تفصیل پر مطلع ہونا ہو تو زبانی سوال پر ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔

۱۷/ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۲)

---

(۱) **وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلك خداع ومكر، ومقتضى القاعدة أن ذلك معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۱/ ۵۰-۵۱)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۳۸۲، كراچی ۴/ ۲۴۱)

(۲) **وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية** ←

ایضاً

سوال (۲۳۴۰): قدیم ۴/ ۷۵- یہاں کسی عورت نے لاہور سے مسمر یزم کی انگوٹھی منگائی ہے۔ سُنتی ہوں اس میں مرے ہوئے آدمی نظر آتے ہیں، اگر اس کا دیکھنا جائز ہوگا تو میں ضرور منگوالوں گی اگر نا جائز ہوگا تو آپ اس کارڈ میں لکھ دیں میں ہرگز نہ دیکھوں گی۔ اسی وجہ سے میں نے آپ سے دریافت کیا؟

الجواب: اس انگوٹھی کی حقیقت مجھ کو خوب معلوم ہے، اس میں جو نظر آتا ہے وہ واقعی نہیں ہوتا، محض عامل کو خیال ہوتا ہے، اور لوگ اس کو واقعی سمجھ کر اپنا عقیدہ اور عمل خراب کرتے ہیں: اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں (۱)۔ یکم رجب ۳۹ھ (حوادث خامسہ ص ۳۸)

← **في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلک خداع ومکر، ومقتضى القاعدة أن ذلک معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچى ۱/ ۵۰-۵۱)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۳۸۲، كراچى ۴/ ۲۴۱)

مجموعة رسائل ابن عابدين، سل الحسام الهندي لنصرة مولانا خالد النقشبندي، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲-

(۱) **وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلک خداع ومکر، ومقتضى القاعدة أن ذلک معصية أيضا، فإن** ←

ایضاً

سوال (۲۳۴۱): قدیم ۴/۵ ۷- علم مسمریزم کا واسطے محض نفع رسانی مخلوق خدا کے مثل بیمار وغیرہ کا اس کے ذریعہ سے علاج کرنا یا خواص بوٹیوں وغیرہ کو دریافت کرنا یا کسی کی بُری عادتوں کو چھوڑانا وغیرہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو خواص آپ نے مسمریزم میں لکھے ہیں، بعض تو ان میں خلاف واقع ہیں جیسے خواص بُوٹیوں کے دریافت کرنا، اس کا مسمریزم سے کچھ تعلق نہیں، اور کسی معمول کے ذریعہ سے جو مخفیات میں سے کچھ معلوم ہوجاتا ہے اور اسی سے یہ دھوکہ ہوا ہے، سو وہ بالکل عامل یا کسی حاضرِ مجلس کے خیال کا تصرف ہوتا ہے، معمول کے متخیلہ میں خواہ وہ خیال صحیح ہو یا غلط ہو، چنانچہ جب چاہے امتحان کرلیا جاوے کہ ایک واقعہ ایک عامل کے روبرو ایک خاص طور پر بیان کردیا جاوے، اور وہی واقعہ دوسرے عامل کے روبرو دوسرے طور پر بیان کیا جاوے، پھر دونوں عامل جُدا جُدا مجلس میں مختلف معمولوں پر مختلف حاضرین کی مجلس میں کہ وہ معمول اور حاضرین سب خالی الذہن ہوں اس عمل کو استعمال کریں تو یقیناً دونوں معمول جُدا جُدا جواب دیں گے، اور ظاہر ہے کہ نقیضین کا اجتماع محال ہے، لامحالہ ایک کا جواب خلاف واقعہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اس عمل کے ذریعہ سے واقعیات کا انکشاف نہیں ہوتا؛ البتہ بعض خواص اکثر اس پر مرتب ہو سکتے ہیں، جیسے سلب مرض اور اصلاح خیالات، مگر ان مصالح سے بڑھ کر اس میں دوسرے مفاسد ہیں گو وہ لازم عقلی نہیں، مگر لازم عادی ہیں، جن کا بیان زبانی ہوسکتا ہے اور تجربہ کار مشاہدہ کرتے ہیں؛ اس لئے حسب ارشاد: **قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا** (ا)۔ اس کو منع

← **المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ١٠٢، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچى ١/ ٥٠-٥١)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٨٢، كراچى ٤/ ٢٤١)

(ا) سورة البقرة، رقم الآية: ٢١٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا جاوے گا، گو وہ نہی قبح لغیرہ کے سبب ہوگی (۱)۔ جیسے فقہاء نے کیمیاء کو اسی بنا پر حرام کہا ہے (۲) اس قسم کے کئی فن ہیں، سب کا یہی حکم ہے۔ اور وہ پانچ فن ہیں: کیمیا، لیمیا، ہیمیا، سیمیا، ریمیا۔ ان سب کی شرح میرے رسالہ مأتہ دروس میں ہے، ان کا مجموعہ ہے کلہ سر۔

۵؍ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۲)

---

(۱) وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات –إلى قوله– فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلک خداع ومكر، ومقتضى القاعدة أن ذلک معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ. (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ١٠٢، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچى ١/ ٥٠-٥١)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٨٢، كراچى ٤/ ٢٤١)

مجموعة رسائل ابن عابدين، سل الحسام الهندي لنصرة مولانا خالد النقشبندي، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٢-

(۲) تنبيه: كثيرا ما يسئل عن علم الكيمياء وتعلمه هل يحل أو لا؟ ولم نر لأحد كلاما في ذلک، والذي يظهر أنه يبني على هذا الخلاف، فعلى الأول من علم العلم الموصل لذلک القلب علما يقينيا جاز له علمه وتعليمه إذ لا محذور فيه بوجه، وإن قلنا بالثاني أو لم يعلم الإنسان ذلک العلم اليقيني وكان ذلک وسيلة إلى الغش فالوجه الحرمة. (شامي، المقدمة، قبيل مطلب في الكلام على إنشاد الشعر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٣٦، كراچى ١/ ٤٦)

وهو إشارة إلى الكيمياء ولا شک في حرمتها لما فيها من ضياع المال والاشتغال بما لا يفيد. (شامي، المقدمة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٣٥، كراچى ١/ ٤٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضاً

سوال (۲۳۴۲): قدیم ۴/۶۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں باب ایں مسئلہ کہ مسمریزم کا سیکھنا اوراس پر عمل کرنا اور یقین کرنا مسلمانوں کے واسطے کیسا ہے؟ بموجب شرع شریف جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اور ایک میز تین پاؤں کی بچھا کر مُردہ روحوں کو بلا کر سوال وجواب کرتے ہیں اور روحوں سے دریافت کر کے بتلاتے ہیں کہ تمہارا کام ہوگا یا نہیں ہوگا، اس پر یقین کرنا مسلمانوں کو کیسا ہے؟

الجواب: اول مسمریزم کی حقیقت سمجھنا چاہئے پھر حکم سمجھنے میں آسانی ہوجاوے گی۔

حقیقت اس عمل کی یہ ہے کہ قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے بعض افعال کا صادر کرنا جیسے اکثر افعال قویٰ بدنیہ کے ذریعہ سے صادر کئے جاتے ہیں، پس قوت نفسانیہ بھی مثل قویٰ بدنیہ کے ایک آلہ ہے صدور افعال کا، اور حکم اس کا یہ ہے کہ جو افعال فی نفسہا مباح ہیں، ان کا صادر کرنا بھی جائز، مثلاً جس شخص پر اپنا قرض واجب ہو، اور وہ وسعت بھی رکھتا ہو۔ اس قوت سے اس کو مجبور کر کے اپنا حق وصول کرلینا جائز ہے۔ اور جس شخص پر جو حق واجب نہ ہو، جیسے چندہ دینا یا کسی عورت کا کسی شخص سے نکاح کرلینا اس کو مغلوب کر کے اپنا مقصود حاصل کرلینا حرام ہے۔ **وعلیٰ هذا القياس سائر الأفعال**. یہ تو اس کا حکم تھا فی نفسہ، اور ایک حکم ہے باعتبار عارض کے کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ خارج سے منضم ہوجاوے تو اس مفسدہ کی وجہ سے بھی اس میں ممانعت عارض ہوجاوے گی، مثلاً اس کو ذریعہ کشف واقعات کا خواہ ماضیہ ہوں یا حال مستقبلہ بتانا جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ مثلاً چور کا دریافت کرنا یا کہ مردہ کا حال پوچھنا، یا کسی کام کا انجام پوچھنا، یا اعتقاد حضور ارواح کا کرنا، جیسا سوال میں مذکور ہے کہ یہ سب محض کذب وزور وتلبیس وغرور ہے، جن میں خود اکثر عمل کرنے والے مبتلائے جہل ہیں۔ اور اسی جہل پر ان کی تصنیفات اس فن میں مبنی ہیں، اور بعضے دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں، مسمریزم سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں، اور اگر بالفرض ہوتا بھی تب بھی مثل کہانت وعرافت ونجوم کے اس سے کام لینا اور اس پر اعتقاد کرنا حرام ہوتا، چونکہ احقر کو اس عمل کا خود تجربہ ہے، اس لئے تحقیق مذکور میں کچھ تردد نہیں (۱)۔

۲۵ رجب ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۷۹)

---

(۱) وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية ←

علم منطق سیکھنے کا حکم

سوال (۲۳۴۳): قدیم ۴/ ۷۷- (۱) **تعلّم علم المنطق حرام، أو مباح، أو فرض، أو واجب، أم حسن؟ وإذا كان مباحا بقدر الاصطلاح فما قدره، وهل قراءة سلّم العلوم وشروحه علیٰ قدر الاصطلاح جائز أم لا؟ رحمنا الله وإياكم والعفو من كرمكم ما مول؟**

الجواب: (۲) **العلم المنقول كالا غذية مقصودة والمعقول كالأدوية ضروري لمن اشتغل بالكفاية من المنقول ولم يسلم ذهنه عن الخطاء في الاستدلال بدونه، ولما كان الضروري يتقدر بقدر الضرورة، وقدرها مختلف باختلاف الأذهان،**

← **في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلك خداع ومكر، ومقتضى القاعدة أن ذلك معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۱/ ۵۰-۵۱)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۳۸۲، كراچی ۴/ ۲۴۱)

مجموعة رسائل ابن عابدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲۔

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: علم منطق کا سیکھنا حرام ہے یا مباح یا فرض یا واجب یا حسن؟ اور جب بقدر اصطلاح اس کا سیکھنا مباح ہو تو اس کی مقدار کیا ہے؟ اور سلم العلوم اور اس کی شروحات کا بقدر اصطلاح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے۔

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: علم منقول غذا کی طرح مقصود بالذات ہے اور علم معقول اس شخص کے لئے جو بقدر کفایہ علم منقول حاصل کرنے میں مشغول ہو اور اس کا ذہن علم معقول یعنی منطق کے بغیر استدلال میں خطا سے محفوظ نہ ہو دوا کی طرح ضروری ہے اور چونکہ ضرورت بقدر ضرورت مقدر ہوتی ہے ←

فبأيّ مقدار ترفع الضرورة كان الضروري هو ذاك المقدار، ومن لا ضرورة له ولا ضرر كان له مباحاً (۱) ومن تضرر به كان له مذموماً وبقدر التضرر يكون الذم من الكراهة والحرمة. ۲۴/ربیع الثانی ۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۹)

محمد حسن نام کے ساتھ ''صلعم'' لکھنا کیسا ہے؟

سوال (۲۳۴۴): قدیم ۴/ ۷۷- ایک شخص کا نام ''محمد حسن'' ہے وہ اپنے نام کے لفظ محمد پر ''ؐ'' اور ''حسن'' پر ''ؓ'' لکھتا ہے (اس طرح محمدؐ حسنؓ) کیا اس طرح کرنا شرک نہیں؟ کیونکہ یہاں پر ''محمد'' سے وہ پاک ہستی مراد نہیں جس کے نام کے ساتھ ''صلعم'' لکھا جاتا ہے، اور نہ وہ ''حسن'' مراد ہے جس کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا ضروری ہے؟

الجواب: کاتب کا یہ مقصود نہیں ہوتا کہ اس اسم کا مسمّٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حسنؓ ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ دونوں جزء کے مسمّٰی متغائر ہیں تو ایک ہی شخص دو ذات کا مصداق کیسے ہوسکتا ہے' بلکہ چونکہ بناء خود اس تسمیہ کی تبرک باسماء الذوات المبارکہ ہے تو ان الفاظ سے ذہن اُن اسماء ذوات مبارکہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، جو اسماء کے منقول عنہا ہیں، گویا یہ اسماء منقولہ ان منقول عنہا کے مذکر ہیں، ان منقول عنہا کے قصد سے جو بواسطہ ان الفاظ دالہ کے گویا حکماً مذکور ومدلول ہیں، ایسے رموز لکھ دیتے ہیں۔

← اور اس کی مقدار اذہان واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، پس جس مقدار سے ضرورت پوری ہوجائے وہی مقدار ضروری ہوگی اور جس کو نہ ضرورت ہو اور نہ نقصان ہو اس کے لئے علم معقول کا سیکھنا مباح ہوگا اور جس کو اس سے نقصان پہنچے، اس کے لئے اس کا سیکھنا مذموم ہوگا اور نقصان کے اعتبار سے مذموم یعنی مکروہ یا حرام ہوگا۔

(۱) أما منطق الإسلاميين الذي مقدماته قواعد إسلامية فلا وجه للقول بحرمته بل سماه الغزالي معيار العلوم، وقد ألف فيه علماء الإسلام، ومنهم المحقق ابن الهمام، فإنه أتى منه ببيان معظم مطالبه في مقدمة كتابه التحرير الأصولي. (شامي، المقدمة، مطلب في الكهانة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۳۵، كراچی ۱/ ۴۵)

قال ابن عابدين: منطق الإسلاميين الذي مقدماته قواعد إسلامية فلا وجه للقول بحرمته، بل سماه الغزالي معيار العلوم، وقد ألف فيه علماء الإسلام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/ ۲۹۳)

لہٰذا یہ نہ شرک ہے نہ کفر (۱) البتہ اس توجیہ میں بُعد ضرور ہے؛ لہٰذا اس کا حذف اولیٰ ہے (۲)۔

۲۰ رشوال ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۵)

کتاب یوسف وزلیخا پڑھنا جائز ہے

سوال (۲۳۴۵): قدیم ۴/۸۷- کتاب ''یوسف وزلیخا'' مصنفہ مولوی عبدالرحمٰن

---

(۱) **الأمور بمقاصدها يعني أن الحكم الذى يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر، ويقرب من هذه القاعدة قاعدة إنما الأعمال بالنيات ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف والتقدير حكم الأمور بمقاصد فاعلها، أي أن الأحكام الشرعية التي تترتب على أفعال المكلفين منوطة بمقاصدهم من تلك الأفعال فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذي فعله أمرا مباحا كان فعله مباحا، وإن قصد أمرا محرما كان فعله محرما.** (شرح المجلة لسليم رستم الباز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۱۷-۱۸، رقم المادة: ۲)

الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر مثلا كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لا يكره وللتهاون يكره. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۶۲)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، قديم ص: ۵۳، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۰۲۔

(۲) **التحرز عن مواضع التهمة واجب قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه إياك وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية: ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندك اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۸)

والتحرز عن مواضع التهمة واجب بالحديث. (البناية، الصوم، فصل: ومن كان مريضا في رمضان، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۰۱)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۸۵۔

العناية مع فتح القدير، الصوم، فصل: ومن كان مريضا في رمضان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۷، كوئٹه ۲/ ۲۹۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بی بی صاحبہ کے وصف میں حد سے زیادہ تعریف کی ہے، چنانچہ پستان کی تعریف میں کہا ہے:ے

دو پستان ہر یکے چوں قبّہ نور ☆ حبابے ساختہ از عین کا فور
دو نارِ تازہ تر رُستہ زیک شاخ ☆ کفِ امید شان ناسودہ گستاخ

اور دیگر جا میں کہا ہے ے

شِکم چوں تختۂ قاقم کشیدہ ☆ بنرمے دایہ نافِ اوبَریدہ
سُرنیش کوہ اماسیم سادہ ☆ چوکوہ کز کمرزیرِ اوفتادہ

وعلیٰ ہذا القیاس۔ جناب من التماس یہ ہے کہ اگر کسی بڑے زمیندار یا کسی حاکم کی بی بی کی تعریف ایسی کی جائے تو وہ کتنا خشمناک ہو جائے گا، غور کرنا چاہئے کہ یوسف علیہ السّلام کی اتنی قدر ہے، غصہ نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایسی مدح گو خلاف احترام ہے مگر ایسی حالت کے اعتبار سے ہے کہ اس وقت وہ واجب الاحترام نہ تھیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنے کے؛ بلکہ اسلام لانے کے بھی قبل، جس حالت کے اعتبار سے خود حق تعالیٰ نے اُن کا قصّہ بادم احترام ذکر فرمایا ہے۔

وروادته التي هو في بيتها الخ (۱) قالت ما جزاء الخ (۲) المستلزم للكذب والكيد ونحوهما.

سو اس کے منع کا سبب یہ عارض تو ہو نہیں سکتا؛ البتہ اگر ایسے مضامین سے قوی شہویہ کو ہیجان کا احتمال ہو تو صرف یہ مضمون نہ پڑھاویں (۳)۔ فقط (تتمہ خامسہ ص ۱۰۴)

---

(۱) سورة يوسف، رقم الآية: ۲۳۔

(۲) سورة يوسف، رقم الآية: ۲۵۔

(۳) **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.** [سورة لقمان، رقم الآية: ٦]

دلت الآية على حرمة مطالعة الكتب المشتملة على مخترعات والأباطيل المسماة في عرفنا بالناول. (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ٦، من سورة لقمان ٥/ ١١١٦)

علمِ رمل کا حرام ہونا

سوال (۲۳۴۶): قدیم ۴/ ۸۷- علمِ رمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے ایک رمل کی کتاب کے دیباچہ میں دیکھا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث شریف ہے کہ جس سے علمِ رمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اب حضور تحریر فرمائیں۔ یہ مذکورہ بالا بیان مصنف کا درست ہے یا نہیں، یا کسی اور حدیث شریف کی کتاب میں علم مذکور کے جواز کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ اس مصنف کی غلطی ہے، اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک نبی کچھ لکیریں کھینچا کرتے تھے، سو جس شخص کی لکیریں ان کے موافق ہوں جائز ہے (۱) ختم ہوا مضمون حدیث کا سو اول تو یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ مراد اس سے رمل ہے گو اس میں بھی لکیریں ہوتی ہیں، مگر ممکن ہے کہ اور کسی علم میں بھی یہی ہوں۔ دوسرے اگر رمل ہی مراد ہو تو رمل متعارف کے ان خطوط کے

---

(۱) **عن معاوية بن الحكم قال: بينا أنا أصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذ عطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله، فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: وا ثكل أمياه ما شأنكم تنظرون إلي؟ فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت، فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبأبي هو وأمي ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه فوالله ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، قلت: يا رسول الله! إني حديث عهد بجاهلية وقد جاءنا الله بالإسلام، وإن منا رجالا يأتون الكهان، قال: فلا تأتهم، قلت: ومنا رجال يتطيرون، قال: ذاك شيء يجدونه في صدورهم فلا يصدنهم، قال: قلت: ومنا رجال يخطون، قال: كان نبي من الأنبياء يخط فمن وافق خطه فذاك. رواه مسلم.** (مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب ما يجوز من العمل في الصلاة، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۹۰)

مسلم شريف، كتاب المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحته، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، بيت الأفكار رقم: ۵۳۷۔

موافق ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور شرط جواز یہی موافقت ہے، اور وہ معلوم نہیں لہٰذا جواز کا حکم ممکن نہیں ہے؛ اس لئے اس کی تعلیم و تعلّم کو حرام کہا جاوے گا (۱)۔ (تتمہ خامسہ ص ۱۸۳)

---

(۱) قوله: "والرمل" وهو علم بضروب أشكال من الخطوط والنقط بقواعد معلومة تخرج حروفا تجمع ويستخرج جملة دالة على عواقب الأمور، وقد علمت أنه حرام قطعا، وأصله لإدريس عليه السلام، أي فهو شريعة منسوخة، وفي فتاوى ابن حجر: أن تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من إيهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالىٰ في غيبه. (الدرالمختار مع الشامي، المقدمة، مطلب في التنجيم والرمل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۲۸، كراچى ۱/ ٤٤)

وقد يكون التعليم حراما، ومنه تعليم الشعوذة وضرب الرمل، وهو علم بضروب أشكال من الخطوط والنقط بقواعد معلومة تخرج حروفا تجمع ويستخرج جملة دالة على عواقب الأمور، وهو حرام قطعا، وتعلمه وتعليمه حرام لما فيه من إيهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالي في غيبه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ٦)

وقوله: "فذاك" أي المصيب، قيل: لم يصرح صلى الله عليه وسلم بالنهي عن الاشتغال به كما نهي عن الإتيان إلى الكهان والتطير لنسبته إلى بعض الأنبياء لئلا يتطرق الوهم إلى نقصانهم، وإن كان الشرائع مختلفة ومنسوخة بل ذكر على وجه يحتمل التحريم والإباحة، وقال المحرمون وهم أكثر العلماء، علق الإذن فيه على موافقة خط ذلك النبي وهي غير معلومة إذ لا يعلم بتواتر أو نص منه صلى الله عليه وسلم، ومن أصحابه أن الأشكال التي لأهل علم الرمل هي التى كانت لذلك النبي، وقيل: المراد موافقة الخط في الصورة، وقوة الفراسة التي هي نور القلب يلقيه الله فيه حتى ينكشف له بعض المغيبات ويصادف الصواب، ولا يعرف وجوده في غيره، وقال الخطابي: بل قوله: فمن وافق خطه فذاك" وارد على سبيل الزجر والتعجيز، ومعناه لا يوافق خط أحد خط ذلك النبي عليه الصلاة والسلام؛ لأن خط ذلك النبي معجزة له فافهم. (لمعات التنقيح، الصلاة، باب ما يجوز من العمل في الصلاة، دارالنوادر ۳/ ۱۱۳-۱۱٤)

مرقاة، الصلاة، إمداديه ملتان ۳/ ٤-٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدارس دینیہ میں سرکاری امداد کا حکم

سوال (۲۳۴۷): قدیم ۴/۷۹- سرکار گورنمنٹ سے اگر دینی مدرسہ کے لئے تائید ملے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر سرکار وعدہ کرے کہ ہم اعانت کر کے دخل نہ دیں گے، تب اعانت لینا درست ہے(۱)۔

۹ رشعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۱۲)

شرائط جواز تعلیم ترجمہ قرآن مجید

سوال (۲۳۴۸): قدیم ۴/۷۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ عوام مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو خاص کران بچوں کو جو تجارت پیشہ اور نوکر پیشہ ہیں تفہیم تعلیم کے زمانہ میں فن معاش کی طرف رجوع لا کر قرآن مجید کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتے ہیں، ایسے تمام بچوں کو مدرسوں میں بزیر اہتمام علمائے اہل سنت استاد کے ذریعہ ترجمہ علمائے اہل

---

(۱) مستفاد: **وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصى ببنائه أو ترميمه إذا لم يكن في ذلک ضرر ديني ولا سياسي.** (تفسير مراغي تحت تفسير رقم الآية: ١٧ من سورة البراءة، دارالفكر بيروت ٤/ ٧٤)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندهم وعندنا كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ. (شامي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٤، كراچى ٤/ ٣٤١)

أما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٨٩)

فإن كان الموصى به شيئا هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصى بثلث ماله أن يتصدق به على فقراء المسلمين أو على فقراء أهل الذمة أو بعتق الرقاب أو بعمارة المسجد الأقصى ونحو ذلک جاز في قولهم جميعا. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل: في شرائط ركن الوصية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٣٩، كراچى ٧/ ٣٤١)

مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٨۔

سنت مولانا مولوی رفیع الدین صاحب دہلویؒ یا مولانا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ یا مولانا مولوی شاہ اشرف علی صاحب سلمہ ان تینوں تراجم میں سے کسی ایک ترجمہ کو یا اس کے سوا جس کو کہ ہمارے علمائے اہل سنت پسند کریں بغیر تعلیم صرف ونحو کے مدرسوں میں استاد کے ذریعہ الفاظ قرآن مجید اور مختصر اردو کے رسالے پڑھنے کے بعد یا اردو زبان بے تکلف جاننے کے بعد ضرور بضرور پڑھانا اور سکھانا چاہئے۔ اور اس کے لئے ذیل کے دلائل پیش کرتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ط پ ۲۰ ع ۱۲ (۱)۔

اس آیت سے تعمیل احکام قرآن مجید کا سیکھنا ضروری کیونکر نہ ہو۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ط پ ۱۲، ع ۱۱ (۲)۔

جب قرآن مجید کے نزول سے سمجھنے کا حکم ہوا تو سیکھنا کیونکر ضروری نہ ہو۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ط پ ۲۶، ع ۷ (۳)۔

قرآن مجید غور کے ساتھ سمجھنا ہوا تو بغیر سیکھنے کے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ط پ ۲۳، ع ۱۲ (۴) کے ذیل میں تفسیر فتح البیان میں ہے، یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ پاک نے قرآن شریف کو اسی واسطے نازل کیا ہے کہ اس کے معنی میں تفکّر وتدبر کریں، نہ اس لئے کہ بدوون تدبّر کے فقط اس کی تلاوت کریں۔

وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ، پ ۲۵ ع ۹ (۵) کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں، تم سے اس قرآن کی پوچھ ہوگی، اور تم اس پر عمل کرنے میں کیسے تھے، اور اس کے ماننے میں کیونکر تھے؟ (۶)

---

(۱) سورۃ القصص، رقم الآیۃ: ۸۵۔

(۲) سورۃ یوسف، رقم الآیۃ: ۲۔

(۳) سورۃ محمد، رقم الآیۃ: ۲۴۔

(۴) سورۃ ص، رقم الآیۃ: ۲۹۔

(۵) سورۃ الزخرف، رقم الآیۃ: ۴۴۔

(۶) **"سوف تسئلون" أي عن هذا القرآن وكيف كنتم في العمل به والاستجابة له.**

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الزخرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۵/ ۵۲۵)

ولقد ذرانا لجهنّم كثيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالِانْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اعينٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ. پ ۹ ع ۱۲ (۱) کے ذیل میں تفسیر موضح القرآن میں ہے، خدا اور رسول کو پہچاننا اوران کے حکم سیکھنے ہر کسی پر فرض ہیں، نہ کرے تو دوزخ میں جاوے۔ وقال الرسول: یٰرب اِنّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْراً ط پ ۱۹، ع ۱ (۲) کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہے، کہ انہوں نے عرض کی کہ اے میرے رب! میری قوم نے قرآن مجید کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اور یہ اس لئے کہ مشرک قرآن مجید کی طرف کان نہیں رکھتے، اوراس کو نہیں سنتے، اور یہ ہجران میں سے ہے اوراس کے ساتھ ایمان نہ لانا، اس کو سچّا نہ جاننا، اوراس میں تدبر نہ کرنا، اوراس کو نہ سمجھنا، اوراس پر عمل نہ کرنا، اوراس کے امروں کو نہ ماننا، اوراس کے زواجر سے پرہیز نہ کرنا، اوراس سے پھر کر شعروں اور قصّوں اور کہانیوں اور سرود وغیرہ کی طرف جانا بھی اس کے ہجران میں سے ہے۔ اور ایسے طریق کی طرف جانا جو رسول سے ماخوذ نہیں ہے یہ بھی قرآن کے ہجران میں سے ہے (۳)۔

---

(۱) سورة الأعراف، رقم الآية: ۱۷۹۔

(۲) سورة الفرقان، رقم الآية: ۳۰۔

(۳) يقول تعالىٰ مخبرا عن رسوله ونبيه صلوات الله وسلامه عليه دائما إلى يوم الدين أنه قال: يرب إن قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا، وذلك أن المشركين كانوا لا يصغون للقرآن ولا يسمعونه كما قال تعالىٰ: ”وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون“ وكانو إذا تلى عليهم القرآن أكثرو اللغط والكلام في غيره حتى لا يسمعوه، فهذا من هجرانه، وترك الإيمان به وتصديقه من هجرانه، وترك تدبره وتفهمه من هجرانه، وترك العمل به من امتثال أوامره واجتناب زواجره من هجرانه، والعدول عنه إلى غيره من شعر أو قول أو غناء أو لهو أو كلام أو طريقة مأخوذة من غيره من هجرانه.

(تفسير ابن كثير، سورة الفرقان، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۵۹۵)

احادیث شریفہ

عن عثمان رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: وسلم خيركم من تعلم القرآن وعلمه. رواه البخاري (١)۔

اس حدیث میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین شخص قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے والوں کو ارشاد فرمایا ہے۔

عن عبيدة المليكي وكانت له صحبة قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: يا أهل القرآن! لا توسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته آناء الليل والنهار، وافشوه وتغنوه وتتدبروا ما فيه لعلكم تفلحون، ولا تعجلوا ثوابه، فإن له ثوابا. رواه البيهقي (٢)۔

اس حدیث میں جناب رسالت مآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو غور سے سمجھنے کا ارشاد فرمایا ہے بغیر سیکھنے کے غور ممکن نہیں ہے۔

عن حارث الأعور قال: مررت في المسجد، فإذا الناس يخوضون في الأحاديث فدخلت علىٰ عليٍّ ؓ فقلت: يا أمير المؤمنين! ألا ترى الناس قد خاضو في الأحاديث، فقال: أو قد فعلوها؟ قلت: نعم، قال: أما إني قد سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول: ألا إنها ستكون فتنة، قلت: ما المخرج منها يا رسول اللّٰه! (ﷺ) قال: كتاب اللّٰه فيه نبأ ما كان قبلكم، وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم، وهو الفصل ليس بالهزل، من تركه من جبار قصمه اللّٰه، ومن ابتغي الهدى في غيره أضله اللّٰه، وهو حبل اللّٰه المتين، وهو الذكر الحكيم، والصراط المستقيم، هو الذي لا تزيغ به الأهواء ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء، ولا يخلق من كثرة الرَّد، ولا تنقضى عجائبه، وهو الذي لم تنته

---

(١) بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، النسخة الهندية ٢/ ٧٥٢، رقم: ٤٨٣٦، ف: ٥٠٢٧۔

(٢) شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل: في إدمان تلاوته، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٥٠-٣٥١، رقم: ٢٠٠٧۔

الجن إذا سمعته حتى قالوا: إنا سمعنا قرآنا عجبا يهدي إلى الرشد فآمنا به، من قال به صدق، ومن عمل به أجر، ومن حكم به عدل، ومن دعا إليه هدىٰ إلىٰ صراط مستقيم. رواه الترمذي والدارمي (۱)۔

اس حدیث میں قابل غور یہ ہے کہ خاص کر فتنوں کے زمانہ میں جناب رسالت مآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو قرآن مجید مضبوط پکڑنے کا حکم تاکید شدید سے ارشاد فرمایا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خود اسلام میں نئے نئے گمراہ فرقے پیدا ہو کر فتنہ وفساد مچاتے پھرتے ہیں، پھر اہل سنّت کے لڑکے ولڑکیوں کو ترجمہ تعلیم قرآن مجید کی کیونکر ضروری نہ ہو۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة (۲)۔

اس حدیث سے علم دین کا جاننا ہر ایک پر فرض ہوا۔ تو علم دین میں تعلیم ترجمہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے، پھر احادیث وتفاسیر وفقہ وعقائد سکھلانا بھی لازمات سے ہے۔

ہندوستان کے مشہور مستند علمائے کرام کے اقوال

شیخ الاسلام مولانا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''فتح الرحمٰن'' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) ترمذي شريف، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۸ دارالسلام، رقم: ۲۹۰۶۔

مسند الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، دارالمغني الرياض ٤/ ۲۰۹۸، رقم: ۳۳۷٤۔

(۲) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم. (ابن ماجة شريف، مقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية ص: ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲٤)

البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۳/ ۲٤۰، رقم: ٦٧٤٦۔

المعجم الأوسط، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲، رقم: ۹۔

''مرتبہ(ا) ایں کتاب بعد خواندن متن قرآن ورسائل مختصر فارسی است' یا فہم لسان فارسی بے تکلف دست دہد و تخصیص صبیان اہل حرف (جمع حرفہ) وسپاہیان کہ توقع استیفاء علوم عربیہ ندارند' در اوّل سن تمیز ایں کتاب رابا یشاں تعلیم باید کرد۔ تا اول چیزے کہ درجوف ایشاں افتد معنی کتاب اللہ باشد، وسلامتِ فطرت از دست نہ رود، وسخن ملاحدہ کہ بمرقع صوفیہ صافیہ مستر شدہ عالم را گمراہ می سازند فریفتہ نکنند، واوراجیف (چیزہائے دروغ) معقولیان خام وسخن ہنودان بے انتظام لوح سینہ راملوّث نہ سازد، ونیز آنانکہ بعد انقضائے شطر عمر (نیمہ چیزے) توفیق توبہ یابند وتحصیل علوم آلیہ (مثل نحو وصرف) نتوانند زایں کتاب ایشاں را باید آموخت، تا در تلاوتِ قرآن حلاوت یابند ومنفعت آں در حق جمہور مسلمانان متوقع است انشاءاللہ العظیم، اما در حق صبیان ومبتدیان خود ظاہر است چنانکہ گفتہ اند''۔

اس مضمون میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت کے ساتھ پیشہ ور تمام مسلمانوں کے لڑکے اور لڑکیوں کو بغیر تعلیم صرف ونحو کے ترجمہ قرآن مجید سکھلانے کے لئے صاف لفظوں میں ہدایت کی ہے۔

عیاں راچہ بیان۔

اور شیخ الاسلام مولانا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ محدّث دہلوی اپنی کتاب ''موضح القرآن'' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

(ا) **خلاصۂ ترجمہ**: اور متن قرآن کو پڑھنے اور فارسی کے مختصر رسائل کو پڑھ لینے کے بعد یا فارسی زبان کو بے تکلف سمجھ سکنے کے بعد اس کتاب کے پڑھنے کا نمبر آتا ہے اور خاص کر ان پیشہ ور اور سپاہیوں کے بچوں کو جن سے تمام علوم عربیہ کو حاصل کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے، سن تمیز کے شروع میں ہی ان کو یہ کتاب پڑھا دینی چاہئے، تاکہ ان کے دل میں اترنے والی سب سے پہلی چیز کلام اللہ کے معانی ہوں اور سلامتی فطرت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور ملحدین کی وہ باتیں جنہیں ڈھونگی صوفی مزین اور ملمع کر کے پوری دنیا کو گمراہ کرتے ہیں، ان کو فریفتہ نہ کرسکیں اور ان کے دل کو لبھا نہ سکیں اور ناقص معقولیت پسندوں کے جھوٹ اور ہندوؤں کی اوٹ پٹانگ اور بیہودہ باتیں تختی دل کو پلید اور گدلا نہ کردیں، نیز جن کو آدھی عمر گذر جانے کے بعد توبہ کی توفیق ملتی ہے اور علوم آلیہ مثلاً نحو وصرف حاصل نہیں کرسکتے، ان کو بھی اس کتاب کی تعلیم دینی چاہئے، تاکہ تلاوت قرآن میں حلاوت اور چاشنی پیدا ہو اور انشاء اللہ امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوگی، رہا بچوں اور مبتدیوں کے حق میں نفع تو یہ ظاہر سی بات ہے جیسا کہ اوپر کہہ دیا ہے۔

''سننا چاہئے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی صفات جانیں، اور اس کا حکم معلوم کریں اور خدا کی مرضی و نامرضی کی تحقیق کریں کہ بغیر اس کے بندگی نہیں، اور جو بندگی نہ بجالاوے وہ بندہ نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پہچان آوے بتانے سے، آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے۔ سب چیز سیکھتا ہے سکھانے سے، اور بتانے سکھانے والے ہر چند تقریر کریں، پر اس کے برابر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا۔ اللہ کے کلام میں جو ہدایت ہے وہ دوسرے میں نہیں، پر کلام پاک اس کا عربی ہے اور ہندوستانی کو ادراک اس کا محال، اس واسطے بندۂ عاجز عبد القادر کو خیال آیا کہ اب ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے''۔

اب کئی باتیں معلوم رکھئے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں' کیونکہ ترکیب ہندی عربی سے بہت بعید ہے' اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنے مفہوم نہ ہوں، دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں ہے: بلکہ ہندی متعارف تا کہ عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔ تیسرے یہ کہ ہر چند معنی قرآن اس سے آسان ہوئے؛ لیکن اب بھی استاد سے سند کرنا لازم ہے، اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں، دوسرے ربط کلام ماقبل و مابعد سے پہچاننا، اور قطع کلام سے بچنا بغیر استاد نہیں آتا، چنانچہ قرآن زبان عربی ہے، پر عرب بھی محتاج استاد تھے، مولانا مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں: سب امت پر یہ بات لازم ہے کہ جس طرح اول اپنے بچوں کو الفاظ قرآن پڑھاتے ہیں، اسی طرح اس بات کا بھی اہتمام رکھیں کہ جو بچہ حرف شناس ہو کر اردو زبان پڑھنے سمجھنے لگے۔ اس کو اول موضح القرآن کا سبق دیں، تا کہ وہ قرآن شریف کے لفظی معنے سمجھ لے''۔

پھر صفحہ چودہ میں فرماتے ہیں ''معلوم ہوا کہ قرآن کا اُتارنا زرے پڑھنے ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کو پڑھ کر اس کا مطلب سمجھیں۔ یہ بات ہر پڑھے اور اَن پڑھے پر واجب ہے''۔

پھر صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں ''بڑے شرم کی بات ہے کہ سارا قرآن تو حفظ ہو، نوک زبان پر ہو، طوطے کی طرح رات دن اس کو رَٹے، مگر معنے اس کے معلوم نہ ہوں'' انتہٰی۔

ان تمام علماء کے اقوال سے بغیر صرف ونحو کے عوام مسلمان لڑکوں کو ترجمۂ تعلیم قرآن مجید سکھلانا صاف لفظوں میں واضح ہے' بڑے تعجب کی بات ہے کہ ترجمۂ قرآن واحادیث وتفاسیر کے ترجمے جو عالموں نے تالیف کئے ہیں' اس کو بطور خود بغیر استاد کے پڑھنے میں کسی کو ضرر کا احتمال نہیں ہوتا۔ مگر وہی چیز استاد کے ذریعہ پڑھنے میں ضرر کا اندیشہ کرنا نہایت تعجب انگیز ہے برخلاف اس کے عمر کا یہ قول ہے کہ ترجمۂ قرآن

شریف بغیر صرف ونحو کے مدرسوں میں استاد کے ذریعے سیکھنے والے دین اسلام سے گمراہ ہو جائیں گے، گو وہ علمائے اہل سنت کے اہتمام سے بھی کیوں نہ سکھلائے جائیں۔ اس لئے اب ہم مؤدبانہ علمائے کرام سے گذارش کرتے ہیں کہ اِن ہر دو کے اقوال پر نظر غائر ڈال کر مدلل طور سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ومنہ الصدق والصواب۔ تعلیم قرآن مجید کا سب کے لئے صغار ہوں یا کبار عوام ہوں یا خواص مطلوب ومامور بہ ہونا ظاہر ہے (۱) اور اس میں تعلیم ترجمہ بھی داخل ہے اس لئے کہ عجم کا ترجمہ سے وہی تعلق ہے جو عرب کا اصل سے، اور عوام عرب کو کہیں اس کی تعلیم سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس لئے عوام عجم کو بھی تعلیم ترجمہ سے مستثنیٰ نہ کیا جاوے گا، اور روایت **لا تعلّموھنّ** سورۂ یوسف کی صحت ثابت نہیں ہوئی، البتہ اگر کہیں متعلّم کی کج فہمی سے اس میں مفاسد پیدا ہونے لگیں تو خود ان مفاسد کا انسداد کیا جاوے گا۔ اور اس انسداد کی تدابیر امور اجتہادیہ ہیں، جو مبنی ہیں تجارب پر، کہ ان میں مصلحین کی آراء بھی ہو سکتی ہیں، سو اس کے اصول یہ احقر اپنے تجربہ کے موافق لکھتا ہے۔

(۱) تعلیم کنندہ عالم، کامل وحکیم عاقل ہو کہ ترجمہ کی تقریر اور مضامین تفسیر کے انتخاب میں مخاطب کے فہم کی رعایت رکھے۔

---

(۱) **عن عثمان رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيركم من تعلم القرآن وعلمه.** (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، النسخة الهندية ۲/ ۷۵۲، رقم: ٤٨٣٦، ف: ٥٠٢٧)

ترمذي شريف، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء في تعليم القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۸، دارالسلام رقم: ۲۹۰۷۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الذي ليس في جوفه شيء من القرآن كالبيت الخرب. (ترمذي شريف، كتاب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۹، دارالسلام رقم: ۲۹۱۳)

عن خالد بن معدان قال: إن قارئ القرآن والمتعلم تصلي عليهم الملائكة حتى يختموا السورة، فإذا أقرأ أحدكم السورة فليؤخر منها آيتين حتى يختمها من آخر النهار، كي ما تصلي الملائكة على القارئ والمقرئ من أول النهار إلى آخره. (مسند الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، دارالمغني الرياض ٤/ ۲۰۹۱، رقم: ۳۳٦۱)

(۲) متعلم خوش فہم ومنقاد ہو، معجب بالرائے وخود پسند نہ ہو کہ تفسیر سمجھنے میں غلطی نہ کرے اور تفسیر بالرائے کی جرأت نہ کرے۔

(۳) اگر کوئی مضمون متعلّم کے تحمل فہم سے بالاتر ہو، اس میں معلم اس کو وصیت کرے کہ اس مقام کا ترجمہ محض تبرکاً پڑھ لو، یا اجمالاً اس قدر سمجھ لو، اور آگے تفصیل میں فکر مت کرو اور وہ متعلم بھی اس کو قبول کرلے، اسی طرح اگر معلِّم اوصاف مذکورہ (۱) کا جامع میسّر نہ ہو تو وہ بھی ایسے مقامات کی بالکل تقریر نہ کرے، صرف ترجمہ کی عبارت پڑھادے، چنانچہ ہمارے قصبات میں اکثر لڑکیاں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتی ہیں، مگر اس طرح کہ صرف عبارت پڑھ لی، نہ معلّمہ تفسیر کی تقریر کرتی ہے، نہ متعلّمہ اس کی تحقیق، محض برکت حاصل کرنا اور بے تکلّف جتنا اجمالاً سمجھ میں آجاوے اس کا سمجھ لینا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ مبتدی قابل تفسیر سمجھنے کے ہوجاویں، خواہ کچھ کتابیں پڑھنے سے خواہ معلومات کی وسعت سے خواہ علماء کی صحبت سے، اس وقت مکرر کسی عالم محقق سے ترجمہ مع حل کے پڑھ لیں۔ ابتدائی پڑھنے پر کفایت نہ کریں۔ اور سوال میں جتنے دلائل اس تعلیم کی مطلوبیت کے لکھے ہیں قواعد شرعیہ سے سب مقید ہیں، انہی شرائط کے ساتھ، چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے کلام میں بعض شرائط کی باختلاف عنوان تصریح بھی ہے، اسی طرح بے استاد جو تراجم وتفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں اُن کے لئے بھی بعض محققین ان ہی شرائط کو ضروری کہتے ہیں۔ اور جہاں ایسا استاد نہ ملے وہاں یہ رائے دیتے ہیں کہ اول معلوماتِ دینیہ ضروریہ حاصل کرلو تاکہ علوم قرآن سے مناسبت ہوجائے، پھر مطالعہ کے وقت جہاں ذرا بھی شبہ رہے وہاں فکر سے کام نہ لیں؛ بلکہ نشان بناکر جب کوئی محقق عالم مِلا کرے اس سے حل کرلیا کریں۔ اور جو حضرات مانعین ہیں اُن کا منع فرمانا بنابران مفاسد کے ہے جو اس میں مشاہد ہیں، جس کا سبب اُن شرائط کی رعایت نہ کیا جانا ہے، پس ان سے بھی حسنِ ظن رکھنا واجب ہے۔ اور ان کا اختلاف محض صوری اختلاف ہے، اور اس اختلاف موضوع کے سبب فی الواقع دونوں قولوں میں تناقض نہیں؛ البتہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جس عمل میں مفاسد غالب ہوں اگر وہ غیر مطلوب ہو تو نفسِ عمل سے منع کردیا جاتا ہے اور اگر مطلوب ہو تو عمل سے منع نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ ان مفاسد کا انسداد کردیا جاتا ہے؛ اس لئے مانعین کی خدمت میں یہ قاعدہ پیش کرکے مشورۃً یہ عرض ہے کہ تعلیم کی تو اجازت دی جاوے، اور مفاسد کا انسداد کردیا جاوے۔ اور اگر طریق مذکور انسداد کا کافی نہ ہو تو دوسرا طریق مناسب تجویز فرمایا جاوے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رصفر ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص ۱۷۵)

سرکاری مدارس میں کتب دینیہ پڑھنے کا حکم

سوال (۲۳۴۹): قدیم ۴/ ۸۵- ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ مدرسہ عالیہ سلہٹ میں علوم دینیہ مثل تفسیر بیضاوی وجلالین شریف ومشکوٰۃ شریف وہدایہ وشرح وقایہ وتوضیح تلویح وغیرہا من العلوم الدینیہ والعقلیہ پڑھنا حرام وگناہ کبیرہ ہے یا جائز؟ اوراس مدرسہ کے طلبہ کو جاگیر دینا موجب ثواب ہے یا عذاب؟ بحوالہ کتب فقہیہ کہ ہم مقلدوں کے واسطے وہی دلیل ہے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب: في ردالمحتار: كل مصر فيه وال من جهتهم (أى الكفار) يجوز له إقامة الجمع، والأعياد، والحد، وتقليد القضاة الخ. ج۲ ص ۸۴۲ (۱)۔

وفي ردالمحتار، كتاب القضاء: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً ذكره مسكين وغيره إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم. اه (۲)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ولایت وقضا کا کافر سے قبول کرنا جائز ہے، اور عادۃً ان مناصب پر اعانت مالیہ لازم ہے، پس ملزوم کی اجازت لازم کی بھی اجازت ہے اور ان میں اور تدریس دین میں کوئی فرق نہیں۔ پس مدارس مذکورہ سوال میں پڑھنا پڑھانا اور تنخواہ اور وظیفہ لینا سب جائز ہے، اور ایسے مدارس سے پڑھنا ایسا ہے جیسا قاضی متقلد من الکافر کے پاس مقدمات لانا۔ اور جاگیر دینے میں تو کوئی وجہ شبہ کی ہو ہی نہیں سکتی کہ اعانت من المسلم للمسلم ہے (۳)۔

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱٤، كراچی ۲/ ۱٤٤۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفةؒ دعي إلى القضاء ثلاث مرات فأبى، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ٤۳، كراچی ٥/ ۳٦۸۔

(۳) تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. [سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

إن عبدالله بن عمر رضي الله عنه أخبره أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: المسلم أخو المسلم، لا يظلمه، ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته.

(بخاري شريف، كتاب الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه إنه أخوه إذا خاف عليه القتل أو نحوه، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۲۸، رقم: ٦٦۸۳، ف: ٦۹٥۱) ←

البتہ اگر طلبہ یا مدرس کو کسی امر غیر مشروع پر مجبور کیا جاوے تو پھر یہ استعانت بھی ناجائز ہے(۱)۔

۵؍شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۳)

← مسلم شريف، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۲۰، بيت الأفكار رقم: ۲۵۸۰۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والآخرة، ومن ستر مسلما ستره الله في الدنيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه، ومن سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة. الحديث (مسلم شريف، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، النسخة الهندية ۲/ ۳۴۵، بيت الأفكار رقم: ۲۶۹۹)

أبو داؤد شريف، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، النسخة الهندية ۲/ ۶۷۶، دارالسلام رقم: ۴۹۴۶۔

ترمذي شريف، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في الستر على المسلمين، النسخة الهندية ۲/ ۱۴، دارالسلام رقم: ۱۹۳۰۔

(۱) **وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

تأخذ الإعانة على الحرام حكمه –أي الحرام– مثل الإعانة على شرب الخمر، وإعانة الظالم على ظلمه الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۱۹۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/باب: تعویذات واعمال

آٹے میں تعویذ کی گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلانا

سوال (۲۳۵۰): قدیم ۸۵/۴- فتحیابی مقدمہ کے لئے اسم ذات کاغذ پر لکھ کر آٹے میں گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب تعویذ کھلانا پلانا آدمی کو جائز ہے، اُسی طرح حیوان کو بھی (۱) اور اگر القاء سے شبہ

---

(۱) **أخرج المسلم عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرقي فجاء آل عمرو ابن حزم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا: يا رسول الله إنه كانت عندنا رقية نرقي بها من العقرب، وإنک نهيت عن الرقى قال: فعرضوها عليه، فقال: ما أرى بأسا من استطاع منكم أن ينفع أخاه فلينفعه.**

وأخرج أيضا عن عوف ابن مالک الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرک. (مسلم شريف، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٤، بيت الأفكار رقم: ٢١٩٩-٢٢٠٠)

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته، وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى. (فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٤٠، تحت رقم الحديث: ٥٧٣٥، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٦)

الرقية إذا كانت لغرض مباح بأدعية مأثورة أو آيات قرآنية أو بما يشبهها من الكلمات المنقولة من الصلحاء والمشايخ، فهي مما لا بأس بها بل يثاب عليها إذا كانت بما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرقي بها. (أحكام القرآن للتهانوي، تحقيق السحر وحكمه الخ، مكتبه إدارة القرآن كراچی ١/ ٥١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اہانت ہو تو قصداً اہانت نہیں ہے؛ بلکہ استبراک مقصود ہے(۱) رہا یہ کہ اس عمل کو مقصود میں کچھ دخل ہے یا نہیں؟ سو مجھ کو اس کی تحقیق نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶/ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۳)

برتن پر کوئی آیت وغیرہ پڑھ کر حرکت میں لانا اور اس سے وقائع معلوم کرنا

سوال (۲۳۵۱): قدیم ۴/ ۸۶- زید قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھ کر ایک برتن پر دم کرتا ہے، ایک دوسرا شخص اس برتن کو پکڑ لیتا ہے پھر برتن میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اگر کسی ساحر نے اس پر سحر کیا ہے تو جہاں سحر ہے وہاں پر چلا جاتا ہے، اور اگر کسی درخت پر کیا ہے تو درخت پر چڑھنا چاہتا ہے، اگر کسی کا مال چوری ہوا ہے تو جہاں مال ہے وہاں پر چلا جاتا ہے۔ یہ زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر حرام ہے تو کس دلیل سے؟

الجواب: یہ عمل فی نفسہ جائز ہے، اب یہ دیکھنا چاہئے کہ کسی امر ناجائز کی طرف مفضی تو نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو اس عارض کی وجہ سے لغیرہ ناجائز ہو جائے گا(۲) مثلاً اس عمل کے ذریعہ سے

---

(۱) الأمور بمقاصدها يعني أن الحكم الذى يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر، ويقرب من هذه القاعدة قاعدة إنما الأعمال بالنيات ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف و التقدير حكم الأمور بمقاصد فاعلها، أي أن الأحكام الشرعية التي تترتب على أفعال المكلفين منوطة بمقاصدهم من تلك الأفعال فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذي فعله أمرا مباحا كان فعله مباحا، وإن قصد أمرا محرما كان فعله محرما. (شرح المجلة لسليم رستم الباز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ١٧-١٨، رقم المادة: ٢)

الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر مثلا كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لا يكره وللتهاون يكره. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٦٢)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، قديم ص: ٥٣، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٠٢-

(٢) مستفاد: وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما ←

کسی شخص کو چور سمجھنا جو کہ خلاف ہے نص و لا تقف ما لیس لک به علم (۱) کے کیونکہ علم سے مراد دلیل شرعی ہے اور ایسے اعمال دلیل شرعی نہیں۔ اور اگر امر نا جائز کی طرف مفضی نہیں ہوتا تو پھر بالکل جائز ہے (۲)۔ مثلاً اس امر کے ذریعہ سے مال مِل جانا یا سحر باطل ہو جانا۔ خلاصہ یہ کہ فی نفسہٖ جائز اور اگر مقدمہ حرام کا بن جائے تو ناجائز۔ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۹)

← **يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلك خداع ومكر، ومقتضى القاعدة أن ذلك معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ١٠٢، من سورة البقرة، مكتبه إدارة القرآن كراچی ١/ ٥٠-٥١)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٨٢، كراچی ٤/ ٢٤١)

مجموعة رسائل ابن عابدين، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٢۔

(١) سورة الإسراء، رقم الآية: ٣٦۔

(٢) **وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذا أو رقية أو نشرة.** (مرقاة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٣٦٠)

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته، وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى. (فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٤٠، تحت رقم الحديث: ٥٧٣٥، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٦)

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٢٣، كراچی ٦/ ٣٦٣) ←

تسخیر کے لئے تعویذ وعمل ناجائز ہے

سوال (۲۳۵۲): قدیم ۴/۸۶- ایک صاحب کو کسی لڑکے سے تعلق شدید ہو گیا تھا۔اب وہ لڑکا وطن چلا گیا، اب وہ صاحب نہایت پریشان ومضطرو بے قرار ہیں، دنیا ودین کے کام سے بیکار ہو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ خودکشی کرلوں گا، اور عجب نہیں کہ ایسا کر بیٹھیں، ایسی حالت میں اس کے واپس آجانے کے لئے دعاء وتعویذ وعمل جائز ہے یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں اور معتبر آدمی ہیں کہ میری نہایت پاک وصاف محبت ہے؟

الجواب: ایسی محبت میں خبث خفی ضرور ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی اعانت ناجائز ہے (۱) نیز ایک شخص کی مصلحت سے دوسرے شخص کو پریشان کرنا اور گھر سے بے گھر کرنا، اگر محبت پاک بھی مان لی جاوے تب بھی ناجائز ہے (۲) اگر پاک محبت ہے تو محبّ کو چاہئے کہ محبوب کے پاس جاوے نہ کہ محبوب کو بلاوے۔ اگر یہ شخص اس بلا سے نجات کی کوشش کریں تو یہ زیادہ ضروری بات ہے، اگر وہ ایسا چاہیں تو مجھ سے خط وکتابت کرلیں۔ ۲۵/ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۴)

← **اختلف الفقهاء في الرقى: فذهب الجمهور إلى جواز الرقى من كل داء يصيب الإنسان بشروط ثلاثة: أولها: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته. وثانيها: أن يكون باللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره. ثالثها: أن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بإذن الله تعالىٰ وقدرته الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ٩٧)

(۱) **تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [المائدة، رقم الآية: ٢]

(۲) **عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضره الله، ومن شاق شق الله عليه.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الحوالة، باب لا ضرر ولا ضرار، دارالفكر بيروت ٨/ ٤٣٦، رقم: ١١٥٧١)

عن عبادة بن الصامت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن لا ضرر ولا ضرار.

(ابن ماجة شريف، أبواب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ص: ١٦٩، دارالسلام رقم: ٢٣٤٠)

سنن الدارقطني، كتاب في الأقضية والأحكام وغير ذلك، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٥-١٤٦، رقم: ٤٤٩٣-٤٤٩٤-

شوہر کو اشیاءِ محرمہ کھلانا اور تسخیر کے لئے سحر وغیرہ کرنا

سوال (۲۳۵۳): قدیم ۴/۸۶- (۱) زنانِ اکثر شوہران خود را غلیظات قسم قسم اشیاء و جانوران خرید کردہ گوشت آنرا ہمراہ طعام وشراب شوہر رامی خورانند ویقین میکنند کہ شوہر ایشاں مطیع وفرمانبردار ایشاں شود در ہیچ امر خلاف ایشاں نکند۔ مثل خون حیض و گوشت بوم و گوشت کرگس وغیرہ جانورانِ حرام در یں باب حکم شرع چیست وبعضے از ملّایان جادو زبان بندی وغیرہ ہم می کنانند؟

الجواب: (۲) اولاً خود ایں چنیں عملیات را گو فی نفسہ بطریق مباح باشد بغرض مسخر کردن شوہر فقہاء ممنوع گفتہ اند، وخصوصاً اگر مباح ہم نباشد مثل خورانیدن اشیاءِ محرمہ، پس حرام در حرام خواہد بود۔

ومن ثم لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ومؤكله. رواه مسلم (۳)۔

وفي ردالمحتار عن الخانية: امرأة أرادت أن تصنع تعويذا ليحبها زوجها ذكر في الجامع الصغير: أن ذلک حرام. ج۵ ص ۳۵۸ (۴)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۸)

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: اکثر عورتیں اپنے شوہروں کو قسم قسم کی گندی چیزیں اور حرام جانور خرید کر ان کا گوشت کھانے پینے کے ساتھ ملا کر شوہروں کو کھلاتی ہیں اور یہ یقین رکھتی ہیں کہ ان کا شوہر ان کا مطیع وفرماں بردار بن جائے گا اور کوئی کام ان کے خلاف نہیں کرے گا، مثلاً حیض کا خون، الو اور گرگس وغیرہ حرام جانوروں کا گوشت، تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور بعض عورتیں مولوی حضرات سے تو جادو اور زبان بندی وغیرہ بھی کروالیتی ہیں۔

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: اولاً اس طرح کے عملیات کو اگرچہ فی نفسہٖ جائز طریقہ سے فقہاء کرام نے شوہر کو مسخر اور تابعدار بنانے کی غرض سے ناجائز کہا ہے، خصوصاً اگر جائز طریقہ سے نہ کیا جارہا ہو، مثلاً حرام چیزوں کو کھلانا پھر تو یہ حرام در حرام ہوجائے گا الخ۔

(۳) **عن جابر رضی الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء.** (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

أبو داؤد شريف، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳۔

(۴) شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل كتاب إحياء الموات، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۴، كراچی ۶/ ۴۲۹، زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۳، كراچی ۶/ ۳۶۴۔ ←

رقم دستک کے جواز وعدم جواز کی تحقیق

سوال (۲۳۵۴): قدیم ۴/ ۸۷- سرکاری اور ساہوکاری اور جاگیرداروں کے ملازم جو اُن کو وصولِ رقم کے احکام لکھ دیئے جاتے ہیں جن کو دستک کہتے ہیں، ہر دستک میں خوراک کے نام سے ۳ یا ۴ روزانہ لکھ دیا کرتے ہیں، پس ایسی دستک کے پیسوں کا لینا اور کھانا شرعاً جائز ہے کہ نہیں، واضح رہے کہ علاوہ ماہوار مقررہ کے جو نوکر رکھنے والے نوجوانوں کو ماہانہ دیا کرتے ہیں دستک کے پیسے رعایا وباقی اداروں سے حسب الحکم نوکر دارندہ جوان پیسے وصول کرلیتے ہیں؟

الجواب: في الهداية، كتاب إحياء الموات، فصل كرى الأنهار: فالأول (أي النهر غير المملوك) كريه على السلطان من بيت مال المسلمين -إلى قوله- فإن لم يكن في بيت المال شيء فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصلحة العامة إذهم لا يقيمونها بأنفسهم، وفي مثله قال عمرؓ: لوتركتم لبعتم أولادكم. ج ۲ ص ۴۷۱ (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو مصارف مصالح عامہ میں سے ہیں، ان کے لئے بادشاہ کو اہل مصالح سے بقدر ضرورت مال وصول کرکے ان کے مصالح میں صرف کرنا جائز ہے، پس شاہی انتظامات کی اصلی

← **قال: إن أرادت امرأة أن تصنع التعويذ ليحبها زوجها بعد ما كان يبغضها، ذكر في الجامع الصغير: أن ذلك حرام لا يحل، كذا في الحاوي للفتاوى.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٦، جديد زكريا ٥/ ٤١١)

وفي الجامع الصغير: امرأة أرادت أن تصنع تعويذا ليحبها زوجها أن ذلك حرام لا يحل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٣٠)

خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٢٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٨۔

(۱) هداية، كتاب إحياء الموات، فصل في كري الأنهار، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤ / ٤٨٧۔

غرض حفاظت مصالح جمہور ہے، ان کے متعلق جو اخراجات ہوتے ہیں، ان کی قدر اُن اہل مصالح سے وصول کرنا باصلہ مشروع ہے(۱) اور دستک بھی اس میں داخل ہوسکتی ہے، کہ سپاہی نے نیابۃً وصول کیا، اور بالاذن اجرت میں قبضہ کرلیا۔ یہ تو جواب تھا شاہی رقوم کی دستک کا، باقی ساہوکاروں اور جاگیرداروں کی رقوم کی دستک وہ اس کلّیہ مذکورہ میں تو داخل نہیں ہے، اب دیکھنا چاہئے کہ ان ساہوکاروں اور جاگیرداروں کا ان محکومین سے کس عقد کا معاملہ ہوا ہے، اگر وہ معاملہ معاوضات میں سے ہے مثل اجارہ کے تو اگر شرط یا عرف اس رقم دستک کو اس رقم اجارہ کا جزبنانے کا ہوتب تو جائز ہے بشرطیکہ تمام شروط اس عقد مثلاً اجارہ کے پائے جاویں جن میں سے ایک تعیین مقدار بھی ہے(۲) یعنی مثلاً سال بھر میں پانچ روپے ایسی تعیین ہونا چاہئے اور یہ تعیین شرعاً صحیح نہیں کہ جب تک رقم وصول نہ ہوتب تک ۳ یا ۴ روزانہ، یہ درست نہیں۔ اور اگر وہ جزو نہ بن سکے مثلاً عقد معاوضہ ہی نہ ہوتب جائز نہیں (۳)۔ ۱۲؍ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۵)

---

(۱) والأول (نهر غير مملوك لأحد) كريه على السلطان من بيت مال المسلمين؛ لأن منفعة الكري لهم فتكون مؤنته عليهم ...... وإن لم يكن في بيت المال شيء فعلى العامة، أي فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصلحة العام إذ هم لا يجتمعون ولا ينفقون عليها بأنفسهم ولا يقيمونها إن لم يجبر الإمام عليه، وفي مثله قال عمر رضي الله عنه: لو تركتم لبعتم أولادكم. (مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٨)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١٧، كراچى ٦/ ٤٤١۔

(۲) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره. (مراسيل أبي داؤد، النسخة الهندية ص: ١٠)

ومن شرائط الإجارة –إلى قوله– ومنها أن تكون الأجرة معلومة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤١١، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٤١)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هداية، كتاب الإجارات، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٩٣)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٧، كراچى ٦/ ٥۔

(۳) عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣) ←

رقیہ نہ کرنا افضل ہے

سوال (۲۳۵۵): قدیم ۴/ ۸۸- مجھ کو اس میں شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ نا جائز جھاڑ پھونک یا کہ جائز جھاڑ پھونک، جیسا کہ اکثر دستور ہے کہ قرآن شریف کی آیت سے جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور میں مطلق نہیں کرتا، تو یہ خیال میرا خراب تو نہیں ہے، اور کلامِ الٰہی کو کلامِ الٰہی جانتا ہوں۔ اس سبب سے حضور کو تحریر کیا کہ میرا عقیدہ خراب تو نہیں ہے؟

الجواب: جائز تو ہے(۱)۔

← مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١۔

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١)

البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ديوبند ٥/ ٦٨۔

(۱) **أخرج المسلم عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرقي فجاء آل عمرو ابن حزم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا: يا رسول الله إنه كانت عندنا رقية نرقي بها من العقرب، وإنک نهيت عن الرقى قال: فعرضوها عليه، فقال: ما أرى بأسا من استطاع منكم أن ينفع أخاه فلينفعه.**

وأخرج أيضا عن عوف ابن مالک الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرک. (مسلم شريف، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٤، بيت الأفكار رقم: ٢١٩٩-٢٢٠٠)

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته، وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى. (فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٤٠، تحت رقم الحديث: ٥٧٣٥، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٦)

وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة ←

مگر افضل یہی ہے کہ نہ کیا جاوے، آپ کا عقیدہ ٹھیک ہے(۱)۔

۱۲؍رجب ۱۳۲۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۸)

چوری برآمد کرنے کے لئے عملیات

سوال (۲۳۵۶): قدیم ۴/ ۸۸- شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے دزد کے معلوم کرنے کی ترکیب لکھی ہے، اور یہاں بعض بزرگ یہی ترکیب کرتے ہیں، کہ دزد معلوم کرنے کے لئے ایک آیت بیضۂ مرغ پر لکھتے ہیں اور پھر سورۂ یٰسین یا کوئی اور سورت پڑھتے ہیں، اور ایک چھوٹے لڑکے سے بیضہ کو دکھلواتے ہیں، وہ لڑکا اس انڈے میں دیکھ کر بتلاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں چیز لئے ہوئے ہے۔ اس ترکیب سے بعضی چیزیں لوگوں کو مل گئی ہیں، دزد کا پتہ لگ گیا ہے ایسی ترکیب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس ترکیب پر یقین نہ کرے۔ قرائن کا اتباع کرے کہ یقین کرنا جائز نہیں حالانکہ یقین یا ظن غالب پیدا کرنے کے لئے ایسا ہو رہا ہے؟

الجواب: نہیں؛ بلکہ اس لئے ہے کہ جس کا اس طرح سے پتہ لگے اس کا تفحص بطریق شرعی کریں(۲) لیکن عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ۲۲؍شوال ۱۳۳۵ھ

← **النبوية فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذا أو رقية أو نشرة.** (مرقاة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۳۶۰)

وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۳، كراچی ۶/ ۳۶۳)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۹۷۔

(۱) **ويجوز أن يكون النهي من قبيل التوكل لقوله: هم الذين لايسترقون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون والتوكل درجة أخرى غير الجواز.** (مرقاة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۳۶۲)

(۲) **ويجب على من اطلع على السارق بأمثال هذه أن لا يجزم بسرقته ولا يشيع فاحشته بل يتبع بالقرائن، فإنما هي طريق اتباع القرائن، قال الله تعالىٰ: ولا تقف ما ليس لك به علم.** (القول الجميل شرح شفاء العليل، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۲۸۹)

التقى في أحكام الرقى، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۷۔

سوال تتمہ سوال بالا: یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: میرے نزدیک بالکل ناجائز، اس لئے کہ عوام حدِّ تفحص سے آگے بڑھ جاتے ہیں(۱)۔

تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ص ۳۵)

تعویذ کے ذریعہ جنّات کو جلانا

سوال (۲۳۵۷): قدیم ۴/ ۸۸- اگر بچہ یا عورت پر جن کا شبہ ہوتا ہے تو عامل جن کو جلا دیتے ہیں، آیا جن کو جَلا کر مار ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو درست ہے۔ بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت لکھ دیں کہ اگر نہ جائے تو جل جائے (۲)۔　جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۵)

---

(۱) مستفاد: وثالثها ما لم يكن فيه كفر ولا إضرار بالمسلمين، ولكنه يستلزم معصية في عمله كاستعمال النجاسات، والمحرمات، وتسخير الجنة والجنات -إلى قوله- فهو معصية شرعا، أو يترتب عليه معصية أو مفسدة كفساد اعتقاد العامة، والتلبيس عليهم كما يفعله أصحاب المسمريزم في زماننا يخدعون الناس بأنهم يحضرون الأرواح، وهي تجيب عما يسئلونها، وكل ذلک خداع ومكر، ومقتضى القاعدة أن ذلک معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ. (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲، من سورة البقرة، تحقيق السحر وحكمه حكم الرقى والتمائم، مكتبه إدارة القرآن كراچى ۱/ ۵۰-۵۱)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۳۸۲، كراچى ۴/ ۲۴۱)

مجموعة رسائل ابن عابدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲۔

(۲) يستحب وقد يجب أن يذب عن المظلوم وأن ينصر، فإن نصر المظلوم مأمور به بحسب الإمكان، وإذا برئ المصاب بالدعاء والذكر وأمر الجن ونهيهم وانتهارهم وسبهم ولعنهم ونحو ذلک من الكلام حصل المقصود، وإن كان ذالک يتضمن مرض طائفة من الجن أو موتهم فهم الظالمون لأنفسهم إذا كان الراقي الداعي المعالج لم يتعد عليهم كما يتعدى عليهم كثير من أهل العزائم، فيأمرون بقتل من لا يجوز قتله -إلى قوله- فحاصل ←

کسی عورت کے لئے تعویذ کرنا تاکہ وہ نکاح پر راضی ہو جائے

سوال (۲۳۵۸): قدیم ۴/۸۹- بیوہ عورت کو کوئی عمل پڑھ کر نکاح کی خواہش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کوئی عمل قرآن سے پڑھ کر بیوہ عورت کو کھلانا واسطے نکاح کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عمل باعتبار اثر کے دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم یہ کہ جس پر عمل کیا جاوے وہ مسخر اور مغلوب المحبّت و مغلوب العقل ہو جاوے ایسا عمل اس مقصود کے لئے جائز نہیں جو شرعاً واجب نہ ہو، جیسے نکاح کرنا کسی معیّن مرد سے کہ شرعاً واجب نہیں، اس کے لئے ایسا عمل جائز نہیں(۱)۔

دوسری قسم یہ کہ صرف معمول کو اس مقصود کی طرف توجہ بلا مغلوبیت ہو جاوے، پھر بصیرت کے ساتھ اپنے لئے مصلحت تجویز کرلے، ایسا عمل ایسے مقصود کے لئے جائز ہے اس حکم میں قرآن و غیر قرآن مشترک ہیں(۲)۔ ۳۰؍شعبان ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۰)

← **ذلک أنه متى حصل المقصود بالأهون لا يصار إلى ما فوقه ومتى احتيج إلى الضرب وما هو أشد منه صير إليه.** (آكام المرجان في أحكام الجان، الباب الثالث والخمسون في حكم معالجة المصروع، مكتبة القرآن مصر القاهره ۱/ ۱۶۳-۱۶۶)

وفي الأشباه من أحكام الجان: لا يجوز قتل الجني بغير حق كالإنسي الخ. (شامي، كتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبه، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۱۷۹، كراچى ۶/ ۵۳۷)

الأشباه والنظائر، الفن الثالث: الجمع والفروق، أحكام الجان، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۹۶، قديم ۲/ ۱۸۳۔

(۱) وما كان منها بآيات قرآنية أو أسماء إلهية وأمثالها إلا أن المقصود بها إضرار مسلم كالتفريق بين الزوجين ...... أو تسخير مسلم بحيث يصير مسلوب الاختيار في الحب أو البغض لأحد ...... فحرام لكونه ظلما. (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲ من سورة البقرة، حكم الرقى والتمائم، إدارة القرآن كراچى ۱/ ۵۱)

التقى في أحكام الرقى، فصل ششم، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۹۔

(۲) عن عوف ابن مالك الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك. ←

قرآن کو بطور عمل پڑھنا جائز ہے

سوال (۲۳۵۹): قدیم ۴/۸۹- قرآن شریف یا صلوات یا ذکر کشائش رزق یا قضاء حاجت کے لئے قراءت کرنا درست ہے یا نہ؟

الجواب: درست ہے جیسا حدیث میں سورۂ واقعہ کی یہی خاصیت وارد ہوئی ہے جو صریح دلیل ہے جواز کی (۱)۔ ۶؍ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۷)

← (مسلم شريف، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٤، بيت الأفكار رقم: ٢٢٠٠)

وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذا أو رقية أو نشرة. (مرقاة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٣٦٠)

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته، وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى. (فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٤٠، تحت رقم الحديث: ٥٧٣٥، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٦)

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٢٣، كراچى ٦/ ٣٦٣)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ٩٧۔

(١) عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ سورة الواقعة في كل ليلة لم يصبه فاقة أبدا، وكان ابن مسعود يأمر بناته يقرأنها كل ليلة. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل في فضائل السور والآيات، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٩٢، رقم: ٢٤٩٩)

أخرج ابن عساكر عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ سورة الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة أبدا. ←

’’یا بدوح‘‘ پڑھنے کا حکم

سوال (۲۳۶۰): قدیم ۴/ ۸۹- ’’یـا بـدّوح‘‘ کے متعلق بعض سریانی زبان میں باری تعالیٰ کا نام بتلاتے ہیں۔اور بعض مؤکل کا نام کہتے ہیں اور ’’یـا‘‘ کے ساتھ پڑھنے کو بھی منع کرتے ہیں، اس کی تحقیق جو حضرت کو ہو، اس سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: مجھ کو کچھ تحقیق نہیں، اور بدون تحقیق اس کے پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتا (۱)۔ (تتمہ رابعہ ص ۴۱)

← **وأخرج ابن مردوية عن أنس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سورة الواقعة سورة الغنى فاقرأ وها وعلموها أولادكم.** (الدرالمنثور، سورة الواقعة، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٢١٥)

(۱) **عن النعمان بن بشير قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين، وبين ذلك أمور مشتبهات لا يدري كثير من الناس أمن الحلال هي أمن الحرام، فمن تركها استبراءً لدينه وعرضه فقد سلم، ومن واقع شيئا منها يوشك أن يواقع الحرام كما أنه من يرعى حول الحمى يوشك أن يواقعه ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى الله محارمه.** (ترمذي شريف، أبواب البيوع، باب ما جاء في ترك الشبهات، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٥)

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي رضى الله عنه: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت منه "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (نسائي شريف، كتاب الأشربة، الحث على ترك الشبهات، النسخة الهندية ٢/ ٢٨٥، دارالسلام رقم: ٥٧١٤)

وأما على لغة العبرانية ونحوها فيمتنع لاحتمال الشرك فيها. (مرقاة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٣٦١)

وكذلك الرقى والتعاويذ محمولة أيضا على ذلك، أو على ما إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدري ما هي، ولعله يدخلها سحر أو كفر أو غير ذلك مما لا يعرف معناه، فإنها حينئذ حرام صرح به الخطابي والبيهقي وابن رشد والعز بن عبد السلام وجماعة من ←

عمل تسخیر یا تعویذ کا حکم

سوال (۲۳۶۱): قدیم ۴/ ۸۹- اگر عورت اپنے مرد کو مسخر کرنے کے واسطے کوئی تدبیر آیات قرآنی سے یا کسی دعاء سے یا اور کسی طریقہ سے کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں (۱) البتہ دفع ظلم کے لئے جائز ہے (۲)۔ ۶/ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۵)

← **أئمة الشافعية وغيرهم، وقال في الشرح الصغير: لا يرقي بالأسماء التي لم يعرف معناها، قال مالك ما يدريك لعلها كفر.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۲٤)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۳، كراچی ۶/ ۳٦٤۔

(۱) **وما كان منها بآيات قرآنية أو أسماء إلهية وأمثالها إلا أن المقصود بها إضرار مسلم كالتفريق بين الزوجين ...... أو تسخير مسلم بحيث يصير مسلوب الاختيار في الحب أو البغض لأحد ...... فحرام لكونه ظلما.** (أحكام القرآن للتهانوي، تحت تفسير رقم الآية: ۱۰۲ من سورة البقرة، حكم الرقى والتمائم، إدارة القرآن كراچی ۱/ ۵۱)

امرأة أرادت أن تصنع تعويذا ليحبها زوجها ذكر في الجامع الصغير: أن ذلك حرام لا يحل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۳، كراچی ۶/ ۳٦٤)

قال: إن أرادت امرأة أن تصنع التعويذ ليحبها زوجها بعد ما كان يبغضها، ذكر في الجامع الصغير: أن ذلك حرام لا يحل، كذا في الحاوي للفتاوى. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵٦، جديد زكريا ۵/ ٤۱۱)

وفي الجامع الصغير: امرأة أرادت أن تصنع تعويذا ليحبها زوجها أن ذلك حرام لا يحل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۳۰)

خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم الخ، قديم زكريا ديوبند ۳/ ٤۲۵، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۸۔

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات، من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة والتلفظ بكلمة الكفر عند الإكراه.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹) ←

لِيُ خَمۡسَةٌ اُطۡفِیُ بِهَا کا تعویذ ناجائز ہے

سوال (۲۳۶۲): قدیم ۴/ ۸۹- اشرف المواعظ حصہ دوم وعظ الصبر مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ، عبارت اس کی یہ ہے: ''البتہ بعض تعویذ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع کرنے کے ہیں۔ایک طاعون کا تعویذ مشہور ہے:''لِيُ خَمۡسَةٌ'' پورا شعر ہے،اس کے بعد یہ مضمون ہے:

''یہ حضرات پنجتن کے نام مبارک ہیں، اگر کچھ تاویل نہ کی جاوے تو اس کا مضمون شرک ہے، اور اگر تاویل کی جاوے تو ان کے توسّل سے یہ اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا ہے تو دعا کا ادب یہ ہے کہ نثر میں ہو نظم میں کیسی دعاء اھ۔نظم میں دعا خلاف ادب ہے، یا نظم میں دعا نہ کرنا چاہئے۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی دعا عربی شعر میں ہے، اور وہ طغریٰ کی شکل میں چھپی ہوئی بکتی ہے، جو عربی مناجات ہے؟

الجواب: اس کے بعد کی بھی تو عبارت پڑھنا چاہئے جس میں اس کا شیعہ کی طرف منسوب ہونا ظناً مذکور ہے، سب کو ملا کر نظر کرنا چاہئے۔ ایک ایک جزو پر حکم کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔نسخہ تو مجموعہ اجزاء کو کہتے ہیں اور وہی مؤثر ہوتا ہے۔ گو ایک جزو زیادہ قوی نہ ہو، اِسی طرح مناجات کا نظم ہونا مانع ضعیف ہے، جس کی مانعیت حدیث: إياک والسجع في الدعاء میں وارد ہے وہ اور اجزاء سے مل کر مؤثر قوی ہو گیا، اور یہ مشہور مناجات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں (۱)۔

۲۹/ شوال ۱۳۵۰ھ (النور ص ۷ جمادی الاولیٰ ۵۱ھ)

← الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱۔

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: حدث الناس كل جمعة مرة، فإن أبيت فمرتين، فإن أكثرت فثلاث مرات، ولا تمل الناس هذا القرآن، ولا ألفينک تأتي القوم وهم في حديث من حديثهم، فتقص عليهم، فتقطع عليهم حديثهم فتملهم، ولكن أنصت، فإذا أمروک فحدثهم وهم يشتهونه فانظر السجع من الدعاء فاجتنبه، فإني عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه لا يفعلون إلا ذلک يعني لا يفعلون إلا ذلک الاجتناب.

(بخاري شريف، كتاب الدعوات، باب ما يكره من السجع في الدعاء، النسخة الهندية ۲/ ۹۳۸، رقم: ۶۰۹۲، ف: ۶۳۳۷) ←

....

← **ومن آداب الدعاء أن لا يتكلف السجع في الدعاء، فإن حال الداعي ينبغي أن يكون حال متضرع والتكلف لا يناسبه، قال صلى الله عليه وسلم: سيكون قوم يعتدون في الدعاء، وقد قال عز وجل: "ادعوا ربكم تضرعا وخفية إنه لايحب المعتدين" وقيل: معناه التكلف للأسجاع ...... وللبخاري عن ابن عباس رضى الله عنهما: وانظر السجع من الدعاء فاجتبه، فإني عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه لا يفعلون إلا ذلك.**

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٠ / ٢٦٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

❁❁❁

۴/باب: نجاست وطہارت

ولایتی صابن استعمال کرنے کا حکم

سوال (۲۳۶۳): قدیم ۴/ ۹۰ - ولایتی صابن کا استعمال کرنا جس میں سُور کی چربی کا احتمال ہے، مگر یقین نہیں کیا ہے۔

الجواب: احتمال غالب تو معتبر ہے، اس سے تحرز واجب ہے باقی محض شبہ ضعیف معتبر نہیں۔ البتہ احتیاط پھر بھی اولیٰ ہے(۱)۔ ۲۷/ محرم ۱۳۳۲ھ

---

(۱) اگر معتبر ذرائع سے معلوم بھی ہوجائے کہ ولایتی صابن میں اسی طرح دیگر صابن میں خنزیر کی چربی یا دیگر نجس اشیاء کوڈالا جاتا ہے تب بھی ان کا استعمال جائز ہے؛ اس لئے کہ اس میں دوسری چیزیں ملا کر پکانے سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے اور تبدل حقیقت وماہیت سے شئ کا حکم بدل جاتا ہے، نیز اس میں عموم بلویٰ بھی ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد رحمه الله تعالىٰ ويفتي به للبلوى اه، وظاهره أن دهن الميتة كذلك لتعبيره بالنجس دون المتنجس إلا أن يقال: هو خاص بالنجس؛ لأن العادة فى الصابون وضع الزيت دون بقية الأدهان. تأمل، ثم رأيت في شرح المنية ما يؤيد الأول حيث قال: وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو كلب في قدر الصابون فصار صابونا يكون طاهرا لتبدل الحقيقة. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥١٩، كراچی ١/ ٣١٦)

ولكنا لا نفتي بنجاسة الصابون لأنا لا نفتي بنجاسة الدهن ومع هذا لو نفتي بنجاسة الدهن لا نفتي بنجاسة الصابون؛ لأن الدهن قد تغير وصار شيئا آخر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع: في النجاسة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٣٧، رقم: ١١٠١)

ويطهر نحو الروث والعذرة بالحرق حتى يصير رمادا عند محمد هو المختار وعليه الفتوى؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل ألا يرى أن العصير الطاهر إذا صار خمرا يتنجس وإذا صار ←

نجس چیز سے انتفاع کے متعلق چند عبارات میں تطبیق

سوال (۲۳۶۴): قدیم ۴/ ۹۰ - ان عبارتوں کی وجہ تطبیق کیا ہے؟

(۱) إذا تنجس الخبز أو الطعام لا يجوز أن يطعم الصغير أو المعتوه أو الحيوان المأكول اللحم. عالمگيري كتاب الكراهية (۱)۔

(۲) لا يجوز لأحد أن يؤكل المجنون الميتة بخلاف الهرّة، وقال أصحابنا: لايجوز الانتفاع بالميتة على أي وجه ولا يطعمها الكلاب والجوارح. اه عالمگيري (۲)۔

(۳) لأن ما تنجس باختلاط النجاسة به، والنجاسة مغلوبة لايباح أكله، ويباح الانتفاع به فيما وراء الأكل. شامي، فصل البير تحت قول صاحب الدرالمختار: فيطعم للكلاب (۳)۔

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے حیوان **ماکول اللحم** کو نہ کھلائے۔ تیسری عبارت عام معلوم ہوتی ہے نجاست کے مغلوبہ ہونے کی قید لگائی، اور جگہ یہ قید نہیں لگائی، دوسری عبارت کے شروع سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرّہ کو میتہ کھلانا درست ہے اور آخر عبارت سے معلوم ہوتا ہے نادرست ہے۔ شامی کی عبارت جو ماء مستعمل میں ہے اس میں برخلاف اور مقامات کے ایک نئی تفصیل کی ہے، جو ذیل میں درج ہے۔

← **خلا يطهر اتفاقا فعرفنا أن استحالة العين يستتبعه زوال الوصف المرتب عليها، وعلى هذا يحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس.** (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۹۱-۹۲)

(۱) هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۸۔

(۲) هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۸۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۶، كراچى ۱/ ۲۱۸۔

الماء إذا وقعت فيه نجاسة، فإن تغيّر وصفه لم يجز الانتفاع به بحال وإلا جاز كبل الطين وسقي الدواب. شامي ماء مستعمل (۱)۔

الجواب: پانی اور مطعوم میں یہ فرق ہے کہ پانی میں دوسرے ائمہ کے قول پر گنجائش ہے، پس وہ نجس متفق علیہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تصریح کی ہے: **فإن تغير وصفه لم يجز**. اس لئے کہ اس صورت میں سب کے نزدیک وہ نجس ہوگیا۔ پھر مطعوم کے باب میں یہ تفصیل ہے کہ یا تو وہ عین نجاست ہے، جیسا میتہ، یا متنجس ہے، اگر خود نجاست ہے تو حسب عبارت دوم اس سے کسی طرح کا انتفاع درست نہیں۔ **حتی لا يطعم الكلاب والجوارح.** اور بعض نے جوہرؔہ کے کھلانے کو جائز کہا ہے یا تو اس کا مبنیٰ اختلاف ہے، تو تطبیق کی حاجت نہیں، اور یا یہ قول مؤول کیا جائے کہ کسی ایسی جگہ ڈال دے کہ خود ہرؔہ اسی طرح کلب وغیرہ آ کر کھا جائے، خود اپنے اہتمام سے اس کے سامنے نہ رکھے۔ اور اگر وہ متنجس ہے پھر یا تو غالب النجاستہ ہے یا مغلوب النجاستہ، اگر غالب النجاستہ ہے تو بقاعدہ: **للأكثر حكم الكُل** (۲)۔ اس کا حکم بھی مثل عین نجاست کے ہے، جیسا کہ عبارت سوم سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض کا قید نہ لگانا یا بنا بر اختلاف قولین ہوگا، اور یا بناءً علی الشہرۃ اور علم من مواضع آخر تصریح نہیں کی، مگر مراد ہو، اور اگر مغلوب النجاستہ ہے تو خود اپنا اکل تو جائز نہیں۔ رہا اطعام تو کلاب وغیرہا کو جائز ہے جیسا عبارت سوم سے معلوم ہوتا ہے، اور حیوان ماکول حکم میں آدمی کے ہے؛ اس لئے اس کے لئے جائز نہیں، جیسا عبارت اول سے معلوم ہوتا ہے۔ پس ماوراء اکل سے مراد بعض ماوراء الاکل لیا جاوے یعنی اطعام غیر آدمی وغیر حیوان ماکول اور اکل کو مختص کہا جائے گا اکل انسان کے ساتھ۔

اب امید ہے کہ سب عبارات اور ان کا تدافع حل ہوگیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۱)

---

(۱) شامي، كتاب الطهارة، باب المياه قبيل مطلب: مسألة البئر جحط، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۳، كراچى ۱/ ۲۰۱۔

(۲) **للأكثر حكم الكل بقاء وذهابا.** (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خنزیر وغیرہ کے خشک پاخانہ سے پکا ہوا مٹی کا برتن

سوال (۲۳۶۵): قدیم ۴/ ۹۱ - خنزیر وغیرہ کے خشک پاخانہ سے مٹی کا برتن پکا ہوا استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جزئیہ نہیں دیکھا کلیات سے جواز معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط ۹ رصفر ۱۳۲۸ھ

کوکین کا حکم

سوال (۲۳۶۶): قدیم ۴/ ۹۲ - کوکین جو پان میں ڈال کر کھاتے ہیں جس سے منہ

---

(۱) **والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات؛ لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة حتى لا يبقى فيه شيء أو تحيله فيصير الدم رمادا فيطهر بالاستحالة، ولهذا لو أحرقت العذرة وصارت رمادا طهرت للاستحالة كالخمر إذا تخللت، وكالخنزير إذا وقع في المملحة وصار ملحا.** (الدرالمختار مع الشامی، مسائل شتی، مکتبه زکریا دیوبند ۱۰/ ۴۵۸، کراچی ۶/ ۷۳۵)

ومنها (ما يطهر به النجس) الإحراق السرقين إذا أحرق حتى صار رمادا فعند محمد يحكم بطهارته وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة هكذا في البحر. (هندية، كتاب الطهارة، الباب السابع: في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۴۴، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۹۹)

ولو أحرقت العذرة أو الروث فصار كل منهما رمادا أو مات الحمار في المملحة، وكذا إن وقع فيها بعد موته، وكذا الكلب والخنزير لو وقع فيها فصار ملحا طهر عند محمد، وأكثر المشايخ اختاروا قول محمد وعليه الفتوى؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وقد زالت بالكلية، فإن الملح غير العظم واللحم الخ. (حلبي كبيري، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۸۸)

والسرقين والعذرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد. (البحرالرائق، الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۴، كوئٹه ۱/ ۲۲۷)

خانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۲۲، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سُن ہو جاتا ہے، اور وہ دوا انگریزی ہوتی ہے، اس کے کھانے والے کا یہ حال ہوتا ہے کہ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور بالکل سوکھ جاتا ہے، اور بے کھائے ایک لمحہ چین نہیں پڑتا، یہاں تک نوبت ہے کہ ساری جائیداد بیچ کر کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا، اس کا کھانا حرام ہے یا گناہ؟

الجواب : اگر نشہ نہ ہو تو فی نفسہ مباح ہے؛ لیکن بوجہ عوارض مضرت جسمی ومضار مذکورہ سوال کے ممنوع ہے، اور جہاں یہ عوارض پیش نہ آئیں مباح رہے گا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳/ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۷۲)

---

(۱) **أما آراء الفقهاء في حكم تعاطي هذه المخدرات من الحشيشة والأفيونة، والمورفين، والكوكايين، والهيروبين، وجوزة الطيب، والبنج، والعنبر، والزعفران، فإن فقهاء المذاهب الأربعة متفقون على تحريم القدر المغيب للعقل من هذه المواد وما أشبهها من كل ما يغطي العقل ويضر البدن، وممن حكى الإجماع على ذلك القرافي وابن تيمية، واختلفوا فى حكم تعاطي القليل منها: فذهب الجمهور إلى إباحته وذلك قبل انعقاد إجماع أهل هذا العصر على تحريمها، وذهب بعض الحنابلة إلى حرمته، استدل الجمهور بالمعقول فقالوا: إن هذه المواد ونحوها غير مسكرة، وإنما حرم الكثير المغطي للعقل لضرره والقليل غير ضار، فبقى على الأصل ...... والحكماء على أنها خبيثة ضارة بالجسم والفعل صادة عن ذكر الله وعن الصلاة، وما كان هذا فعله كان محرما بالإجماع؛ لأن ما يؤدي إلى الحرام حرام، وهي من المخدرات المسكرات كجوزة الطيب والزعفران والبنج ونحو ذلك مما يتلف العقل والفكر.** (حاشية شامي، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٧٦-٧٧)

وأما الأفيون فهو حرام؛ لأنه مضر بالبدن، وكل شيء يضره فأكله حرام. (تقريرات رافعي، باب حد الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤١، كراچى ٤/ ٤١)

وسئل بعض الفقهاء عن أكل الطيب البخاري ونحوه فقال: لا بأس بذلك ما لم يضر وكراهية أكله لا للحرمة، بل لتهييج الداء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر: فى الكراهة في الأكل وما يتصل به، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ولایتی رنگ کے اقسام واحکام کا بیان

سوال (۲۳۶۷): قدیم ۴/۹۲ - فقہاء نے اشیائے نجس کو بہت جگہ استہلاک کی وجہ سے طاہر سمجھا ہے، جیسے صابون اور کہگل میں اگر بھوسہ سڑ گیا ہو، اور گوبری حتی کہ درمختار میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ پانی اورمٹی میں جو جو چیز ظاہر ہوگی مرکب اسی کے تابع ہوگا۔ اگر چہ صاحب فتح نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے؛ لیکن بہرحال مسئلہ قابل گنجائش ہے، پس آج کل ولایتی رنگوں میں کہ علی الاغلب اسپرٹ شامل ہوتا ہے، اگر گنجائش نکالی جائے تو کیسا ہے، گوبری سے بڑھ کر اس کی حالت نہیں اور عموم بلویٰ اس کو مقتضی ہے کہ ولایتی کپڑے جس قدر آتے ہیں سب انہی رنگوں میں رنگے جاتے ہیں، سب کا دھوکر استعمال کرنا علی الخصوص جاڑے کی کچی چھینٹوں کا استعمال مشکل ہے، خصوصاً امام صاحبؒ کے مذہب پر گنجائش بھی ہے؛ کیونکہ اسپرٹ خمر عنبی سے نہیں بنائی جاتی ہے۔ اور امام محمدؒ کا مذہب اگر چہ مفتی بہ ہے؛ لیکن اس وجہ سے اس پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگ پرہیز کریں؛ اس لئے شرباً تو یہ صحیح ہے، اور استعمالاً محلِ بحث ہے، احادیث سے بھی حرمت ثابت ہے نہ کہ نجاست، باقی عموم بلویٰ کی یہ حالت ہے کہ پرہیز مشکل ہے، حتی کہ چمڑہ جو جلدوں میں لگایا جاتا ہے کہ قرآن مجید تک اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلابِ حقیقت مطہر ہے؛ لیکن انقلاب وصف مطہر نہیں۔ ردالمحتار، ج۱، ص ۳۲۵ (۱)۔ سو اس کو انقلاب حقیقت کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) ثم اعلم أن العلة عند محمد هي التغير وانقلاب الحقيقة، وأنه يفتى به للبلوى كما علم مما مر ومقتضاه عدم اختصاص ذلک الحکم بالصابون فيدخل فيه کل ما کان فيه تغير وانقلاب حقيقة وکان فيه بلوى امة ...... قلت: لکن قد يقال: إن الدبس ليس فيه انقلاب حقيقة؛ لأنه عصير جمد بالطبخ وکذا السمسم إذا درس واختلط دهنه بأجزائه ففيه تغير وصف فقط کلبن صار جبنا وبر صار طحينا، وطحين صار خبزا بخلاف نحو خمر صار خلا، وحمار وقع في مملحة فصار ملحا، وکذا دردي خمر صار طرطيرا، وعذرة صارت رمادا أو حمأة فإن ذلک کله انقلاب حقيقة إلى حقيقة لا مجرد انقلاب وصف کما سيأتي. (شامي، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مکتبه زکريا ديوبند ۱/ ۵۱۹-۵۲۰، کراچی ۱/ ۳۱۶)

بل هو كالدبس؛ لأنه عصير جمد بالطبخ ردالمحتار ص مذکور(۱)۔ اوراس کے صفحہ ۳۳۵ میں ہے:
ما يستقطر من دردي الخمر وهو المسمى بالعرقي في ولاية الروم نجس حرام كسائر أصناف الخمر. اھ (۲)۔

اسپرٹ کا حال تو اس سے معلوم ہوا۔ اب رہا مرکب سو درمختار کے اس جزئیہ میں تو بہت کلام ہے، اور صحیح نجاست ہی ہے۔ رہی ضرورت سو جب ہے کہ تحرز نہ ہو سکے اور یہ مفقود ہے۔ ردالمحتار ص ۳۳۴ میں ہے: **لو أصابه بلا قصد الخ** (۳) یا کوئی ضروری شے بدون اس کے نہ بن سکے۔ ردالمحتار ص ۳۶۱ میں ہے: **بخلاف السرقين إذا جعل في الطين للتطيين لا ينجس؛ لأن فيه ضرورة إلى إسقاط نجاسته؛ لأنه لا يتهيأ إلا به. حلية (۴)۔**

البتہ یہ بات کہ یہ اشربۂ منہیہ سے نہیں بنتی محل گنجائش ہے(۵) اگر ثابت ہو جاوے تحقیق کیا جاوے۔
یکم ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۱ ص ۱۰)

---

(۱) شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۱۹، كراچی ۱/ ۳۱۶۔
(۲) شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۳۲، كراچی ۱/ ۳۲۵۔
(۳) شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۳۱، كراچی ۱/ ۳۲۵۔
(۴) شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۶۵، كراچی ۱/ ۳۴۹-۳۵۰۔
(۵) اس لئے کہ اشربۂ منہیہ کے علاوہ دیگر اشربہ حضرات شیخینؒ کے نزدیک پاک ہیں، پس ضرورت اور عموم بلوی کے وقت ان کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو ←

سوال متعلق جواب مذکور: اسپرٹ کی نسبت ڈاکٹروں اورڈاکٹری کتابوں سے جہاں تک تحقیق ہوا یہی ہے کہ گُڑ یا جَو کی شراب سے بنائی جاتی ہے، نیز اس میں عموم بلویٰ گوبری سے بدرجہا زائد ہے، ادنیٰ امر یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کی جیب میں کچھ نہ کچھ کاغذ وخطوط ہوتے ہیں، جو عموماً انگریزی روشنائی سے لکھے ہوتے ہیں۔ اورڈاکخانہ شہر کا نام لکھتا ہے، وہ تو عموماً انگریزی روشنائی ہوتی ہے؛ بلکہ دیسی روشنائی بھی ولایتی کاجل سے تیار کی جاتی ہے، جس کا حال مثل دیگر رنگوں کے ہے۔ کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں، اب عموماً ولایتی روشنائی سے چھاپی جاتی ہیں۔ اور اب جہاں تک علم ہے کوئی مطبع والا دیسی روشنائی سے کتاب نہیں چھاپتا۔ ان تمام سے احتیاط نہایت ہی دشوار ہے، یوں تو گوبری سے بھی احتیاط ممکن ہے۔ مکان میں پختہ پلاستر یا کچّا کرا کے اس کی طرف برابر توجہ رکھنا ممکن ہے گوبری کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کہگل کے بعد شقاق کو روکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس شقاق میں مٹی بھردی جاوے۔ اس کی نسبت درمختار میں ہے لأنه لا يتهيأ إلا به. اور ظاہر ہے کہ آج کل رنگ بغیر ولایتی پُڑیا کے نہیں ہیں۔ غرض کہ اطلاء گوبری سے بدرجہا زائد ہے، اور ضرورت اس سے کسی طرح کم نہیں۔ نجس بھوسہ کی نسبت فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ جب سڑ کر کہگل میں مل جاوے تو انقلاب حقیقت سمجھا جاوے گا، اس سے بھی اس کی حالت کم نہیں ہے اس پر اگر نظر کی جاوے ممکن ہے، غرضکہ ہر صورت میں اس کی نسبت آسانی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب: انقلاب حقیقت تو اب تک میرے جی کو نہیں لگا؛ البتہ ضرورت وعموم بلویٰ واقعی معلوم ہوتا ہے اور اشربۂ منہیہ سے نہ بننے کا محل گنجائش ہونا یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے (۱) واللہ تعالیٰ اعلم (امداد ج ۱ص ۱۱)

← **القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى.** (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديو بند ٣/ ٦٠٨)

هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٩٦-٤٩٧۔

(۱) أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها ←

پڑیہ کے رنگ کا حکم

سوال (۲۳۶۸): قدیم ۹۴/۴- آج کل عموماً مختلف رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور وہ رنگ کچّے ہوتے ہیں، اور بالکل سرخ بھی جو پکّا ہوتا ہے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رنگ عورتوں کے لئے سب جائز ہیں، کچّا اور پکّا؛ البتہ پڑیہ میں شبہ قوی شراب کا ہے۔ اگر اس قدر دھوئیں کہ پانی صاف آنے لگے پاک ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط

۱۲/ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد جلد۲ص ۱۸۴)

← **للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى.** (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨)

وقال في الجامع الصغير: وما سوى ذلک من الأشربة فلا بأس به قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ. (هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٩٦)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ الخ. (الهندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١)

العرف الشذي على هامش الترمذي، النسخة الهندية ٢/ ٨۔

(۱) چونکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ولایتی رنگ میں جو شراب ملائی جاتی ہے جس کو اسپرٹ کہتے ہیں وہ اشربہ اربعہ منہیہ کے علاوہ ہوتی ہے، جیسا کہ آگے سوال نمبر:۲۳۷۲ کے جواب میں آرہا ہے (جو امام محمدؒ کے نزدیک مطلقا نجس وحرام ہے اور حضرات شیخینؒ کے نزدیک طاہر اور قدر مسکر سے کم حلال ہے) اس لئے عموم بلوی کی وجہ سے حضرات شیخین کا قول اختیار کرتے ہوئے اس رنگ میں رنگے ہوئے کپڑوں کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں جائز ودرست ہے۔ ←

پڑیہ کے رنگ کا حکم

سوال (۲۳۶۹): قدیم ۴/۹۴- ولایتی رنگ جو بالعموم عورتوں کے کپڑا رنگنے کے کام میں آتا ہے اس کی نسبت محقق طور پر کوئی شہادت اس بات کی معلوم نہیں کہ اس کے اندر کوئی نجس شئے کی آمیزش ہے۔ البتہ فتاویٰ رشیدیہ سے پتہ چلتا ہے کہ بوجہ اختلاط شراب کے ناجائز ہے اگر کپڑا رنگنے کے بعد دھوڈالا جاوے تو پھر سارے کا سارا رنگ ہی نکل جاوے۔ اس کی نسبت حضرت کا ارشاد کیا ہے، اور کوئی صورت جواز کی بھی ہے یا نہیں؟

← وأما ما سواها –الأشربة الأربعة– فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منه حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعيؒ وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر. (العرف الشذي على الترمذي، الأشربة النسخة الهندية ٢/ ٧-٨)

أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨)

هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١۔

الجواب : بجز اشربۂ اربعہ مذکور فی کتب الفقہ کے دوسرے اشربہ شیخین کے نزدیک نجس نہیں اور پڑیہ میں جن اشربہ کا اسپرٹ محتمل ہے وہ غالباً اربعہ کا غیر ہے؛ لہٰذا شیخین کے نزدیک گنجائش ہے (۱) اور اگر اسپرٹ کا اختلاط ہی خود مشکوک ہو تو شرع میں شک کا اعتبار نہیں (۲)۔ فقط

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۶۳)

---

(۱) **وأما ما سواها –الأشربة الأربعة– فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف.** (العرف الشذي على الترمذي، الأشربة، النسخة الهندية ۲/ ۷-۸)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ الخ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۷۱)

وقال في الجامع الصغير: وما سوى ذلک من الأشربة فلا بأس به قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ ...... وقال فيه أيضا، وكان أبو يوسفؒ يقول: ما كان من الأشربة يبقى بعد ما يبلغ عشرة أيام، ولا يفسد فإني أكرهه ثم رجع إلى قول أبي حنيفةؒ. (هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۹۵-۴۹۶)

تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۶۰۸۔

(۲) **وفي التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته النجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا ما يتخذه أهل الشرک والجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب.** (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب: أبحاث الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۴، كراچی ۱/ ۱۵۱)

من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته النجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن. (تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۹، رقم: ۳۵۳)

اليقين لا يزول بالشک. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۴۳)

پڑیہ کے رنگ کا حکم

سوال (۲۳۷۰): قدیم ۴/۹۴- ایک مشہور اور معتبر عالم نے فتویٰ دیا ہے کہ پڑیہ کا رنگ جو کپڑا رنگنے کے واسطے یورپ سے آتا ہے، وہ باوجود اختلاط نجاست اسپرٹ وغیرہ کے عموم بلویٰ کی وجہ سے پاک ہے۔ اس وجہ سے کہ ولایتی ہر قسم کے اونی، سوتی، ریشمی کپڑے سب انہیں رنگوں سے رنگے ہوئے آتے ہیں، اور ان سے احتیاط سخت مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں جناب والا کو جو کچھ تحقیق ہو اس سے پرچۂ ثانی پر شرف اطلاع بخشا جائے۔ آیا ہم عوام کو اس فتویٰ پر عمل درست ہے یا نہیں؟ جواب جس قدر جلد عنایت ہوگا باعث ممنونی وشکر گزاری ہے۔ فقط

الجواب: چونکہ ضرورت شدید ہے اس فتویٰ پر عمل درست ہے، مگر اسی شخص کو جس کو ضرورت ہو اور وہ میرے نزدیک عورتیں ہیں؛ کیونکہ مرد بآسانی اس سے بچ سکتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے جواز کی ایک اور شرط ہے، وہ یہ کہ جس شراب سے وہ اسپرٹ حاصل کی ہے وہ انگور اور کھجور اور کشمش کی نہ ہو(۱)۔

۹ رشعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۱۱)

---

(۱) أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨)

وقال في الجامع الصغير: وما سوى ذلك من الأشربة فلا بأس به قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ. (هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٩٦) ←

پڑیہ کے رنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۲۳۷۱): قدیم ۴/ ۹۵ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب والا نے تحریر فرمایا ہے کہ پڑیا کے رنگ کے استعمال کی عورتوں کو ضرورت زیادہ ہے، اس وجہ سے خاص ان کے حق میں عموم بلویٰ ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ عورت اور مرد دونوں کی ایک حالت ہے، پڑیا سے پہلے بھی ہر قسم کے رنگ رنگے جاتے تھے، مگر ان میں پڑیا کے برابر صفائی اور خوبصورتی نہ ہوتی تھی، اور اب بھی وہ رنگ سب موجود ہیں اب بھی ان میں عورتیں رنگ سکتی ہیں پڑیا کے ترک میں صرف وہ خوبصورتی اور صفائی حاصل نہ ہونے کا حرج ہے۔ کیا یہ حرج شرعاً موجب تطہیر بوجہ عموم بلویٰ ہوسکتا ہے، دوسرے یہ کہ عموم بلویٰ مطہر نجاست غلیظہ ہے، جیسا کہ امثلۂ قصّہ سے ظاہر ہے، پھر اس شرط کے کیا معنے کہ اسپرٹ جو پڑیا میں پڑتا ہے وہ اشربۂ اربعہ میں سے نہ ہو، اگر عموم بلویٰ کا یہ محل ہے تو اشربۂ اربعہ بھی پاک ہونے چاہئیں ورنہ غیر اشربۂ اربعہ کی بھی نجاست اتفاقی نہیں ہے۔ بعض علماء صرف عدم تیقن اختلاط نجاست کی وجہ سے پاک کہتے ہیں، عموم بلویٰ کو نہیں مانتے، حضرت کے نزدیک جو بات ٹھیک ہو وہ مدلّل زیب ارقام فرمائی جائے؟

الجواب: مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ! جن کپڑوں کو خود رنگا جاوے اس میں تو دوسرے رنگ کا استعمال ممکن ہے؛ لیکن جو کپڑے رنگے آتے ہیں اُن میں تحرز دشوار، اور ایسے کپڑے عورتیں زیادہ پہنتی ہیں؛ اس لئے ان کے حق میں ابتلاء عام سمجھا گیا، اور ابتلائے عام نجاسات مختلف فیہا ذاتاً اور قدراً میں مؤثر ہے۔ اس لئے غیر اشربۂ اربعہ کی قید لگائی: کیونکہ غیر اشربۂ اربعہ کی نجاست مختلف فیہا ہے، بخلاف اشربۂ اربعہ کے کہ ہمارے سب علماء ان کی نجاست میں متفق ہیں(۱)۔

← **أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ .** (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١)

العرف الشذي على هامش الترمذي، النسخة الهندية ٢/ ٨۔

(۱) **الخمر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ عصير العنب إذا غلى واشتد وقذف بالزبد، فأحكامه عشرة مذكورة في الهداية. منها: أن مستحلها كافر، وأنها نجسة غليظة، وأن قليلها وكثيرها حرام، وسواها أشربة ثلاثة قليلها وكثيرها حرام، وفي رواية: نجسة** ←

اور اگر روایات اختلاط کی غیر متیقن و مظنون ہیں تو یہ بھی مبنٰی طہارت کا ہوسکتا ہے(۱)۔

۱۶/ شوال ۱۳۳۱ھ (حوادث ا،۲ ص ۱۲۲)

پڑیہ کی طہارت ونجاست کا حکم

سوال (۲۳۷۲): قدیم ۴/ ۹۵- اکثر عورتیں پڑیوں کے رنگے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھتی ہیں، اور سنا جاتا ہے کہ شراب بھی پڑیوں میں داخل ہوتی ہے اس امر مسموع کے متعلق جناب والا کی کیا تحقیق ہے، آیا صحیح ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر صحت بوجہ عموم بلویٰ حکم جواز صلوٰۃ فرماتے ہیں یا حکم فساد وبطلان؟ فقط

← **خفيفة، وفي رواية غليظة أحدها الطلاء، وثانيها السكر، والثالث النقيع، وهذه الثلاثة والخمر تسمى بالأشربة الأربعة، وأما ما سواها –الأشربة الأربعة– فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة، وحرام بقصد التلهي، والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعي وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر.** (العرف الشذي على الترمذي، الأشربة، النسخة الهندية ۲/ ۷-۸)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وعند محمد حرام شربه، قال الفقيه: وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١)

تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨۔

(۱) وفي التاتارخانية: من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته النجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا ما يتخذه أهل الشرك والجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب: أبحاث الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٤، كراچی ١/ ١٥١)

تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٦٩، رقم: ٣٥٣۔

اليقين لا يزول بالشک. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٤٣)

الجواب: بہت مشہور ہے کہ پڑیوں میں شراب پڑتی ہے، غایت شہرت سے مظنون ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے، مگر چونکہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ وہ شراب جس کو اسپرٹ کہتے ہیں، خلاصہ جن شرابوں کا ہے وہ اشربۂ محرمۂ مذکورہ فی کتب الفقہیہ کے علاوہ ہیں، جو کہ امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً نجس وحرام ہیں اور شیخین کے نزدیک طاہر اور قدر مسکر سے کم حلال بھی ہیں (۱) اس لئے عموم بلویٰ کی وجہ سے صحت صلوٰۃ کا حکم دیا کرتا ہوں، مگر خلاف احتیاط سمجھتا ہوں۔ فقط ۶ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴)

---

(۱) **وأما ما سواها –الأشربة الأربعة– فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعيؒ وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر.** (العرف الشذي على الترمذي، الأشربة، النسخة الهندية ۲/ ۷-۸)

أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۶۰۸)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ، وعند محمد حرام شربه، قال الفقيه: وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۷۱)

ولایتی رنگ کا استعمال جائز ہے

سوال (۲۳۷۳): قدیم ۴/ ۹۶- ہم لوگوں کو جلسۂ دستار بندی میں حضرت نے حکم فرمایا تھا کہ دستار سبز مشتبہ ہے؛ اس لئے کہ اس میں اسپرٹ جزو کا شراب ہونا محتمل ہے، چنانچہ ایسے کپڑوں سے نماز میں پرہیز کیا جاتا ہے۔ اب یہ پوچھتا ہوں کہ چھینٹ کے کپڑوں میں حضرت کا کیا حکم ہے؟ خیال ناقص میں اس میں بھی وہی بات ہے؛ لیکن میں اکثر علماء و دیگر اشخاص کو جاڑوں میں بے تکلف چھینٹ کا شلوکہ و کوٹ وغیرہ پہن کر نماز پڑھتے دیکھتا ہوں، خود تو پرہیز رکھتا ہوں، مگر حضور کا اس کی بابت کیا عمل در آمد ہے، اور اپنے متنسبین کو کیا حکم ہے؟

الجواب: الحمد لله میں خود بہت احتیاط کرتا ہوں، چھینٹ بھی استعمال نہیں کرتا؛ لیکن اس میں گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اولاً اس میں اسپرٹ کا وجود مشکوک، پھر اسپرٹ کا تنجس مشکوک تو شبہة الشبہة کا درجہ ہو گیا(۱)۔ ۱۱/ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵۰)

---

(۱) **وفي التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته النجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا ما يتخذه أهل الشرک والجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب.** (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب: أبحاث الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۴، كراچی ۱/ ۱۵۱)

تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۹، رقم: ۳۵۳۔

اليقين لا يزول بالشک، ومعنى هذه القاعدة أن ما كان ثابتا ومتيقنا في الأصل لا يزول بالشک؛ لأن ما ثبت بيقين لا يزول إلا بيقين. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲۰، رقم المادة: ٤)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱٤۳۔

أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد ←

ایضاً

سوال (۲۳۷۴): قدیم ۴/۹۶- جب سے پتہ لگا ہے کہ بعض ولایتی رنگوں میں اسپرٹ کا شبہ ہے اسی وقت سے جب بھی کپڑا پہنتا ہوں تو طبیعت میں شک رہتا ہے کہ یہ کہیں ناپاک نہ ہو، حضرت اقدس ارشاد فرماویں کہ ولایتی رنگ دار کپڑوں مثلاً رنگین گرم کپڑے، رنگین دھاری دار سرد کپڑے، عورتوں کے لئے پختہ رنگ کی رنگین چھینٹیں وغیرہ بلا دھوئے پہننے اور پہن کر نماز پڑھنے میں حرج تو نہیں ہے؟

(۲) حضرت والا یہ بھی ارشاد فرماویں کہ عورتوں کے لئے ولایتی رنگوں سے دوپٹہ وغیرہ رنگ کا پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اول تو خود ان رنگوں میں جزو نجس شامل ہونے میں شبہ پھر ان کپڑوں میں ان رنگوں کے شامل ہونے میں شبہ تو کپڑوں کے نجس ہونے کا شبہۃ الشبہہ ہوگیا؛ اس لئے فتوے سے گنجائش ہے(۱)۔

← **الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى.** (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨)

(۱) **اليقين لا يزول بالشک.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٤٣)

اليقين لا يزول بالشک، ومعنى هذه القاعدة أن ما كان ثابتا ومتيقنا في الأصل لا يزول بالشک؛ لأن ما ثبت بيقين لا يزول إلا بيقين. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٢٠، رقم المادة: ٤)

وفي التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته النجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا ما يتخذه أهل الشرک والجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب: أبحاث الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٤، كراچی ١/ ١٥١)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٦٩، رقم: ٣٥٣۔

باقی اگر کوئی ورع اختیار کرلے اولیٰ واحسن ہے (۱) سہل یہ ہے کہ جس صورت سے بلاحرج تحرز ہوسکے تحرز کیا جاوے، اور جس میں حرج ہو گنجائش پر عمل کیا جاوے مردوں اور عورتوں میں یہی تفصیل قابل عمل ہے، اور عورتیں کچّے رنگوں میں کرتے ڈوپٹے رنگنے سے بلاحرج بچ سکتی ہیں۔

۸؍شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص ۴ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

---

(۱) **عن النعمان بن بشير قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين، وبين ذلك أمور مشتبهات لا يدري كثير من الناس أمن الحلال هي أم من الحرام، فمن تركها استبراء لدينه وعرضه فقد سلم، ومن واقع شيئا منها يوشك أن يواقع الحرام كما أنه من يرعى حول الحمى يوشك أن يواقعه ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى الله محارمه.** (ترمذي شريف، أبواب البيوع، باب ما جاء في ترك الشبهات، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۵)

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي رضى الله عنه: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت منه "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (نسائي شريف، كتاب الأشربة، الحث على ترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/ ۲۸۵، دارالسلام رقم: ۵۷۱۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/ باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان

پرندوں کی غذا کے لئے گوبر اور مذبح سے کیڑے لینا

سوال (۲۲۷۵): قدیم ۴/ ۹۷- (۱) اگر زید برائے غذائے مرغان خود از سرگیں گاؤ وغیرہ یا خون کہ در مذبح وقت ذبح گرفتہ در مقام نمناک می گذارند در چندروز در آں کرمہا پیدا می شوند آں کرمہا را غذائے مرغان می کنند، حکم آں در شریعت چہ خواہد شد، بعض مردماں کدام جائے کہ دیمک یا مورچہا باشند، دراں جاہا مرغاں رامی گذارند ومرغان تمام مورچہا ودیمک ہا راچیدہ می خورند حکم شریعت چیست؟

الجواب: (۲) في الهداية: ويجوز اصطياد ما يؤكل لحمه من الحيوان وما لا يؤكل -إلى قوله- لأن صيده سبب للانتفاع بجلده أو شعره أو ريشه أو لاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع. ج۲ ص ۴۹۹ (۳)۔

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: اگر زید اپنے پرندوں کی غذا کے لئے گائے وغیرہ کا گوبر یا مذبح میں سے بوقت ذبح گرے ہوئے خون کو لے کر نرم جگہ میں ڈال دیتا ہے، چند دنوں میں اس کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں، پھر زید ان کیڑوں کو بطور غذا پرندوں کو دیتا ہے تو شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ جس جگہ پر دیمک یا چیونٹیاں وغیرہ ہوتی ہیں وہاں پر پرندوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور پرندے تمام چیونٹیوں اور دیمکوں کو چن کر کھا لیتے ہیں تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: ہدایہ میں ہے: **ويجوز اصطياد ما يؤكل -إلى قوله- ذلك مشروع.** اس سے معلوم ہوا کہ مسئولہ دونوں صورتیں جائز ہیں؛ اس لئے کہ یہ غیر ماکول اللحم سے فائدہ اٹھانے کے واسطے اس کے شکار کرنے کے قبیل سے ہے اور جانوروں کا فائدہ اٹھانا اپنے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (مذکورہ نعمتیں) تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ پہنچانے کے لئے۔

(۳) هداية، كتاب الصيد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٥١٥۔

يجوز اصطياد ما يؤكل لحمه بما ذكر لأكله ويجوز اصطياد ما لا يؤكل لحمه لجلده وشعره لإطلاق قوله تعالى: "وإذا حللتم فاصطادوا" (سورة المائدة: ٢) ولا يختص بمأكول اللحم؛ ولأن صيده سبب الانتفاع بجلده أو شعره أو ريشه أو لاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع كما في الهداية. (مجمع الأنهر، كتاب الصيد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٥٥) ←

ازیں ہویدا شد کہ ہر دوصورت مسئولہ جائز است ۔ **لأنہ من قبیل اصطیاد مالا یؤکل للانتفاع بہ وانتفاع الدوابّ کانتفاع نفسہ کما قال تعالیٰ: متاعاً لکم ولانعامکم** (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۳)

جو پانی بتوں کے نام پر چڑھایا جائے اس کا پینا

سوال (۲۳۷۶): قدیم ۴/ ۹۷- موسم گرما میں اکثر اہلِ ہنود جگہ جگہ پانی پلایا کرتے ہیں، اس کے متعلق ایسا سُنا ہے کہ وہ پانی دیوتاؤں کے نام پر پلاتے ہیں، تو اس پانی کا مسلمانوں کو پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر محقق ہو جاوے کہ دیوتاؤں کے نام کا ہے تو **ما أهل به لغير الله** کے حکم میں ہے؛ لہٰذا ناجائز ہے (۲)۔ ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۸)

← **وحل اصطياد ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل لحمه لمنفعة جلده أو شعره أو ريشه أو لدفع شره وكله مشروع لإطلاق النص.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٧٤)

تبيين الحقائق، كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ١٣٤-١٣٥، إمداديه ملتان ٦/ ٦١ ـ

(۱) سورة النازعات، رقم الآية: ٣٣ ـ

(۲) **إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ.** [سورة البقرة: رقم الآية: ١٧٣]

النذر لمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا يكون لمخلوق. (البحر الرائق، الصوم، قبيل باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٢٠، كوئٹه ٢/ ٢٩٨)

إن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٢٧، كراچی ٢/ ٤٣٩)

طحطاوي على المراقي، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٩٣ ـ

←

حقّہ پینا

سوال (۲۳۷۷): قدیم ۴/ ۹۷- حقّہ پینا کیسا ہے اور اصل میں وہ کیا ہے؟

الجواب : یہ حقہ قریب تین سو برس ہوئے کہ کفّار نے نکالا ہے، پھر سب میں شائع ہوگیا اور اصل میں یہ ایک دوا ہے، بعض امراض کو نافع بھی ہے، اور کثرت اس کی مضر ہے۔ **كما يعلم من كتب الطب** (۱)۔ اب پینے والوں کی مختلف غرضیں ہیں، مختلف مزاج ہیں، مختلف طور ہیں اور مختلف خیال اور مختلف عادتیں ہیں، کوئی مرض کے لئے پیتا ہے، کوئی شوقیہ پیتا ہے، کسی کو کچھ نافع ہے، کسی کو مضر ہے، کوئی پی کر مُنہ صاف کرتا ہے کوئی سڑا لیتا ہے، کوئی احتیاط سے پیتا ہے، کوئی بے احتیاطی سے، کوئی بُرا سمجھ کر پیتا ہے، کوئی اچھا جان کر پیتا ہے، یہاں تک کہ بعض روزہ میں پیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں روزہ نہیں ٹوٹتا، کوئی بہت کثرت سے پیتا ہے، کوئی کبھی کبھی پی لیتا ہے۔ بعض کو اگر ایک گھنٹہ نہ ملے بے چین ہو جاتے ہیں، بعضوں کو کئی کئی روز تک خیال نہیں آتا۔ پھر تمباکو میں بھی بعض اقسام بہت تیز اور مضر ہیں، بعضے کم درجہ میں ہیں۔ کسی میں بو زیادہ ہے، کسی میں کم ہے، کسی میں نوبت نشہ یا فتور کی ہے، کسی میں نہیں، کوئی ایسی چیز کے ساتھ مرکب ہے

← مگر ہمارے زمانہ میں غیر مسلم ہندوؤں نے جگہ جگہ پیاؤ لگا رکھا ہے، اس میں دیوی دیوتاؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض خدمت خلق کے طور پر لگا رکھا ہے، نیز جگہ جگہ سڑکوں کے کنارے ہاتھی والے نل بھی لگا رکھا ہے، پانی پیلانے کے لئے ملازم بھی رکھ رکھا ہے، تو اس طرح سے پانی پلانے میں "**ما أهل به لغير الله**" کا مصداق ہونا مشکل ہے؛ اس لئے جائز معلوم ہوتا ہے۔

(۱) **في مخزن الأدوية للطبيب محمد حسن: إن تنباكو بفتح التاء وسكون النون وفتح الباء والألف وضم الكاف وسكون الواو يقال له بالتركية التتن وهو من الأدوية الجديدة وجد من نحو ثلث مائة سنة وشاع من نحو مأتي سنة، قالوا في باعث شهرته في بلاد الإيران والتوران والهند أن طائفة من النصارى أخرجته من الأرض الجديدة وأتى بورقه وبذره في بلاد الهند وغيره، فشاع بحيث لم يبق بلد وقرية لا يستعملونه فيها بشرب دخانه أو أكل جرمه أو السعوط به، وقيل: إن بدأ شيوعه في إيران كان في عهد الشاه عباس الثاني، وفي الهند في آخر عهد السلطان أكبر وأوائل عهد جهانگير.** (ترويج الجنان بتشريح حكم شرب الدخان، الفصل الثاني، مكتب مصطفائى دهلي ص: ٤ ومع مجموعة رسائل اللكنوي إدارة القرآن كراچى ٤/ ٢٥٩)

جس سے اس کی خباثت کم ہوجاتی ہے، کوئی نہیں ہے، اسی طرح حقّہ اور نیچہ میں بھی بعضے نیچہ کے کپڑے پاک ہیں، کسی کے ناپاک کسی کے مشتبہ، کوئی پیچوان ہے اس میں اثر قلیل آتا ہے، کسی میں زیادہ آتا ہے، کوئی جلد جلد تازہ کیا جاتا ہے، کوئی کئی کئی دن تک سڑتا رہتا ہے، کوئی عام ہے سب کا مُنہ لگتا ہے جیسے تکیوں کے حُقّے، کوئی خاص ہے، غرض نہ سب پینے والے برابر، نہ سب تمبا کو ایک طرح کے۔ نہ سب حقّہ و نیچہ ایک قسم کے سب متفاوت اور مختلف، ہر ایک کا حکم جُدا۔ پس اگر کسی نے ضرورت شدید میں کسی مرض دشوار کے علاج کے لئے احتیاط سے بطور دوا کے کبھی ایک آدھ بار پی لیا، چنداں جُرم نہیں (۱)۔

اور جو بعد ازالہ بغیر ضرورت شوقیہ پیوے، جیسا آج کل شائع ہے کہ یہی محفل کی زیب و زینت ہوگئی اور اسی کی خاطر و تواضع رہ گئی۔ اس کے نہ ملنے کی شکایتیں ہوتی ہیں کہ فلانے نے حُقّہ بھی نہ دیا۔ اور زبان سے چاہے برا کہتے ہوں، اور شاید دل میں بھی جانتے ہوں، مگر ظاہر میں بے باکانہ اس کو پیتے ہیں۔ اور ذرا محجوب و منقبض نہیں ہوتے، اور آخر میں مضر بھی ہوتا ہے اور مُنھ میں برابر بدبو آتی ہے، اور ہر دم منھ میں گھسا رہتا ہے، اور حواس میں بھی کدورت آجاتی ہے اور تشبہ اہل نار کے ساتھ ہے کہ منھ اور ناک میں سے دھواں نکلتا ہے، اور خود دھواں اور آگ بھی آلہ عذاب کا ہے، اس کے ساتھ متلبس رہتے ہیں، اس طور اس کا عادی ہوجانا، بسبب اجتماع اِن امور کے بیشک برا اور سخت مکروہ ہے (۲) پھر امور مذکورہ سابق کے تفاوت سے

---

(۱) **وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد مباحا يقوم مقامه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۸، كراچی ۶/ ۳۸۹)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم يعلم فيه شفاء أما إذا علم أن فيه شفاء وليس له دواء آخر غيره يجوز الاستشفاء به. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۲۰۰، رقم: ۲۸۵۰۴)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، المجلس العلمي ۸/ ۸۲، رقم: ۹۶۳۸۔

عناية مع فتح القدير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۸۰، كوئٹه ۸/ ۵۰۰۔

(۲) **أما آراء الفقهاء في حكم تعاطي هذه المخدرات من الحشيشة والأفيونة، والمورفين، والكوكايين، والهيرويين، وجوزة الطيب، والبنج، والعنبر، والزعفران، فإن فقهاء المذاهب الأربعة متفقون على تحريم القدر المغيب للعقل من هذه المواد وما أشبهها ←**

کراہت میں بھی تفاوت ہوگا۔ اور بعضے پینے والے جو بد احتیاط ہیں اور سڑے ہوئے حقے ناپاک نیچے، تیز تمبا کو کو پیتے پیتے نشہ ہو جاتا ہے اور شراب کی سی مدہوشی ہو جاتی ہے، اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں (۱)۔

حاصل یہ کہ کوئی حقہ زیادہ مکروہ کوئی کم مکروہ، کوئی حرام، کوئی ضرورت شدیدہ میں بطور دوا کے ایک آدھ بار رَوا، اور اس تقریر پر ممکن ہے تطبیق درمیان اقوال علماء وفقہاء کے جو مختلف ہیں، اس کے اباحت وکراہت وحرمت میں، پس جیسا کسی نے موقع دیکھا ہوگا ویسا کہہ دیا ہوگا۔ بہر حال پینے والا اس کا گناہ سے (*) خالی نہیں اور اصرار گناہ پر سخت گناہ ہے اور اکثر اہل کشف ورویائے صادقہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اس کا پینے والا محفل مبارک نبوی ﷺ میں دخل نہیں پاتا، اور بعضوں نے اس کے پینے والوں کو معذّب بھی دیکھا ہے۔ **أعاذنا الله منه**، کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

تمباکو نوش راسینہ سیاہ است ☆ اگر باور نداری نے گواہ است

هذا ما عندي والله تعالى اعلم وعلمه أتم وأحكم. (امداد ج ۲ ص ۱۳۹)

(*) یعنی اکثر حالتوں سے نہ کہ کلی حالتوں میں اور نیز یہ امر بھی قابل تحقیق ہے کہ اس سے مزاج میں جو تغیر ہوتا ہے وہ اثر تفتیر کا ہے، مثل افیون کے یا حدت کا مثل مرچ کے۔ ۱۲ منہ

← **من كل ما يغطي العقل ويضر البدن، وممن حكى الإجماع على ذلك القرافي وابن تيمية ...... والحكماء على أنها خبيثة ضارة بالجسم والفعل صادة عن ذكر الله وعن الصلاة، وما كان هذا فعله كان محرما بالإجماع؛ لأن ما يؤدي إلى الحرام حرام.** (حاشية شامي، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٧٦-٧٧)

قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه، وقد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقا له بالثوم والبصل بالأولى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٤، كراچی ٦/ ٤٦٠)

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل شراب أسكر فهو حرام.** (بخاري شريف، كتاب الوضوء، باب لا يجوز الوضوء بالنبيذ، النسخة الهندية ١/ ٣٨، رقم: ٢٤٢)

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل مسكر ←

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم

سوال (۲۳۷۸): قدیم ۴/ ۹۹- سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلّدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے؛ لہٰذا مفصل تحریر فرمائیے، اور تفسیر احمدی ملاجیونؒ ملاحظہ فرمالیجئے اور **ما جعل اللّٰہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الخ** (۱) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے (۲) اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے (۳)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود

← **خمر وكل مسكر حرام.** (مسلم شريف، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر، النسخة الهندية ٢/ ١٦٧، بيت الأفكار رقم: ٢٠٠٣)

أبو داؤد شريف، كتاب الأشربة، باب ما جاء في السكر، النسخة الهندية ٢/ ٥١٨، دار السلام رقم: ٣٦٧٩-

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ١٠٣-

(۲) **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ١٧٣]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ. [المائدة، رقم الآية: ٣]

(۳) **ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم؛ لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالىٰ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٩، كراچی ٦/ ٣٠٩)

وكذا لو سمى وذبح لقدوم الأمير أو غيره من العظماء لا يحلّ؛ لأنه ذبح تعظيما له لا لله تعالى. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٥)

قال الشاه عبدالعزيز المحدث الدهلوي في فتاواه: لو ذبح شاة على النصب من الأنصاب أو على قبر من القبور وقصد به التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب وذكر اسم الله عليه لا تحل. (فتاوی عزيزي، مطبوعه كراچی ص: ٤٨٤)

نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے **ھذا عقیقة فلان** یہ بلاشبہ حلال ہے(۱)۔اور صاحبِ تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے(۲)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا،اور حاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا۔اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے؛ کیونکہ استیلاء موجب ملک ہے(۳)۔ جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابلِ اعتبار نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیتِ بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے شخص نے چُرا چُھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے دووجہ سے: اول فسادِ نیت مالک سے؛ کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا(۴)۔

---

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يعقّ عن الغلام شاتان مكافأتان وعن الجارية شاة، وقال: وعق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن والحسين شاتين يوم السابع، وأمر أن يماط عن رأسه الأذى، وقال: اذبحوا على اسمه وقولو: بسم الله والله أكبر، أللهم لك وإليك هذه عقيقة فلان.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، جماع أبواب العقيقة، باب ماجاء في وقت العقيقة، دارالفكر بيروت ١٤/ ٢٦١، رقم: ١٩٨٣٥)

(۲) **ومن ههنا علم أن البقرة المنذورة للأولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب؛ لأنه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح، وإن كانوا ينذرونها له.** (التفسيرات الأحمدية لملا جيون تحت تفسير رقم الآية: ١٧٣، من سورة البقرة، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ٤٢)

(۳) **وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٧، كراچی ٤/ ١٦٠)

وإذا غلبوا على أموالنا –والعياذ بالله– وأحرزوها بدارهم ملكوها. (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٥٨١)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٤٢-٤٤٣۔

(۴) **فلا يزول ملكه في الوجهين كمن سيب دابته.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح، باب من الصيد، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٩)

من سيب دابته فلا يزول ملكه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١١١)

دوسرے غصب وسرقہ کی وجہ سے (۱)۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیتِ فاسد سے توبہ کرلی اور اس حیوان کو ذبح کیا یہ حلال ہے۔ **لارتفاع علة النهي** اور **ماجعل الله الخ** کا مطلب اس فعل کی نفی ہے جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمۃ انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم (امداد ج ا ص ۱۴۶)

ایضاً

سوال (۲۳۷۹): قدیم ۴/ ۹۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اہلِ ہنود اپنے مُردوں یا دیوتاؤں کے نام گائے کو داغ لگا کر یا بلا داغ چھوڑتے ہیں، جس طرح سے بعض مشرکین شیخ سدّو یا پیرانِ پیر وغیرہ کے نام کا بکرا یا مرغ چھوڑتے ہیں، اسی طرح سے اہلِ ہنود گائے کو متبرک سمجھ کر چھوڑتے ہیں، اب ایسے گایوں کی اولاد ہوکر بہت سی ہوگئی ہیں، اس طریقہ کی چھوٹی ہوئی گایوں کا یا ان کی اولاد کا ذبح کرکے گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: جو جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں اور ان کی جان لینا مقصود نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف کام لینے سے آزاد کرنا مقصود ہوتا ہے وہ **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** میں داخل نہیں ہیں، ان کو سائبہ کہتے ہیں (۲)۔

---

(۱) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ۲۰۰)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹٦۔

(۲) **عن سعيد بن المسيبؒ قال: البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس، والسائبة: كانوا يسيبونها لآلهتهم ولا يحمل عليها شيء.** (بخاري شريف، كتاب التفسير، باب ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة، النسخة الهندية ۲/ ٦٦٥، رقم: ٤٣٧٧، ف: ٤٦٢٣)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: البحيرة هي الناقة إذا انتجت خمسة أبطن ←

اوران کی حرمت صرف بوجہ ملک غیر ہونے کے ہے کہ وہ مالک کی مِلک سے خارج نہیں ہوتے(۱)۔ اگر مالک کسی کوان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دیدے تو وہ حلال ہیں۔ایسی گایوں کی اولاد بھی مالک کی ہوتی ہے۔پس اُن گایوں یاان کی اولاد کو بلا اجازت مالک کی کھانا حلال نہیں ہے(۲)۔فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ سنہری مسجد دہلی۔

الجواب: صحیح علی ما قال مولانا کفایت اللہ سلمہ.

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ثامن شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۱)

غیراللہ کے نامزد کئے ہوئے جانور فروخت کردینے کے بعد

سوال (۲۳۸۰): قدیم ۴/۱۰۰- جوجانور یا شیرینی وغیرہ ہنود اپنے بتوں پر یا ستیلا

← نظروا إلى الخامس، فإن كان ذكرا ذبحوه فأكله الرجال دون النساء، وإن كانت أنثى جدعوا آذانها فقالوا: هذه بحيرة، وأما السائبة: فكانوا يسيبون من أنعامهم لآلهتهم لا يركبون لها ظهرا ولا يحلبون لها لبنا، ولا يجزون لها وبرا ولا يحملون عليها شيئا. (الدرالمنثور، سورة المائدة، رقم الآية: ۱۰۳، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۹۶)

(۱) من سيب دابته فلا يزول ملكه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴/ ۱۱۱)

فلا يزول ملكه في الوجهين كمن سيب دابته. (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح، باب من الصيد، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۹)

وفي الصيد أنه لا يملكه إذا لم يبحه، وكذا في الدابة إذا سيبها كما بسطه الشرنبلالي. (شامي، كتاب الرهن، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۶۸، كراچی ۶/ ۴۷۷)

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أووكالته منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. شرح المجلة لسليم رستم الباز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وغیرہ پر چڑھاتے ہیں، اگر حسب دستور پجاری یا برہمن اس پر قبضہ کرکے اُسے بیچیں، تو کیا اس کو خرید کر کھانا یا کوئی اور فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ مالک کی طرف سے پجاری یا برہمن کو ہر قسم کے تصرف کا اذن تو حاصل ہے للعرف والعادۃ، مگر دیکھنا یہ ہے کہ علّت حرمت یعنی غیر اللہ کے لئے نامزدگی پجاری وغیرہ کے اس قبض وتصرف سے مرتفع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: مرتفع نہ ہوگی بلکہ اس کو مالک بنانے سے چونکہ اس نیت فاسدہ کا تدارک ایسے محل میں مالک کی قدرت سے خارج ہوگیا؛ اس لئے اس محل میں اس نیت کا اثر پورے طور سے متقرر ہوگیا۔ اب اس کے ارتفاع کی یہی صورت ہے کہ یہ پجاری اس کو واپس کردے، اور پھر وہ اس نیت سے توبہ کرلے، پھر خواہ خود اپنی ملک میں رکھے یا کسی اور کی ملک کردے، یہ جزئیہ نہیں دیکھا، مگر قواعد سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے (۱)۔

۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۰)

کافر کے گھر کا پکا ہوا گوشت

سوال (۲۳۸۱): قدیم ۴/ ۱۰۰- میں ایک ٹھاکر کے یہاں ملازم ہوں، کھانا بھی ان کے یہاں سے آتا ہے، گوشت ان کے یہاں پکتا ہے، جس کے متعلق مجھے تردد ہے، گوشت یا تو وہ شہر سے منگاتے ہیں، یا مجھ سے بکرا ذبح کراتے ہیں، میرے خیال میں جب کبھی گوشت ان کے یہاں پکتا ہے۔

---

(۱) وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أو له حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء فيجعل ستره على رأسه فيقول: يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب كذا ...... فهذا النذر باطل بالإجماع ...... ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه إلا أن يكون فقيرا أو له عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، فأخذه أيضا مكروه ما لم يقصد به الناذر التقرب إلى الله تعالىٰ وصرفه إلى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ، فإذا علمت هذا فما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها وينقل إلى ضرائح الأولياء تقربا إليهم فحرام بإجماع المسلمين ما لم يقصدوا بصرفها للفقراء الأحياء قولا واحدا. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل: في النذر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۲۱، كوئٹه ۲/ ۲۹۸)

میرا ہی ذبح کیا ہوا پکتا ہے؛ لیکن چونکہ وہ گوشت نظروں سے غائب ہوجاتا ہے اور گھر کے اندر سے پک کر آتا ہے؛ اس لئے میں نہیں کھاتا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ ’’اسی گوشت میں سے ہے‘‘ دیانت میں داخل نہیں، اور اس کا کھانا جائز ہے۔ پکا ہوا کھانا دیتے وقت وہ کچھ بھی نہیں کہتے۔ دریافت کرنے پر بھی کہتے ہیں کہ آپ کا ذبح کیا ہوا گوشت ہے یا مثل اس کے اور کوئی بات، بہر حال مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا گمان غالب پر کھا لینا چاہئے: کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہی ہاتھ کا ذبیحہ گھر میں سے پک کر آتا ہے۔ قاضی خاں وغیرہ نے تو ان شبہات کو رفع کیا ہے، یعنی اگر وہ یہ کہیں کہ یہ گوشت اسی میں کا ہے تو معاملہ ہے اور اگر کہیں کہ تمہارا یا کسی مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو دیانت ہے؛ لیکن مجھ کو ابھی اطمینان نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا مفصل جواب مرحمت فرماویں۔

الجواب: في الدرالمختار: ويقبل قول كافر ولو مجوسياً، قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل، أو قال: اشتريته من مجوسي فيحرم، ولايرده بقول الواحد، وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات (ا) اھ

(ا) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۷، کراچی ٦/ ٣٤٤-٣٤٥۔

ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة (كنز) وفي التبيين: وهذا سهو؛ لأن الحل والحرمة من الديانات ولا يقبل قول الكافر في الديانات، وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصة للضرورة. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲۷، کوئٹہ ٦/ ١٢)

ولا يقبل قول الكافر في الديانات. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۰۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۵٦)

أما الديانات فلا يكثر وقوعها حسب وقوع المعاملات فجاز أن يشترط فيها زيادة شرط فلا يقبل إلا قول المسلم العدل. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٤، رقم: ٢٧٩١٧)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۲، کوئٹہ ۸/ ۱۸۷۔

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨-١٨٩۔

پس کافر کا یہ کہنا کہ یہ اُسی ذبیحہ کا گوشت ہے منجملہ دیانات متعلقہ حلت وحرمت ہے؛ لہٰذا حسب روایات بالا اس کا قول مقبول نہیں جیسا ظاہر ہے۔

قلت: هذا هو القول المشهور، وفيه سلامة العوام لكن فاتت فيه دقيقة ذمي إن هذا إذا لم يقم علىٰ كونه ذبيحة للمسلم دليل إلا قول الكافر فيصح فيه الحكم، أما إذا حفت به قرائن قوية تفيد الطمانينة بكونه هو فهو حلال بلا تلعثم؛ لأن العلم في هذه الصورة يكون بالدليل غير قول الكافر نظيره ما ورد في الأحاديث أن بعض من صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم لما حولت القبلة شهد قباء وقت الفجر، وشهد أن القبلة تحولت فتحولوا عن آخرهم مع أن خبر الواحد ظني، والقبلة السابقة كانت قطعية فكيف رأوا الظني معارضاً للقطعي فذلك الذي ذكرت هو الوجه في هذا الحديث، فإن أكلتم في الصورة المسئولة لا باس به بشرط شهادة القلب أنه هو. فقط واللہ اعلم۔ (امداد، ج ۲، ص ۱۴۷)

بچھو کی راکھ حلال ہے

سوال (۲۳۸۲): قدیم ۴/۱۰۱- خاکستر عقرب کا استعمال اکلاً جائز ہے یا نہیں؟ جب وہ جل کر خاک ہو گیا تو بوجہ قلب ماہیت جائز ہو جانا چاہئے۔ كالخمر المتخلل وغيرها.

الجواب: جائز ہے لما ذکر فی السوال (۱) فقط واللہ اعلم

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۰)

---

(۱) والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات؛ لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة حتى لا يبقى فيه شيء أو تحيّله فيصير الدم رمادا فيطهر بالاستحالة، ولهذا لو أحرقت العذرة وصارت رمادا طهرت للاستحالة كالخمر إذا تخللت، وكالخنزير إذا وقع في المملحة وصار ملحا.

(الدرالمختار مع الشامی، مسائل شتی، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۰/ ۴۵۸، کراچی ۶/ ۷۳۵)

ولو أحرقت العذرة أو الروث فصار كل منهما رمادا أو مات الحمار في المملحة، وكذا إن وقع فيها بعد موته، وكذا الكلب والخنزير لو وقع فيها فصار ملحا طهر عند محمد، وأكثر المشايخ اختاروا قول محمد وعليه الفتوى؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وقد زالت بالكلية، فإن الملح غير العظم واللحم، فإذا صارت الحقيقة ←

جس جانور سے کسی نے بدفعلی کی ہو اُس کا حکم

سوال (۲۳۸۳): قدیم ۴/۱۰۲- (۱) شخصے با گاؤمیش حاملہ قیمتی تخمیناً صدروپیہ زنا کرد آں گاؤمیش راچہ کردہ شود، اگر چار پایہ دیگرے باشد وانزال نہ کردہ است کہ اورا اسیر کردن آں چار پایہ راچہ کردہ شود حکم کشتن و بعد کشتن سوختن بعلت عار وحمل مید ہند و جائے کہ ایں ہر دو علت نباشد حکم چیست وجائے کہ باشند و مالک چار پایہ نہ کشد برائے شیرنوشی دارد گنہگار ست یا نے؟

الجواب: (۲) **في الدر المختار: ولايحد بوطي بهيمة بل يعزر، وتذبح، ثم تحرق، ويكره الانتفاع بهاحية وميتة. مجتبى. وفي النهر: الظاهر أنه يطالب ندبا اه.**

← **ملحا ترتب عليه حكم الملح حتى لو أكل الملح جاز، ونظيره النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر، وكذا الخمر تصير خلا.** (حلبي كبيري، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۸۸-۱۸۹)

ذهب الحنفية والمالكية وهو رواية عن أحمد إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة فرماد النجس لا يكون نجسا ولا يعتبر نجسا ملح كان حمارا أو خنزيرا أو غيرهما ولا نجس وقع في البئر فصار طينا، وكذلك الخمر إذا صارت خلا سواء بنفسها أو بفعل إنسان أو غيره لانقلاب العين، ولأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، فينتفي بانتفاءها، فإذا صار العظم واللحم ملحا أخذ حكم الملح؛ لأن الملح غير العظم واللحم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰ / ۲۷۸)

شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱ / ۵۳۴، کراچی ۱ / ۳۲۷۔

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: ایک شخص نے تقریبا ۱۰۰/سو روپئے کی قیمتی حاملہ بھینس سے زنا کرلیا، اس بھینس کا کیا کیا جائے؟ اور اگر کوئی دوسرا چوپایہ اور اس شخص کو انزال نہیں ہوا ہے کہ اس کو قید کردیں اس چوپایہ کا کیا کیا جائے؟ لوگ عار وشرم اور حمل کی وجہ سے اس چوپائے کو مارنے اور مار کر جلانے کا حکم دیتے ہیں اور جہاں یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ اور جہاں یہ دونوں علتیں ہوں اور مالک چوپایہ کو نہیں مارتا ہے؛ بلکہ دودھ پینے کے لئے رکھ لیتا ہے تو وہ گنہگار رہے یا نہیں؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: درمختار میں ہے: **ولا يحد بوطي بهيمة الخ**: اس روایت سے ظاہر ہوگیا کہ یہ ذبح واحراق وجوبی نہیں ہے اور مالک کی خوش دلی کے بغیر کسی کا مال لینا یا مالک کی ←

في الشامية: قوله: وتذبح ثم تحرق أي لقطع امتداد التحدث به كلما رؤيت، وليس بواجب كما في الهداية وغيرها، وهذا إذا كانت مما لا يؤكل، فإن كانت توكل جاز أكلها عنده، وقال: تحرق أيضاً، فإن كانت الدابة لغير الواطی يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة ثم تذبح، وفيها قوله: الظاهر أنه يطالب ندبا الخ: أي قولهم يطالب صاحبها أن يدفعها إلى الواطی ليس على طريق الجبر اھ(۱)۔

← رضامندی کے بغیر جانور کو ہلاک کرنا حرام ہے۔ اور ایک امر مستحب پر عمل کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب کرنا ظاہر ہے کہ ناجائز ہے، اور یہ بات اس روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا کھانا اور اس کا دودھ پینا سب کچھ بلا کراہت جائز ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب مالک کو گوارہ نہ ہوتو جانوروں سے کسی طرح بھی تعرض نہ کیا جائے۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذى لا يوجبه، مطلب في وطء الدابة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٦، كراچی ٤/ ٢٦۔

وما روي عن علي رضى الله عنه من حرقها بعد ذبحها فذلک لقطع امتداد الحدث بها كلما رؤيت وليس بواجب هذا إذا كانت مما لا يؤكل، فإن كانت توكل جاز أكلها عنده وقالا: تحرق أيضا، فإن كانت الدابة لغيره أمر صاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة، ثم تذبح هكذا قالوا، ولا نعرف ذلک إلا سماعا فيحمل عليه، كذا في الشرح، والظاهر أنه يطالب على وجه الندب، ولذا قال في الخانية: كان لصاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة. (النهر الفائق، الحدود، باب الوطء...... مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٤٠)

وما روي عن عمر رضي الله عنه أنه أتي برجل وقع في بهيمة فعزر الرجل وأمر بالبهيمة فأحرقت كان لقطع التحدث به؛ لأنه ما دامت باقية يتحدث الناس به فيلحقه العار بذلک لا لأن الإحراق واجب، ثم إن كانت الدابة مما لا يؤكل لحمها تذبح، وتحرق لما ذكرنا، وإن كانت مما يؤكل لحمها تذبح وتؤكل عند أبى حنيفةؒ، وقالا: تحرق هذه أيضا إن كانت البهيمة للفاعل، وإن كانت لغيره يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة ثم تذبح هكذا ذكروا ولا يعرف ذلک إلا سماعا فيحمل عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٥٧٩-٥٨٠، إمداديه ملتان ٣/ ١٨١-١٨٢)

البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٨، كوئٹه ٥/ ١٧۔

ازیں روایت ظاہر گشت کہ ایں ذبح واحراق علی سبیل الوجوب نیست واخذ مال کسے بلا طیب خاطر اویا اتلاف او بلا رضایش حرام است (۱) وارتکاب حرام برائے اقامت مندوب ظاہر است کہ ناجائز ست وہم ظاہر شد کہ عند الامام اکل او وشرب لبنِ او ہمہ جائز بلا کراہت ہست پس درصورت مسئولہ از شانِ بہیمہ چیزے تعرض نہ کردہ شود چوں مالک او گوارہ نمی کند۔

۱۱/ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲، ص ۱۵۴)

اشیائے خوردنی میں کیڑے پڑ جاویں اس کا حکم

سوال (۲۳۸۴): قدیم ۴/ ۱۰۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ جس اناج یا آٹے میں کیڑے پیدا ہو جاویں اس کا کھانا، اور جس گولر میں بُھنگے ہوں یا جس شربت اور تر چیز میں چینوٹے گر کر مر جاویں اس کا کھانا پینا شرعاً حرام ہے یا حلال؟

الجواب: ان کو نکال کر پھر کھانا پینا حلال ہے (۲)۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۸)

---

(۱) **عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠-

مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١-

(۲) **ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن مالا روح له لا يسمى ميتة خانية وغيرها قال ط: ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح.** (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٤، كراچی ٦/ ٣٠٦)

قال في الخانية: لا بأس بدود الزيتون قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن ما لا روح له لا يسمّى ميتة اه. ويؤخذ أن أكل الجبن بدوده أو الخل كذلك أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح. (طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الذبائح، كوئٹه ٤/ ١٥٨)

ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن مالا روح له لا يسمى ميتة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ٣/ ٣٥٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥٣) ←

ایضاً

سوال (۲۳۸۵): قدیم ۴/ ۱۰۰- سرکہ یا پھل مثل گولر وغیرہ میں جو کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں ان کیڑوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بہتیرے سرکہ میں گل کر مختلط ہوجاتے ہیں جن سے احتراز ناممکن ہے؟

الجواب: في الشامي عن الطحطاوي: ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لايجوز إن نفخ فيه الروح اه جلد۵ص۲۹۹(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کیڑوں کا کھانا جائز نہیں، اور جو مخلوط ہوگئے وہ ضرورت کی وجہ سے عفو ہیں کما قالوا: لا نزح بخرء حمام وعصفور مع حرمة تناولهما (۲)۔

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج۲،ص۱۷۰)

← **وفي الظهيرية: وأكل دود الزنبور قبل أن تنفخ فيه الحياة لا بأس به.** (تاتارخانية، كتاب الصيد، الفصل الأول ما يؤكل وما لا يؤكل، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۴۵۰، رقم: ۲۹۵۴۸)

(۱) شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۴۴، كراچی ۶/ ۳۰۶۔

قال في الخانية: لا بأس بدود الزيتون قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن ما لا روح له لا يسمّٰى ميتة اه. ويؤخذ أن أكل الجبن بدوده أو الخل كذلك أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح. (طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الذبائح، کوئٹہ ۴/ ۱۵۸)

وفي الظهيرية: وأكل دود الزنبور قبل أن تنفخ فيه الحياة لا بأس به. (تاتارخانية، كتاب الصيد، الفصل الأول ما يؤكل وما لا يؤكل، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۴۵۰، رقم: ۲۹۵۴۸)

ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن مالا روح له لا يسمى ميتة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ۳/ ۳۵۷، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۵۳)

(۲) **ولا نزح بخرء حمام وعصفور، وكذا سباع طير في الأصح لتعذر صونها عنه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۹، كراچی ۱/ ۲۲۰)

ولا تنزح أيضا بوقوع خرء نحو حمام وعصفور الخ. (النهرالفائق، كتاب الطهارة، فصل في الآبار، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۸۵)

مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جو مچھلی شدت حرارت سے مرجائے اس کا حکم

سوال (۲۳۸۶): قدیم ۴/۱۰۳- تھوڑے پانی میں جو مچھلیاں بوجہ شدت حرارت مَر جائیں ان کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: درست ہے(۱)۔ واللہ اعلم ۱۷/ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۷۰)

ایضاً

سوال (۲۳۸۷): قدیم ۴/۱۰۳- پانی کے اندر اگر مچھلیاں دھوپ کی گرمی سے یا بیماری سے مَر جائیں ان کا کھانا کیسا ہے؟

---

(۱) **يؤكل ما في بطن الطافي وما مات بحر الماء أو برده، وبربطه فيه أو إلقاء شيء فموته بآفة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٤٥، كراچی ٦/ ٣٠٧)

وإن مات لحر أو برد أو في كدر الماء ففيه روايتان في رواية يؤكل لوجود السبب بموتها، وفي المنح: وقال محمد: يحل أكله، وبه أخذ أبو الليث وعليه الفتوى. (مجمع الأنهر، قبيل كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٤)

وإذا مات السمك من الحر أو البرد أو كدر الماء ففيه روايتان عند الحنفية إحداهما: أنه لا يؤكل؛ لأن هذه الأمور الثلاثة ليست من أسباب الموت غالبا، فالظاهر أن السمك فيها مات حتف أنفه فيعتبر طافيا. والثانية: أنه يؤكل؛ لأن هذه الأمور الثلاثة أسباب للموت في الجملة فيكون ميتا بسبب حادث فلا يعتبر طافيا، وهذا هو الأظهر، وبه يفتى. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٢٨)

وما مات من حرارة الماء أو برودته أو كدورته ففيه روايتان، روي عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسف: لا يؤكل؛ لأن السمك لا يموت بسبب برودة الماء وحرارته غالبا فيكون ميتا بغير آفة ظاهر، فلا يحل كالطافي، وروي عن محمد أنه يؤكل؛ لأنه مات بآفة؛ لأنه قد يموت بسبب برودة الماء وكدورته فيحال بالموت عليه، وهذا أرفق بالناس كذا في محيط السرخسي وعليه الفتوى كذا في جواهر الأخلاطي. (هندية، كتاب الصيد، الباب السادس في صيد السمك، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٨٥)

الجواب: في الدر المختار: ماما ت بحر الماء الخ (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُھوپ کی گرمی سے مرنے سے کھانا جائز ہے، مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ بیماری سے مری۔

۹ / صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۶)

کئی گلاس پانی پینے کی صورت میں ہر گلاس کو تین سانس میں پینا

سوال (۲۳۸۸): قدیم ۴/ ۱۰۳- اگر کسی شخص کو اس شدت سے تشنگی ہے کہ وہ تین چار گلاس پانی پیوے گا تو اس شخص کو ہر گلاس کے پانی کو تین سانس میں پینا چاہئے یا وہی تین یا چار گلاس جو ٹھہر ٹھہر کر بھر کر پیوے گا تین سانس کے حکم میں سمجھے جاویں گے؟

---

(۱) **يؤكل ما في بطن الطافي وما مات بحر الماء أو برده، وبربطه فيه أو إلقاء شيء فموته بآفة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٤٥، كراچی ٦/ ٣٠٧)

وإن مات لحر أو برد أو في كدر الماء ففيه روايتان في رواية يؤكل لوجود السبب بموتها، وفي المنح: وقال محمد: يحل أكله، وبه أخذ أبو الليث وعليه الفتوى. (مجمع الأنهر، قبيل كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٤)

وما مات من حرارة الماء أو برودته أو كدورته ففيه روايتان، روي عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسف: لا يؤكل، لأن السمك لا يموت بسبب برودة الماء وحرارته غالبا فيكون ميتا بغير آفة ظاهر، فلا يحل كالطافي، وروي عن محمد أنه يؤكل؛ لأنه مات بآفة؛ لأنه قد يموت بسبب برودة الماء وكدورته فيحال بالموت عليه، وهذا أرفق بالناس كذا في محيط السرخسي وعليه الفتوى كذا في جواهر الأخلاطي. (هندية، كتاب الصيد، الباب السادس في صيد السمك، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٨٥)

وإذا مات السمك من الحر أو البرد أو كدر الماء ففيه روايتان عند الحنفية إحداهما: أنه لا يؤكل؛ لأن هذه الأمور الثلاثة ليست من أسباب الموت غالبا، فالظاهر أن السمك فيها مات حتف أنفه فيعتبر طافيا. والثانية: أنه يؤكل؛ لأن هذه الأمور الثلاثة أسباب للموت في الجملة فيكون ميتا بسبب حادث فلا يعتبر طافيا، وهذا هو الأظهر، وبه يفتى. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٢٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ہر گلاس کو تین سانس میں پیوے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے پیوے تو وہ مجموعی کئی بار کا پینا ہوگا، اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۶)

ماہی روبیاں کا حکم

سوال (۲۳۸۹): قدیم ۱۰۳/۴/۴ - جھینگہ مچھلی کی حلّت مشہور ہے، مگر مجھ کو اس میں تردد ہے، غالباً جناب کو تحقیق ہوگی کہ یہ جانور اگر حلال ہے تو کیوں؟ حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سوائے سمک حلال نہیں، محض نام میں مچھلی کا اطلاق تو سبب حلت ہو نہیں سکتا، اور خواص میں تغایر ہے؛ کیونکہ اس کی ٹانگیں ہوتی ہیں اور گلا کٹا ہوا نہیں ہوتا، تو اگر اس کو مچھلی میں داخل کیا جاتا ہے تو کیوں؟ شامی عالمگیریہ میں ملا نہیں، حمادیہ میں اختلاف نقل کیا ہے، جو قول محقق جناب کے نزدیک ہو تحریر فرمائیں کہ خلجان رفع ہو؟

---

(۱) أخرج المسلم عن ثمامة بن عبدالله بن أنس عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتنفس في الإناء ثلاثا.

وأخرج أيضا عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتنفس في الشرب ثلاثا ويقول: إنه أروى وأبرأ وأمرأ، قال أنسؓ: فأنا أتنفس في الشرب ثلاثا. (مسلم شريف، كتاب الأشربة، باب كراهية التنفس في نفس الإناء واستحباب التنفس ثلاثا خارج الإناء، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۴، بيت الأفكار رقم: ۲۰۲۸)

بخاري شريف، كتاب الأشربة، باب الشرب بنفسين أو ثلاثا، النسخة الهندية ۲/ ۸۴۱، رقم: ۵۴۱۴، ف: ۵۶۳۱۔

ترمذي شريف، أبواب الأشربة، باب ما جاء في التنفس في الإناء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰، دار السلام رقم: ۱۸۸۴۔

السنة أن يشرب الماء في ثلاثة أنفاس فقد ورد من حديث أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتنفس في الإناء ثلاثا، وفي لفظ كان يتنفس ثلاثا ويقول: إنه أروى وأبرأ وأمرأ، ومعنى أروى أي أكثر ريا، وأبرأ: أي أسلم من مرض أو أذى يحصل بسبب الشرب في نفس واحد، وأمرأ: أي أكمل انسياغا، قال الشوكاني في تعليقه على الحديث: هذه الأمور الثلاثة إنما تحصل بأن يشرب ثلاث أنفاس خارج القدح. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۳۶۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : اس پر توسب کا اتفاق ہے کہ سمک **بجمیع أنواعه** حلال ہے(۱)۔اب صرف شبہ اس میں ہے کہ یہ سمک ہے یا نہیں؟ سو **سمک** کے کچھ خواص لازمہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوئے کہ ان کے انتفاء سے سمکیت **منتفی** ہوجائے،اب مدار صرف عدول مبصرین کی معرفت پر رہ گیا ہے اور اگر مبصرین میں اختلاف ہوگا تو حکم میں بھی اختلاف ہوگا،چنانچہ اسی وجہ سے جریث میں امام محمدؒ مخالف ہیں **کما نقله الشامي** (۲)۔اس وقت میرے پاس ''حیوۃ الحیوان'' دمیری کی جوکہ ماہیات حیوانات سے بھی باحث ہے موجود ہے اس میں تصریح ہے: **الروبیان هو سمک صغیر جداً** (۳)۔ اوراس کے مقبول نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔پس یہ **مقتضی** حلّت کو ہے،مخزن جوکہ نیز باحث ہے ماہیات ادویہ سے اس میں گواس کو ماہی سے تعبیر کرنا حجت نہیں،مگر آگے اس کو حلال کہنا صاف قرینہ ہے کہ اس نے اس کو ماہیتِ ماہی میں داخل کیا ہے،پس اس سے اور بھی تائید ہوگئی،بہرحال احقر کو اس وقت تو اس کے **سمک** ہونے میں بالکل اطمینان ہے(۴)۔ **ولعل الله یحدث بعد ذلک أمرا. والله اعلم.**

۱۱/ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ (امداد،ج ۲،ص ۱۷۷)

---

(۱) **ویستوي في حل الأکل جمیع أنواع السمک من الجریث والمارماهي وغیرهما؛ لأن ما ذکرنا من الدلائل في إباحة السمک لا یفصل بین سمک وسمک إلا ما خص بدلیل.** (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، والصید، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ١٤٦، کراچی ٥/ ٣٦)

ولا بأس بسائر أنواع السمک نحو الجریث والمارماهي. (خانیة علی هامش الهندیة، کتاب الصید والذبائح، قدیم زکریا دیوبند ٣/ ٣٥٧، جدید زکریا دیوبند ٣/ ٢٥٣)

(۲) **وإلا الجریث سمک أسود والمارماهي سمک في صورة الحیة وأفردهما بالذکر للخفاء وخلاف محمد.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الذبائح، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٤٤٦، کراچی ٦/ ٣٠٧)

(۳) حیاة الحیوان، مطبوعه حلبي مصري ١/ ٤٧٣۔

(۴) جھینگا کے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ شمارہ ندائے شاہی میں آپ کے دینی مسائل کے عنوان کے تحت ایک مسئلہ جھینگا مچھلی کی حلت کے سلسلہ میں ←

. . . .

← نظر نواز ہوا میں اس سلسلہ میں کچھ تحقیقات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر فرصت نہ ہوسکی امروز و فردا پر دوسرا شمارہ بھی آ پہنچا۔ بہرحال میرے خیال سے جھینگا کے سلسلہ میں اگر کراہت وغیرہ بھی نہ ہو، تو جس مسئلہ میں حلت و حرمت میں اختلاف ہو، تو دع ما یریبک إلی ما لا یریبک کے قاعدہ کے تحت اس سے اجتناب و احتراز ہی بہتر ہے؛ لہٰذا جواب اگر اس انداز کا ہوتا، تو بہتر تھا؛ اس لئے کہ فتاوی دار العلوم کتاب الطہارۃ میں ایک جگہ مفتی صاحب نے کسی سائل کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے، جو امام جھینگے کھاتا ہے، بشرطیکہ وہ جھینگا مچھلی کی جنس کا نہ ہو، تو مکروہ ہے اب یہ جھینگا جو مسئول بہا ہے، یہ بہت سی چیزوں میں مچھلی کی جنس سے مختلف اور متضاد ہے۔

(۱) اس کی ٹانگیں ہوتی ہیں، جن سے خشکی میں عام کیڑوں کی طرح چلتا پھرتا ہے، مچھلی کبھی چلتی نہیں کودتی ہے پھدکتی ہے۔

(۲) یہ خشکی میں ایک مدت تک زندہ رہ سکتا ہے، مچھلی چند ساعت کے بعد مر جاتی ہے۔

(۳) یہ کھانے میں قطعی طور پر مچھلی جیسا نہیں ہوتا ہے، اس کے اوپر گوشت قطعی نہیں ہوتا؛ بلکہ پکنے کے بعد اس کو توڑ کر کھاتے ہیں، صرف خول ہوتا ہے؛ جبکہ مچھلی کو لحماً طریًا فرمایا گیا ہے، مچھلی کی بہت اقسام مثلاً مار ماہی جو کہ سانپ جیسی ہوتی ہے، گنیڈ مچھلی مذکورہ چیزوں میں مچھلی سے متبائن نہیں۔

(۴) ماہی گیر لوگ بتلاتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں انڈے ہوتے ہیں، اس کے انڈے باہر پروں کے اندر جھیل کے اندر ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مچھلی کے انڈے نکالنے کے وقت مچھلی مرے گی؛ کیونکہ پیٹ توڑنا پڑے گا اور جھینگے کے انڈے نکالنے کے لئے پیٹ توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، انڈے نکال کر بھی وہ زندہ رہے گا۔

(۵) اجنبی آدمی اسی جھینگا کو دیکھ کر کبھی اس کو مچھلی نہیں کہے گا؛ بلکہ اس کو کیڑا کہے گا، اس کے علاوہ پانی میں کوئی جھینگا ایسا نہیں جو مچھلی کی جنس کا ہو، حضرت مولانا فخر الدینؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم نے درس بخاری میں فرمایا تھا کہ جس جھینگا کو علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں انواع سمک میں شمار کیا ہے، یہ وہ جھینگا نہیں اس جھینگا کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے، خاص طور سے اس کو دیکھ کر اور اس کو کھا کر بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالبًا انواع سمک میں سے نہیں، ممکن ہے وہ دمیری کا جھینگا کوئی اور ہو جیسا کہ شیخ نے ←

. . . .

← فرمایا تھا کہ یہ وہ جھینگا نہیں، اس کے علاوہ بعض کتب میں تو اختلاف کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ غالباً مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحیؒ ۲/۱۰۱/ پر دونوں قول نقل کیئے ہیں۔

الدود الذي يقال له جهينگه حرام عند بعض العلماء؛ لأنه لايشبه السمک، فإنما يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمک، وهذا لا يكون كذلک، وقال بعضهم: حلال؛ لأنه يسمى باسم السمک. (۳/ ۱۰٤ و ۲/ ۱۰۷) پر بھی دونوں قول نقل کیا ہے اور تذکرۃ الخلیل ۲۰۰/ پر تو عدم جواز کا فتوی ہے، صاحب حیاۃ الحیوان نے اربیب کو جھینگا فرمایا ہے؛ جب کہ بعض لغات میں اس کا ترجمہ مار ماہی جو متفق علیہ مچھلی ہے لکھا ہے۔ (مصباح اللغات)

بہرحال جس میں بعض علماء حرمت کے قائل ہیں جیسا کہ تذکرۃ الخلیل اور مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحیؒ میں اول قول تو اگر ایسی چیز سے مذکورہ حدیث ''دع ما یریبک الخ'' کے تحت اجتناب واحتراز کا فتوی ہو تو کیا خوب ہے۔ جھینگا اگر حلال ہوا اور نہ کھایا تو خدا تعالیٰ گرفت نہیں کریں گے کہ جھینگا کو میں نے حلال کیا تو کیوں نہ کھایا؟ اگر حرام ہوا اور کھا لیا جیسا کہ فتوی دیا جا رہا ہے پھر تو خیر نہیں۔

المستفتي: محمد اکبر قاسمی، امام علی سید شیر کوٹ، ضلع بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھینگہ دریائی جانور ہے، اور دریائی جانوروں میں سے مچھلی بجمیع انواعہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق حلال ہے۔ اب غور طلب مسئلہ صرف اتنا ہے جھینگا اقسام سمک میں داخل ہے یا نہیں اور کسی مچھلی کے مچھلی ہونے کے لئے اس کے خواص اور صفات لازمہ کے تعین کے بارے میں شریعت اسلامی میں کوئی منصوص دلیل نہیں ہے؛ اس لئے اس کی معرفت کا مدار مبصرین و ماہر حیوانات اور اہل لغت کی تحقیق پر ہوگا اور اگر ان میں اختلاف ہے، تو اس کے حکم میں بھی اختلاف ہوگا اور اگر ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تو حکم میں بھی اختلاف نہ ہوگا اور تحقیق وتفتیش کے باوجود کسی مبصر اور ماہر اور اہل لغات کا اختلاف اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گذرا اور نہ ہی اہل لغات نے جھینگہ کو اقسام سمک سے خارج کیا ہے اور تذکرۃ الخلیل کی اصل عبارت دیکھ لی گئی ہے کہ حضرت قدس سرہ کو عام سمک کی طرح اس میں گلپھڑے نہ ہونے کی وجہ سے جھینگا کے اقسام سمک میں شامل ہونے میں تردد ہو گیا تھا اور تردد کی بناء پر حلت کا فتوی نہ دینا حضرت قدس سرہ کا ←

. . . .

← تقویٰ تھا اور اس سے عدم جواز پر فتوی دینا لازم نہیں آتا اور اقسام سمک میں داخل ہونے کے لئے تین صفتوں میں سے صرف ایک کا پایا جانا کافی ہے۔

(۱) خشکی میں آ کر تڑپنا اور پھدکنا۔

(۲) گلپھڑے کا ہونا اور اسی سے سانس لینا۔

(۳) کانٹے دار اور لائن دار پر یا دم کا ہونا اور بعض سمک میں تینوں صفتیں جمع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ بام مچھلی میں ہے اور بعض میں صرف ایک یا دو صفتیں ہوتی ہیں، جیسے کہ مار ماہی کہ اس میں کانٹے دار پر نہیں ہوتے۔ نیز خشکی میں آ کر کودتی بھی نہیں؛ بلکہ سانپ کی طرح رینگتی ہے؛ البتہ اس کے صرف گلپھڑے ہوتے ہیں اور جھینگہ میں کانٹے دار دم ہوتی ہے اور خشکی میں آ کر پھدکتا اور کودتا ہے؛ البتہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے اور گلپھڑے ہر ایک سمک کے لئے جزء لاینفک بھی نہیں ہے۔ نیز خشکی میں آ کر زیادہ دیر زندہ بھی نہیں رہتا ہے اور سوال نامہ میں اس کی زندگی کے بارے میں جو کہا گیا ہے، وہ مسلم نہیں؛ اس لئے کہ تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ بعض سمک جھینگہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہتی ہے اور سمک کے صفات کے بارے میں فتاوی عبدالحیؒ میں منقول ہے۔

إحداها إسقاط، وثانيها انفتاح لحييه، وثالثها جناح ذو شواك بينهن ستور، وكذا الذنب، ولبعض أنواع السمك العلامات كلها ولبعضها بعضها كما شاهدنا. (فتاوی عبدالحي قديم ۲/ ۱۹۲)

اور آنجناب نے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا فتوی نقل نہیں فرمایا ہے؛ بلکہ صرف وہ عربی عبارت نقل کردی ہے کہ جس سے منکرین جواز کا قول بھی ثابت ہوتا ہے اور حضرت علامہ موصوف کا اصل فتوی جھینگہ کی حلت پر ہے اور ساتھ ساتھ حلت کے منکرین پر تردید بھی فرمائی ہے۔ علامہ موصوف کا اصل فتوی جو فارسی میں ہے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

’’وجھینگہ کہ آں را ار بیان بکسر ہمزہ میگویند چنانچہ از صحاح وغیرہ مفہوم میشود حلال است چہ آں نوعیت از انواع سمک والسمک بجمیع انواعہ حلال بالاتفاق‘‘ یہی علامہ موصوف کے فتوی کی عبارت ہے، جس کو انہوں نے جھینگہ کی حلت میں تحریر فرمایا ہے، پھر اس کے بعد ناجائز کہنے والوں پر ان الفاظ کے ←

. . . .

← ساتھ تردید فرمائی ہے کہ ''وآنکہ قائل حرمتش شدہ اند منشاء آں فہمیدن جھینگہ را خارج از اقسام سمک است ولیس کذالک'' پھراس کے بعد حمادیہ کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے، جو آنجناب نے سوال نامہ میں نقل فرمائی ہے اور حمادیہ کی عبارت صرف منکرین حلت کی تردید کر کے ان کی دلیل کے ضعف کو ظاہر کرنے کے لئے لائے ہیں، یہ پوری تفصیل فتاوی قدیم ۱/۵۶/ میں موجود ہے۔

اب یہ ناکارہ اپنی طرف سے کچھ لکھے بغیر مبصرین حیوانات اور اہل لغات اور اہل فتاوی کی سولہ کتابوں کے حوالے حلت جھینگہ مچھلی کے متعلق آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے تا کہ ان پر غور کر کے شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

(۱) القاموس المحیط جو لغت کی مشہور اور مستند کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں۔ **الإربيان بالكسر سمک كالدود** ۲/۳۳۲ کہ جھینگہ کیڑے کی شکل میں ایک مچھلی ہے۔

(۲) منتہی الارب فی لغت العرب فارسی کی مشہور لغت ہے، اس میں لکھتے ہیں ''اربیان نوعی از ماہی است کہ آں را بہندی جھینگہ گویند ۲/۱۲۰'' کہ جھینگہ اقسام سمک میں سے ایک ہے، جس کو ہندوستان میں جھینگہ کہا جاتا ہے۔

(۳) شمس اللغات ایک مستند کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں ''اربیان بفتح الف وباء تازی ملخ آب وآں نوعی از ماہی خوداست بہندی جھینگہ گویند ۴۰'' کہ اربیان ایک مچھلی ہے، جس کو ہندوستان میں جھینگہ کہتے ہیں۔

(۴) صراح لغت کی ایک مشہور کتاب ہے، اس میں ہے کہ اربیان نوعے از ماہی ۵۶۰/ کہ جھینگہ از قسم مچھلی ہے۔

(۵) عرب وعجم کی مشہور کتاب تاج العروس میں ہے، **والاربیان بالکسر سمک کالدود** ۱۰/۱۴۳ کہ جھینگہ کیڑے کی طرح ایک مچھلی ہے۔

(۶) المنجد اردو میں ہے کہ الاربیان جھینگہ مچھلی ہے ص :۵۲۔

(۷) المنجد عربی میں ہے **بر غوث البحر نوع من صغر السمک تشبه هيئته البر غوث** ص: ۳۴ کہ جھینگہ پسو کے مشابہ ایک چھوٹی مچھلی کی قسم ہے اور اس کی دم میں مچھلی کی طرح کانٹے دار لائن دار پر ہے۔ ←

. . . .

← (۸) فیروزاللغات میں ہے کہ جھینگہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلی ہے ص:۳۹۷۔
(۹) علامہ دمیریؒ منجملہ ماہرین حیوانات میں سے ہیں وہ اپنی کتاب حیاۃ الحیوان میں نقل فرماتے ہیں کہ **الروبیان هو السمک** ۱/۴٦۰ رکہ جھینگہ مچھلی ہی ہے۔
(۱۰) مخزن المفردات طب کی مشہور کتاب ہے، اس میں یہ عبارت ہے کہ مچھلی جھینگہ ماہی روبیان حلال مچھلی ہے، اس کی مونچھیں لمبی ہوتی ہیں، رنگ سفید ذائقہ شیریں بسا ندہ۔ (مخزن المفردات)
(۱۱) تذکرہ داؤد الطائی میں ہے، **روبیان اسم مضرب من السمک** کہ جھینگہ مچھلی کی ایک قسم کا نام ہے۔
(۱۲) مشہور محقق علامہ امیر علیؒ نے عین الہدایہ ۴/۳۷۱ر میں جھینگہ کو اقسام سمک میں شمار فرما کر مباح قرار دیا ہے۔
(۱۳) حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب جواہر الفتاوی میں لکھتے ہیں کہ علماء مصر وعلماء عرب نے جھینگہ کے بارے میں لکھا ہے کہ دنیا میں اقسام سمک میں سب سے زیادہ ذائقہ دار جھینگہ مچھلی ہے۔
ألذ الأسماک في الدنیا وأغلاها فیها الخ. (جواهر الفتاوی ۲/ ۵۹۷)
(۱۴) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم نے فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۲۹۷، جدید زکریا ۱۰/۷۷ر میں بہت مفصل اور مدلل فتاوی جھینگہ کے اقسام سمک میں سے ہونے اور حلال ہونے پر تحریر فرمایا ہے۔
(۱۵) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاوی ۴/۱۰۴ر میں، علامہ دمیریؒ کا حوالہ دے کر بہت انشراح کے ساتھ جھینگہ کے دریائی مچھلی اور حلال ہونے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے تفصیلی فتوی صادر فرمایا ہے، جس کا ندائے شاہی میں شائع شدہ فتویٰ میں حوالہ دیا گیا ہے۔
(۱۶) حضرت علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحئ لکھنوی نے اپنے فتوی میں جھینگہ کو مچھلی ثابت فرما کر حلال لکھا ہے، اور ساتھ میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے، جو ایسے صفات کی بناء پر جھینگہ کو دائرہ حلت سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو صفات آنجناب نے سوال نامہ میں پیش فرمائی ہیں، جو کہ مچھلی کے صفات لازمہ میں سے نہ ہونا مبصرین کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اس ناکارہ کی معلومات کے ←

ایضاً

سوال (۲۳۹۰): قدیم ۴/ ۱۰۴- اوجھڑی کا کھانا مکروہ کس قسم کا ہے، اور جھینگا دریائی کہ جو یہاں اور مدراس میں اکثر کھایا جاتا ہے کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: فقہاء نے اوجھڑی کو بمنزلہ لحم لکھا ہے۔ **کما في رد المحتار** (ج،ص۲۰۹،س۱۰)(۱)

← مطابق اپنے اکابر میں سے کسی نے بھی جھینگہ کے بالانشراح بالکل کھول کرنا جائز یا حرام ہونے پرفتوی نہیں دیا ہے اور جن اکابر نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، انہوں نے صاف حلال ہونے کا فتوی دیا ہے، جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ حضرت مولانا عبد الحیؒ لکھنوی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہم اور صاحب عین الہدایہ وغیرہم ہیں۔

مذکورہ تمام دلائل وشواہد کی بناء پر اس ناکارہ کو بھی حلت پرفتوی لکھنے میں بالکل اطمینان ہے، اور آنجناب نے سوال نامہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر حرام ہوا اور کھالیا، جیسا کہ فتوی دیا جارہا ہے، پھر تو خیر نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمداللہ ہم مذکورہ اکابر کے فتاوی کو شرعی دلیل اور حجت سمجھتے ہیں، اور ہم شرعی دلیل وحجت کے مطابق فتوی لکھنے میں کارثواب اور حق تعالیٰ شانہ سے خیر ہی کی امید رکھتے ہیں اور ایسے اکابر کے فتاوی کونقل کر کے مسئلہ بتلانے میں خدائے پاک سے یہ امید ہے کہ آخرت میں ان حاملین شریعت کے زمرہ میں شامل فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۶۹)

(۱) چنانچہ جہاں فقہاء کرام نے جانور کے اجزاء محرمہ کو بیان کیا ہے ان میں اوجھڑی اور آنت کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اوجھڑی گوشت کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا جائز ہے، ورنہ فقہاء ضرور اس کو بھی اجزاء محرمہ میں ذکر کرتے۔

وكره تحريما وقيل: تنزيها، والأول أوجه من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر للأثر الوارد في كراهة ذلك. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، مسائل شتّى، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٧٨، كراچى ٦/ ٧٤٩) ←

اور درمختار وغیرہ میں تمام انواعِ سمک کو حلال کہا ہے(۱)۔اور سمک ہونا یہ عدول مبصرین کے اخبار پر ہے۔اور جھینگا مچھلی کو حیاۃ الحیوان میں سمک لکھا ہے(۲) اس لئے اوجھڑی اور جھینگا مچھلی

← **عن مجاهد أن النبي صلى الله عليه وسلم كره من الشاة سبعا: المثانة، والمرارة، والغدّة، والذكر، والحياء، والأنثيين.** (مراسيل أبي داؤد، النسخة الهندية ص: ۱۹، رقم: ٤١٢)

عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعا: المرارة، والمثانة، والغدّة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب من الشاة مقدمها. (إعلاء السنن، الذبائح، باب ما يكره من الحيوان المزكي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٤٤، کراچی ١٧/ ١٣٠)

المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٨١، رقم: ٩٤٨٠۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (بدائع الصنائع، قبيل كتاب الاصطياد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٠، کراچی ٥/ ٦١)

هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٥۔

(۱) **ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٤، کراچی ٦/ ٣٠٦)

أما الذي يعيش في البحر فجميع ما في البحر من الحيوان يحرم أكله إلا السمک خاصة، فإنه يحل أكله إلا ما طفا منه. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٣)

ولا يحل عند الحنفية من الحيوان المائي شيء سوى السمک فيحل أكله سواء أكان ذافلوس (قشر) أم لا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٢٨)

هداية، كتاب الذبائح، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٢۔

(۲) **الروبيان هو سمک صغير جدا أحمر.** (حياة الحيوان، مطبوعه حلبي مصري ١/ ٤٨٣)

الإربيان بالكسر سمک كالدود. (القاموس المحيط ٤/ ٣٣٢)

والإربيان بالكسر سمک كالدود. (تاج العروس ١٠/ ١٤٣)

دونوں حلال ہیں، اور جھینگا کے لفظ سے شبہ نہ کیا جاوے، جیسا مار ماہی کی حلت مصرّح ہے (۱) اور لفظ مار سے اس میں شبہ نہ کیا گیا۔ ۹/ رجب ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵۰)

خشک مچھلی کھانا

سوال (۲۳۹۱): قدیم ۴/ ۱۰۴- جو مچھلی آلائش بغیر دور کئے ہوئے اس کے معدہ سمیت خشک کرلی جاتی ہے، اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کو شگاف دے کر دھو کر پاک کرکے کھانا درست ہے (۲)۔ فقط

۸/ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۰)

---

(۱) **ولا بأس بأكل المارماهي.** (هداية، قبيل كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٢)

والمارماهي سمك في صورة الحية. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٦، كراچى ٦/ ٣٠٧)

ويستوي في حل الأكل جميع أنواع السمك من الجريث والمارماهي وغيرهما؛ لأن ما ذكرنا من الدلائل في إباحة السمك لا يفصل بين سمك وسمك إلا ما خص بدليل. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٤٦، كراچى ٥/ ٣٦)

خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥٣۔

(۲) **وفي السمك الصغار التي تقلى من غير أن يشق جوفه فقال أصحابه (الشافعي) لا يحل أكله؛ لأن رجيعه نجس وعند سائر الأئمة يحل الخ.** (شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٨، كراچى ٦/ ٣٠٩)

قال الموفق في المغني: ويباح أكل الجراد بما فيه، وكذا السمك يجوز أن يقلى من غير أن يشق بطنه، وقال أصحاب الشافعي في السمك: لايجوز؛ لأن رجيعه نجس، ولنا عموم النص في إباحته وما ذكروه غير مسلم، قلت: وفي رد المحتار عن معراج الدراية في السمك الصغار التي تقلى من غير أن يشق جوفه فقال أصحابه -أي أصحاب الشافعي- لايحل أكله؛ لأن رجيعه نجس، وعند سائر الأئمة يحل. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب حل الجراد، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢١١-٢١٢) ←

اوجھڑی کی حلت اور گولر کے بُھنگے کی حرمت

سوال (۲۳۹۲): قدیم ۴/۱۰۴- ایک وکیل ہیں جنہیں کچھ اسلامی خیال بھی ہے گو مائل بہ بدعت ہیں، انہوں نے بہشتی زیور میں چند شکوک پیدا کئے اور دکھلائے حصہ سوم بہشتی زیور میں جو مسائل بعنوان حلال وحرام چیزوں کا بیان کے لکھے ہیں، ان میں اوجھڑی کو حلال لکھا ہے اور گولر کے بُھنگے کو حرام اور آرسی میں منہ دیکھنا ناجائز، ان ہرسہ مسئلوں کی بابت وہ فقہی روایت کے طالب ہیں۔

الجواب: اوجھڑی کی حلّت اس لئے ہے کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں، فقہاء نے اشیائے حرام کو شمار کردیا ہے، یہ ان کے علاوہ ہے، یہ شمار درمختار کے مسائل شتّی میں مذکور ہے۔ **والغدة، والخصية والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر.** اھ (۱)۔

← مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ چھوٹی مچھلی اگر آلائش صاف کئے بغیر بھی پکالی جائے تو اس کا کھانا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک آلائش کا صاف کرنا ضروری ہے اور صغار کی قید سے مفہوم ہوتا ہے کہ بڑی مچھلی کی آلائش صاف کرنا سب کے نزدیک ضروری ہے، بدون صاف کئے کھانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ بڑی مچھلی کی آلائش صاف کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، نیز اس میں بعض اجزاء مضر صحت بھی ہوتے ہیں۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٧٨، كراچى ٦/ ٧٤٩۔

عن مجاهد أن النبي صلى الله عليه وسلم كره من الشاة سبعا: المثانة، والمرارة، والغدة، والذكر، والحياء، والأنثيين. (مراسيل أبي داؤد، النسخة الهندية ص: ١٩، رقم: ٤١٢)

عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعا: المرارة، والمثانة، والغدة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحبّ من الشاة مقدمها. (إعلاء السنن، الذبائح، باب ما يكره من الحيوان المزكي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٤٤، كراچى ١٧/ ١٣٠)

المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٨١، رقم: ٩٤٨٠۔

مصنف عبدالرزاق، باب ما يكره من الشاة، المجلس العلمي ٤/ ٥٣٥، رقم: ٨٧٧١۔ ←

اور گولر کے بھنگے وغیرہ کا عدم جواز رد المحتار ج ۵، ص ۲۹۹ س ۱۰ میں مرقوم ہے: **قال: ویؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لايجوز إن نفخ فيه الروح اه (۱)۔**

اور آرسی کا مسئلہ بالکل ظاہر ہے کہ چاندی کے آئینہ کا استعمال حرام ہے اور اس میں منھ دیکھنا اس میں داخل ہے (۲)۔ ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

← **وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة.** (بدائع الصنائع، قبيل كتاب الاصطياد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٠، كراچى ٥/ ٦١)

هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٥۔

(۱) شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٤٤، كراچى ٦/ ٣٠٦۔

قال في الخانية: لا بأس بدود الزيتون قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة اه. ويؤخذ أن أكل الجبن بدوده أو الخل كذلک أو الثمار كالنبق بدوده إن نفخ فيه الروح. (طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الذبائح، كوئٹه ٤/ ١٥٨)

قال الحنفية: إن دود الزنبور ونحوه قبل أن تنفخ فيه الروح لا بأس بأكله؛ لأنه ليس بميتة، فإن نفخت فيه الروح لم يجز أكله وعلى هذا لا يجوز أكل الجبن أو الخل أو الثمار بدودها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٤٣)

خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥٣۔

(۲) وكره الأكل والشرب والادهان والتطيب من إناء ذهب وفضة للرجال والمرأة؛ لإطلاق الحديث، وكذا يكره الأكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلهما وما أشبه ذلک من الاستعمال كمكحلة ومرآة وقلم ودواة ونحوها (درمختار) وفى الشامية: قوله (لإطلاق الحديث) هو ما روي عن حذيفة أنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تلبسوا الحرير ولا الديباج، ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة. رواه البخاري ومسلم وأحمد وأحاديث أخر ساقها الزيلعي، ثم قال: فإذا ثبت ذلک في الشرب والأكل فكذا في ←

شاہجہانپوری چینی کھانا

سوال (۲۳۹۳): قدیم ۴/۱۰۵- شاہجانپوری چینی جس کو مورس کی چینی وغیرہ بھی کہتے ہیں، یعنی ریزہ دار چینی ہوتی ہے، اس کو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہڈی سے صاف ہوتی ہے، تو ہڈی سے صاف ہوتی ہے یا نہیں؟ اور استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہڈی کو جلا دیتے ہیں، پس وہ طاہر ہوتی ہے؛ اس لئے جواز استعمال میں کچھ شبہ نہیں (۱)۔ ۱۸/ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۳)

← **التطيب وغيره؛ لأنه مثله في الاستعمال.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٢، كراچى ٦/ ٣٤١)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، قبيل فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٢-

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٠، كوئٹه ٨/ ١٨٥-

(۱) **والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات؛ لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة حتى لا يبقى فيه شيء أو تحيله فيصير الدم رمادا فيطهر بالاستحالة، ولهذا لو أحرقت العذرة وصارت رمادا طهرت للاستحالة كالخمر إذا تخللت، وكالخنزير إذا وقع في المملحة وصار ملحا.** (الدرالمختار مع الشامى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٥٨، كراچى ٦/ ٧٣٥)

ومنها (ما يطهر به النجس) الإحراق: السرقين إذا أحرق حتى صار رمادا فعند محمد رحمه الله يحكم بطهارته وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة هكذا في البحر. (هندية، كتاب الطهارة، الباب السابع: في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، قديم زكريا ديوبند ١/ ٤٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ٩٩)

ولو أحرقت العذرة أو الروث فصار كل منهما رمادا أو مات الحمار في المملحة، وكذا إن وقع فيها بعد موته، وكذا الكلب والخنزير لو وقع فيها فصار ملحا طهر عند محمد، وأكثر المشايخ اختاروا قول محمد وعليه الفتوى؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وقد زالت بالكلية، فإن الملح غير العظم واللحم (حلبي كبيري، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٨٨) ←

جس جانور کو خنزیر کا گوشت کھلایا گیا ہو اس کا حکم

سوال (۲۳۹۴): قدیم ۴/۱۰۵- ایک شخص نے اپنے شتر کو خنزیر کا گوشت کھلایا بوجہ فربہ ہونے کے، اگر اس شتر کو ذبح کیا جاوے تو وہ گوشت اس اونٹ کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ایسے شتر کا گوشت حلال ہوگا، مگر ذبح سے پہلے بعض علماء کے نزدیک واجب ہے کہ اس کو چند روز تک حلال چارہ دیا جائے اس کے بعد اس کو ذبح کیا جاوے۔

كذا في الدرالمختار، وردالمحتار جلد ۵، ص ۳۳۴. عبارتهما كما حل أكل جدي غذي -إلى قوله- أثر وقوله: لأن لحمه -إلى قوله- وإلا لا (۱)۔

یوم بقرعید ۱۳۲۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۳)

← **ذهب الحنفية والمالكية وهو رواية عن أحمد إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة فرماد النجس لا يكون نجسا ولا يعتبر نجسا ملح كان حمارا أو خنزيرا أو غيرهما ولا نجس وقع في البئر فصار طينا، وكذلك الخمر إذا صارت خلا سواء بنفسها أو بفعل إنسان أو غيره لانقلاب العين، ولأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، فينتفي بانتفاءها، فإذا صار العظم واللحم ملحا أخذ حكم الملح؛ لأن الملح غير العظم واللحم.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۲۷۸)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۹٤، كوئٹه ۱/ ۲۲۷۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۹۱-٤۹۲، كراچی ٦/ ۳٤۱۔

إذا ربي الجدي بلبن الخنزير لا بأس به، قال: معناه إذا اعتلف أياما بعد ذلك كالجلالة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ۳/ ٤۰٤، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۲)

تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني عشر: الكراهة في الأكل وما يتصل به، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱٤۰، رقم: ۲۸۲۹۳۔

يحل أكل لحم جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲٤، إمداديه ملتان ٦/ ۱۰) ←

چماروں کے گھر کا گھی وغیرہ کھانا

سوال (۲۳۹۵): قدیم ۴/۱۰۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید امام مسجد نے چماروں کے گھر کا گھی مول لے کر کھالیا اور مکھن بھی جو اس وقت اپنے برتن میں انہوں نے بلوئی تھی کھا پی لی، پھر عوام کو فتویٰ دیدیا کہ بے شک لے کر کھاؤ یہ درست ہے، جب کہ ہم ہندوؤں کے گھر کا اور ان کی دوکان کا کھاتے ہیں تو چماروں کے گھر کا کیوں ناجائز ہوگا؟ جیسے یہ کافر ویسے وہ کافر، چنانچہ اس کے کہنے سے کئی آدمیوں نے چماروں کے گھر کا گھی لے کر کھالیا؛ بلکہ وہ کہتا ہے اگر چماری سُتھری ہو تو اس کے ہاتھ کی پکّی ہوئی روٹی بھی کھانی جائز ہے۔ اب اس معاملہ میں باشندگان دیہہ میں بہت خلجان پیدا ہوگیا ہے؛ لہٰذا التماس ہے کہ اگر ایسا ہی شرع شریف کا حکم ہے، جیسا یہ امام مسجد فتویٰ دے رہا ہے تو اسلام میں بڑا ایک طوفانِ عظیم برپا ہوجاوے گا۔ حسبۃً للہ اس کا انفصال بہت جلد فرما کر مطمئن فرمائیے، تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد ہو، اور ایسا شخص امامت کے قابل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

← حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، الحظر والإباحة، كوئٹه ٤/ ١٧٢۔

والحكم متعلق بالنتن، ولهذا قال أصحابنا في جدي ارتضع بلبن خنزير حتى كبر أنه لا يكره أكله؛ لأن لحمه لا يتغير ولا ينتن. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيد، بيان ما يكره من الحيوانات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٥٤، كراچى ٥/ ٤٠)

هندية، كتاب الذبائح، قبيل الباب الثالث في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٤۔

ذكر في النوادر لو أن جديا غذي بلبن خنزير فلا بأس بأكله؛ لأنه لم يتغير لحمه وما غذي به صار مستهلكا ولم يبق له أثر ...... والأصح أنها تحبس إلى أن تزول الرائحة المنتنة عنها؛ لأن الحرمة لذلک وهو شيء محسوس ولا يتقدر بالزمان لاختلاف الحيوانات في ذلک فيصار فيه إلى اعتبار زوال المضر، فإذا زال بالعلف الطاهر حل تناوله والعمل عليه بعد ذلک. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصيد، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٥٥-٢٥٦)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٤٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: وہ شخص ٹھیک کہتا ہے مگر ادھوری بات کہتا ہے، جہاں یہ مسئلہ ہے (۱) وہاں دوسرا مسئلہ بھی ہے، دونوں ہی پر عمل چاہئے۔ اور وہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس مباح فعل میں بدنامی وشورش ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اتقوا مواضع التهم (۲)۔ اور حدیث حطیم اس کی دلیل ہے (۳)۔

۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۴۶)

---

(۱) **قال محمدؒ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا ولا شاربا حراما، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني الخ.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠١)

قال محمدؒ: يكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها جاز إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، وإذا علم حرم ذلك عليه قبل الغسل. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٤، كوئٹه ٨/ ٢٠٤)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٦٥، رقم: ٢٨٣٧٠۔

(۲) **التحرز عن مواضع التهمة واجب، قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه: إياك وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية: ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندك اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٨)

والتحرز عن مواضع التهمة واجب بالحديث. (البناية، الصوم، فصل: ومن كان مريضا في رمضان، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٠١)

وأن يتنزه عن دنئ المكاسب ورذيلها طبعا، وعن مكروهها عادة وشرعا، وكذلك يجتنب مواضع التهم وإن بعدت. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩/ ٨٥)

العناية مع فتح القدير، الصوم، فصل: ومن كان مريضا في رمضان، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٧٧، كوئٹه ٢/ ٢٩٠۔

(۳) **عن الأسود بن يزيد عن عائشة رضي الله عنها قالت: سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الجدر أمن البيت هو؟ قال: نعم، قلت: فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال:** ←

بام مچھلی، بدبودار گوشت اور اس میں پڑے ہوئے کیڑوں کے احکام

سوال (۲۳۹۶): قدیم ۴/۱۰۶- (۱) بام مچھلی یا گوشت کہ بُو کردہ باشد یا کرم زدہ باشد خوردن آں در شرع چہ حکم دارد؟

الجواب: (۲) في الدرالمختار، كتاب الذبائح: والجريث سمك أسود مارماهي سمك في صورة الحية (۳)۔ وفي ردالمحتار عن الطحطاوي: ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح. اه ج۵ ص ۲۹۹ (۴)۔ وفي المرقاة: على قوله عليه السلام: فكله مالم ينتن. رواه مسلم ما نصه قال علماؤنا: وهذا على طريق الاستحباب والا فالنتن لا أثر له في الحرمة. اه (۵)۔

← إن قومک قصرت بهم النفقة، قلت: فما شأن بابه مرتفعا؟ قال: فعل ذلک قومک ليدخلوا من شاؤوا ويمنعوا من شاؤوا ولو لا أن قومک حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر قلوبهم أن أدخل الجدر في البيت، وأن ألصق بابه بالأرض. (بخاري شريف، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۵، رقم: ۱۵۶۱، ف: ۱۵۸٤)

مسلم شريف، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، النسخة الهندية ۱/ ٤۲۹، بيت الأفكار رقم: ۱۳۳۳۔

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: بام مچھلی یا گوشت جس میں بو پیدا ہوگئی ہو یا کیڑے پڑ گئے ہوں، اس کے کھانے کا شریعت میں کیا حکم ہے۔

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: درمختار میں ہے: **والجريث سمک** الخ۔ مذکورہ روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا: یہ کہ بام مچھلی جس کو فارسی میں "مارماہی" کہتے ہیں وہ سانپ کی شکل میں مچھلی ہوتا ہے اور وہ حلال ہے۔ دوسرا یہ کہ گوشت اگر بو کرے تو حلال ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کھائیں۔ تیسرا یہ کہ کیڑا کھانا حرام ہے، ہاں اگر کیڑا دور کردیا جائے تو گوشت کھاسکتے ہیں گو کھانا خلاف اولیٰ ہے، مگر فی نفسہٖ کھانا حلال ہے۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٤٦، كراچی ٦/ ۳۰۷۔

(۴) شامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٤٤، كراچی ٦/ ۳۰٦۔

(۵) مرقاة، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۱۱۱۔

روایات مذکورہ چند فائدہ بخشید اول آنکہ بام مچھلی کہ بفارسی مار ماہی گویندو آں سمک باشد بصورت مار حلال ست (۱)۔ دوم آنکہ گوشت اگر بوکند حلال ست مگر بہتر آنست کہ نخورند سوم آنکہ کرم خوردن حرام ست (۲) ہاں اگر کرم دور کردہ گوشت را تناول کنند گو خلاف اولیٰ است مگر حلال است۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۹)

نصاریٰ کا تیار کیا ہوا کھانا انہیں کے برتنوں میں کھانا

سوال (۲۳۹۷): قدیم ۴/ ۱۰۶- جناب کے چند تحریر شدہ نسخے میرے پاس موجود ہیں؛ لیکن جو باتیں اس وقت دریافت طلب ہیں ان سے حل نہیں ہوئیں؛ لہٰذا خدمت والا میں معروض ہے کہ امور ذیل کے متعلق نمبر وار از روئے شرع شریف کے اطلاع بخشیں کہ اس ماحول اور واقعات کے اندر مذہب اسلام کہاں تک اجازت دیتا ہے۔ بینوا توجروا

(۱) یہاں اس سے تو آدمی بچ سکتا ہے کہ خنزیر کا گوشت یا نصرانیوں کا ذبیحہ یا ان جانوروں کی کسی قسم کی چربی کا استعمال نہ کرے؛ لیکن اس سے بچنا بہت مشکل ہے کہ ان کے ہاتھ کی تیار شدہ کوئی چیز بھی نہ

---

(۱) **لا بأس بأكل الجريث والمارماهي.** (هداية، قبيل كتاب الأضحية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٤٢)

ولا يؤكل من حيوان الماء إلا السمك بأنواعه كالجريث والمارماهي. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٣)

بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٤٦، كراچی ٥/ ٣٦۔

(۲) **قال في الخانية: لا بأس بدود الزيتون قبل أن ينفخ فيه الروح؛ لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة اه. ويؤخذ أن أكل الجبن بدوده أو الخل كذلك أو الثمار كالنبق بدوده إن نفخ فيه الروح لايجوز.** (طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الذبائح، كوئٹه ٤/ ١٥٨)

قال الحنفية: إن دود الزنبور ونحوه قبل أن تنفخ فيه الروح لا بأس بأكله؛ لأنه ليس بميتة، فإن نفخت فيه الروح لم يجز أكله وعلى هذا لا يجوز أكل الجبن أو الخل أو الثمار بدودها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٤٣)

خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٥٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کھائے؛ لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جو مذہب اسلام میں حلال ہیں، مگر اس کو نصرانی اپنے برتن میں پکا کر کھلائے تو ایسے ملک میں جہاں دوسرا انتظام مشکل ہے، ان کے پکائے ہوئے کھانے کی مذہب اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

الجواب : غالب گمان تو یہی ہے کہ حلال چیزیں جن برتنوں میں پکائی جاتی ہیں پکانے سے پہلے ان برتنوں کو دھوتے ہوں گے، پس بظن غالب وہ برتن پاک ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا ان کی پکی ہوئی چیزیں بھی پاک ہیں۔ البتہ اگر واقعات سے ان برتنوں کا ناپاک ہونا یقیناً یا بظن غالب معلوم ہوجاوے تو پھر گنجائش نہیں(۱)۔ (تتمہ خامسہ ص ۴۱۷)

---

(۱) **قال محمدؒ: يكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، لأن الغالب والظاهر من حال أوانيهم النجاسة ...... ولو أكل مع هذا أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا ولا شاربا حراما؛ لأن الطهارة في الأشياء أصل والنجاسة عارض فيجرى على الأصل حتى يعلم حدوث العارض، وما يقول بأن الظاهر هو النجاسة، قلنا: نعم، لكن الطهارة كانت ثابتة بيقين، واليقين لا يزول إلا بيقين مثله، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لايجوز أن يشرب ويأكل منها قبل الغسل، ولو شرب، أو أكل كان شاربا وآكلا حراما.** (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، المجلس العلمي ۸/ ۶۸-۶۹، رقم: ۹۶۰۱-۹۶۰۲)

قال محمدؒ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا ولا شاربا حراما، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لا يجوز أن يشرب أو يأكل منها قبل الغسل، ولو شرب أو أكل كان شاربا وآكلا حراما. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۷، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۰۱)

في التاتارخانية: من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات، ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار، وكذا ما يتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب الخ. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۳-۲۸۴، كراچى ۱/ ۱۵۱) ←

رسالہ ''إسکات المنکر لآفات المسکر''

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ احقر کے پاس آغاز ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ میں مشفق مکرم جناب حاجی وجیہ الدین صاحب ممبر لیجسلیٹو (legeslative) اسمبلی کا ایک خط مع ان کی مطبوعہ تقریر مسمّٰی بہ ''انسداد شراب نوشی'' کے آیا۔ جس میں مجھ سے اظہار رائے کی استدعا تھی، بناءً علیہ ایک مختصر مضمون لکھا گیا جو ذیل میں مع خط منقول ہے:

نقل خط: ''انسداد شراب نوشی''

سوال (۲۳۹۸): قدیم ۴/ ۱۰۷- مخدومی مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

غالباً جناب کو علم ہوگا کہ اس ناچیز کی تجویز متعلق انسداد مے نوشی اجلاس لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش ہوکر باوجود گورنمنٹ کی سخت مخالفت کے ذرا سی ترمیم کے بعد کثرت آرا سے پاس ہوچکی ہے؛ لیکن چونکہ ارکان گورنمنٹ کو رائے عامہ کا اظہار طرق مروجہ کے ذریعہ اب تک نہیں کرایا گیا؛ اس لئے ہنوز روز اول ہی اس ضرورت کو محسوس کر کے انسداد منشیات کے سچّے حامی پادری انڈرسن نے کلکتہ سے سفر اختیار کیا، اور ایک خاص جلسہ میں طے کرایا کہ اس تجویز کے نفاذ کرانے کے خاطر ضرورت ہے کہ دار السلطنت دہلی میں ایک کانفرنس بتواریخ ۲۹-۳۰-۳۱/ جنوری ۲۶ء منعقد ہو، جس میں ملک کے مقتدر و مسلّمہ نمائندگان شریک ہوں، تقاریر ہوں تحریری مضامین اور رسالے شائع ہو، اور اس طرح ارکانِ حکومت پر ثابت ہو جاوے کہ اہل ہند کی متفقہ خواہش ہے کہ ام الخبائث کا انسداد کلّی کردیا جائے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے ریز ولیوشن میں تفصیل کے ساتھ مطالبہ کیا ہے، اور جس کی ایک نقل بغرض واقفیت ملفوف ہے) کانفرس کی شرکت کی دعوت تو پادری صاحب موصوف روانہ کریں گے؛ لیکن بندہ نے ایک رسالہ شائع کرنے کی خدمت اپنے ذمّہ لی ہے جس میں ملکی و مذہبی مقتدر و مسلمہ حضرات کی بیش قیمت آراء جمع کی جاویں گی؛ اس لئے مستدعی ہوں کہ براہِ کرم بہت جلد تائیدی مضامین روانہ فرما کر ممنون فرماویں، تا کہ رسالہ قبل از جلسہ تیار ہو کر شائع ہو سکے۔

← الفتاوی التاتارخانیة، الطهارة، الفصل الثاني، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۶۹، رقم: ۳۵۳۔

البحر الرائق، کتاب الکراهية، فصل في البيع، مکتبه زکریا دیوبند ۸/ ۳۷۴، کوئٹه ۸/ ۲۰۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مضمونِ احقر

الجواب : حامداً و مصلیاً۔ دنیا میں جتنے مضر افعال ہوتے ہیں خواہ وہ فاعل کی ذات تک محدود ہوں خواہ دوسروں تک متعدّی ہوں، پھر تعدیہ کی صورت میں خواہ ان کا ضرر رعایا تک پہنچے خواہ سلطنت تک، ایسے سب افعال کا سبب دو امر میں منحصر ہے، ایک عقل کا ضعف وفتور دوسرا کسی جذبۂ نفسانی کی قوت اور غلبہ جو باوجود عقل میں ضعف وفتور نہ ہونے کے بھی وہ جذبہ اپنی قوت سے عقل کے ساتھ مقاومت ومصادمت کر کے اس کو مغلوب کر دے، اس مقدمہ میں تو کسی حکیم کو خواہ وہ کسی ملّت کا متبع ہو یا نہ ہو کلام نہیں ہوسکتا، اور اس مسئلہ مسلّمہ ومتفقہ سے اس کا لزوم بھی ظاہر ہے کہ اگر دُنیا میں کوئی چیز ایسی ہو جس میں یہ دونوں اثر ہوں، یعنی مزیل عقل بھی ہو اور مہیج مواد شر بھی ہو، اس کے قبیح وواجب الانسداد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اب میں دعوی کرتا ہوں کہ اشیائے مسکرہ جس کا نام خواہ شراب رکھا جائے یا تاڑی کہا جاوے یا سیندھی کے لقب سے مشہور کیا جاوے سب ایسے ہی ہیں کہ ان میں یہ دونوں اثر ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اس کے استعمال سے عقل زائل یا ضعیف ضرور ہو جاتی ہے، بظاہر نظر تو صرف اس کے نشہ تک لیکن عندالتحقیق بعد نشہ اُترنے کے بھی، چنانچہ جو لوگ اس کے خوگر ہیں ان کی حالتِ عقلیہ قبل اس عادت کے اور بعد اس عادت کے دیکھ کر موازنہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اور اگر علی سبیل التنز ل بقاء نشہ ہی تک ضعف عقل کو تسلیم کر لیا جاوے، تو اس ہی حالت میں بعض افعال ضعف عقل سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جن کا ضرر تمام عمر تک گلو گیر رہتا ہے، تو اس کے وجوب انسداد کے لئے یہ بھی کافی ہے، اسی طرح اس کے استعمال سے شہوت وغضب کو یقیناً ہیجان وثوران ہوتا ہے اور تمام مفاسد کا راس واساس ان ہی دو قوتوں کا اعتدال سے خارج ہو جانا ہے، پس جب اس میں یہ دونوں اثر ہوئے تو اس کے وجوب انسداد میں کس کو کلام ہوسکتا ہے اور یہاں سے مذہب اسلام کی اعلیٰ درجہ کی عقلی خوبی ثابت ہوتی ہے کہ ایسی چیز کو جو کہ ام المفاسد وابوالجرائم ہے، کیسے بلیغ اہتمام سے روکا ہے، اور اس انسداد سے دو طور پر خوبی ثابت ہوئی ایک یہ کہ ممانعت ایسی ہی چیز سے کی جس کی ممانعت فطرت سلیم بھی کرتی ہے، اور فطرت صحیحہ کے موافق ہونا کسی مذہب کا اس کی اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے (مگر ہر فطرت صحیح نہیں ہوتی۔ اس پر اسلام کا منطبق ہو جانا ضروری نہیں کما قیل:

نہ انجیر شد نام ہر میوۂ ☆ نہ مثل زبیدہ است ہر بیوۂ

دوسرے یہ کہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اکثر طبائع میں نِرا فلسفہ جذبات نفسانیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، یہ

قوت مذہب ہی میں ودیعت رکھی گئی ہے، تو گو مسکرات کا ضرر فلسفی دلائل سے ثابت ہے، مگر اسلام نے اس مجرب اصول کی رعایت فرما کر مذہب کے طور پر اس کو حرام کر دیا، تا کہ بالکلّیہ انسداد ہو جاوے (اور یوں کوئی مذہب ہی کی عقیدت یا عظمت کو دل سے نکال دے، اس کا تو علاج نہیں، جیسے کوئی دوا گوا کسیر کے درجہ کی ہو؛ لیکن کوئی اس کا استعمال ہی نہ کرے تو اس سے اس کی خوبی میں کیا کمی ہو سکتی ہے) تو دوسری خوبی اسلام کی اس طرح ثابت ہوئی کہ اس کی حرمت کو مذہب قرار دیا، اور اس انسداد کے احترام کو جو میں نے اُوپر بلیغ کہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے روکنے کے لئے اسلام نے دو عنوان اختیار کئے ہیں:

ایک حاکمانہ۔ دوسرا حکیمانہ؛ کیونکہ بعض طبائع پر مذہب کا اتباع غالب ہوتا ہے، ان پر حکیمانہ عنوان زیادہ مؤثر ہوتا ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں اس باب میں جو آیتیں ہیں ان میں سے پہلی آیت میں حاکمانہ عنوان ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور فلاں فلاں چیزیں یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تا کہ تم کو فلاح ہو''۔ اور دوسری آیت میں حکیمانہ عنوان ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہاری آپس میں (برتاؤ میں) عداوت اور (دلوں میں) بغض واقع کر دے (چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں عقل نہیں رہتی، گالی گلوچ، دنگا فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں طبعاً کدورت باقی رہتی ہے) اور (شیطان یوں چاہتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے اچھا طریقہ ہے) تم کو باز رکھے (چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ شراب میں ہوش ہی بجا نہیں رہتے الخ جب یہ ایسی بُری چیزیں ہیں) سو (بتلاؤ) اب بھی باز آؤ گے'' (۱)۔ بیان القرآن سے ترجمہ ختم ہوا (۲)۔

اس حکیمانہ عنوان میں اس فلسفہ کی طرف اشارہ ہے جو ابتدائے تقریر میں مذکور ہے، یعنی اصل عقل یا کمال عقل کا زوال اور جذباتِ نفسانیہ کا ہیجان واشتعال، چنانچہ ترجمہ کی تقریر سے واضح ہو چکا، اور ظاہر ہے

---

(۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰-۹۱]

(۲) بیان القرآن، تاج پبلشرز دهلي ۳/ ۵۷-۵۸۔

ایسے دو مؤثر عنوانوں کا جمع کرنا کتنی بڑی بلاغت ہے، پھر بلاغت میں دوسری ترقی یہ فرمائی کہ مضرتوں کی فہرست میں دو قسم کی مضرتوں کا ذکر فرمایا دنیوی مضرت کا بھی اور وہ بھی سب مضرتوں کی جڑ، یعنی باہم جنگ و جدل جو دنیوی مضرتوں میں سب سے بڑھ کر مضرت ہے، چنانچہ سب کا اتفاق ہے کہ تمام تمدّنی و معاشرتی و سیاسی مضرتوں کی اصل الاصول باہمی نااتفاقی ہے، اور دینی مضرت کا بھی یعنی اللہ کی یاد سے اور نماز سے محرومی جن کی عظمت اور اصل الطاعات ہونے کو اہل مذہب جانتے ہیں تو اس فہرست میں اس کا جامع المضار ہونا بتلادیا، اور جامعیت کا موجب بلاغت ہونا ظاہر ہے، اس کے ساتھ تیسری ترقی کی طرف بھی اشارہ قریب بصراحت ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ دوسری نصوص میں اللہ کی یاد کی اور نماز کی خاص خاصیتیں مذکور ہیں، مثلاً ایک آیت میں ارشاد ہے کہ ''جو لوگ خداترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے (غصّہ کا یا اور کسی امر کا) آجاتا ہے تو وہ (فوراً خدا کی) یاد میں لگ جاتے ہیں (جیسے استعاذہ و دُعا اور خدا تعالیٰ کی عظمت و عذاب و ثواب کو یاد کرنا) سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (۱)۔ (اور حقیقت امر اُن پر منکشف ہوجاتی ہے، جس سے وہ خطرہ اثر نہیں کرتا۔ از بیان القرآن (۲)۔ یعنی وہ گناہ اُن سے صادر نہیں ہوتا، اور مثلاً دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اور دوسرے درجہ کے مسلمان ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا (کوئی گناہ کر کے خاص) اپنی ذات پر نقصان اُٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ (کی عظمت اور عذاب) کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں، یعنی اس طریقہ سے جو معافی کے لئے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادتی کرنے میں اُن اہلِ حقوق سے بھی معاف کراوے۔ الیٰ قولی۔ اور وہ لوگ اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے (۳)۔ از بیان القرآن (۴)۔ اور مثلاً تیسری آیت میں ہے کہ بیشک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور

---

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ٢٠١]

(۲) بيان القرآن، تاج پبلشرز دهلي ٤ / ٦١۔

(۳) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. [سورة آل عمران، رقم الآية: ١٣٥]

(۴) بيان القرآن، تاج پبلشرز دهلي ٢ / ٥٨۔

ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے(۱)۔(یعنی بلسانِ حال کہتی ہے کہ جس معبود کی تو اتنی تعظیم کرتا ہے فحشا و منکر کے ارتکاب سے اس کی بے تعظیمی نہایت نازیبا ہے۔از بیان القرآن (۲)۔

پہلی آیت میں اللہ کی یاد کی یہ خاصیت مذکور ہے کہ اگر طریق صحیح سے یاد ہو تو پھر جرائم کا صدور نہیں ہوگا۔اور دوسری آیت میں اسی اللہ کی یاد کی یہ خاصیت مذکور ہے کہ اگر ابتدا میں یاد نہ رہنے سے جرم کا صدور ہو جاوے تو بعد صدور کے وہی یاد اس جرم کے تدارک وتلافی کا سبب ہو جاتی ہے۔اور تیسری آیت میں نماز کی خاصیت مذکور ہے کہ اگر نماز کی حقیقت میں بصیرت سے نظر کیا کرے تو وہ جرائم کی ابتداء و بقا سے مانع ہو جاتی ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسے نمازی کا حال سُن کر جو چوری بھی کیا کرتا تھا، یہ ارشاد: **سینهاه ما يقول. رواه أحمد (۳) وابن حبان والبيهقي، كذا في روح المعاني** (۴)۔ یعنی وہ نماز اس عیب سے روک دے گی جو تم اس میں بتلاتے ہو، اسی بناء پر ہے کہ آپ کو وحی سے معلوم ہوگیا کہ یہ شخص بصیرت فی الصلوٰۃ سے کام لے گا؛ اس لئے اس فعل کو چھوڑ دے گا۔اب ذکر وصلوٰۃ کی اُن خاصیتوں کو پیش نظر رکھ کر آیت مائدہ کا حاصل یہ ہوا کہ ذکر وصلوٰۃ جو کہ تمام معاصی ومفاسد کے صدور واصرار کا قفل ہے، شراب ایسی بُری چیز ہے کہ اس قفل سے دُور کرتی ہے، تو لامحالہ وہ کلید ہوئی تمام خرابیوں کی خلاصہ یہ ہوا کہ شراب اس مادہ کو ضعیف کرتی ہے جو تمام شرور کو روکنے والا تھا، یہ تیسری ترقی ہوئی کہ گو ظاہراً صرف ذکر وصلوٰۃ سے باز رکھتی ہے، مگر بواسطہ تمام شرور کی طرف رہبری کرتی ہے، جن میں دنیوی مضار بھی آ گئے اور دینی بھی، تو جس چیز کو آیت مائدہ میں دینی مضرت بتلایا ہے وہ اپنے اثر سے دنیوی مضرتوں کا بھی سبب ہوگیا، یہ تو اسلام نے آیات سے اس کا انسداد فرمایا ہے، اور احادیث تو اس مادّہ میں بے شمار ہیں، کتب حدیث میں نکالنے سے معلوم ہوسکتا ہے(۵) جن میں سے بعض حدیثیں حاجی وجیہ الدین صاحب کی تقریر

---

(۱) **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ.** [سورة العنكبوت، رقم الآية: ٤٥]

(۲) بیان القرآن، تاج پبلشرز دهلي ۲/ ۵۸۔

(۳) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إن فلانا يصلي بالليل، فإذا أصبح سرق قال: إنه سينهاه ما يقول.** (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ٤٤٧، رقم: ۹۷۷۷)

(۴) روح المعاني، سورة العنكبوت، آیت: ٤٥، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۱/ ۲٤٥۔

(۵) **عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل** ←

معنون بہ انسداد شراب نوشی میں بھی مذکور ہیں، اور جن عقلی مضرتوں کو میں نے اجمالاً ذکر کیا ہے اس تقریر میں قدرے مفصّل ہے، اسی لئے میں نے اجمال پر اکتفا کیا۔

اب اپنی اس تقریر کو دو سوالوں کے جواب پر ختم کرتا ہوں۔ ایک سوال یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ شراب پیتے ہیں، مگر ایسے اعتدال کے ساتھ کہ ان سے کوئی شرارت صادر نہیں ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ مادّہ تو شر کا ان میں موجود ہے، یعنی ضعفِ عقل بھی (جس کی طرف شروع تقریر میں بضمن مشورہ موازنہ اشارہ کیا گیا ہے) اور ہیجانِ جذبات بھی (جو کہ مشاہد ہے) تو یہ عدم صدور شر کا عارضی ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ دوسرے تجربہ ہوا ہے کہ یہ اعتدال رہتا نہیں، تو پھر شر لازم ہے۔ تیسرے اس کو دیکھ کر دوسرا اختیار کرے گا، اور وہاں اعتدال نہ ہوگا، اور شر کا سبب بننا یہ بھی شر ہے، تو یہ کہنا غلط ہوا کہ اس شخص سے شر کا صدور نہیں ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ شراب نہیں پیتے، اور شرارتیں کرتے ہیں، جواب یہ ہے کہ وہاں اور اسباب ہیں، اور عقل اور شرع ان سے بھی روکتی ہیں، سو ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ اس کے سِوا اور کوئی سبب شر کا ہے ہی نہیں، ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بھی بڑا سبب شر کا ہے، تو دوسرے اسباب کا وجود ہمارے اس دعوے میں مضر نہیں۔ **ولنختم الكلام بالحمدلله المنعام والسلام على سيد الأنام.**

۱۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۱۲)

← **شراب أسكر فهو حرام.** (بخاري شريف، كتاب الوضوء، باب لا يجوز الوضوء بالنبيذ ولا المسكر، النسخة الهندية ١/ ٣٨، رقم: ٢٤٢)

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أسكر كثيره فقليله حرام. (أبوداؤد شريف، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ٢/ ٥١٨، دارالسلام، رقم: ٣٦٨١)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مسكر حرام، ما أسكر الفرق منه فملء الكف منه حرام. (ترمذي شريف، أبواب الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ٢/ ٨، دارالسلام، رقم: ١٨٦٦)

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مسكر حرام وما أسكر كثيره فقليله حرام. (ابن ماجة شريف، أبواب الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ص: ٢٤٣، دارالسلام رقم: ٣٣٩٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جو شخص مچھلی کا شکار نہ کر سکے اس کیلئے مچھلی کھانے کا طریقہ

سوال (۲۳۹۹): قدیم ۴/۱۱۱- جو شخص کہ خود مچھلی پکڑ نہیں سکتا وہ کس طرح کھا سکتا ہے؟

الجواب: پکڑنے والا اس کو ہدیہ دیدے(۱) یا اس کے ہاتھ بیع کردے(۲)۔

۱۵/ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۴۷)

کھانے کو نمک سے شروع اور نمک پر ختم کرنے کی روایت کی تحقیق

سوال (۲۴۰۰): قدیم ۴/۱۱۱- کھانا کھانے کی ابتداء نمک کھانے سے کرنے کو اور ختم طعام بھی نمک کھانے سے کرنے کو اکثر کتب متداولہ معتبرہ میں منجملہ آداب وسننِ طعام لکھا ہے، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، ردالمحتار، فتاویٰ عالمگیریہ، در المنتقیٰ، عین العلم وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، مگر ایک شخص اس کو نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ جب تک ثبوت اس کا قول یا فعل رسول مقبول ﷺ سے یا کسی صحابی کے قول یا فعل سے نہ ملے محض فقہاء حنفیہ وبعض صوفیہ کے لکھنے پر اس کا ادب ومستحب ہونا قابل تسلیم ووثوق نہیں۔ ایسے حال میں علماء کرام سے دو سوال ہیں: اول یہ کہ قول قائل مذکور کا صحیح ہے یا نہیں؟ بتقدیر ثانی کیا غلطی خیال وقول میں قائل مذکور کے ہے، اور اس کا جواب مُسکت اور تشفی بخش کیا ہے؟

دوم اگر کسی قول یا فعلِ آنحضرت ﷺ سے یا کسی صحابی کے قول یا فعل سے ثبوت سنیت واستحباب ابتدا واختتام بہ نمک نظر سے آپ حضرات کی گذرا ہو تو بہ نقل اس کے رفع شبہہ فرمائیے۔ بینوا توجروا؟

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا تحابوا.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الهبات، باب التحريض على الهبة، دارالفكر بيروت ۹/ ۱۵۴، رقم: ۱۲۱۶۸)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدر، ولا تحقرن جارة لجارتها، ولو شق فرسن شاة. (ترمذي شريف، أبواب الولاء والهبة، باب في حث النبي صلى الله عليه وسلم على الهدية، النسخة الهندية ۲/ ۳۴، دارالسلام رقم: ۲۱۳۰)

(۲) **وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۷۵]

الجواب: في إحياء العلوم: ويبدأ بالملح و يختم به (۱)۔ وفي شرحه للزبيدي هكذا نقله صاحب القوت وصاحب العوارف، قال الأخير روى عن رسول الله ﷺ أنه قال: يا علي! ابدأ طعامک بالملح واختم بالملح، فإن الملح شفاء من سبعين داءً، منها: الجنون، والجذام، والبرص، ووجع البطن، ووجع الأضراس، وذكره ابن الجوزي في الموضوعات، وسيأتي الكلام عليه في الفصل الأخير (۲)۔ وقال في الفصل الأخير: أخرجه البيهقي في الشعب بلفظ القوت الخ، وروى ابن الجوزي في الموضوعات الخ، ثم قال: لايصح والمتهم عبدالله بن أحمد الطائي وأبوه فإنهما يرويان نسخة من أهل البيت كلها باطلة اه. وفي ذيل اللآلي للسيوطي الموضوع لايراد الموضوعات من أكل الملح قبل الطعام وبعد الطعام، فقد امن من ثلثمائة وستين نوعاً من الداء أهونها الجذام والبرص اه (۳)۔

اب سب عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شخص کا یہ قول صحیح ہے اوراس کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گذرا، باقی اس سے فقہاء وصوفیہ پر اعتراض بھی نہیں ہوسکتا، اس واسطے کہ لکل فن رجال. اور ہرفقیہ وصوفی کے لئے محدث ہونا لازم نہیں؛ البتہ فقیہ بمعنی مجتہد کے لئے احادیث احکام پر مطلع ہونا ضروری ہے، سو یہ ادب مجتہد مذہب سے منقول بھی نہیں؛ اس لئے ان پر بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، نیز اس سے کتب مذہب کا غیر معتبر ہونا بھی لازم نہیں آتا؛ کیونکہ وہ کتب تدوین مذہب منقول عن المجتہد کے لئے موضوع ہیں۔ اور یہ اُمور خود مجتہد سے منقول نہیں۔ اور یہ سب کلام بابت عدم صحت روایت مسئول عنہا اور صحت قول قائل مذکور فی السوال باعتبار اس روایت کے بعینہٖ منقول صریح ومرفوع ہونے کے ہے۔ اور باعتبار اس قول کے صحیح فی نفسہٖ

---

(۱) كتاب آداب الأكل، الباب الأول في الآداب فيما لابد للمنفرد، القسم الثاني: في آداب حالة الأكل، مكتبه نول كشور ۲/ ۳۔

(۲) إتحاد سادة المتقين بشرح إحياء العلوم الدين للزبيدي، كتاب آداب الأكل، الباب الأول، القسم الثاني، مؤسسة التاريخ العربي بيروت ۵/ ۲۱۸۔

(۳) إتحاد سادة المتقين كتاب آداب الأكل، فصل يجمع آدابا و مناهي طبية و شرعية، مؤسسة التاريخ العربي بيروت ۵/ ۲٦٤۔

ہونے کے ہے، باقی من وجہٍ موقوفاً صریحاً اور مرفوعاً استنباطاً بانضمام بعض قواعد صحیحہ اس روایت کی اصل اور ماخذ ثابت ہے، اور اس قائل کا مقصود اگر کتب فقہ وتصوف کے معتبر ہونے کی نفی ہو تو وہ قول صحیح نہیں، چنانچہ وہ روایت موقوفاً حضرت علیؓ سے بدیں لفظ احیاء میں منقول ہے:

من ابتدأ غذاءه بالملح أذهب الله عنه سبعين نوعاً من البلاء (۱)۔ اور زبیدی نے بیہقی سے اس کی تخریج کر کے کوئی کلام نہیں کیا (۲)۔ اور مرفوعاً مقاصد حسنہ میں بہ **تخریج ابن ماجة وأبو یعلیٰ** وطبرانی وقضاعی بروایت حضرت انسؓ یہ الفاظ وارد ہیں **سید إدامکم الملح** (۳)۔ اور اصل مقتضیٰ سیادت کا یہ ہے کہ وہ اول وآخر دونوں محل میں ہو اور بہت مواقع پر تکویناً وتشریعاً اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم **أوّل الأنبياء نورا وآخرًا نبياً ظهوراً** ہیں (۴)۔ اور خود طعام کے قبل اور بعد ذکر اللہ وارد ہے (۵)۔

---

(۱) إحياء العلوم، كتاب آداب الأكل، فصل يجمع آدابا ومناهي طبية وشرعية متفرقة، مکتبہ نول کشور ۲/ ۱۰۔

(۲) اتحاد سادة المتقين للزبيدي، فصل يجمع آدابا ومناهي طيبة وشرعية متفرقة، مؤسسة التاريخ العربي بيروت ٥/ ٢٦٤۔

(۳) المقاصدة الحسنة، الباب الأول: الأحاديث بحسب ترتيب الأحرف، حرف السين المهملة، دار الكتاب العربي بيروت ۱/ ۳۹۲، رقم الحديث: ۵۷۱۔

(۴) **عن عرباض بن سارية قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إني عند الله لخاتم النبيين، وإن آدم عليه السلام لمنجدل في طينته.** (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٢٧، رقم: ١٧٢٨٠)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۲۵۲، رقم: ۶۲۹-۶۳۱۔

المستدرك على الصحيحين للحاكم، قديم ۲/ ۶۵۲، جديد ٤/ ٥٦٥، رقم: ٤١٧٥۔

(۵) **عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر أتوا بيت أبي أيوب فلما أكلوا وشبعوا قال النبي صلى الله عليه وسلم: خبز ولحم وتمر وبسر ورطب إذا أصبتم مثل هذا فضربتم بأيديكم فكلوا بسم الله وبركة الله.** (المستدرك للحاكم، كتاب الأطعمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٢٠، رقم: ٧٠٨٤)

عن أبي سعيد الخدريؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أكل أو شرب ←

اور دُعا کے شروع اور ختم دونوں پر درُود شریف ما مور بہ ہے(۱) اسی طرح بہت سے احکام ہیں۔ پس یہ ماخذ ہوسکتا ہے نمک سے ابتداء اور اس پر اختتام کرنے کا؛ لیکن یہ عبادات سے نہیں، اس معنی کر استحباب کا حکم نہیں کرسکتے؛ لیکن چونکہ عادات مرضیہ موافقۃ للقواعد الشرعیہ میں سے ہے؛ اس لئے مستحب بمعنی محبوب و مرغوب فیہ کہہ سکتے ہیں، اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ قائل قول مذکور کا مقصود اگر اس کی بالکلیہ نفی یا کتب مذہب کے غیر معتبر ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ قول صحیح نہیں۔

۹ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳)

← **قال: الحمدلله الذي أطعمنا و سقانا و جعلنا مسلمين.** (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، النسخة الهندية ۲/ ۱۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٥٦)

أبو داؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ما يقول الرجل إذا طعم، النسخة الهندية ۲/ ٥۳۸، دارالسلام رقم: ۳۸٥۰۔

(۱) عن فضالة بن عبيد يقول: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا يدعو في صلاته فلم يصل على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: عجل هذا ثم دعاه فقال له أو لغيره: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه، ثم ليصل على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم ليدع بعد ما شاء. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸٦، دارالسلام رقم: ۳٤۷۷)

أبو داؤد شريف، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۸، دارالسلام رقم: ۱٤۸۱۔

أن يفتتح الدعاء بذكر الله عز وجل وبالصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الحمد لله و الثناء عليه، ويختمه بذلک كله أيضا لما ورد عن فضالة بن عبيد قال: سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يدعو في صلاته لم يحمد الله ولم يصل على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: عجل هذا ثم دعاه، فقال له أو لغيره: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يدعو بما شاء، ودليل ختمه بذلک قول الله تعالى: ''وآخر دعواهم أن الحمدلله رب العالمين'' وأما الصلاة على النبي فلقوله صلى الله عليه وسلم: لا تجعلوني كقدح الراكب يجعل ماءه في قدحه، فإن احتاج إليه شربه وإلا صبه، اجعلوني في أول كلامكم وأوسطه وآخره. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۰/ ۲٦٤)

آب سیندھی کا حکم

سوال (۲۴۰۱): قدیم ۴/۱۱۳- درخت سیندھی سے جو پانی نکلتا ہے اس کو نیرا کہتے ہیں، صبح میں اس میں نشہ نہیں ہوتا، جوں جوں دن چڑھتا جاتا ہے؛ البتہ اس میں تیزی اور نشہ آتا جاتا ہے، پس بوقت صبح نیرا کا استعمال بغرض تقویت ورفع نقاہت یا براہِ شوق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر نہ تو نشہ ہوا اور نہ یہ فعل دوسروں کے لئے مفضی الی المفسدہ ہو تو جائز ہے(۱)۔

۳۰/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۰۸)

---

(۱) **عن سعيد بن أبي بريدة عن أبيه عن جده رضى الله عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعاذ بن جبل قال لهما: يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا، وتطاوعا، قال أبو موسى: يا رسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مسكر حرام.** (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه و سلم يسروا و لا تعسروا، النسخة الهندية ٢/ ٩٠٤، رقم: ٥٨٨٧، ف: ٦١٢٤)

عن جابر أن رجلا قدم من جيشان وجيشان من اليمن فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عن شراب يشربونه بأرضهم من الذرة يقال له: المزر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أو مسكر هو؟ قال: نعم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مسكر حرام، إن على الله عهد لمن يشرب المسكر أن يسقيه من طينة الخبال، قالوا: يا رسول الله! وما طينة الخبال؟ قال: عرق أهل النار أو عصارة أهل النار. (مسلم شريف، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام، النسخة الهندية ٢/ ١٦٧، بيت الأفكار رقم: ٢٠٠٢)

أبو داؤد شريف، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ٢/ ٥١٨، دار السلام رقم: ٣٦٨١-

ومقتضى القاعدة أن ذلک معصية أيضا، فإن المفضي إلى المعصية كمستلزمها الخ.
(أحكام القرآن للتهانوي، حكم الرقى والتمائم، إدارة القرآن، كراچى ١/ ٥٠-٥١)

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لايصلح إلا للشر والضرر بالخلق والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموما. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣٨٢، كراچى ٤/ ٢٤١)

بانجھ بکری یا گائے کے دُودھ کا حکم

سوال (۲۴۰۲): قدیم ۴/ ۱۱۳- ایک بکری اس وقت جس کی عمر تخمیناً دس ماہ کی ہے دو مہینے سے دُودھ دے رہی ہے اُس دودھ کا کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تجربہ کاروں سے دریافت کرنا چاہئے کہ بکری کم ازکم کتنے مہینے کی عمر میں بچہ دے سکتی ہے، اس عمر سے کم میں جو دودھ نکلے وہ دودھ نہیں اس کا استعمال جائز نہیں اور جو اس عمر پر پہنچ کر دودھ دے وہ حلال ہے۔

دليله ما في ردالمحتار، تحت قول الدرالمختار: ولبن بكر بنت تسع سنين، فأكثر محرم وإلا لا ما نصه، أي وإن لم تبلغ تسع سنين فنزل لها لبن لا يحرم جوهرة؛ لأنهم نصوا علٰى أن اللبن لايتصور إلا ممن تتصور منه الولادة فيحكم بأنه ليس لبناً كما لو نزل للبكر ماء أصفر لا يثبت من إرضاعه تحريم كما في شرح الوهبانية. ج٢ ص ٦٧٠ (۱)۔ ۱۳/ شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۷)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤١١، كراچى ٣/ ٢١٨۔

ولبن البكر التي بلغت تسعا وما دونها لا يتعلق به تحريم قاله الحادي ولم أر له سلفا فيه إلا أنه في شرح الوهبانية، للشيخ عبدالبر قال: نصوا على أن اللبن لا يتصور إلا ممن يتصور له الولادة، وعلى هذا يلزم في البكر أن تكون قريبة من البلوغ حتى لو لم تبلغه لا يتعلق به التحريم، ويحكم بأنه ليس لبنا كما لو نزل للبكر ماء أصفر لا يثبت من إرضاعه تحريم الخ. (النهرالفائق، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٤)

ولبن الرجل أي لايوجب الحرمة؛ لأنه ليس بلبن على الحقيقة؛ لأن اللبن إنما يتصور ممن تتصور منه الولادة فصار كالصغيرة التي لم تبلغ تسع سنين كما قدمناه. (البحرالرائق، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٩، كوئٹه ٣/ ٢٢٩)

ولا حرمة من رجل فإنه ليس بلبن حقيقة؛ لأنه يتولد ممن لا يتصور منه الولادة. (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٥٥) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

ایضاً

سوال (۲۴۰۳): قدیم ۴/۱۱۴- بعض گائیں ایسی ہیں جن کے بچھڑے کبھی نہیں ہوئے (یعنی نہ گابھن ہوئیں اور نہ بچھڑے ہوئے) مگر جب دوہا جاتا ہے دودھ تھن سے نکلتا ہے، اور بعض گائیں ایسی ہیں ایک دو تو بچھڑے ہوئے، مگر اب بالکل نہیں ہوتے، مگر دودھ ہمیشہ دوہنے پر تھن سے نکلتا ہے، ایسا دودھ کھانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: هو (أى الرضاع) مص من ثدي آدمية، ولو بكرا أو ميتة أو آيسة. اه (۱)۔**

اس میں تصریح ہے کہ بچہ ہونے کے قبل یا جب بچہ سے نا اُمیدی ہو جاوے دونوں حالتوں میں ثدی سے جو دُودھ نکلتا ہے وہ شرعاً دودھ ہی ہے، اسی طرح جانور میں بھی، پس اُس کا کھانا پینا بھی بلا کراہت حلال ہوگا (۲)۔ ۳/ محرم ۵۰ھ (النور ص ۹، شعبان ۵۰ھ)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٩١-٣٩٢، کراچی ۳/ ۲۰۹۔

هو مص الرضيع حقيقة أو حكما اللبن ولو قليلا أو مختلطا غالبا من ثدي الآدمية ولو بكرا أو ميتة أو آيسة كما يفيده الإطلاق. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الرضاع، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٥١)

هو مص الرضيع اللبن ولو قليلا من ثدي الآدمية ولو بكرا أو ميتة كما سيأتي أو آيسة كما هو مقتضى الإطلاق وهي حادثة الفتوى. (النهر الفائق، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٩٨)

(۲) **واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة، قال الله تعالىٰ: هو الذى خلق لكم ما في الأرض جميعا (البقرة: ٢٩) وقال: كلوا مما في الأرض حلالا طيبا. (البقرة: ١٦٨) وإنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلق أو خبر مروي فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة فهي على الإباحة.** (مجمع الأنهر، كتاب الأشربة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٤٤)

لبن المأكول حلال۔ (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٨، کراچی ٦/ ٤٥٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ